

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۴۵-۸۲ Accession No. ۵۲۲۵۰

Author مسکن، سید محمد - م - س

Title راجسی تاریخ سند احوال

This book should be returned on or before the date last marked below.

یہ کتاب مسٹر جان مری پبلشر (لندن) کی اجازت سے
جرج حق اشاعت حاصل ہے اردو میں ترجمہ کر کے
طبع و شائع کی گئی ہے۔

فہرستِ مضمین

سیاسی تاریخ ہند جلد اول (میکلم)

پہلا باب

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
-	دیباچہ	
۷ تا ۱۷	برطانوی ہند کے حصول پر اظہار خیالات -	۱
۱۰ تا ۱۷	برطانوی حکومت ہند -	۲
۳۸ تا ۷۰	انڈیا کمپنی کی مختصر تاریخ سنہ ۱۶۰۰ء سے سنہ ۱۷۵۷ء تک	
۱۲ تا ۱۰	انڈیا کمپنی کا قیام -	۳
۱۶ تا ۱۳	اُس کی ترقی کا حال -	۴
۱۷ تا ۱۷	بنگال میں اُس کے کارخانے کا قیام -	۵
۱۸ تا ۱۷	ہندوستان سے عام تجارت -	۶
۱۹ تا ۱۸	کمپنی کے جدید منشور سنہ ۱۷۶۱ء -	۷
۲۲ تا ۱۹	کمپنی کی حکومت میں نقائص اور اُن کے اثرات -	۸
۲۳ تا ۲۲	کمپنی کی مخالفت -	۹
۲۵ تا ۲۳	مخالف کمپنی سے مقابلہ اور اتحاد -	۱۰
۲۸ تا ۲۵	کمپنی کے یورپی حریف سنہ ۱۷۷۱ء -	۱۱
۲۹ تا ۲۸	پارلیمنٹ کی طرف سے تحقیقات -	۱۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳	قانون تنظیم ۱۹۴۳ء اور کمپنی کی حکومت میں تبدیلیاں۔	۳۰ تا ۳۱
۱۴	وارن ہیسٹنگز کا تقرر۔	۳۰ تا ۳۱
۱۵	کلکتہ کی عدالت العالیہ۔	۳۱ تا ۳۲
۱۶	مسودہ قانون مجوزہ مسٹر ڈنڈاس ۱۸۳۳ء۔	۳۲ تا ۳۳
۱۷	مسٹر فالس کے پیش کردہ مسودہ ۱۸۳۳ء۔	۳۳ تا ۳۴

دوسرا باب

لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت

۱	مسٹرٹ کا مسودہ قانون ۱۸۵۶ء۔	۳۹ تا ۴۰
۲	لارڈ کارنوالس کا تقرر ۱۸۵۶ء۔	۴۰ تا ۴۱
۳	اعلیٰ حضرت نظام دکن سے کمپنی کے معاہدے ۱۸۵۸ء۔	۴۱ تا ۴۲
۴	ٹیبو سلطان کے خلاف اعلیٰ حضرت سے معاہدہ ۱۸۵۹ء۔	۴۲ تا ۴۳
۵	ٹیبو سلطان کے خلاف پیشوا سے معاہدہ ۱۸۵۹ء۔	۴۳ تا ۴۴
۶	ٹیبو سلطان کے خلاف اتحاد کی تکمیل ۱۸۶۰ء۔	۴۴ تا ۴۵
۷	کراٹھنور و جیکوٹ کے معاملات ۱۸۶۰ء۔	۴۵ تا ۴۶
۸	ٹیبو کے معاملے میں حکومت مدراس کا رویہ ۱۸۶۰ء۔	۴۶ تا ۴۷
۹	ٹیبو سلطان سے جنگ ۱۸۶۰ء۔	۴۷ تا ۴۸
۱۰	ٹیبو سے صلح ۱۸۶۲ء۔	۴۸ تا ۴۹
۱۱	کورک کا مطالبہ اور ٹیبو کی مخالفت ۱۸۶۲ء۔	۴۹ تا ۵۰
۱۲	ٹیبو سے معاہدہ ۱۸۶۲ء۔	۵۰ تا ۵۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۸۰ تا ۷۹	پیشوا کی کشیدگی۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۳
۸۰	مادہ عجیب سندھیا کا طرز عمل۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۴
۸۲ تا ۸۰	سندھیا سے گفت و شنید۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۵
۸۳ تا ۸۲	راجہ برار۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۶
۸۸ تا ۸۳	کرناٹک کے محاللات۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۷
۸۹	نواب وزیر اودھ سے جدید معاہدہ۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۸
۹۸ تا ۸۹	نواب وزیر کارویہ۔ ۱۹۹۲ء۔	۱۹
۹۸	لارڈ کارنوالس کے دور کا آخری زمانہ۔	۲۰
۱۰۰ تا ۹۸	کارنوالس کی حکومت پر ایک نظر۔	۲۱

تیسرا باب

سرجان شور کی حکومت

۱۰۵ تا ۱۰۱	ہندوستان کی عام حالت۔ ۱۹۹۳ء۔	۱
۱۰۷ تا ۱۰۵	دربار حیدر آباد و پونہ کے انگریزوں سے تعلقات۔ ۱۹۹۳ء۔	۲
۱۱۴ تا ۱۰۷	حیدر آباد سے مرہٹوں کے تعلقات۔ ۱۹۹۳ء۔	۳
۱۱۴	دربار حیدر آباد کی کمپنی سے درخواست۔ ۱۹۹۳ء۔	۴
۱۱۵	سرجان شور کے خیالات۔ ۱۹۹۳ء۔	۵
۱۱۶ تا ۱۱۵	ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے اتحاد کا امکان۔ ۱۹۹۳ء۔	۶
۱۱۶ تا ۱۱۳	برطانوی حکومت کے طرز عمل کے متعلق سرجان شور کی رائے۔ ۱۹۹۳ء۔	۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸	سرجان شور کا حیدر آباد کے خلاف فیصلہ۔ ۱۷۹۵ء۔	۱۲۳ تا ۱۲۵
۹	مرہٹوں کا سلطنت حیدر آباد پر حملہ۔ ۱۷۹۵ء۔	۱۲۶ تا ۱۲۸
۱۰	جنگ کے بعد فرمائزوائے دکن کا کمپنی کے ساتھ طرز عمل۔ ۱۷۹۶ء۔	۱۲۸ تا ۱۳۱
۱۱	شہزادہ عالیجاہ کی بغاوت اور دربار حیدر آباد سے کمپنی کے دوبارہ تعلقات۔ ۱۷۹۶ء۔	۱۳۱ تا ۱۳۳
۱۲	واقعات پونہ اور حیدر آباد پر ان کا اثر۔ ۱۷۹۶-۹۵ء۔	۱۳۳ تا ۱۳۴
۱۳	سندھیا کی طاقت اور سنگریزوں کی تشویش۔ ۱۷۹۶-۹۵ء۔	۱۳۵ تا ۱۳۸
۱۴	ٹیبو سلطان کا طرز عمل۔ ۱۷۹۶ء۔	۱۳۸ تا ۱۳۹
۱۵	کرناٹک کے معاملات۔ ۱۷۹۵ء۔	۱۳۹ تا ۱۴۱
۱۶	رام پور کے روہیلوں کی بغاوت۔ ۱۷۹۶ء۔	۱۴۱ تا ۱۴۴
۱۷	اودھ کے معاملات۔ ۱۷۹۸-۹۷ء۔	۱۴۵ تا ۱۵۲
۱۸	لاہور پر افغانوں کا حملہ۔ ۱۷۹۷ء۔	۱۵۳ تا ۱۵۴
۱۹	افغانوں کے حملے کا اودھ پر اثر۔ ۱۷۹۷ء۔	۱۵۴ تا ۱۵۸
۲۰	یورپی غنیمتوں کے خلاف مہمات۔ ۱۷۹۷ء۔	۱۵۸
۲۱	سرجان شور کی واپسی کے وقت ہندوستانی سلطنتوں کی حالت۔ ۱۷۹۸ء۔	۱۵۸ تا ۱۵۹
	۱۔ میسور و حیدر آباد۔	
	۲۔ سندھیا۔	
۲۲	عدم مداخلت کے مسلک کے نتائج۔	۱۵۹ تا ۱۶۳
<h2>چوتھا باب</h2> <h3>لارڈ ویلزلی کا دور حکومت</h3> <p>۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء</p>		
۱	۱۷۹۸ء میں ہندوستان کی عام حالت۔	۱۶۳ تا ۱۶۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲	لارڈ ویلزلی کے خیالات - ۱۷۹۹ء	۱۶۹ تا ۱۷۸
۳	دربار حیدر آباد سے مراسلت اور معاہدہ - ۱۷۹۹ء	۱۷۸ تا ۱۷۹
۴	فرانسیسی فوج کی حیدر آباد سے علیحدگی -	۱۷۹ تا ۱۸۰
۵	دربار پونہ سے مراسلت اور ناما جمی -	۱۸۰ تا ۱۸۱
۶	ٹیمپو کے خلاف جنگ کے اسباب -	۱۸۱ تا ۱۸۲
	{ (۱) سلطان کے سفیروں کی جزیرہ فرانس کو روانگی (۲) جزیرہ فرانس میں اعلان -	۱۸۱ تا ۱۸۲
۷	ٹیمپو کے خلاف تیاریاں - ۱۷۹۹ء	۱۸۲ تا ۱۸۳
۸	ٹیمپو سے مراسلت -	۱۸۳ تا ۱۸۴
۹	ٹیمپو کے خلاف لارڈ ویلزلی کے ارادے -	۱۸۴ تا ۱۸۵
۱۰	ٹیمپو کی سلطنت پر فوج کشی -	۱۸۵ تا ۱۸۶
۱۱	فتح میسور - ۲۷ مئی ۱۷۹۹ء	۱۸۶ تا ۱۸۷
۱۲	سلطنت میسور کی تقسیم کا مسئلہ اور لارڈ ویلزلی کے خیالات - ۱۷۹۹ء	۱۸۷ تا ۱۸۸
۱۳	ٹیمپو کے ورثاء کو محروم کرنے کے وجوہ -	۱۸۸ تا ۱۸۹
۱۴	میسور کے قدیم ہندو راجہ کو گدی نشین کرانے کے وجوہ -	۱۸۹ تا ۱۹۰
۱۵	جدید سلطنت میسور سے معاہدہ -	۱۹۰ تا ۱۹۱
۱۶	حیدر آباد سے جدید معاہدہ - ۱۸۰۰ء	۱۹۱ تا ۱۹۲
۱۷	ہولکار اور سندھیا کے باہمی تنازعات - ۱۸۰۰ء	۱۹۲ تا ۱۹۳
۱۸	پیشوا سے کمپنی کا معاہدہ {	۱۹۳ تا ۱۹۴
۱۹	عہد نامہ ۱۸۰۲ء {	۱۹۴ تا ۱۹۵
۲۰	دولت راؤ سندھیا کا اس موقع پر طرز عمل - ۱۸۰۳ء	۱۹۵ تا ۱۹۶
۲۱	سندھیا سے بحث و مباحثہ -	۱۹۶ تا ۱۹۷
۲۲	سندھیا اور راجہ برار کے خلاف جنگ - ۱۸۰۳ء	۱۹۷ تا ۱۹۸

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۱۳	سندھیا اور اُس کے حلیف کی ناکامی۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۳
۲۱۵ تا ۲۱۳	سندھیا اور راجہ بارہے معاہدے۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۴
۲۱۷ تا ۲۱۵	ہولوکر کا طرز عمل۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۵
۲۱۸ تا ۲۱۷	ہولوکر سے جنگ۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۶
۲۱۹ تا ۲۱۸	ایران میں برطانوی سفیر کی کامیابی۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۷
۲۱۹	مصر کے لئے مہم۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۸
۲۲۱ تا ۲۱۹	اودھ کے معاملات۔ ۱۸۰۳ء۔	۲۹
۲۲۲ تا ۲۲۱	کرناٹک کے معاملات۔ ۱۸۰۳ء۔	۳۰
۲۲۳ تا ۲۲۲	کرناٹک کی مسند نشینی کا مسئلہ۔ ۱۸۰۳ء۔	۳۱
۲۲۳	مارکوس ویلز کی ہندوستان کے واپسی۔ ۱۸۰۳ء۔	۳۲
۲۲۴ تا ۲۲۳	لارڈ ویلز کی کجمنت عملی اور اس کے دور پر ایک نظر۔	۳۳
۲۵۰	لارڈ ویلز کی واپسی کے وقت ہندوستان کی عام حالت۔	۳۴
۲۵۰	(۱) فرانسیسیوں کی سازش کا خاتمہ۔	
۲۵۰	(۲) شہنشاہ دہلی کی رہائی۔	
۲۵۱ تا ۲۵۰	(۳) دربار حیدرآباد سے اخلاص و اتحاد۔	
۲۵۱	(۴) ٹیپو سلطان کی سلطنت کا خاتمہ اور ہندوستان کا قیام۔	
۲۵۱ تا ۲۵۰	(۵) میسور کی جدید حکومت کی نوعیت پر ایک نظر۔	
۲۵۷	(۶) کرناٹک کی ترقی۔	
۲۵۷	(۷) فتح کنک اور بحری ساحل پکینی کا تسلط۔	
۲۵۸ تا ۲۵۷	(۸) حکومت بمبئی کے وسائل میں اضافہ۔	
۲۵۸	(۹) سندھیا کی قوت کا خاتمہ۔	
۲۵۸	(۱۰) ہولوکر کی قوت میں کمی۔	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۶۰ تا ۲۵۹ ۲۶۱ تا ۲۶۰	(۱۱) شمالی ہند کی حالت میں انقلاب اور کمپنی کا غلبہ۔ (۱۲) لارڈ ویلزلی کی کامیابی کا راز۔	
<p style="text-align: center;">پانچواں باب</p> <p style="text-align: center;">۱۸۰۵ء تا ۱۸۰۶ء</p> <p style="text-align: center;">لارڈ کارنوالس کا دوسرا دور</p> <p style="text-align: center;">اور</p> <p style="text-align: center;">سرچارج بارلوکے عہد حکومت کے واقعات</p> <p style="text-align: center;">(جنوں راؤ ہوکر سے صلح ہو سکے وقت تک)</p>		
۲۶۳ تا ۲۶۲	لارڈ ویلزلی کی حکومت کے متعلق انگلستان کی پبلک کے خیالات۔ ۱۸۰۵ء۔	۱
۲۶۳ تا ۲۶۳	لارڈ کارنوالس کا دوسری مرتبہ تقرر۔ ۱۸۰۵ء۔	۲
۲۶۶ تا ۲۶۴	دربار سندھیا سے مراسلت اور بریڈ ٹینٹ کی رٹائی کا مسئلہ۔	۳
۲۷۰ تا ۲۶۷	سندھیا سے مصالحت کرنے کی تجویز و شرائط۔	۴
۲۷۳ تا ۲۷۰	لارڈ کارنوالس کے مسلک پر لارڈ لیک کا تبصرہ۔	۵
۲۷۵ تا ۲۷۳	راجہ جے پور سے بھیننی کے تعلقات۔	۶
۲۷۶	دربار حیدر آباد۔ پونہ و برار کے نام خطوط۔	۷
۲۷۷ تا ۲۷۶	ہوکر سے مصالحت کرنے کا خیال۔	۸
۲۷۹ تا ۲۷۷	لارڈ کارنوالس کا انتقال اور اس کی خدمات۔	۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
سر جارج بارلو کا زمانہ - ۱۸۰۵ء تا ۱۸۵۷ء		
۱	ہندوستان سے معاہدہ - ۱۸۵۷ء	۲۸۶ تا ۲۸۹
۲	سر جارج بارلو اور لارڈ لیک میں اختلاف اور معاہدے میں ترمیم - ۱۸۵۷ء	۲۸۹ تا ۲۹۲
۳	ہونکر سے صلح اور معاہدہ - ۱۸۵۷ء	۲۹۲ تا ۲۹۴
۴	جے پور کے معاملے میں لارڈ لیک اور سر جارج بارلو میں اختلاف - ۱۸۵۷ء	۲۹۴ تا ۲۹۹
۵	ریاست جے پور سے تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ - ۱۸۵۷ء	۲۹۹ تا ۳۰۱
۶	بھرت پور اور چمپیر کی حفاظت کی ذمہ داری سے دستبردار ہونے کا خیال - ۱۸۵۷ء	۳۰۱ تا ۳۰۲
۷	دربار حیدرآباد کے معاملات اور عدم مداخلت کے مسئلہ سے انحراف - ۱۸۵۷ء	۳۰۲ تا ۳۰۳
۸	عہد نامہ یسین کی ترمیم کا مسئلہ اور سر جارج بارلو کی مخالفت -	۳۰۳ تا ۳۰۴
۹	عدم مداخلت کے مسئلہ پر تبصرہ -	۳۰۴ تا ۳۰۵
<h2>چھٹا باب</h2> <h3>لارڈ مینٹو کا دور حکومت</h3> <p>۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۸ء</p>		
۱	ہندوستانی سلطنتوں کی حالت - ۱۸۵۷ء	۳۰۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	حیدر آباد و یونہ۔	۳۰۳
	سندھیا و ہونکر اور پنڈاریوں کا زور	۳۰۳ تا ۳۰۴
	راجپوتانہ	۳۰۴ تا ۳۰۵
	اودھ۔ بڑودہ۔ میسور۔ ٹراونکور و بندھیلکھنڈ۔	۳۰۵
	دو آبیہ جمنکا مغربی علاقہ	۳۰۶
۲	نظائر کے خیالات اور لارڈ مٹو کا مسلک۔ ۱۸۰۷ء۔	۳۰۶ تا ۳۰۸
۳	حیدر آباد کے معاملات۔ ۱۸۰۷ء و ۱۸۰۸ء۔	۳۰۸ تا ۳۱۱
۴	پیشوا اور اس کے باجگزار جاگیرداروں کے معاملات میں کمیٹی کی مداخلت اور تصفیہ۔ ۱۸۰۸ء۔	۳۱۱ تا ۳۱۴
۵	سندھیا و ہونکر۔ ۱۸۰۸ء۔	۳۱۴ تا ۳۱۵
۶	امیر خاں۔ ۱۸۰۸ء تا ۱۸۰۹ء۔	۳۱۵ تا ۳۱۹
۷	پنڈاریوں کے حملے۔ ۱۸۰۹ء تا ۱۸۱۳ء۔	۳۱۹ تا ۳۲۱
۸	دربار لاہور سے تعلقات۔ ۱۸۰۹ء۔	۳۲۱ تا ۳۲۲
۹	دربار ایرانی میں برطانوی سفارت اور لارڈ مٹو کے خیالات۔ ۱۸۰۹ء۔	۳۲۲ تا ۳۲۴
۱۰	کابل کو وفد۔ ۱۸۰۹ء۔	۳۲۴ تا ۳۲۹
۱۱	نیپال سے تنازعات۔ ۱۸۰۹ء تا ۱۸۱۳ء۔	۳۲۹ تا ۳۳۲
۱۲	بندھیلکھنڈ کے معاملات۔ ۱۸۰۹ء تا ۱۸۱۳ء۔	۳۳۲ تا ۳۳۳
۱۳	اودھ کے معاملات۔ ۱۸۰۹ء تا ۱۸۱۳ء۔	۳۳۳ تا ۳۳۴
۱۴	شہنشاہ دہلی۔ ۱۸۱۳ء۔	۳۳۴
۱۵	بڑودہ۔ ۱۸۱۳ء۔	۳۳۴ تا ۳۳۶
۱۶	مسئلہ توازن قوت۔ ۱۸۱۳ء۔	۳۳۶ تا ۳۴۲
۱۷	مدراں میں شورش۔ ۱۸۰۹ء۔	۳۴۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸	لارڈ منٹو کی واپسی ۱۸۱۳ء۔	۳۴۲
۱۹	لارڈ منٹو کے دور پر ایک نظر ۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۳ء۔	۳۴۲ تا ۳۵۱
<h2>ساتواں باب</h2> <h3>مارکونس میسننگز کا دور حکومت</h3> <p>۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء</p>		
۱	پنڈاریوں کا زور اور حکومت ہند کی تشویش ۱۸۱۳ء۔	۳۵۱ تا ۳۶۱
۲	نیپالیوں کی دست درازیاں ۱۸۱۳ء تا ۱۸۱۵ء۔	۳۶۱ تا ۳۷۰
۳	تاگپور۔ بھوپال و ساگر سے اتحاد قائم کرنے کی تجویز اور ناکامی ۱۸۱۵ء۔	۳۷۰ تا ۳۸۰
۴	نیپال کے خلاف جنگ ۱۸۱۵ء۔	۳۸۰ تا ۳۹۰
۵	نیپال کے معاملے میں گورنر جنرل کی حکمت عملی اور بھوپال و ساگر سے معاہدے ۱۸۱۵ء۔	۳۹۰ تا ۴۰۰
۶	رئیس ہاتھرس کی سرکوبی ۱۸۱۵ء۔	۴۰۰ تا ۴۱۰
۷	پنڈاریوں کی زیادتیاں ۱۸۱۶ء۔	۴۱۰ تا ۴۲۱
۸	جے پور سے دوبارہ اتحاد قائم کرنے کا خیال ۱۸۱۶ء۔	۴۲۱ تا ۴۳۱
۹	تاگپور کے حالات اور کمپنی سے معاہدہ ۱۸۱۶ء۔	۴۳۱ تا ۴۴۱
۱۰	دربار پونہ کے حالات اور پیشوا باجی راؤ کا طرز عمل ۱۸۱۶ء تا ۱۸۱۷ء۔	۴۴۱ تا ۴۵۱

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۷۷ تا ۳۷۷	بڑودہ سے تعلقات - ۱۸۱۲ء تا ۱۸۱۶ء -	۱۱
۳۷۷ تا ۳۷۷	اودھ - ۱۸۱۶ء	۱۲
۳۸۲ تا ۳۷۷	ہندوستان کے حالات کی بابت انگلستان میں تشویش اور حکام اعلیٰ کی ہدایات - ۱۸۱۶ء -	۱۳
۳۸۲ تا ۳۸۲	پنڈاریوں کے خلاف تیاریاں اور فوجی کارروائی - ۱۸۱۶ء -	۱۴
۳۸۲ تا ۳۸۲	دولت راؤ سندھیا کا طرز عمل اور جدید معاہدہ - ۱۸۱۶ء و ۱۸۱۷ء -	۱۵
۳۸۲ تا ۳۸۲	حیدرآباد کی حالت - ۱۸۱۶ء تا ۱۸۲۲ء -	۱۶
۳۸۲ تا ۳۸۲	راجپوت ریاستوں سے معاہدے - ۱۸۱۶ء -	۱۷
۳۹۱	امیر خاں سے معاہدہ - ۱۸۱۶ء -	۱۸
۳۹۲	راجہ ناگیور کی بے وفائی - ۱۸۱۶ء -	۱۹
۳۹۲ تا ۳۹۲	یونہ کے حالات - ۱۸۱۶ء و ۱۸۱۷ء -	۲۰
۳۹۲ تا ۳۹۲	باجی راؤ کی معزولی اور سلطنت پیشوا کا خاتمہ - ۱۸۱۷ء -	۲۱
۳۹۲ تا ۳۹۲	آپا صاحب کی معزولی کے بعد ناگیور کی حالت - ۱۸۲۰ء -	۲۲
۳۹۲ تا ۳۹۲	اودھ کے حالات - ۱۸۱۹ء و ۱۸۲۰ء -	۲۳
۳۹۲ تا ۳۹۲	بڑودہ کے حالات - ۱۸۲۰ء -	۲۴
۳۹۲ تا ۳۹۲	میسور کے معاملات - ۱۸۲۰ء -	۲۵
۳۹۲ تا ۳۹۲	ادنی ریاستوں کے حالات - ۱۸۲۰ء -	۲۶
۳۹۲ تا ۳۹۲	برہمنوں سے کمپنی کے تعلقات و تنازعات - ۱۷۹۷ء تا ۱۸۱۷ء -	۲۷
۳۹۲ تا ۳۹۲	رنجیت سنگھ کی مصروفیت	۲۸
۳۹۲ تا ۳۹۲	روہیل کھنڈ کے تنازعات اور بریلی کی بغاوت - ۱۸۱۶ء -	۲۹
۳۹۲ تا ۳۹۲	مارکوٹس ہیسٹنگز کے دور پر ایک نظر - ۱۸۲۳ء -	۳۰
۳۹۲ تا ۳۹۲	(۱) غنیمتوں پر غلبہ -	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	(۲) مارکونس ہیسنگنگز کی حکمت عملی کی کامیابی -	۲۶۷
	(۳) برطانیہ کا ہندوستان میں اقبال و اقتدار -	۲۶۷ تا ۲۶۹

— — — — —

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سیاحی تاریخ ہند

(میلکام)

پہلا باب

دیناچہ

- (۱) انگلستان نے مشرق میں جو بڑی شہنشاہی قلم کی ہے وہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک حیرت انگیز چیز ثابت ہوگی۔ بحر الکاہل کے ایک چھوٹے سے جزیرے کا ہندوستان سے وسیع ملک کو فتح کرنا اور اسے مثل ایک صوبے کے اپنے زیر اقتدار رکھنا بجائے خود ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ذکر حیرت پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہمارا یہ تحریر اور زیادہ ہو جاتا ہے جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ فتح قوم کی مجموعی طاقت سے نہیں بلکہ سو اگروں کی ایک جماعت کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ ابتدا میں اس جماعت کو بذریعہ منشور محض نجات کرنے اور بڑے شمشیر اپنے مال کی حفاظت کرنے کا اختیار اور حق عطا کیا گیا تھا لیکن چند ہی سال کی مدت میں وہ اپنے گاشتوں اور کارندوں کی جدوجہد اور اولوالعزمی۔ دیگر اقوام یورپ کی حریفانہ سرگرمی اور والیان ملک کی کمزوری اور بیاکاری کی بدولت بہت جلد شاہی اختیارات کی مالک بن گئی اور ان والیان ملک کی نظر میں یہ جماعت اپنی غاصبانہ حرکتوں یا فتنوں کی وجہ سے رشک کرنے یا لوٹنے کے قابل ایک چیز ہو گئی۔ غرض یہ ادنیٰ کارخانوں کے نظارہ آہی اپنی تجارتی حیثیت ختم نہ کرنے پائے تھے کہ وہ حقیقی معنوں میں
- (۲)

خود مختار بادشاہوں کی طرح وسیع سلطنتوں پر حکومت کرنے لگے۔ جو لوگ بڑے بڑے انقلابوں کے اسباب پر غائر نظر ڈالنے کے خوگر ہیں اور جو ان انقلابات کو حریفیں مدبرین سیاست کے پیچیدہ اختراعات کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ فطری اور بدیہی اسباب کے میدان سے سادے عمل کا نتیجہ تصور کرتے ہیں وہ شاید یہ معلوم کر لینے کہ جن ذرائع سے ہندوستان انگلستان کے زیر اقتدار لایا گیا وہ (خواہ بادی النظر میں کتنے ہی ناکافی کیوں نہ معلوم ہوں) دیگر تمام ذرائع کے مقابلے میں اس بڑے مقصد کے حصول کے لئے بہترین تھے۔ ہند کے ساحل پر فوج و لشکر کے ساتھ اس طرح پہنچ جانا کوئی مزاحم ہو ممکن نہ تھا۔ لیکن میدان سے سادے تاجر جب وہاں پہنچے تو دالیان ملک نے ہر طرح سے ان کی ہمت افزائی کی۔ اور ابتدا میں جس حزم و احتیاط سے ان نوواردوں نے اپنے مال و اسباب کو دوسروں کی دست برد سے محفوظ رکھا اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جس طرح یہ لوگ اپنے تجارتی معاملات میں سنجیدہ کار تھے اسی طرح فوجی خصوصیات میں بھی اعلیٰ درجہ پر تھے۔ اس بنا پر ہندوستان کی ممتاز طاقتوں نے ان سے حسد نہیں کیا بلکہ انھیں تحسین کی نظر سے دیکھا اور آئندہ چل کر ایک دوسرے کے خلاف وہ ان کی امداد و اعانت کی خواہاں بن گئیں۔

اس قسم کی اعانت سے انکار کرنا ان تاجروں کے لئے نہ صرف ناممکن تھا بلکہ بسا اوقات خود ان کی حفاظت کے لئے نعمت خطرناک تھا۔ اس کے برعکس بددوینے سے ان کے حقوق و مراعات میں افسانہ مہم تھا جو کمپنی کے لئے نفع بخش اور توسیع تجارت کا باعث ہوتا تھا۔ اس طور پر انھیں ابتدا میں اپنا وجود مستحکم کرنے اور اپنی تجارتی کاروبار کی سرسبزی بڑھانے کے خیال سے سیاسی تعلقات قائم کرنے پڑے۔ اسی طریقے سے گویا ان کے انتظام کی ظاہری شکل بدستور قائم رہی تاہم اس کی حیثیت قطعی بدل گئی۔ ملک کے سیاسی معاملات اور پیچیدہ تعلقات میں وہ اس قدر اہم بن گئے کہ ان سے نکلنا ان کے اختیار سے باہر ہو گیا۔ انگلستان میں کمپنی کے

(۳)

مفسرین نے اس اہم تبدیلی کو بادل ناخواستہ گوارا اور منظر رکھا۔ چونکہ شروع میں ہندوستان کی تجارت سے فائدہ حاصل ہوتا تھا اس لئے اس مالکان کوئی کو اپنے سرمایے کی وجہ سے جو تجارت میں لگا ہوا تھا اس قسم کے ہر انقلاب سے جس کی بدولت اُن کی ذمہ داری تو برہمنی قدر آتی تھی لیکن منافع کی کوئی مستقل صورت نہیں دیکھائی دیتی تھی پریشانی اور حیرانی ہونے لگی۔ لہذا انہوں نے ہر قدم پر ایسی ترقی کی مخالفت کی جو ان کے ہندوستانی علاقوں میں توسیع کا باعث ہوتی تھی اور ملک گیر کی اس ہوس کو روکنے کی غرض سے انہوں نے بالآخر قانون ساز جماعت کی مدد چاہی جس نے نہایت مستعدی سے اُن کی کوششوں کی تائید کی اور اُن کے احکام کو قانون کی حیثیت عطا کر دی لیکن اگر مالکان کو اپنی یاد ذرا سے انگلستان کو معاملات سے پوری واقفیت ہوتی یا وہ عام مسلک کے مجرد اصول سے نتائج اخذ کرنے کے بجائے مبہم سے سادے علمی دلائل سے اپنے نتائج اخذ کرتے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انسانی فطرت کا رجحان کہ وہ اُس ملک میں تھی جس کے لئے وہ قانون بنا رہے تھے صحیح اندازہ کر لیتے تو غالباً وہ نظام حکومت کے درست کرنے کی کوششوں میں اعتدال کی طرف زیادہ اور حکم کی طرف کم پل ہوتے اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ خواہ کتنا ہی انتظام کریں اُن کی ہر ممکن کوشش ایک ایسی مملکت کی ترقی کے روکنے کے لئے بے سود ثابت ہوگی جو نہایت سرعت کے ساتھ ایسے اسباب کے زیر اثر عروج حاصل کر رہی تھی جو اپنی قوت کی وجہ سے نہ کسی کے روکے رکھ سکتی تھی اور نہ جس پر کوئی حاوی ہو سکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ جس دن کمپنی کی فوجیں اپنے کارخانوں سے ایک میل آگے بڑھیں اسی دن سے اپنے علاقوں میں توسیع اور اپنی فوجوں میں اضافہ کرنا اُن کی حفاظت کا اصول بن گیا۔ اُن متعدد تنازعات میں سے ہر ایک کے بعد جن میں کہ وہ اپنے مہادیوں کے حسد۔ لالچ۔ حوصلوں یا اپنے ملازموں کی زیادتیوں اور اولوالعزمیوں کی وجہ سے مبتلا ہوئے انہیں مجبوراً اپنی طاقت بڑھانے کے ذرائع اختیار کرنے پڑے

اور انھیں بہت جلد محسوس ہو گیا کہ اس قسم کے خطرے کو دوبارہ نمودار ہونے سے روکنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ترقی اور عروج کی یہ مختصر تاریخ (۵) ہے لیکن سوداگروں کی اس جماعت کو برطانیہ عظمیٰ کی قوم سے جدا رکھنے کے لئے اور بھی متعدد اسباب موجود ہیں جن کی بدولت ایک طرف تو کمپنی کے دستور حکومت میں ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا اور دوسری طرف اس کامیابی کے حصول میں مدد ملی جس کی بدولت کمپنی نے سیاسی طاقت میں اس قدر نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔

کمپنی کے ملازموں کو اپنے جوہر دکھانے کے لئے ہندوستان میں ایک وسیع میدان موجود تھا اور ان کے ابتدائی زمانے میں افراد کی جاہ و ثروت کا انحصار بہت بڑی حد تک ان کی حکومت کے عروج پر تھا لہذا ایسے حالات کے تحت اور ایسے دور دراز مقام پر کام کرنے کی صورت میں جہاں نہ ان پر کبھی قسم کا اثر پڑ سکتا تھا اور نہ دباؤ یہ لازم تھا کہ وہ اپنے تمام معلومات اور اپنی تمام قابلیتوں کو آخر الذکر مقصد کے حصول میں اُسی ذوق و شوق کے ساتھ صرف کریں جو اکثر اوقات حب وطن کے زعم اور فرائض کے بغاوص کے بجا جمع ہوئے سے پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے سبب یا جملہ دیگر اسباب کے مقابلے میں انھیں اپنی نسبتاً قلیل تعداد کی وجہ سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی کی بدولت انھوں نے اپنے گرد و نواح کی مختلف سلطنتوں کے حید کو دبا دیا اور اُنہی کی وجہ سے انھیں وہ طریقہ اختیار کرنا پڑا جس کے بغیر اس قسم کا انقلاب ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے اپنی علمی اور سیاسی قابلیتیں ہندوستانیوں کو رام کرنے میں صرف کیں۔ انھیں اپنا مطیع بنایا اور جب کبھی جمہوری سے جنگ کرنی پڑی تو انھیں کو ایک دوسرے کے خلاف جبراً اکریخ حاصل کی اس وسیع ملک کی اصلی حالت کی وجہ سے بھی اس کام میں بڑی سہولت حاصل ہوئی۔

امیر تیبور کے شاہی خاندان کے زوال کے بعد ہی سے جب کہ ہندوستان کے مختلف نواب شکت سلطنت کے علاقوں کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے اور ہر صوبہ اُن کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے متاثر یا اُن کے عارضی فتوے سے نالاں تھا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بحیثیت مملکت کے سیاسی ترقی اور اہمیت (۶) حاصل کرنی شروع کر دی تھی لہذا یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں کہ اس زمانے میں ملکی باشندے ایک ایسی جدید حکومت کے پیام سے خوش ہوتے تھے جو اُن کے ساتھ مذہبی رواداری برعکس تھی اور اُن کے اہل کی حفاظت کرتی تھی اور اپنی مخصوص نوعیت کے لحاظ سے اُن کے اہل کی آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دیر پا امن و امان مہیا کرتی نظر آتی تھی جیسا کہ انھیں اب تک کبھی میسر نہیں ہوا تھا۔

جو لوگ مسلسل جنگ و جدال سے تنگ آ گئے تھے اور جو دوسروں کے فتوح برداشت کرتے کرتے اپنے قومی احساس و فخر کے جذبات کھوپچے تھے وہ بھی مستقل قوم کے قیام ہی کو ایک بڑی نعمت سمجھتے تھے اگرچہ اس کا برا غصہ ہی پر کیوں نہ ہو یہ ایک قدرتی امر تھا کہ انصاف پسندی دیانت داری اور اعلیٰ تمدن کا لحاظ کرتے ہوئے جو اس حکومت کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ تھے وہ اپنے یورپی آتماؤں کے خلاف اپنے تعصبات کو بھلا دیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج سے دراصل سب سے زیادہ نقصان ہندوستانی فرمانرواؤں اور سرداروں کو پہنچا۔ انھیں لوگوں کی غلطی سے کمپنی نے غیر معمولی طاقت حاصل کرنی لیکن انھیں اپنی اس غلطی کا اس وقت احساس ہوا جب کہ وہ اسے کوئی حد نہ نہیں پہنچا سکتے تھے۔ وہ اس کی بیخ کنی کے لئے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کرتے تھے لیکن بمصادف تہر دور میں برجان درویش وہ دیکھتے تھے کہ ان کی یہ تدبیریں کمپنی کی مزید تقویت اور انتظام کا باعث ہوتی تھیں۔ یہ طاقت فتح و نصرت سے تو بڑھتی ہی تھی لیکن مصیبت کے وقت وہ اور زیادہ ابھرتی تھی اور اس صورت حال

کا ان پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا کیونکہ اس کا مدار ایک بعید سہرزمین کے اُن ذرائع پر تھا جو ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے اور جن کی بابت ہندوستان کی قوموں کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ یہ کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ انگریزوں کے ایک قابل اور زبردست اور منت ترین دھین کے یہ پرزور الفاظ ہیں کہ میں کہنی کی اُس طاقت اور ان ذرائع سے قطعی مرعوب نہیں جو میرے سامنے ہیں بلکہ اُن سے جو میری آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس قول سے اُن نادانف اقوام کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے جو انھوں نے اس مملکت کی بابت قائم کئے تھے جو اپنی مرضی کے مطابق دوسرے ملک سے کمک منگا لیتی تھی اور جس کے دراصل سے انھیں قطعی واقفیت نہ تھی اور جس کی طاقت کا اندازہ صرف تنازع سے ہوتا تھا اور اُن تنازع کی نوعیت کچھ اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے انداز سے میں اس کی بابت بہت مبالغہ کرتے تھے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے اسباب عروج و محض اُن کی اہمیت کے لحاظ سے انھار خیال کیا گیا ہے مستقبل میں کامیابی کی توقع نہیں صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ہم حالات ماضی سے مدد لیتے رہیں۔ اگر ہم کبھی اپنی طاقت کے زعم میں اُن ذرائع کو بھول جائیں جن سے یہ طاقت حاصل ہوئی ہے اور اپنے بے شمار تجربات کو نظر انداز کر دیں اور اپنی طاقت ہی کو سب کچھ سمجھ کر ناقص اندیشی سے اس پر بیجا اعتماد کر لیں اور اُس کے ساتھ گئے اُن تمام ذرائع کو فراموش کر دیں جن کے سہارے ہندوستان میں ہماری حکومت کا عظیم الشان ڈھانچہ قائم ہے تو ہم بہت جلد اپنے ہاتھوں سے اپنے زوال کے اسباب فراہم کر دیں گے۔ لیکن یہی بات ایک برعکس نظری سے اور کبھی جلد وقوع میں آ سکتی ہے۔

سلہ حیدر علی خاں کے اس قول کو میسور کے موجودہ دیوان پورنیا نے مجھ سے بیان کیا تھا۔

یعنی یہ کہ ہم اپنی شان و عظمت ترک کر دیں اور بناوٹ سے محض و انکسار اختیار کر لیں یہ طرز عمل نامناسب اور ہماری حیثیت کے لئے ناموزوں ہو گا اس سے ہمارے دوست پست ہمت ہو جائیں گے اور ہمارے دشمنوں میں ذاتی اعتماد پیدا ہو جائیگا۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہو گا کہ جن لڑائیوں اور فتوح سے بچنا چاہتے ہیں ان میں اور زیادہ پھنس جائیں گے۔

(۸)

ان انتہائی حدود کے مابین ایک درمیانی راستہ بھی ہو سکتا ہے اور اگر ہمارا مقصد ہندوستان میں اپنی سلطنت کو پائدار بنانا ہے تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔ وہ درمیانی راستہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم اپنی مطلق العنان مگر اعتدال پسند حکومت کو غیر متزلزل استحکام بخشیں اور اس کی شان و شوکت کو برقرار رکھیں۔ دوسری طرف اپنی ہندوستانی رعایا کے مذہبی احساسات اور ملی حقوق کا ہر وقت خیال رکھیں اور ہمیشہ ان کی حالت سنبھالنے کی فکر کرتے رہیں اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جس پائے کی سلطنت ہم نے یہاں قیام کی ہے وہ بغیر رعایا کی اعانت کے پائدار نہیں ہو سکتی اور یہ بات ہے کہ رعایا ہماری اعانت کے لئے اس وقت تک آمادہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس میں اپنا مسلسل فائدہ نہ دیکھیں اور اس فائدے کے خیال سے سلطنت کی بقا و ترقی میں ملے اور گہری دلچسپی نہ لے۔

برطانیہ کی قانون ساز جماعت نے ہندوستانی کمپنی کی ترقی کو برطانوی حکومت

ہمیشہ دیر میں سمجھا۔ جب اس نے غیر ملکی مداخلت کے کارخانوں کے لئے قانون بنایا اس وقت کمپنی بڑے بڑے صوبوں پر قابض ہو چکی تھی اور جب ان صوبوں کے لئے قوانین مکمل ہوئے اس وقت وہ بڑی بڑی سلطنتیں مغلوب کر چکی تھی۔ ہر ایسے شخص کو جو نفس مضمون سے واقف ہے یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ موجودہ نظام حکومت سراسر نامکمل اور چند ایسے ناقص قوانین کے تابع ہے جو ایک شہنشاہی کے شایان شان نہیں ہیں۔ بہت جلد وہ وقت آئے والا ہے

(۹)

جب کہ ہیں ان قوانین میں لازمی طور پر اہم تبدیلیاں کرنی پڑیں گی لیکن آج کل بھی ہندوستان میں ہمارے اغراض و مقاصد ہر لحاظ سے سخت توجہ کے محتاج ہیں۔ خواہ موجودہ دستور حکومت برقرار رہے یا بدل دیا جائے بہر صورت ہیں ان تمام واقعات کی تحقیق کرنی ضروری ہے جن کی بدولت ہم اس کی خوبیوں اور نقائص کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ اس سلطنت کی آئندہ بقا اور ترقی کے لئے بشجاویر پیش کرنے کی خدمت صرف انھیں لوگوں کے تفویض کی جاسکتی ہے جنہوں نے اس طور پر تحقیق کی ہو۔

ہندوستان کی سیاسی حکومت کے لئے انگلستان سے قرضے آئین و قوانین نافذ ہو گئے ہیں ان سب میں نمایاں غلطی یہ ہے کہ وہ ایک حکمانہ اصول پر مبنی ہیں اور ایک ایسی چیز کو مستقل بنانا چاہتے ہیں جو ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ اصول نالٹا ان لوگوں کے لئے قدرتی طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے جو ایسے آئین و قوانین بنانا چاہتے ہیں جو کبھی تبدیل نہ ہو سکیں۔ (اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جن امور کا فوری تعلق ان لوگوں کے وطن سے ہوتا ہے ان میں تو وہ گہری دلچسپی لیتے ہیں لیکن جو معاملات ان دور دراز مقاصد سے متعلق ہوتے ہیں ان کے ساتھ وہ بے اعتنائی برتتے ہیں لیکن سلطنت ایک ایسی چیز ہے جو کسی خاص سانچے میں نہیں ڈھالی جاسکتی۔ وہ انسانی کی قوت کو اب تک نیچا دکھاتی رہی ہے اور ہمیشہ اسی طرح دکھائی رہے گی۔ کیونکہ وہ چند ایسے اسباب کے زیر اثر متغیر ہوتی رہتی ہے جن پر انسان کی اصل حساسیت نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی دوسری سلطنتوں کی طرح ہماری مشرقی سلطنت میں بھی یہ خاصیت موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو اس کے حدود متعین کرنے یا ایشیا میں برطانوی حکومت کی طاقت کو ایک نقطہ پر قائم کرنے کے توقعات میں اب تک مایوسی ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی اہوتی رہے گی۔

کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ خیال ہمارے ہندوستانی
 تعلقات کو جتنا اہم بناتا ہے اتنا ہی جھیب بھی کر دیتا ہے۔ انسان کی عقل
 اُن نتائج کی بات پیش گوئی کرنے سے قاصر ہے جو اس قدر وسیع
 سلطنت کے قبضے سے ظہور میں آسکتے ہیں لیکن ان بعید اور غیر یقینی
 خرابیوں کی وجہ سے ہمیں اپنے اصلاحی تجاویز کو ہرگز نہ روکنا چاہئے
 برخلاف اس کے جب ہم نہایت سنجیدگی کے ساتھ ان خطرات پر
 غور کریں جو ان مقبوضات کے ہمارے ہاتھ سے نکل جانے یا کسی
 یورپی تحریک کے ہاتھ میں چلے جانے سے پیدا ہونگے تو اس کے ساتھ
 از روئے انصاف ہمیں ان فوائد کا بھی اعتراف کرنا چاہئے جو برطانیہ
 عظمیٰ کو اپنے ہندوستانی مقبوضات سے حاصل ہوئے ہیں اور انہیں
 برقرار رکھنے اور ترقی دینے سے آئندہ ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے خیالات
 سے ہمارے ملک کے قانون ساز دانشمندوں کو ترغیب ملانی چاہئے
 کہ وہ برطانوی ہند کی حکومت کو ایک ایسے پائے پر پہنچانے کے ذریعہ
 اختیار کریں جو اس کے نزدیک اس ملک کو برطانیہ عظمیٰ کے ساتھ وابستہ
 رکھنے کے لئے مناسب و موزوں ہوں۔ اس مقصد کے حصول میں جب
 وہ ایک طرف منقول اور مسلمہ حقوق کی وقعت کریں گے اور دوسری طرف
 ناقابل اندیش جدتوں کی ختام اور محکمات پسند تجاویز کو رو کر دینگے تو
 بلاشبہ وہ اُن وسیع النظر اور روشن اصول پر ہماری ہندوستانی سلطنت
 کی حکومت کی بنیاد رکھیں گے جو اس کی موجودہ حیثیت کے لئے موزوں
 ہوگی جس حد تک کہ وہ مختلف باتوں میں یک رنگی پیدا کی جا سکتی ہے یہ
 دونوں باتیں اس سلطنت میں موجود ہونے لگی ہیں وہاں میں ایک زیر دست اور
 مکمل مقامی حکومت بھی قائم ہو جائیگی اور ساتھ ہی ساتھ دباؤ اور نگرانی کے اہم اصول
 کا بھی لحاظ رہے گا جو حکومت انکسار کی روح رواں ہیں۔

(۱۱)

ہمارے ایک اعلیٰ درجہ کا قول ہے کہ برطانیہ کی مشرقی سلطنت سے
 لے کر مشرق

سے علاقے کی حکومت کے لئے جو خاک بھی پیش کیا جائے گا وہ لازمی طور پر نامکمل ہوگا۔ اسی حالت میں عملی کامیابی تو درکنار وہ نظری طور پر بھی مکمل نہیں سمجھا جاسکتا اور حکومت کا کوئی خاص دستور بنانا گویا متعدد وقتوں میں سے ایک وقت کا انتخاب کرنا ہے لیکن یہ اہم اور مشکل کام جن انتظام کے تفویض ہوا ہے انھیں اس عام نتیجے کی صداقت کے یقین سے بچائے بہت ہمت ہونے کے اور زیادہ متعہ ہونا چاہئے اور جب اس نتیجے کی وجہ سے موجودہ نظام حکومت میں جسے خود اس کے بنانے والوں نے علی الاعلان بطور تجربے کے قائم کیا تھا تبدیلی کی ضرورت کی تائید ہوجاتی ہے تو انھیں اس سخت ترین کام کی تکمیل کے لئے جو شاید ہی کبھی انسانی عقل کو انجام دینا پڑا ہو اور وہی اتن دہی سے کوشش کرنی چاہئے۔

یہ اہم خدمت جن لوگوں کے سپرد ہو ان کے لئے معلومات بہم پہنچانا اور (جس حد تک مؤلف سے ممکن ہے) ان سیاسی اصول کو واضح کرنا جن پر مسٹر پیٹ کے مجوزہ قانون مسلمانوں کے بعد سے برطانوی ہند کی حکومت کا کام چل رہا ہے اس کتاب کا مقصد ہے لیکن اس بیان کے لئے ایک ایسے دیباچے کی ضرورت ہے جس میں اختصار کے ساتھ مہینے کی اندیشہ کی مختصر تاریخ ان تمام واقعات کا ایک خاکہ پیش کر دیا جائے جو اس جماعت کے اتحاد و قیام کے آغاز سے لے کر اس کی مفصل تاریخ شروع ہونے تک وقوع میں آئے۔

برطانیہ عظمیٰ کے سوداگروں نے اس کاری سے ہندوستان کا راستہ (۱۷۵۷ء) دریافت ہونے کے بعد ہی سے پرتگالیوں کی اندیشہ کی قیام اس حصے کے درمیان جدید راستے سے گزر رہے تھے حصہ لینے کی کوشش کی تاہم انھیں ایک صدی تک کوئی

مقتد بہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ کئی بار کے تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ ہر ایسی تجارت جو بہت پر خطر ہو اور جس کی حفاظت کے لئے فوجیں و کارہوں خواہ وہ کتنی ہی نفع بخش کیوں نہ ہو انفرادی سرمایے سے نہیں چل سکتی۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ابتداً متبول سوداگروں کی ایک جماعت نے مل کر ملکہ الزبتھ سے یہ درخواست کی کہ انھیں ہندوستان سے بلا شرکت غیرے تجارت کرنے کے لئے مراعات خصوصی عطا کیے جائیں اور اس کام میں ان کی بہت افزائی کی جائے۔ ملکہ موصوفہ ہر ایسے کام کو جس میں ملک کی عظمت اور دولت کی ترقی مضمر ہو خوب سمجھتی تھی۔ اس نے شہنشاہ دہلی بینی اکبر کے دربار میں اپنا ایک سفیر درخواست کے ساتھ روانہ کیا کہ میری رعایا میں سے جو اشخاص آپ کے علاقے میں تجارت کریں ان کی حفاظت کی جائے اور ان پر نظر رعایت رہے۔ اس کاروائی کے بعد الزبتھ نے نہ اس کے نتیجے کا انتظار کیا اور نہ اس میں کچھ خاص کامیابی حاصل ہو بلکہ ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو اس نے مشور عطا کر دیا اور اس کے ذریعے سے درخواست گزار سوداگروں کی ایک جماعت یا کمپنی اس نام سے قائم ہو گئی۔

(۱۳)

”مشرقی جزائر سے تجارت کرنے والے لندن کے سوداگروں کی کمپنی اور اس کے نظام“

اس مشور کی رو سے انھیں بلا کسی روک ٹوک کے اراضی خریدنے اور ایک گورنر اور چوبیس اشخاص کی مجلس کے تحت رکھ کر تجارت کرنے کا حق

“Governors and Company of Merchants of London trading with the East Indies.”

یہ درخواست برادرل آف کمبرلینڈ اور بیگز و سوپاس اشخاص کے دستخط سے۔
ارل آف کمبرلینڈ کا فرمان ان بھی ذکر ہے۔

حاصل ہو گیا۔ ان کے پہلے گورنر سر تھامس ناٹ (Sir Thomas Knight) کا نام ایکٹ میں درج تھا۔ ارکان کمپنی اور ان کے بالغ بیٹوں کو سندھ وستان کے اندر ان کے جملہ کار آموزوں اور کارندوں کو بالفاظِ مشور یہ حق عطا کیا گیا کہ ”وہ بلا شرکتِ غیرے پندرہ سال کی مدت کے لئے ممالکِ ایشیا و افریقہ کے تمام علاقوں میں اور ایشیا و افریقہ و امریکہ کے تمام جزیروں بندرگاہوں اور شہروں میں اور اس یونا اسپرینزا یا آئبائے میگلان سے آگے جہاں تک وسائل آمد و رفت میسر ہوں تجارت کریں“ کمپنی کے عام محاسن کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایسے قوانین و ضوابط بنانے کا جو سلطنت کے قانون کے خلاف نہ ہوں اختیار عطا کیا گیا اور ان کے مال کی برآمد پر چار سال کے لئے جنگی کرڈ و گریڈ معاف کر دی گئی۔ انہیں ہر سال اعلیٰ قسم کے چھ جہاز اور چھ کمپنیاں تیار کرنے اور سندھ وستان بھیجے کا بھی اختیار دیا گیا اور جب قیود کے ساتھ پیش ہر پونڈ غیر ملکی سکوں یا زر کی شکل میں باہر لے جانے کی بھی اجازت دی گئی۔ اس فرمان کے آخر میں ایک دفعہ یہ بھی لکھی کہ اگر اس کا عمل ملک کے لئے مفید ثابت نہ ہوا تو بادشاہ کو حق حاصل ہوگا کہ دو سال کی مہلت دے کر وہ اپنا فرمان واپس لے لے اور اسی دفعہ میں یہ بھی وعدہ تھا کہ اگر وہ ملک کے لئے نفع بخش ثابت ہوا تو اس کی مدت میں مزید پندرہ سال کی توسیع کر دی جائیگی۔

یہ پہلا مشورہ تھا جس کے تحت انگلستانوں کے سوداگروں نے سندھ وستان سے تجارت شروع کی۔ ان کا ابتدائی سرمایہ بہتر نزاری پونڈ تھا جو پچاس پچاس پونڈ کے حصوں میں منقسم تھا۔

کمپنی نے ابتدا میں جو بیڑے بھیجے وہ کامیاب رہے اور تیسرا بیڑہ جو کپتان کیلنگ (Captain Keeling) کی کمان میں تھا خاص طور پر کامیاب رہا۔ سال ۱۶۱۰ء میں وہ ایک طویل مکر مبارک سفر کے بعد بغیر کسی جان کے نقصان

پھنی کی ترقی کا حال۔ کے دولت سے لدے ہوئے جہاز لے کر انگلستان واپس ہوا۔

باوجود ان کامیابیوں کے ہندوستان کی تجارت تھلیل اور غیر معین تھی۔ جن مالک سے بیوپار تھا وہاں کے باشندوں کی خوشنودی اور دیانت داری اور مقامی گمشدوں کی قابلیت پر جن کے ذریعے سے ہندوستان میں کاروبار چلتا تھا اس تجارت کی ترقی و کامیابی کا مدار تھا۔

چونکہ ان کے پاس نہ مقبوضات تھے اور نہ قلعے لہذا نہ وہ اپنے لازموں کی بود و باش اور حفاظت کا انتظام کر سکتے تھے اور نہ اپنا مال محفوظ رکھ سکتے تھے۔ اس کمی کی وجہ سے انھیں ہر قسم کی ذلت و حرمت برداشت کرنی پڑتی تھی اور جن جن بندرگاہوں سے ان کے یورپی حریفوں کا گزر ہوتا تھا وہ وہاں کے باشندوں کو اشتغال دلا کر انھیں تکلیف پہناتے تھے۔ لہذا انھیں اس تیز اور سخت مخالفت کا پورے زور سے مقابلہ کرنا پڑا جو تجارتی مفاد کے تنازعات کے ساتھ خاص طور پر وابستہ تھے لیکن ان تنازعات کی وجہ سے ان کی کامیابی میں جو رکاوٹ پیدا ہوئی وہ ان کی جدوجہد کی موجب بن گئی۔

سولہویں صدی میں انھیں وہ سہرا منظور ملا جس کی رو سے ان کا تجارتی اہارہ مستقل ہو گیا لیکن اس میں بھی پہلے کی طرح یہ شہرہ دکھا دی گئی کہ اگر وہ مملکت کے مفاد کے لئے نفع بخش ثابت نہ ہوا تو بادشاہ کو ذہین سال کی جہلت دینے کے بعد اس کے واپس لینے کا حق حاصل ہو گا۔

اگرچہ پھنی نے شہنشاہ دہلی سے اس کی فکر میں بہت سی نوآبادیات قائم کرنے اور مسائل پر کارخانے بنانے کی اجازت حاصل کر لی تھی لیکن پرتگالیوں کی سازش کی وجہ سے وہ کچھ مدت تک اس رعایت سے مستفید نہ ہو سکے۔ بالآخر انھیں اس قوم کے خلاف جو سابق قبضے کی بنا پر ہندوستانی سمندروں میں تجارتی اہارے کا دعویٰ کرتی تھی انصاف حاصل کرنے کے لئے

جنگ کا ذریعہ اختیار کرنا پڑا۔

۱۲۷ عیسوی
اس شہنشاہ نے دعوے کی مخالفت کی غرض سے کچھنی کے
بیڑے منج کئے گئے اور ان میں سے ایک بیڑے
نے ۱۲۷ عیسوی میں کپتان بیسٹ (Captain Best) کی گمان میں

(۱۶)
پرتگالیوں کو دو مقابلوں میں شکست دی ان فتوح سے نہ صرف کچھنی
کی شہرت میں اضافہ ہوا بلکہ ان کی بدولت سورت میں ان کا ایک
کارخانہ بھی قائم ہو گیا جو حالات زمانہ کے لحاظ سے ان کی آہستہ
کامیابی کے لئے نہایت مسعود و مبارک ثابت ہوا۔ جو مراعات اور
سہولتیں حاصل نہیں اُنھیں برقرار رکھنے کی فکر سے اُنھوں نے
شاہ انگلستان سے درخواست کی کہ وہ اپنا ایک سفیر شہنشاہ جہانگیر کے
دربار میں روانہ کرے تاکہ ان کی تجارت زیادہ محفوظ اور معقول بنیادوں
پر قائم ہو سکے۔ شاہ جمیس نے ان کی درخواست منظور کی اور ۱۲۷ عیسوی
میں سر تھامس رو (Sir Thomas Roe) شاہی دربار کی طرف روانہ

۱۲۷ عیسوی
ہوا جس کا اس وقت اجمیر میں قیام تھا۔
جہانگیر نے ہر لحاظ سے اس کی عزت کی اور اس کے
طرز عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ پورے طور پر اس کی درخواست منظور
کرے لیکن اس کے ایک فرزند اور وزراء کی اقبالیہ اور پرتگالی مبلغوں
کی سازشوں کی وجہ سے متوقع کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

بہر حال سابق عطیات کی توثیق ہو گئی اور سلطنت کے خاص خاص
شہروں میں مقامی کارندوں کے رکھنے کا فریضہ عطا ہوا اس کام کے ختم
کرنے کے بعد یہ سفیر سورت واپس ہوا اور اس مقام کے اور بروچ کے
جدید کارخانوں کی حالت سنبھالنے کی غرض سے کچھ مدت اس نے
وہاں قیام کیا اور وہیں سے بذریعہ جہاز ایران روانہ ہو گیا۔ وہاں بھی
اسے شاہ وقت شاہ عباس کے دربار میں اگر اس سے زیادہ نہیں تو
کم از کم اتنی ہی کامیابی ضرور حاصل ہوئی اور اس کی دوستی سے اس نے وہاں

وہ تمام مراعات حاصل کر لیے جو قطیف فارس میں کمپنی کی تجارت کے لئے نفع بخش ہو سکتے تھے۔

پرتگالیوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی ترقی روکنے کے لئے جو جدوجہد کی وہ کمزور تھی اور غالباً اسی کی وجہ سے انگریزوں میں نرباؤہ (۱۷) مستعدی آگئی اور وہ قطعی فیصلے کرنے کے خوگر ہو گئے اور اُس کی بدولت اُن کی ترقی میں سرعت پیدا ہو گئی لیکن لڑائیوں کی تباہیوں میں جو مصارت انھیں برداشت کرنے پڑے اُن سے اُن کی مالی حالت ایک حد تک خراب ہو گئی۔ اسی زمانے میں انھوں نے یہ بھی کوشش کی کہ مسالے بہم پہنچانے والے جزائر کی نفع بخش تجارت میں جو بیچ باشندوں کے ہاتھ میں رہی شریک ہوں۔ بد قسمتی سے اس کا جو حشر ہوا اُس نے اُن کے مالی شکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ ابتدا میں وہ جزیرہ ملایا کے چند کیسیوں کو ملائے اور چند کارآمد مقبوضات حاصل کرنے میں کامیاب رہے لیکن آخر میں ان کے تمام کارخانے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یہ ایک ایسے مسلک کا نتیجہ تھا جس سے غوری مقصد تو حاصل ہو گیا لیکن برطانوی قوم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور ناخوشی کا جذبہ پیدا ہو گیا اور جس ملک والوں سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی اُس کی شہرت پر ایک ایسا دھبہ آ گیا جو مٹا کر نہیں مٹ سکتا۔

امبائن (Amboyna) کے قتل عام کا دہی اثر ہوا جو اُس کے نتیجے کی پیش میں لگا ہوں نے جانپنا تھا اور یہ

کہا جاسکتا ہے کہ اس واقعے کے بعد یعنی ۱۶۰۹ء سے انگریزوں نے مشرقی جزائر کی تجارت اپنے حریفوں کے حوالے کر دی۔

لے جس دردناک واقعے سے اس تنازع کا خاتمہ ہوا اسے ہمیشہ اسی نام سے موسوم کرنا چاہئے۔

اس حادثے کی بدولت اور انگلستان میں کمپنی کے چند اہم دستوری نقائص۔ سرہانے کی قلت۔ مصارف کی فراوانی اور قلعوں کی کمی اور اس کی وجہ سے ہندوستانی حکومتوں کی غیر مطمئن سفالت پر اعتماد کرنے سے کمپنی کے معاملات بڑی تباہی میں آ گئے۔ ان کی تجارت جس کا مدار ابتدا سے ایسے مہمات پر تھا جو محض خوش قسمتی سے سرسبز ہو جاتے تھے اب گھٹنے لگی اور آئندہ ایک مدت دراز تک ان کی تاریخ میں بجز تجارتی ناکامیوں کے ذیلی واقعات کے اور کچھ نہیں ملتا۔ البتہ ان کے ساتھ پُر جو ش لڑائیوں کا ایک سلسلہ ضرور نظر آتا ہے۔ ان میں سے خاص طور پر بکھری تجارت میں انگریزوں نے اپنے خصوصیات برابر نمایاں کئے اور انھوں نے سال پر جو ڈیڑھ لاکھ ٹن اٹھائی تھیں ان کے بدلے ولندیزیوں اور پرتگالیوں سے خوب غنیمتیں کرائیں۔

انھیں ایام مصیبت میں وہ واقعات پیش آیا جس کی بدولت بنگال میں بنگال ہریکار خانے کا ان کا ایک کارخانہ قائم ہو گیا جو اُس روز سے ان کی تمام اترتی اور خوشحالی کا موجب رہا۔ کمپنی اپنی طاقت و عظمت کے اس آغاز کے لئے ایک طیب کی جہازت فن کی سرچون منت ہے۔

یہ شخص جس کا نام بوٹن (Boughton) تھا سورت سے آگے روانہ ہوا اور خوش قسمتی سے شہنشاہ شاہ جہاں کی صاحبزادی کو جو اس وقت سخت علیل تھی اس کے ہاتھ سے کامل شفا حاصل ہوئی۔ اس کے عوض میں دیگر انعامات کے ساتھ اسے بلا ادائے محصول تجارت کرنے کا حق بھی عطا ہوا۔ یہاں سے وہ بنگال روانہ ہوا اور اپنی قابلیت سے وہاں کے نواب کی بھی خوشنودی حاصل کر لی۔ شہنشاہ نے توبہ رعایت صرف اس کی ذات کے لئے مخصوص کی تھی لیکن نواب بنگال نے یہی رعایت اس کی کل قوم کے لئے عمام کر دی اور ۱۶۳۶ء میں کمپنی کے ملازموں نے جو سورت میں مقیم تھے ہنگی میں بھی

اپنا ایک کارخانہ قائم کر لیا۔ یہ مقام دریائے گنگا کی ایک شاخ کے دہانے سے جو اسی شہر کے نام سے موسوم ہے تقریباً سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

(۱۹) اگرچہ اس واقعہ سے تجارت کے لئے جدید اور نفع بخش راستہ کھل گیا تاہم کمپنی کی حالت جو بالکل بہ زوال تھی اس سے بھی نہ بدل سکی اور انگلستان کی خانہ جنگی کے زمانے میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس جماعت کا بحیثیت ایک کمپنی کے قریب قریب خاتمہ ہو گیا ہے۔

۱۷۵۲ء سے ۱۷۵۷ء تک ہندوستان کی تجارت و صنعت سب کے لئے کھلی رہی لیکن اس آخری سال میں کراچی نے دوبارہ کمپنی کو حقوق عطا کئے اس فکیل مدت میں کمپنی کا اجارہ عام کر دی گئی۔

جو سود و درہا اس کے نتائج پر مختلف مصنفین کے بیانوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی اور کے پر ہواں میں سے ایک مصنف تسلیم میں انہیں واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس زمانے میں قوم کو ہندوستان میں بس قدر حقوق حاصل تھے وہ اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ انگریزی مال کی قیمت گر گئی تھی اور ہندوستانی مال کی قیمت بڑھ گئی تھی برعکاس اس کے دوسرے مصنف جس کی تصنیف مشاہیر میں شائع ہوئی لکھتا ہے کہ جب مشرقی ہند کی تجارت سب کے لئے عام ہو گئی تو انگریز سوداگروں نے ہندوستانی مال اس قدر ارزاں کر دیا کہ وہ یورپ کے بہت سے علاقوں حتیٰ کہ خاص امسٹرڈم (Amsterdam) کو سامان پہنچنے لگے۔

۱۷۵۷ء اس آخری واقعہ کی تائید کراچی کے معتمد تھو کے فطوطی کے ایک حصے سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ درج ہے کہ جب امسٹرڈم کے سوداگروں کو یہ معلوم ہوا کہ لارڈ پروٹیکٹر (Lord Protector) لندن والی لیٹ انڈیا کمپنی کو بحال کر کے جزائر ہند کی تجارت اور راستوں کو آزاد و عام کرنے والا ہے تو وہ بہت گھبرائے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس فعل سے ان کی لیٹ انڈیا کمپنی ہی تباہ ہو جائے گی۔

(۲۰) کراہیل کے انتقال کے بعد اُن تمام توقعات کی طرف سے مایوسی ہو گئی جو اُس کی حکومت کی امانت کی وجہ سے قائم ہو گئی تھیں لیکن اپریل ۱۸۱۷ء میں انھوں نے چارلس ثانی سے ایک جدید منشور حاصل کیا اور اس سے پھر یہ تمام امیدیں زندہ ہو گئیں۔

اس منشور سے ملکہ الزبتھ اور شاہ جمیں کے عطا کردہ حقوق و مراعات جیسی کھلے جدید منشور کی محض توثیق ہی نہیں ہوئی بلکہ ان میں چند اہم مراعات کا اور اضافہ ہو گیا۔ چینی کہ دیوانی اور فوجی اختیارات حاصل ہوئے اور ہندوستان کے شہر کوں کے خلاف

جنگ کرنے یا ان سے صلح کرنے کا بھی اختیار مل گیا۔ البتہ یہ امتیاز باقی رہا کہ جہاں تک یورپی ملکوں کے متعلق تھا۔ سرکار برطانیہ نے یہ حقوق خاص اپنے لئے محفوظ رکھے۔ سائنہ فرمانوں میں ایک دفعہ موجود تھی کہ جب کبھی دو فوجی مفاد کے لئے خیرشات ہونگے منسوخ کر دئے جائیں گے۔ یہ دفعہ اس فرمان میں بھی شامل کی گئی۔

جب چارلس ثانی نے ۱۸۱۷ء میں بنگال کی شہزادی انفانتا (Infanta) سے شادی کی تو اسے ۱۸۱۷ء میں جزیرہ ہنری جیمز میں لائیکن اس پر قبضہ برقرار رکھنے کے معاوضہ اُس کی آمدنی سے زیادہ ہوتے تھے اس لئے چارلس نے اپنے دور کے بیسویں سال میں اُسے چینی کو دیدیا یا بیچ سال بعد جزیرہ سینٹ ہیلینا (St. Helena) بھی اُس نے عطا کر دیا اور جس شوق سے یہ قابل قرار ملے۔ اُسے تھے اسی شوق سے اُس کی حکومت نے چینی کو فروغ اور اُس کے مفاد کو ترقی دینے میں پوری مدد دی۔

(۲۱) اس اہمیت افزائی اور حمایت اور خود چینی کی علیحدہ جد کی بدولت اس کے سرمایہ دار مال مال ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چینی پر ہر طرف سے حملے شروع ہو گئے لیکن ساتھ ہی ساتھ مدافعت کے مقول ذرائع بھی حاصل ہو گئے تھے۔ چارلس ثانی نے اپنے اٹھائیسویں سن جلوس میں ۱۸۱۷ء کے منظور شدہ منشور کی توثیق کر دی اور تیسویں سال بذریعہ قانون ان

مرعات میں اضافہ بھی کر دیا لیکن اب بھی کمپنی میس ثانی ہی کی زیادہ مہم جوئی منت
تھی کیونکہ وہ اپنے سیاسی کے زمانے میں بھی اپنے اثر سے اس کی اعانت
کرنا رہتا تھا اور اپنی تخت نشینی کے بعد اُس نے کمپنی کے حقوق میں مزید
اضافہ کیا اور اُسے بہت کچھ شاہی اختیارات عطا کر دئے کمپنی کو قلعے
بنانے قوج تیار کرنے - بذریعہ کورٹ مارشل مقدمات فیصلہ کرنے اور سکے
ڈھالنے کا اختیار دے دیا۔ اس طرح ان مرعات کی بدولت مالکان کمپنی
کو ایک قسم کی طاقت و قوت حاصل ہو گئی لیکن انھوں نے رشتہ ستانی
اور جو رستم و تشدر کے متعدد افعال سے اُس کی تذبذبل کی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی ابتدائی تاریخ کے ایک گہنامہ اور قابل مصنف
کمپنی کی حکومت میں نے خوب کہا ہے کہ ایک فرد واحد کو اگر غیر محدود
تفائل اور ان کے اثرات حاصل ہوں تو اسے دلت و رسوائی اور
ذاتی خطرات کا خوف دلا کر ظلم و ستم سے باز

رکھا جاسکتا ہے لیکن ایک برسر اقتدار جماعت پر اس قسم کے کسی خوف کا
شاید ہی کبھی کچھ اثر ہوتا ہو کیونکہ جس طرح اُن کے بہترین کاموں سے انفرادی
طور پر انھیں بہت کم تحسین حاصل ہوتی ہے اسی طرح جو بدترین کام ان سے
سرزد ہوتے ہیں ان کی بدنامی کا بھی اُن کی ذات پر بہت معمولی اثر ہوتا ہے
چونکہ انھیں نیکی کی کوئی معقول ترغیب نہیں ہوتی اس لئے وہ اکثر اوقات
بدترین خواہشات نفسانی کے غلبے سے بدی کی طرف رجوع ہو جاتے
ہیں یہی وجہ ہے کہ عام جماعتوں کے فیصلوں میں کبھی کبھی ایسے تکلیف
ظلم کی جھلک آ جاتی ہے جو ناقابل علاج اور ساتھ ہی ساتھ ناقابل انتقام

(۲۲)

سہ جن جمہوری حکومتوں کا طرز عمل اس عام قاعدے سے مستثنیٰ معلوم ہوتا ہے انھوں نے چند
خاص مقاصد کے زیر اثر کام کیا ہے۔ یہ مقاصد ان لوگوں کے دماغوں میں جلد نہیں پاسکتے
جو اپنی قوم سے کوئی توی بندہ وابستہ نہیں رکھتے اور جو اپنے مقبوضات اور اختیارات کو محض
تجداتی نفع کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

بھی ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کا اطلاق بغیر کسی نا انصافی کے منہ دستانی کمپنی کے تمام اندرونی و بیرونی کاموں پر کیا جاسکتا ہے۔ حرص جو انسانی دماغ کا بدترین اور سخت ترین جذبہ ہے تجارت کا پہلا اصول ہے اور اس لحاظ سے وہ مالکان کمپنی کے باہمی اتحاد کی اصل بننا چھی۔ انسانیت و انصاف حتیٰ کہ اصول و حکمت عملی بھی نفع کی توقع یا اُس کی محبت پر تیار کر دئے جاتے تھے یہی مصنف مذکورہ بالا بیان میں اتنا اور اضافہ کرتا ہے کہ مفیاضی کا اصول تو ہر با اختیار تجارتی جماعت کے دستور سے خارج ہی ہوتا ہے لیکن دور و راز فاضلے پر کاروبار کرنے کے باعث کمپنی اپنے طرز عمل کی جانچ پڑتال سے بھی محفوظ تھی لہذا انھیں ہلا کسی دباؤ کے من مانے طریقے پر طاقت و قوت استعمال کرنے کے مقصد بہ موافق حاصل تھے۔ اسی وجہ سے جب کبھی ان کے نادری احکام میں کوئی رکاوٹ پیدا کیجاتی خواہ ان کے ملازمین کی طرف سے ہو یا ملک کے دیسی باشندوں کی طرف سے وہ بناوٹ و بیوفائی پر معمول کی جاتی تھی اور اس کی سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں۔ وطن میں جو لوگ حکمراں تھے انہوں نے اپنے اپنے آدمی منہ دستان بھیج رکھے تھے۔ (۲۲) ان لوگوں کو بادیہ وجود انتہائی ظلم و تشدد کے وہ اپنے اثر سے بچا لیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے طرز عمل کا انحصار اکثر و بیشتر شخص ذاتی شکایات اور خود غرضانہ خیالات پر ہوتا تھا اور ان کی حکومت میں بجز اس کے کوئی اور اصول اتحاد نہ رہا کہ ان میں سے ہر ایک انصاف کا خون کرنے کا جہاں مختص تھا کہ امارے کی خاص رعایت جو ان کی تجارت کے فروغ کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی ان کے ہاتھوں میں ہر ایسے شخص کے خلاف جسے وہ خلل انداز تصور کرتے تھے ظلم کا ایک آلہ بن گئی۔ ان کے دشمنانہ مظالم کی ایسی مثالیں نامیدی و اتفاقات کے ساتھ پیش کی جاسکتی ہیں جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

یہ مصنف اگرچہ مال بہ اعتدال اور غیر جانبدار نہیں ہے تاہم قابل اور صاحب استدلال ہے اور اپنے عام نتائج کی تائید میں زبردست واقعات

پیش کرتا ہے۔ یہاں ان میں سے صرف ایسے واقعات پیش کئے جائینگے
 ۱۸۵۶ء۔ جو قابل وقعت اسناد پر مبنی ہیں۔ ایک عرصے تک

انجینی نے اپنے معاملات راز میں رکھے اور جو لوگ
 برسر انتظام تھے انہوں نے بلاشبہ اس پردے میں بہت کچھ دھوکے سے
 کام لیا۔ مگر یہ ان کی بدولت کمپنی کا سرمایہ ۱۸۵۶ء میں دو چہند ہو گیا تھا لیکن موعود
 رقم کا نصف حصہ بھی وصول نہیں ہوا تھا۔ ایک طرف تو یہ لوگ گھلتے
 ہوئے جسم میں صحت کے آثار دکھانے کی کوشش میں مالکان حصص کو غیہمونی
 منافع تقسیم کر رہے تھے دوسری طرف انہوں نے دو ملین کا قرضہ کر لیا تھا
 اور واجب الادا رقوم کے مناسب سطحا لبات کو پورا کرنے کے بجائے
 خزانے کے دروازے پر یہ اعلان لگا دیا تھا کہ ایک خاص تاریخ تک
 کوئی رقم ادا نہ کی جائیگی۔ حالانکہ وہ ساتھ ہی ساتھ یہ جتلا رہے تھے کہ ان
 کا کاروبار نہایت ترقی پذیر حالت میں ہے۔

(۲۲)

گھم کے ان فریب کاریوں کے ساتھ ساتھ باہر بھی نا انصافی جاری
 تھی کمپنی کے اہلکار اپنے آقاؤں کی ہدایتوں کے بموجب کثیر قرض
 لیتے اور بعد میں قرض خواہوں سے لڑ میٹھتے تھے۔ ان کے سب سے زیادہ
 بدنام گورنر سر جان چائلڈ (Sir John Child) کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ
 اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا اور سورت سے تیرہ لاکھ روپے ہمارے پیکر کر
 لے گیا جو وہاں کے سوداگروں کی ملک میں سے تھے اور اپنے اس
 شرمناک مال غنیمت کے ساتھ بھٹی واپس پہنچ گیا۔

۱۸۵۷ء بحوالہ ہندوستان کی تجارت کا حال مصنفہ واہٹ (White)۔

۱۸۵۷ء بحوالہ ہندوستان کی تجارت کا حال مصنفہ واہٹ (White)۔

۱۸۵۷ء وزیر مال کی مدت میں حلفہ بیان لینے سے اس کا انکشاف ہوا۔ اس مال غنیمت کی رقم
 میں سے بیس ہزار روپے مجلس نظارہ کی فیلڈ کمیٹی کو جس نے اس کا حکم دیا تھا روانہ کی گئی۔ بحوالہ
 ہندوستان کی تجارت کا حال مصنفہ واہٹ (White)۔

۱۶۹۴ء میں کمپنی نے جدید منشور حاصل کیا تھا لیکن ۱۶۹۵ء میں پارلیمنٹ نے اُس کے معاملات میں چند سخت نقائص کی گرفت کی۔ یہ پتا لگا کہ دکن میں اُن کے مصارف نہایت سرعت کے ساتھ بارہ سو پونڈ سے نوے ہزار پونڈ تک پہنچ گئے ہیں یہ رقم کمپنی کے گورنر سر تھامس کوک (Sir Thomas Cooke) کی تحریروں پر فرض دی گئی تھی جب اُسے قانون (Bill of Pains & Penalties) کی دھمکی دی گئی تو اُس نے خوف زدہ ہو کر یہ اقبال کیا کہ اس رقم میں سے دس ہزار پونڈ نقد خود بادشاہ کی نذر کئے گئے تھے اور باقی رقم اُس کے وزراء اور خاص خاص عہدہ داروں کو دی گئی تھی۔ ملازموں میں ڈیوٹیفیلڈز نہایت قابل نفرت تھا۔ اُس پر پانچ ہزار پونڈ وصول کرنے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا لیکن شاہ دیکیم نے پارلیمنٹ کا اجلاس برخاست کر دیا اور اس طرح نہ صرف مقدمہ کی کاروائی ختم کر دی بلکہ مزید تحقیقات بھی روک دی۔

کمپنی کے خاص فطری دشمن جن کے خلاف دکن میں اور باہر کمپنی کی مخالفت اُس کی کتنی جاری تھی وہ انگریز سوداگر تھے جو کمپنی کے اجارے میں مداخلت کرنا چاہتے اور اس وقت کی کی زبان میں دخل انداز کہلاتے تھے۔ یہی لوگ انگلستان و ہندوستان میں ۱۶۹۴ء دونوں جگہ کمپنی کی زیادتیوں کے خاص کر نشانہ بنے ہوئے تھے۔ انھیں کو روکنے اور تباہ کرنے کی کوشش

میں بلاشبہ بہت کچھ مظالم کئے گئے لیکن مصیبت زدہ طبقے کے مصنفین نے مبالغے سے کام لے کر ان مظالم کو وحشیانہ سفا کی طرح محمول کیا ہے۔ یہ دخل انداز باوجود ان تمام زیادتیوں کے جن کی وہ شکایت کرتے تھے برابر زور پکڑتے رہے اور ۱۶۹۹ء میں کمپنی کو جو منشور عطا ہوا تھا اُسے انھوں نے ۱۶۹۹ء میں دوبارہ پارلیمنٹ میں پیش کر دیا

اور دو ملین پونڈ بشرح آٹھ فی صد می پیش کر کے سابق جماعت پر سبقت لے گئے اور اس کے عوض مشرق سے تجارت کرنے کا اجارہ جدید حصہ داروں کو مل گیا اور مسودہ قانون ان کے موافق منظور ہو گیا لیکن ان کی فتح دیر پا نہ ہوئی اور قدیم کمپنی نے دوسرے اجلاس میں اپنے منشور کی توثیق کرائی۔ اس فیصلے کے بعد ایک کمپنی کے بجائے جس کا وجود شاہی منشور پر تھا پارلیمنٹ کے اعتبار سے قوم کی دو مشرقی کمپنیاں ہو گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کے الگ الگ وجود کی قلیل مدت میں جس شدت سے باہمی کشمکش جاری رہی اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔ دونوں کی بڑی کوشش یہ تھی کہ مجلس مبعوثان میں اثر حاصل کر لیں اور شہر کے عام انتخاب میں ہر ایک کی رشوت و بددیانتی پکڑی گئی۔ قدیم کمپنی نے ارکان مخالف کمپنی سے مقابلہ کو رشوت دی اور جدید نے پیش خریدیں اس طرح ایک نے نمایندگان کو رشوت دی اور دوسری نے رائے دہندگان کو لیکن بالآخر اس تنازعے سے تنگ آکر جو دونوں کو تباہ و کربا دیکھا دینا انھوں نے اپنا سرمایہ قدیم کمپنی کے منشور مورخہ ۵ ستمبر ۱۶۹۰ء کے تحت یکجا کر دیا اور اور وہ نام اختیار کیا جو اس وقت سے اب تک جاری ہے یعنی (The united East India Company) ”متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی“

جب گھر میں یہ تنازعات جاری تھے تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ کمپنی کے معاملات کی باہر کیا حالت ہوگی جن اصول پر یہ کام چلتے تھے ان کی اسپرٹ کا اندازہ ایک گورنر کے خط کے اقتباس سے ہوتا ہے۔ یہ خط ایک ایسے عہدہ دار کو لکھا گیا تھا جو ہندوستان میں عدالت دیوانی کا جج مقرر ہو کر آیا تھا۔ یہ مطلق العنان ناظر

قدیم کمپنی نے سات لاکھ پونڈ پارلیمنٹ کی پیش کش کی تھی۔

لکھتا ہے کہ مجھے توقع ہے کہ تم انگلستان کے قوانین پر عمل کرنے کے بجائے جو حماقت کا ذخیرہ اور دیہات کے چند ایسے اشراف کے بنائے ہوئے ہیں جنہیں تجارتی جماعتوں اور بیرونی تجارت کا انتظام تو درکنار اپنے گھر کا انتظام بھی کرنا نہیں آتا۔ میری مرضی اور میرے احکام پر عمل کرو گے جو لوگ کوئی کے دشمن ہوں یا وہ جو دشمن تصور کئے جائیں اور خاص کر وہ جو ہندوستان کی برطانوی رعایا پر ہمارے حقوق تسلیم نہ کریں ان سب کو سزا دینے کا اب ہمیں اختیار حاصل ہو چکا ہے لہذا مجھے توقع ہے کہ وقتاً فوقتاً میرے جو احکام جاری ہونگے ان کی تعمیل پارلیمنٹ کے قوانین کی طرح ہوگی۔“

(۲۷)

انگلستان میں دونوں تجارتی جماعتوں کے متحد ہو جانے سے ان کے مقامی اور بیرونی ملازموں میں فوری مصالحت نہ ہوگی۔ اور ان کی دیرینہ مخالفتوں کے بجائے عام مفاد کا احساس پیدا ہونے کے لئے ایک مدت درکار بھی بالآخر یہ احساس پیدا ہو گیا اور **مشاعرہ** **مستطاع** میں شدہ کچھ نئے اپنی تجارت و مراعات خصوصی کے لئے ایک نہایت مناسب حال قانون اس شرط سے منظور کرایا کہ وہ حکومت کو دو ملین کی رقم کے علاوہ جو جدید کمپنی کے قیام کے وقت قرض دی گئی تھی مزید ایک لاکھ میں ہزار پونڈ قرض دے گی۔

مصلح یورٹریکٹ (Utrecht) سے یورپ میں جو امن قائم ہوا اور اس کی بدولت تجارت کو جو فروغ حاصل ہوا اس کا اثر برطانیہ کے مشرقی مقبوضات میں بھی محسوس ہوا مزید برآں اس زمانے میں **مستطاع** **مستطاع** یہ علاقے قابل اور ہوشیار اشخاص کے تحت تھے لیکن کامیابی نے دشمن پیدا کر دیے اور کمپنی کے

اجارے کے خلاف ایک اوجھڑا مچ گیا اور اسے سلطنت کے عام تجارتی مفاد کے خلاف بتایا گیا۔ مجبوراً انھیں ہندوستان میں اپنا تجارتی ادارہ برقرار رکھنے کی غرض سے ایک سمجھوتا کرنا پڑا جو سلطنت کے مفاد کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ از روئے انصاف یہ بیان کر دینا چاہئے کہ اگرچہ ہمیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ کی پہلی صدی میں بدعنوانیوں کے (۲۸) بے شمار ثبوت ملتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی دلیلانہ جدوجہد اور اس کے زبردست جذبہ استقلال کا بھی پتہ لگتا ہے جس میں نہ کبھی کسی نقصان سے فرق آیا اور نہ جس پر کبھی کسی قسم کے خطرات حاوی ہو سکے یہی جذبہ جو اجارے اور مراعات خصوصی کی بدولت کمپنی کے کارکنوں میں پیدا ہوا اور برقرار رہا بالآخر ان کی کامیابی کا سبب بن گیا۔ اسی کی بدولت وہ اپنی ناکامی کے زمانے میں یقین کے ساتھ آئندہ منافع کی توقع کرتے تھے اور اگر اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے اجارے پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ کبھی کبھی انصافی یا زیادتی کر کے اپنی شہرت پر دھبہ لگایا تو اسی کے ذریعہ سے انہوں نے تجارت اور جنگ دونوں میں وہ نمایاں کارنامے دکھائے جو برطانوی قوم کے خصوصیات کے لئے باعث فخر ہیں۔

یورپی حریف فریسی جو تقریباً اسی سال سے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرنے اور اس کا کاروبار چلانے میں متواتر ناکامی کا ٹھٹھا دیکھ رہے تھے ۱۶۰۲ء میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اس کمپنی کے قیام کی تاریخ سے جو منافع باقاعدہ طور پر انھیں حاصل ہوا وہ اس قدر کثیر تھا کہ برطانوی کمپنی کو اس سے حسد پیدا ہو گیا اور ایسے زمانے میں جبکہ ان دونوں قوموں میں جنگ چھڑنے کا قریب تھا حکومت انگلستان بھی اس حسد میں متور گئی سے شریک ہو گئی اور اس نے اپنی توجہ مشرق کی طرف مبذول کر دی۔ چونکہ فریسی اپنی تجارت کو جو ابھی ابتدائی حالت

میں تھی برصا نے کی فکر میں تھے اس لئے وہ ۱۷۵۷ء میں دو نوں ملکوں کی تجارتی جماعتوں کے لئے غیر جانبداری کی تجویز پیش کر چکے تھے۔ مجلس نے پہلے تو یہ تجویز منظور کر لی لیکن بعد میں اُسے روک دیا۔ لہذا جب ۱۷۵۷ء میں یورپ میں جنگ چھڑی تو اُس کے شعلے تیزی سے ایشیا تک پہنچ گئے ہر ملک کے بادشاہ نے اپنی اپنی کمپنی کی حمایت کی تجارتی مشاغل کے بجائے جنگ میں مصروفیت ہو گئی اور یہ ایک عجیب منظر تھا کہ یورپ کی دو قومیں ہندوستان کے ساحل پر ملک کے مختلف دیسی فرما رو اؤں کی اعانت سے آپس میں لڑ رہی تھیں۔ ان فرما رو اؤں نے نا عاقبت اندیشی سے کام لے کر باہمی عداوت اور ہوس کے عانی مقاصد حاصل کرنے کے لئے اپنی آزادی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر لیا۔ اس تنازعے کی ابتدا ہی میں بدیہی طور پر ظاہر ہو گیا تھا کہ آخر میں خواہ انگریزی افواج غالب آئیں یا فرانسیسی بہر حال دیسی جلیفوں کو فاسخ کا محکوم بن کر رہنا پڑیگا۔

(۲۹)

کمپنی کی جو تاریخ بیان کی تھی ہے اُس سے نہ صرف اس کے آغاز کا پتہ چلتا ہے بلکہ اُس کی ابتدائی طاقت کی نوعیت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے قیام کے ابتدائی زمانے ہی سے اُس کی زیادتیوں کو روکنے کے لئے جن سے انجمنستان کے قومی خصوصیات کو سخت صدمہ پہنچے گا اندیشہ تھا ملک کی قانون ساز جماعت کی سخت نگرانی اور مسلسل مداخلت اندہ ضروری تھی کہ یہ الفاظ دیگر اس کی مجلس انتظامی کے ارکان جن کے ہاتھ میں اس جماعت کی باگ تھی اُن احساسات سے نا آشنا تھے جو انسان کے دماغ میں نیک خیالات اور بڑے کاموں کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔ درحقیقت ان میں خود دولت پیدا کرنے اور اپنے عزیزوں اور متعلقین کو متمول بنانے کی خواہش کے سوا کوئی دوسری محرک قوت نہ تھی۔ اُن کی جماعتی قوت جیسا کہ اس قسم کی تنظیم کا لازمی نتیجہ ہے اُن کی بددیانتی اور ظلم و تعدی کے ذریع

کے ساتھ دھستی گئی لیکن اُس زمانے میں زرپرستی کی کچھ ایسی ہوا چلی ہوئی تھی کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو اُس کے ناپاک اثر سے محفوظ نہ تھا۔

(۳۰) ۱۷۷۳ء میں انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد سے برطانوی ہند کے ایک جدید دور کا آغاز ہوتا ہے۔ حکومت کی تنظیم تو وہی قائم رہی لیکن حالات میں تغیر پیدا ہو گیا۔ اس قومی تنازع اور جدید کارپرداؤں کے داخل ہونے سے مہنتی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی۔ اب ان کی حیثیت اہلکاروں کی سی نہ رہی تھی جن پر کوئی نظریہ ڈالتا تھا اور نہ یہ محض ایک تجارتی مہنتی کے کارندے تھے جنہیں اپنی کمائی کی وجہ سے نیکی کی رغبت ہوتی تھی اور نہ ذات کا خوف بلکہ یہ چند ممتاز عمال تھے جو باوقار حکام کی نگرانی میں کام کرتے اور ہمیشہ اپنے اُن ال وطن کی نگاہوں میں رہتے تھے جو اب ہندوستان کے معاملات میں گہری دلچسپی لینے لگے تھے۔

اگرچہ یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح سے ہمیں جدید افراد کے دماغ میں عزت و شہرت کی خواہش پیدا ہو جائے۔ سن ۱۷۷۳ء میں جماعت میں عین کی بنیاد تک خراب تھی اس قدر زبردستی انقلاب پیدا ہو جائیگا تاہم تسلیم کرنا چاہئے کہ ان کا محجب خیر اثر ضرور پڑا۔ ہندوستان ایک ایسا میدان بن گیا جہاں کٹر ہٹا تھا اور شہرت حاصل ہوتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ دولت بھی ملتی تھی۔ جو لوگ اس ملک میں ممتاز عہدوں پر مامور ہوئے ان میں سے اکثروں نے وداعی ترین اعزاز حاصل کئے جو کسی احترام یا قدر و تحسین سے حاصل ہو سکتے ہیں یا سے شجاعت اور وداعی قابلیت عطا کر سکتی ہے۔ جب تک کہ انگلستان کی تاریخ باقی ہے لائسنس اور کلائمو کے نام جنہوں نے مہنتی کی تاریخ کے اسی دور میں اپنی زندگی شروع کی تھی بازندہ رہینگے اور جب تک کہ ذاتی شجاعت اور فن سپہ گری اور اعلیٰ وداعی قابلیت کی قدر و تحسین ہی نوع انسان سے نہ

(۳۱)

مٹ جائے اس وقت تک ان دونوں کا شمار شاندار اور قابل تقلید
ہستیوں میں ہو گا۔

فرانسیسیوں اور انگریزوں کے درمیان جو جنگ ہندوستان
میں جاری تھی وہ ۱۷۵۷ء میں ایلانڈیل کی صلح سے
ختم ہو گئی۔ لیکن ان دونوں ملکوں کی جو فوجیں سال
۱۷۵۷ء کا روٹنڈل پر موجود تھیں ان سے وہ مختلف ہندوستانی
فرمانرواؤں کی مدد کرتے رہے۔ ہر فرقے کا مقصد یہ

تھا کہ اس حکمت عملی سے وہ ایک خاص قوت حاصل کر لیں تاکہ دوبارہ جنگ
فیضانے کی صورت میں وہ دوسرے پر فوقیت حاصل کر سکے۔ چند سال
سے فرانسیسی اور انگریز دونوں نے یہی طرز عمل جاری رکھا اور گاہے
گاہے اس میں کامیابی بھی حاصل ہوتی رہی لیکن جب اس کی وجہ سے
مصائب پیش آئے تو ہر کھینے کے فطرت نے اپنے اپنے بادشاہ سے
درخواست کی کہ وہ بیچ میں بڑھ کر اپنے اثر سے ان میں سمجھوتہ کرا دے۔
سمجھوتے کے شرائط بھی قریب قریب طے ہو گئے تھے لیکن ۱۷۵۷ء
میں ان دونوں قوتوں کے درمیان پھر جنگ چھڑ گئی اور ہندوستان
میں ان کی رعایا کو پہلے سے بھی زیادہ وسیع پیمانے پر جنگ کرنی پڑی۔
اس جنگ میں انگریزوں کو بے نظیر کامیابی حاصل ہوئی اور ۱۷۵۷ء
کی صلح میں وہ بنگال و بہار و اڑیسہ اور شمالی سرکار اور کرناٹک کے
ایک علاقے کے حقیقی مالک قرار پائے اور سال کا روٹنڈل پر ان کے
سابقہ قبوضات بھی بحال رہے۔

انگلستان والوں کو قدرتی طور پر کھینے کی ترقی کی اس تیز رفتاری
پارلیمنٹ کی طرف سے تعجب ہوا اور انھوں نے اس کے معاملات
کی طرف توجہ کی۔ ۱۷۵۷ء میں مجلس مبعوثان نے
سے تحقیقات۔ ایک ذیلی مجلس مقرر کی تاکہ وہ کھینے کے منشوروں

(۳۲)

کی نوعیت کو جانچے اور اس کے معاہدوں اور عطیات پر غور کرے اور

حکومت نے اُس کے دیوانی علاقے اور بحری و بری محکموں پر جو روپیہ صرف کیا ہے اُس کا بھی حساب دیکھئے۔
 اس موقع پر ملک گیری کے حقوق پر نہایت سختی سے اعتراض کیا گیا اور اجارے کے مسئلے پر بھی نہایت آزادی سے بحث ہوئی لیکن مالکان کمپنی کو سابقہ موقعوں کی طرح مخالفین کی اس جماعت کو جو ان کے نزدیک خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس موقع پر بھی خاموش کرنے کا ذریعہ مل گیا۔ ان کی دولت اور دوسروں پر احسان کرنے کے ذرائع سے ان کا ذاتی و سیاسی اثر ملک میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اس وقت مشرق میں جو سونے کی کان کھلی ہوئی تھی اُس سے اس قدر کثیر قعدہ کے اغراض وابستہ ہو گئے تھے کہ ایسی زبردست و متحدہ جماعت کا اُلٹھاڑنا تو درکنار اُسے دبا بھی آسان نہ تھا۔ اس تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ کمپنی اور وزرائیں ایک سمجھوتہ ہو گیا جس کی رو سے کمپنی کے مقبوضات دو سال کے لئے اس شرط پر بحال رکھے گئے کہ وہ حکومت کو چالیس ہزار پونڈ سالانہ ادا کرے۔ اس میں بھی اُنہی قسم کا معاہدہ ہوا لیکن اس مرتبہ اس کی مدت پانچ سال قرار دی گئی۔

اس معاہدے کی مدت ختم ہونے سے قبل ہی کمپنی کو سخت مالی مشکلات پیش آئے اور سالانہ مل اُس نے حکومت سے مالی امداد کی درخواست کی۔ درخواست منظور ہو گئی لیکن مجلس ممبران نے اس مرتبہ تحقیقات کرنے کے بعد ایک قانون نافذ قانون تنظیم کمپنی کی کیا جس سے کمپنی کی مقامی و بیرونی دونوں حکومتوں میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ جن میں سے حکومت میں تبدیلیاں خاص تبدیلیاں یہ تھیں۔

اول۔ مجلس نظام کا انتخاب آئندہ سے سبکدوش سالانہ کے ہر چار سال بعد ہوا کرے۔ ہر سال چھ ارکان اس طرح عیسی ہوں کہ کوئی اپنی جگہ چار سال سے زیادہ نہ رہ سکے۔

دوم۔ رکنیت کے سہ ماہی کی رقم بجائے پانچ سو کے ایک ہزار پونڈ ہو۔
تین ہزار کے حصہ دار کو دہری رائے کا حق حاصل ہو گا اور چھ ہزار
وائے کو تہری رائے کا۔

سوم۔ حاکم شہر کی عدالت کے بجائے جسے محض چند ادائیگیوں کی مقدمات
فیصل کرنے کا اختیار تھا ایک عدالت عالیہ قائم کیا گئے۔ اس
میں ایک میجر جس اور تین سب جج ہوں اور ان سب کا تقرر
بادشاہ کی طرف سے ہو۔ اسے علاقہ بنگال کے تمام انگریز باشندوں
پر اور کمپنی کے ملازموں اور اس کی رعایا پر وسیع دیوانی و فوجی
اختیارات حاصل ہوں۔

چہارم۔ فورٹ ولیم کے علاقے کے لئے ایک گورنر جنرل اور چار شیروں
کا تقرر ہو۔ انھیں کمپنی کے دوسرے علاقوں پر بھی کامل اختیار
عطا کئے جائیں۔ اگر ان میں کسی معاملے پر اختلاف ہو تو فیصلہ
کثرت رائے سے ہو۔ اس مجلس کو بموجب قانون ہدایت
تھی کہ وہ اپنی جگہ کاروائیوں کی کیفیت باضابطہ طور پر نظام کے
پاس بھیجتی رہے اور نظام ان کا غذا کے پہنچنے کے بعد چودہ
دن کے اندر ان کی نقیصں بادشاہ کے مقدمات میں سے کسی ایک
کے پاس روانہ کریں اور اگر وہ کسی قسم کے قواعد و ضوابط متنب
کریں تو ان کی نقیصں بھی روانہ کریں اور اگر بادشاہ انھیں نا منظور
کرے تو وہ باطل سمجھے جائیں۔

اس قانون کی رو سے دارن سینگز منہستان کا گورنر جنرل
دارن سینگز کا تقرر مقرر ہوا اور پہلی مرتبہ جان کلیئرنگ آئرل جارج
مان سن اور چار ڈیباریل و فلپ فرینس جس مجلس
کے چار ارکان مقرر ہوئے۔

مرہٹہ سینگز کے دور کے واقعات کو تفصیل سے بیان کرنا اس
کتاب کے موضوع کے خلاف ہو گا۔ اس دور میں شروع سے آخر تک

اس قدر اہم اور غیر معمولی واقعات پیش آئے کہ ان کی وجہ سے ایک ایسی سمجھ چھڑ گئی جس کی بدولت برطانوی قوم کو بہ نسبت پہلے کے ہندوستان کے معاملات سے محض زیادہ واقفیت ہی حاصل نہ ہوئی بلکہ اُس کے جو اغراض ہندوستان سے وابستہ تھے ان کی اہمیت کا بھی اُسے صحیح اندازہ ہو گیا۔ اس وقت مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں برطانوی ہند کی تاریخ کے اس حصے میں چند ایسی نمایاں باتیں ہیں جن پر تمام انصاف پسند اور سنجیدہ افراد متفق ہیں۔ جو لوگ مسیحیت کے بعض افعال کو قابلِ ملامت سمجھتے ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُس نے حکومت کی ایسے مشکلوں کے زمانے میں جن کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی اور ایسے وقت میں جب کہ وہ اُن لوگوں کی مخالفت کا مقابلہ کر رہا تھا جن سے اُسے مدد ملنی چاہئے تھی ایک مدبر اعظم کی طرح مستعدی ظاہر کی اور اپنی سرگرمی اور غیر معمولی جدوجہد سے اپنے ملک کے سفاک و جو ہندوستان میں سمرقند کی طرح تباہی سے بچا لیا اور وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اگر اس وقت عثمانی حکومت اِس سے اُسے کے مستقل مزاج اور باہمت اور بہادری (۲۵) آدمی کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو کبھی ضرورت تباہی میں آجاتی۔ یہ اُس کی توفیق ہے اور کوئی شخص اس سے زیادہ کی خواہش نہیں کر سکتا لیکن اس مسئلہ شخص کے زبردست حامی اگر ایک طرف اُس کی راستبازی کے قابل ہیں اور اُس کی توجہ کرتے ہیں تو وہ دوسری طرف یہ بات بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ جس حکومت کا وہ صدر تھا وہ رانی تھی اور اُس کی تنظیم میں بہت کچھ تقاضے تھے سلطنت کے قانون کی رو سے بادشاہ کے وزراء کو جانچ پڑتال اور عام نگرانی کا جو حق حاصل تھا اُس سے ان بنیادی تقاضوں میں بچاؤ سے کمی کے اور اضافہ ہو گیا۔ وزراء و اہل ظلم کے مجاز تھے لیکن ان پر حکومت ہند کے معاملات کی کچھ ذمہ داری نہ تھی اور اگر کچھ تھی بھی تو براہِ راست نام۔ گورنر جنرل کے لئے اُن کی ضمانت و

اعانت نہایت ضروری تھی لہذا اسے نظامی کمپنی کے دوستوں کے علاوہ شاہی وزراء کے دوستوں کو بھی جگہ دینی ضروری تھی۔ گورنر جنرل کے لئے انگلستان میں اعانت حاصل کرنے کا اگر تہا نہیں تو خاص ذریعہ یہ تھا کہ وہ ہندوستان میں دوسروں کی پرورش کا انتظام کرے۔ برطانوی دستوں میں دوسروں کو ملائے کی جو ضرورت پڑتی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بعید معلوم ہوتا تھا کہ مشرق کے دولت خیز تقریرات میں حصہ بنانے سے جو اثر حاصل ہوتا ہے اسے کوئی وزیر اپنے ہاتھ سے جانے دیگا۔ پس اگر کمپنی کے چند خاص کارکنوں کو مارجو ذکر کرنے کی غرض سے تعینات کی ان تک سرگرمی اس کی ضخیم مسلوں کو روشنی میں نہ لانی تو یہ نظام حکومت باوجود بددیانتی اور نااہلی کے مدت دراز تک برقرار رہتا۔ مجلس مہتمان کی پہلی دہائی میں (۳۷) پارلیمنٹ نے مسٹر ڈنڈاس کی صدارت میں غلط شروع کیا۔ اس کی رپورٹ کے بعد ہی مجلس منتخبہ کی رپورٹ شایع ہوئی جس نے مسٹر برگ کی نگرانی اور رہنمائی میں کام کے ہر طبقے کو کمپنی کے عام حالات سے واقف کرا دیا۔ انگلستان کو اپنے جن دانشمند افراد اور زبردست مقررین پر فخر رہا ہے ان میں برگ کا رتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

اس تحقیقات کی پیروی کرنے والوں کے مقاصد میں کتنے ہی ذاتی اغراض کیوں نہ شامل ہوں اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ملک کے شکوے کے ضرورت حق ہو گئے کیونکہ جب تک اس قسم کے مواد سے عام واقفیت نہ ہوئی اس حکومت کی اصلاح اور بہتری کی تمام کوششیں جبریں بددیانتی برقرار رکھنے کی ترغیب موجود تھی بے سود و لامحالہ ثابت ہوئیں۔

حکومت کی عدالت عالیہ اس کے ایکٹ سے فورٹ ولیم میں جو عدالت عالیہ وسیع اختیارات کے ساتھ قائم ہوئی وہ کمپنی کے صوبوں کی ویسی رعایا کے تعصبات کے سخت خلاف ثابت ہوئی اور

حکومت کے جس شعبہ کی اس سے تقویت منظور تھی اُسی کے لئے وہ اس قدر مضر ثابت ہوئی کہ جب ۱۸۵۷ء میں دوسرا ایکٹ منظور ہوا تو اسے کھلے اور سواو شہر کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

۱۸۵۷ء میں جو ایکٹ منظور ہوا تھا اس کی رو سے مقبوضہ علاقوں پر چھٹی کا قبضہ صرف ایک سال کے لئے برقرار رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد سے ۱۸۵۷ء تک نفاذ اور

(۳۷) شاہی وزراء کے درمیان برابر اس سلسلے پر گفتگو جاری رہی کہ چھٹی کے منشور میں آئندہ کن شرائط پر توسیع کیا جائے اور اس کے کن کن اصلاحات خصوصی کو برقرار رکھا جائے۔ یہاں نہ ان مختلف تجاویز پر تبصرے کی ضرورت ہے جو اس تنازعے کے اثناء میں چھٹی نے پیش کئے اور نہ خاص طور پر ان تجویزوں کا ذکر ضروری ہے جنہیں شاہی وزراء نے قبول یا مسترد کر دیا اس زمانے میں دوسرے اہم کام جو انجام پائے ان کی وجہ سے یہ سب باتیں فراموش ہو گئیں اور (چونکہ یہ سب بدیہی طور پر عارضی تدابیر تھیں اس لئے) جو حشر ان کا ہوا اس سے وہ محفوظ رہنے کے قابل بھی نہ تھے۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے معاملات پر نہایت سخت بحث رہی۔ مسودہ قانون مجوزہ تحقیقاتی مجالس میں سے ایک کا صدر مسٹر ڈنڈا اس مسٹر ڈنڈا ۱۸۵۷ء تھا۔ اس نے اس سال کے اوائل میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جس سے بہت کم اہم تبدیلیاں مقصود تھیں۔ صرف ایک اہم تجویز یہ تھی کہ گورنر جنرل اور کپتان جنرل کے اعلیٰ لقب سے ایک شخص کا تقرر کیا جائے اور اسے (چند قیود کے ساتھ) برطانوی ہند کے تمام معاملات میں پورا اختیار اور ان کی جانچ پر تال کا پورا حق حاصل ہوگا۔ بادشاہ حکومت کے اس اعلیٰ عہدہ دار کو نامزد نہ کرے بلکہ محض اس کے تقرر کی منظوری دے اور اس کی علیحدگی صرف اُسی کے حکم سے عمل میں آئے اس مسودے

میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ تمام سر اسٹوں کی نقیص یاوشاہ کا مستند خاص وصول کرے۔ ان تجاویز کے ساتھ ہندوستانیوں کے قوانین و ہند رہب و رسم و رواج کی حفاظت کے لئے بھی اُس میں چند عام اور مفید قواعد شامل تھے۔

اس مسودے کا خاص مقصد یہ تھا کہ مشور کی باقی ماندہ مدت میں حکومت کے عہدہ داروں کو کمپنی کے انتظامی معاملات میں زیادہ مداخلت کا حق حاصل ہو جائے اس اصول کو عام طور پر تسلیم کر لیا گیا اور یہ بھی مان لیا گیا کہ مقامی حکومت بہ نسبت پہلے کے زیادہ اہل اور مستعد ہونی چاہئے۔ اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ ۱۷۷۳ء کے قانون سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جب تک کہ اُن کی تشریح زیادہ توضیح سے نہ کی جائے اور مختلف جماعتوں پر اُن کا مقول اثر نہ ہو موجود نظام حکومت کے سخت ترین نقائص کی اصلاح نہیں ہو سکتی لیکن مجلس مبعوثان میں اس مسئلے پر زیادہ اختلاف آرا رہے کہ اس طرح جو اختیار حکومت قائم کر لی مقصود ہے اُس پر کسی قسم کے قیود کا جائز کرنا ضروری ہو گا اور خاص طور سے اسی بنا پر اس کے افادے پر بھی بحث ہوئی۔ مسٹر ڈنڈا اس نے حکومت ہند کے لئے جو مسودہ قانون پیش کیا وہ تو منظور نہ ہوا لیکن اُس کی بدولت اسی قسم کا ایک اور مسودہ دوسرے اجلاس میں مسٹر بیٹ نے پیش کیا اور منظور کیا۔ اس مسودے کی کامیابی کار از کمپنی کے نظام اور سرمایہ داروں کے اُن خیالات اور احساسات میں مضمر ہے جو پیٹ کے سیاسی حریف مسٹر فاکس کے پیش کردہ مسودے کی شورش سے پیدا ہوئے تھے لہذا اس کے خاکے پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔

مسٹر فاکس کے پیش کردہ ۱۷۸۳ء میں مسٹر فاکس نے ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کے بہتر انتظام مسودے ۱۷۸۳ء اور حکومت کے بارے میں اپنے

(۳۹) مشہور مسودے پیش کئے۔ یہ مسودے خاص اصول پر مبنی تھے جس کا ذکر سہ ماہی میں کر دیا گیا تھا یعنی یہ کہ برطانوی ہند کے مقبوضات اور سررشتہ مال اور تجارت کے انتظام میں ایک عرصے سے انتہا درجہ کی پریشانیوں کا تجربہ ہوا ہے اور وہاں کے باشندے تباہی کے درجے تک پہنچ گئے ہیں اور سرکاری مفاد کے تباہ ہونے کا کبھی اندیشہ لگا ہوا ہے اور ان سب کا علاج ضروری ہے لہذا مندرجہ ذیل تجویز پیش کی جانی ہے۔

مجلس نظام اور سہ ماہی داروں کو جو اختیارات اس وقت حاصل ہیں وہ چار سال کی مدت کے لئے سات نظام یا کمشنروں کے تفویض کردہ جائیں (جن کے نام ایکٹ میں درج ہیں) ان کی اعانت کے لئے دو ہزار پونڈ والے حصہ داروں میں سے سات مددگار نظام مقرر کئے جائیں جو کلینٹ اول الذکر کے احکام کے تابع رہیں (ان کے نام بھی ایکٹ میں درج ہیں)۔ اگر سات اعلیٰ نظام میں سے کوئی انتقال کر جائے یا استعفی ہو جائے یا ایسے الزامات کی بنا پر جو مجلس بیعتان میں ثابت ہو جائیں (علیحدہ کر دیا جائے تو خالی شدہ جگہ کا انتظام بادشاہ کرے اور اگر سات مددگار نظام میں سے کسی کی جگہ خالی ہو تو حصہ دار (پرنسپل) کے ایکٹ کی رو سے اس کے اہل ہوں) دوسرے کا انتخاب کریں۔

ان مسودوں میں گورنر جنرل کے اختیارات جس اصول پر مبنی تھے وہ مسٹر ونڈاس کے اصول کے سراسر برعکس تھے۔ یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ گورنر جنرل نہ اجلاس کونسل کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ تنہا اُسے باکمی اور شخص یا اشخاص کو خواہ وہ کوئی ہوں کسی صورت میں

سطح یہ درجے ایک سے مقامی (یا بہ الفاظ مسودہ قانون گھری) حالت سنبھالنی مقصود تھی اور دوسرے سے بیرونی حکومت کی۔

(۲۰۱) نہ دے جائیں جس تک ممکن تھا گورنر جنرل اور اس کی مجلس پر ہر معاملے اور خصوصاً اعلان جنگ کے بارے میں قیود عالم کر دے۔ گورنر جنرل نے ہندوستان کے کسی فرمانروا کی سلطنت میں مسلح فوج کے ساتھ داخل ہو سکتا تھا اور ان میں سے کسی پر حملہ بھی کر سکتا تھا۔ البتہ صرف اس صورت میں وہ اس کا مجاز ہو سکتا تھا جب کہ اُسے یہ اطلاع ملے کہ ان میں سے کوئی یقینی یا اُس کے حلیفوں پر حملہ کرنے والا ہے اور اس خبر کی تصدیق ہو جائے اور مجلس کے نصف سے زیادہ اراکین نے فرما دیا اُس کے موافق اپنی رائے تسلیم کریں گورنر جنرل اور اس کی مجلس کو یہ اہمیت تھی کہ وہ بغیر کشمکش کے احکام کے کسی علاقے کو کسی ہندوستانی فرمانروا سے مل کر تقسیم کرانے کی غرض سے کوئی ایسا معاہدہ نہ کرے جس کی وجہ سے کوئی گورنر جنرل یا کسی ہندوستانی ریاست کے علاقے میں کر اُسے پر بھیجے کی مجلس اہانت نہ لے۔

ان مشورہ مسودوں کے یہ خاص نفاذ پزیر تھے مجلس مبعوثان نے تو انہیں ایک مقبول کثرت رائے سے منظور کر لیا لیکن مجلس نے رد کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس مدبر نے انہیں تیار کیا تھا وہ اپنے عہدے سے علیحدہ ہو گیا اور جس جماعت نے اس کی تائید کی تھی وہ پارلیمنٹ سے خارج ہو گئی۔ مسٹر فاکس کے سجادہ بز بدیہی طور پر عارضی تھے اور ان سے محض فوری علاج مقصود تھا۔ اُس نے جن سات کشتیوں کے نام میں کئے تھے ان کی حیثیت ایک ایسے شہزادے کا رہانے کے افسروں کی سی تھی جس کا دیوالہ تنکل چکا ہو اور انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کام اُس وقت تک سنبھالنا تھا جب تک کہ اس بات کا نتیجہ اندازہ نہ ہو جائے کہ آئندہ

(۴۷) اس کا کاروبار چلانے کا بہترین اور منقول ترین طریقہ کیا ہے۔ اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ سنجیدہ عمل میں آجائے تو حکومت ہند کے لئے مستقل انتظام کیا جوتا لیکن اس کا اسکان بہت کم تھا کہ کبھی آئندہ کبھی اپنے اختیارات حاصل کر لیتی۔ بہر حال اس جگہ مسٹر فاکس کے مسودہ کی تحویلوں یا ان کے بقا انھیں پر بحث کرنا مقصود نہیں۔ ان میں جہاں چند دانشمند می اور دور اندیشی کی باتیں پائی جاتی ہیں وہیں تقابلی طور پر زبردست فرقہ داری جذبہ اور تعصب ملی حاوی نظر آتا ہے اور معاملات سے صحیح اور پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس بد اثر اعظم کے اکثر نمایاں اصول اس ملک کی حقیقی حالت کے مطابق نہ تھے جس کے لئے اس نے انھیں تیار کیا تھا۔

اگرچہ اس کا تیار کیا ہوا دستور ہندوستان کے سابق نظام حکومت سے بہتر تھا تاہم اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چند بنیادی اصول تک غلط ثابت ہوتے اور خاص طور پر اس کا وہ اصول جس کے تحت اس نے ہندوستان کی برسر حکومت طاقت میں اہم اور براہ راست ذمہ داری کے ذریعے سے اعتماد پیدا کرنے کے بجائے وہاں کی مقامی حکومت پر طرح طرح کے قیود عائد کئے اور اس طرح سے اس کے اختیارات میں کمی کی اور اس کے دائرہ عمل کو کمزور و محدود کیا اور اسے ان اہم فرائض کی انجام دہی کے معاملے میں جنھیں وہ حقیقت خود مختارانہ حیثیت سے انجام دیتی ہے پہلے سے بھی زیادہ نا اہل بنا دیا۔ مسٹر فاکس کے مجوزہ قانون کے خلاف سخت چیخ و کارچی۔ اس کی سات کمیشنوں والی تجویز سے یہ طلب نکالا گیا کہ وہ اس ترکیب سے اپنی طاقت مستقل بنانا چاہتا ہے۔ یہ کہا جاتا تھا کہ اس کے سمتاویز سے وہ وزراء صاحب اثر ہو جائیں گے جن کا ملک کے دستور میں کوئی ذکر نہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جو اب تک اپنے اجارے اور ان الزامات کی وجہ سے جو اس پر عائد

(۴۲) کئے جاتے تھے قابلِ فخر سمجھی جاتی تھی اور جس پر گالیاں پڑتی رہتی تھیں وہ اب قابلِ رحم ہو گئی اور لوگ اس پر ترس نہ جانے لگے۔ اس زمانے کے مصنفوں نے اسے ایک مظلوم اور بیکسِ جماعت سے تعبیر کیا جس پر ایک ناقبوتِ اندیش اور جاہِ طلبِ وزیر کا حملہ ہونے والا تھا اور جس کے حقوق و اختیارات ختم ہوتے نظر آتے تھے۔ مخالفت کی اس شدت کی وجہ سے کمپنی کے معاملات کی نگرانی کا مسئلہ دو بڑی اور قریب قریب ہم پلہ جماعتوں کے مابین ایک سیاسی تنازعہ بن گیا لیکن مسٹر پیٹ اور مجلسِ نظامیوں کہنے کہ مسٹر پیٹ اور ہندوستانی سرمایے کے مالکوں کی کثیر تعداد کے اتحاد سے پانچویں ملٹ گیا۔ یہ لوگ ابتدا میں کسی قسم کی مداخلت نہیں چاہتے تھے لیکن جب انہیں یہ محسوس ہو گیا کہ وہ اس سے نہیں بچ سکتے تو وہ قدرتی طور پر اس فرقہ کے ساتھ ہو گئے جو ان کے اختیارات و مراعات خصوصی کا (جنہیں وہ اپنے مسلمہ حقوق تصور کرتے تھے) سب سے کم مخالف تھا۔

دوسرا باب لارڈ کارنوالس

کا

عہد حکومت

مسٹر پٹ کا مسودہ یہاں محض پٹ کے قانون مجریہ ۱۸۳۳ء ہی پر نہیں بلکہ قانون مجریہ ۱۸۳۳ء جو اس کی تشریح کے لئے نافذ ہوا نیز دیگر ان جملہ قوانین پر جو اس کے بعد عمل میں آئے (۲۳) غور کرنا مناسب و مفید ہو گا۔ کیونکہ انہیں کے مجموعے پر حکومت ہند کے موجودہ دستور کی بنیاد ہے۔

پٹ کے قانون کی رو سے مجلس شہر ان شاہی (Privy Council) کے چھ ارکان ہندوستان کے معاملات کی نگرانی کے لئے مقرر ہوئے گئے اور مقہودین ریاست میں سے ایک کو سردست ان کا صدر بنایا گیا۔ (۲۴) ان کمشنروں کا تقرر براہ راست بادشاہ کی جانب سے ہوا تھا اور وہی انہیں علیحدہ بھی کر سکتا تھا۔ چینی کے تمام سولہ، فوجی اور مالی انتظامات کی نگرانی ان کمشنروں کے سپرد کی گئی۔ جو کا غذا ست کہ ان کمشنروں کو مجلس نظام سے وصول ہوں انہیں

چودہ دن کے اندر منظور کر کے واپس کر دینا لازم اور نامنظوری کی حالت میں تفصیل کے ساتھ اس کے وجوہ بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس طرح منظور شدہ یا ترمیم شدہ مراسلات میں اگر مجلس نظام مزید ترمیم یا تبدیلی کی درخواست نہ کرے تو اُن کو ہندوستان روانہ کر دیا جاتا تھا۔

صیغہ راز کے تمام امور میں اور خصوصاً ان میں جن کا تعلق ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ صلح و جنگ سے ہوتا تھا کثیر اپنے احکام مجلس نظام کے مشابہ راز کی سیرقت ہندوستان روانہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ ان معاملات میں مجلس کا محض توسط ہی تھا۔

اس قانون کے بموجب حکومت ہند ایک گورنر جنرل اور تین ارکان کی ایک مجلس پر مشتمل ہوتی اور گورنر جنرل کے بعد فوج کے سیکرٹری کا درجہ رکھتا لیکن گورنر جنرل کی جگہ خالی ہونے پر وہ اُس کا قائم مقام اس وقت تک نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک کہ نظام خاص طور سے

اسے مقرر نہ کریں۔ اس اور مہی کے تحتانی علاقوں کی حکومت کا دستور بھی شل بنگال کی حکومت کے کر دیا گیا اور گورنر جنرل کی طرح ان دونوں گورنروں کو بھی اپنی اپنی مجلس میں زائد رائے کا حق مل گیا۔

یہ مقبوضات اس قانون کی رو سے ویسی ریاستوں کے تمام معاملات میں خواہ اُن کا تعلق جنگ سے ہو یا صلح سے بیرونی اور انوائج کے انتظام میں پوری طرح سے گورنر جنرل باجلاس کونسل کے تحت ہو گئے۔

۴۵) اگر کثیر حکومت کے سول یا فوجی معاملات یا کمپنی کے مقبوضات کی مالگزاری کے متعلق مجلس نظام کو کچھ احکام صادر کرتے تو نظام اُن کے خلاف بادشاہ اور اس کی مجلس سے مراء کر سکتے تھے۔

اگر خاص خاص مقامات پر کوئی ایسی جگہ خالی ہو جس پر مجلس نظام کو تقرر کرنے کا حق حاصل ہو اور وہ جگہ خالی ہونے سے دو ماہ تک کسی کو نامزد نہ کریں تو شاہ وقت کو نامزد کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس قانون کی رو سے بادشاہ کو گورنر جنرل یا کمشنر کے کسی اور عہدہ دار کو ہندوستان سے واپس بلانے کا حق حاصل تھا۔ نیز ایسے عہدوں کی خالی جگہ کے لئے جن پر نظام کو تقرر کرنے کا حق حاصل تھا اگر جگہ خالی ہونے سے دو ماہ تک وہ کسی کو نامزد نہ کرتے تو شاہ وقت اس عہدے پر کسی کا تقرر کر سکتا تھا۔

اس قانون کے ذریعے سے یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ چونکہ ملک گیری اور فتوح کی جدوجہد برطانوی قوم کی خواہش اس کے اقتدار اور مسلک کے خلاف ہے لہذا فورٹ ولیم کے گورنر جنرل باجلاس کونسل کو مجلس نظام یا شعبہ راز سے باضابطہ اجازت و منظوری حاصل کئے بغیر اعلان جنگ کرنے یا جنگ شروع کرنے یا کسی ہندوستانی فرمانروا یا کسی دیہی ریاست سے اس کے علاقوں اور مقبوضات کی حفاظت اپنے ذمہ (۴۶) لینے کا اس وقت تک اختیار نہ ہوگا جب تک کہ وہ مخالف ہندوستان میں برطانوی قوم یا اس کے ایسے حلیفوں کے خلاف جن کی حفاظت سابق معاہدوں کی رو سے اس کے ذمہ ہو، اعلان جنگ نہ کر دے یا ان پر حملہ کرنے کے لئے درحقیقت تہاریاں عمل میں نہ لائے۔

تحتانی احاطوں کو فورٹ ولیم یا مجلس نظام یا مجلس راز سے اجازت حاصل کئے بغیر صلح و جنگ کرنے کی ممانعت کر دی گئی لیکن فوری ضرورت یا ایسے خطرے کی حالت میں جب کہ جنگ یا صلح میں تاخیر سے خطرناک نتائج پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جس جنگ و صلح کرنے کی اجازت دی گئی۔ حکومت اعلیٰ کو اختیار دیا گیا کہ اگر تحتانی مقبوضات کا کوئی گورنر اس کی نافرمانی کرے تو وہ اسے معطل کر دے۔

اس قانون کے ذریعے سے ہندوستانی لزموں کے مفادات فیصلہ کرنے کے لئے ایک جدید اور غیر معمولی عدالت قائم ہوئی یہ عدالت مجلس اعلیٰ اور مجلس مہانتان کے چند ارکان پر مشتمل تھی اور اسے ان تمام مفادات کے فیصلہ کرنے میں جن کی سماعت معمولی عدالتوں میں (جن کی تشکیل درج تھی) انہیں ہو سکتی تھی وسیع اختیارات حاصل تھے۔ قانون کے اس حصے پر بحث کرنا بیکار ہے کیونکہ ہندوستانی رعایا کی درخواست پر اسے قلمی تبدیل کر دیا گیا اور اس کی نوعیت بدل دی گئی۔

۱۸۶۷ء میں ایک قانون جاری ہوا جس کی رو سے ۱۸۶۷ء کے قانون کے اکثر حصوں کی تشکیل کی گئی اور اکثر میں ترمیم ہوئی ہندوستانی کی مقامی حکومتوں کو اختیار دیا گیا کہ مجالس میں جگہ خالی ہونے پر وہ ایک ایسے محل عہدہ دار کا تقرر کر سکتی ہیں جو بارہ سال تک ملازمت کر چکا ہو۔

سب سالار کا تقرر ان مجالس میں اختیاری رکھا گیا، لازمی قرار نہیں دیا گیا۔ لفظ کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہیں تو سب سالار ہندو گورنر جنرل اور مدراس و بمبئی کے سب سالاروں کو ان کے مقبوضات کا صدر مقرر کریں اور اس سے بھی زیادہ اہم بات اس میں یہ تھی کہ گورنر جنرل اور مدراس و بمبئی کے گورنروں کو غیر معمولی حالات میں اپنی اپنی مجالس کے بلا اتفاق سے اپنے اختیار تہذیبی پر عمل کرنے کا اختیار تھا اور اسی صورت میں اس عمل سے جو نتائج پیدا ہوں ان کی ذمہ داری بھی تنہا انہیں کی ذات پر تھی۔

یہ اہم اختیار محض ایسے گورنر جنرل اور گورنروں کو حاصل تھا جن کا خاص طور پر ان عہدوں پر تقرر ہوا ہو۔ ان کے عارضی جانشین اس سے مستثنیہ نہیں ہو سکتے تھے اور نہ اس کا اطلاق عدالتی مسالطت پر ہو سکتا تھا اور نہ برطانوی مقبوضات بدلتے کی سول حکمرانوں کے ہر دور

۱۸۷۷ء میں ایک قانون جاری ہوا جس کے تحت مدراس اور بمبئی میں بھی عدالتیں

تواضع و ضوابط کی ترمیم کے لئے اسے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ پٹ کا قانون
ہندوستان کی حکومت کو بہتر بنانے کے لئے نافذ ہوا تھا اس کا منشا عوامی
اصلاح کرنا تھا نہ کہ ایک مستقل دستور قائم کرنا۔

(۲۸)

اس کا مقصد صرف خرابیوں کی اصلاح اور حکام با اختیار کی نگرانی
کرنا تھا نہ کہ مسلمہ خرابیوں کا کامل طور پر اشد اور کرنا یا کوئی جدید اور معقول
نظام قائم کرنا۔ اس سے زیادہ کے لئے نہ توقع ہو سکتی تھی اور نہ غالباً
اس کی کوشش کی گئی تھی۔ چونکہ پٹ کا منشا ان تنجائز سے علاوہ طور
پر یہ تھا کہ پٹ کی حکومت کا سابق دستور سب سے بہتر سمجھے جانے کے
برقرار رکھا جائے۔ لہذا اندیم دستور کی خاطر اکثر نئی تنجائز کی خوبیوں
کو نظر انداز کر دیا گیا چنانچہ اس قانون کے عمل میں جو مشکلات پیش
آئے ان کی وجہ اپنی صنعت پسند ملک میں پائی جاتی ہے جس سے
اس کی اہمیت بالکل گئی تھی۔

جن حالات میں اس قانون پر عمل شروع ہوا وہ اس کی کامیابی
اور عام پسندیدگی کے لئے نہایت موزوں تھے۔ مزید برآں مسلمہ
خرابیوں کا اشد اس کے پیش ہوتے وقت حکومت انگلستان
کی طاقت یہ بورڈ آف کنٹرول یعنی مجلس نیکراں کے صدر کی رہنمائی
اور اس کا ذاتی اثر۔ اور اس شریعت شخص کی مستقل مزاجی اور
ذاتی اقتدار جسے پہلی مرتبہ وہ اختیارات حاصل ہوئے جو مسلمہ
کے ترمیم شدہ قانون نے نہایت عقلمند سے گورنر جنرل ہند کو عطا

(فقہ حاشیہ صفحہ ۴۲) قائم ہوئے۔ انہیں بھی وہی اختیارات دئے گئے جو بنگال کی عدالتوں
کو حاصل تھے۔ یہ عدالتیں کوئی کی ہندوستانی حکومت سے آزاد نہیں لیکن وہ گورنر یا مجلس کے
خلاف بجز غلطی یا سازش کے اور کسی معاملے میں سماعت نہیں کر سکتی تھیں۔ سن ۱۸۵۷ء کے
قانون سے ان کے تواضع و ضوابط میں تبدیلی کی گئی اور در اس کی عدالت میں ایک غیر مسلم اور وکیل کے
مجمل کا تقرر عمل میں آیا۔

کے تھے۔ ان تمام امور نے متحد ہو کر اس کے نقائص کو پس پشت ڈال دیا اور اس کی خواہیوں کو پورے طور پر نمایاں کر دیا۔ لیکن بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ اسے کامیاب بنانے کے لئے ان سب امور کی امداد ضروری تھی اور ان میں سے ایک کی کمی سے بھی بہت سخت خطرات کا اندیشہ تھا۔

اس قسم کے انتظامات کا اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے عملی نتائج کو دیکھا جائے۔ لہذا ایٹ کے قانون کے اجراء کے بعد سے حکومت ہند میں جو خاص سیاسی واقعات پیش آئے ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس قانون کے نقائص اور خوبیوں کا اندازہ ہو جائیگا۔ اس قانون کو اس کے بانی نے خود ہی امتحاناً جاری کیا تھا اور ان مشکلوں کو دیکھتے ہوئے جو اس وقت پیش تھیں کوئی انسانی عقل اس کی کامیابی کی توقع نہ کر سکتی تھی۔

مسلحہ کے قانون نے جو اعلیٰ اختیارات گورنر جنرل ہند کو عطا کئے وہ پہلی مرتبہ مارکونس کارنوالس کو حاصل ہوئے۔ اس لارڈ کو کارنوالس کا امیر کے ذاتی خصال اس اعلیٰ مرتبے اور اہم فرائض کے لئے نہایت موزوں تھے۔ یہ شخص بات

تقرر۔

کوئی داغ نہ تھا۔ اس نے اپنے خیالات و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس شوق اور استقلال سے کام کیا کہ ان میں صاف کامیابی نظر آتی تھی۔ ہندوستان کے دیوانی اور فوجی محکموں میں جو اصطلاحات اور ہم تہذیبیاں اس نے کیں اور بنگال و بہار کی اندرونی حکومت میں جو نظام اس نے قائم کیا اس کی وجہ سے اس کا نام ہمیشہ عزت سے لیا جائیگا۔

ہندوستان میں جو کامیابی اسے حاصل ہوئی اس میں بڑی مدد اس ذاتی وقار سے ملی جو اسے انگلستان میں حاصل تھا ایک طرف

اس کے اعزاز و وقار اور ذاتی گیر کچھڑنے اسے شاہی وزیر اس کے اثر اور
نظارہ کے خوف سے بے پروا کر دیا اور دوسری طرف اس کی وجہ سے
کپہنی کے سول اور فوجی ملازموں کی نگاہیں اس کی وقعت پر قائم ہوئی اور
جو مزید اختیارات اسے حاصل تھے، ان کی بدولت اسے کسی قسم کی
مخالفت کا خطرہ نہ رہا۔ ان اسباب کی وجہ سے اس کی ذاتی عنایت
سے دوسروں کو جو امتیاز حاصل ہوتا تھا اس کی بدولت اس نے
ہندوستان کے ہر قابل ملازم کو مستعد بنا دیا اور خود دار اور حوصلہ مند کی
کوششوں کو اپنی حکومت کے کاموں میں شامل کر لیا۔
لارڈ کارنوالس کی حکومت کے واقعات کو تفصیل سے بیان
کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ جن خاص سیاسی واقعات کی وجہ
سے اس کا زمانہ ممتاز ہے اور جن اصول کے تحت اس نے انہیں
انجام دیا، ان کا مجملہ بیان کرنے سے اس خاکے کا مقصد حاصل
ہو جائیگا۔

اس دور میں جو خاص واقعات پیش آیا، وہ شیو سلطان سے جنگ
تھی۔ اس کی ابتدا اس فرمانروا کے ایک سخت اقدامی حملے سے
ہوئی جو ۲۹ دسمبر ۱۸۱۷ء کو راجہ ٹراونکور کے حدود پر کیا گیا۔
میں جو معاہدہ شیو سے ہوا تھا، اس کی رو سے اس راجہ کو باضابطہ طور
پر حکومت برطانیہ کی نگرانی اور حفاظت میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔

ان تمام سیاسی انقلابات کی نوعیت اور اہمیت سمجھنے کے لئے
جو اس واقعے سے ظہور میں آئے شیو سلطان کی جنگ کے اسباب کی
(۵۱) تفصیل بیان کرنے سے قبل، مجملہ ان معاہدوں کی تاریخ کا بیان کرنا
ضروری ہے جو لارڈ کارنوالس نے اس اہم موقع پر اپنا فرض سمجھ کر
ریاست حیدرآباد اور وراجونا سے کئے تھے،
سلطنت آصفیہ سے چٹنی کے معاہدے میں جو معاہدہ کپہنی اور سلطنت آصفیہ کے
معاہدے۔ درمیان ہوا تھا، اس میں یہ قرار پایا تھا کہ

جب کبھی ریاست کے کاموں کے لئے ضرورت ہوگی تو کبھی سلطنت حیدرآباد کو ایک امدادی فوج اس شرط سے دے گی کہ اس نفویض کے دوران میں اگر کبھی کو اپنے مقبوضات یا ریاست کرناٹک کی حفاظت کے لئے فوج درکار ہوگی تو کبھی اس فوج کو یا اس کے ایک حصے کو واپس بلائے گی۔ اس معاہدے کی ایک دوسری دفعہ کے بموجب (اسی قسم کی شرط کے ساتھ) حیدرآباد نے بھی کبھی کو اس کی ضرورت کے وقت فوجی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

اس معاہدے کے مطابق فوج کے ایک کور کے دو ہٹ الین

سے چوتھ اس عبارت سے واقعات و حالات متعلقہ کی توضیح نہیں ہوتی اس لئے نونک آئینہ سے مندرجہ ذیل اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

”بجب حیدر علی نے مسور کے علاقہ پر قابض ہونے کے بعد بیجاپور اور کرناٹک کے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا تو مرٹوں اور انگریزوں نے خوف زدہ ہو کر اس کی طرف توجہ کی لیکن مامو راؤ کی فوج کو سخت شکست ہوئی اور انگریز بھی باوجود اپنی فوج کی دلی اور شہرت کے ناکام رہے اور ان کی کوئی تدبیر اس کے خلاف کارگر نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے رکن الدولہ کے توسط سے اپنے ایک فوجی سردار مسٹر چندرل اسمتھ کو حضور اقدس کی خدمت میں مناسب شجاعت کے ساتھ روانہ کیا اور نہایت انکسار کے ساتھ عرض پیش کی کہ حیدر علی خاں کے وجود سے اس علاقے کے امن و امان میں خلل واقع ہو گیا ہے اور ایسی حالت میں جب کہ اس نے خود اپنے آقا کے ساتھ حق نیک ادا نہیں کیا تو دوسروں کو اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے لہذا اُسے اس کے حال پر چھوڑنا مناسب نہیں۔ اگر حضور اقدس ارادہ فرمائیں اور ایک مناسب فوج اس کے خلاف روانہ کریں تو اس کی بیخ کنی ممکن ہو سکتی ہے۔ اگرچہ ہندوگان حضرت انگریزی قوم سے بخوبی واقف تھے تاہم رکن الدولہ کی خاطر حیدر علی خاں کے استیصال میں انگریزوں کو مدد دینے پر راضی ہو گئے چندرل اسمتھ کو طلعت عطا ہوا اور اسے رخصت کرنے کے بعد فوجی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔“

حیدرآباد کی فوج میں شامل کر دے گئے لیکن حیدر علی سے مصالحت ہو جانے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - انگریزی فوج نے بھی اس میں شرکت کی اور ایک دوسرے کے مشورہ کے بعد متحدہ فوجیں دریائے کشنا و تنگ بھدرہ عبور کر کے حیدر علی کے علاقے میں داخل ہو گئیں۔

جب حیدر علی کو ان واقعات کا علم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اور محی الدین صاحب خلع کریم صاحب مشائخ کے توسط سے مدارالہام کے پاس سفار پہنچائی اور اطاعت قبول کرانے کا وعدہ کیا اور انگریزوں کے خصائل و حالات سے آگاہ کرنے کے بعد انہی رائے ظاہر کی کہ انگریزوں کی امانت نہ خداوند نعمت کے شایان شان ہے۔ اور نہ ان لوگوں کی دوستی قابل اعتماد ہے۔ لہذا اس سفر میں جو کچھ بھی فوج نیز مال و زر و درکار ہو وہ غدوی خاندان مالیشان کے رولت خواہ ہونے کی حیثیت سے پیش کرنے کے لئے آمادہ ہے۔

اسی عرصہ میں حیدر علی کی استدعا سے مادھوراؤ بھی انگریزوں کی مداخلت کے لئے آمادہ ہو گیا لہذا اس مجبوری سے رکن الدولہ بہادر بھی اس کی درخواست قبول کر سہ پر آمادہ ہو گئے۔ اور تمام واقعات حضور آندس کے گوش گزار کئے۔ ان کی مسجد و طبیعت کو یہ باتیں ناگوار گزریں۔ لیکن رکن الدولہ نے کر عزم کیا اور کہا کہ میں اپنے قصور پر نادم ہوں لیکن دولت ابدت کے لئے اس وقت بھی مناسب ہے کہ حیدر علی خاں کا ساتھ دیا جائے۔ بالآخر بندگان غامی نے طوعاً و کرہاً اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔

رکن الدولہ بہادر نے حیدر علی خاں کے ساتھ مل کر انگریزی افواج پر حملہ کیا ابتدا میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی لیکن دوسری لڑائی میں حیدر علی خاں کی فوج کو پسا ہونا پڑا اور حیدر آباد کی فوج کے بھی اکثر آدمی ضائع ہوئے۔

جب جنگ نے مل پکڑا تو نواب سراج الدولہ نے مداخلت کی اور رکن الدولہ سے مصلحت شروع کی اور شایستہ تہمد کے ساتھ ہنگام حضرت کے پاس پہنچا کہ انگریزوں کی طرف سے کوئی لغو حرکت سر نہ نہیں ہوئی۔ محض ہمارے بدخواہوں کی چال پوسی پر غصہ مگلا وہ پوشتونکا ساتھ چھوڑ دیا گیا اور حیدر علی تانگ کی امانت کی گئی۔

کی وجہ سے حیدر آباد اس معاہدہ کو پورا نہ کر سکا اور کمپنی کی فوجوں کو کمپنی کے علاقے میں جلد واپس ہونا پڑا۔ کمپنی کے ساتھ حیدر آباد کے تعلقات میں جو کشیدگی رونما ہوئی، وہ مشاعرے میں دوسرے معاہدے سے رفع ہو گئی۔ اس معاہدے میں والی دکن نے حیدر علی کو فاضل قرار دیتے ہوئے نہ صرف ان اسناد کو منسوخ کرنا منظور کیا جو سابقہ صوبہ دار دکن کے زمانے میں حیدر علی کو دے گئے تھے بلکہ حیدر علی سے اس کا علاقہ لینے کے لئے مدد دینے کا بھی اقرار اس شرط سے کیا کہ کمپنی اس علاقے کے معاوضے میں ساٹھ لاکھ روپے ادا کیا کرے۔ (۵۲)

بقیہ حاشیہ گزشتہ - یہ دیکھنا ہے جس نے تمام عالم میں اندھیر مچا رکھا ہے اور سفت کے مال پر غور کر کے ہمیشہ فاسد خیالات اور بلند مقاصد کے حصول میں مبتلا رہتا ہے۔

ماہرین آصفیہ کی اعانت سے اس مسئلہ پر روغن پاشی نہیں ہونی چاہیے اور نہ اسے اس قدر مشکل کرنا چاہیے کہ بعد میں اس کا بھانا ممکن ہو جائے۔
۶۔ مہر سلطان المہارک کو مہراج الدولہ کے بھیجے ہوئے قاصد مہر فخر نے رکن الدولہ کے توسط سے نذر پیش کی اور خلعت حاصل کیا۔

۷۔ مہر شوال کو رکن الدولہ نے تمام عہد و پیمان طے کرنے کے بعد گورنر اور مہراج الدولہ کے بھیجے ہوئے متخالف سہدگان حضرت کی خدمت میں پیش کئے اور شرف قبولیت حاصل کیا۔

۸۔ مہراج الدولہ اور انگریزوں کے قاصدوں کو خلعت عطا کئے گئے۔ اور حیدر علی کے وفیل اور دیگر سردار اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہو گئے (مشاعرہ جی) (خلاصہ واقعات سترہ صفا ۲، آ ۱۸۶۷)

۱۸ فرارین

۱۹۔ بابۃ دیوانی کرناٹک بالا گھاٹ }

اس معاہدے میں ایک خاص شرط یہ تھی کہ نواب نظام علی خاں ہٹا اپنے بھائی کے انتقال کے بعد یا ان کا طرز عمل ٹھیک نہ رہنے کی صورت میں سرکار کنتور کا علاقہ کھیتی کو عطا کرینگے۔ اور یہ بھی قرار پایا تھا کہ انگریز ضرورت کے وقت حیدر آباد کو امدادی فوج کے دو ہتھکنڈے مع توپوں کے اس شرط پر دیں گے کہ جب تک ان سے کام لیا جائے ان کے اخراجات نواب نظام علی خاں بہادر برداشت کریں مگر ان کو اس فوج کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی اور باوجود اس معاہدے کے کمپنی کے قلعہ اس سلطنت سے معمولی اور غیر معین رہے حتیٰ کہ لارڈ کارنوالس نے سرکار کنتور حاصل کرنے اور اس کی بابت پیش کے سابق بقایا کوٹے کرنے کے لئے ایک برطانوی (ارزیڈنٹ) سفیر مشعلہ میں روانہ کیا۔

کنتور کے مطالبے کے ساتھ کمپنی نے فوجی تیاریاں بھی کیں جن کی بدولت حیدر آباد نے فوراً مطالبہ ادا کر دیا چونکہ سرکار نوٹے حیدر آباد کی اس زمانے میں ٹیپو سلطان سے سمر کر ائی ہو چکی تھی لہذا وہ خود برطانوی حکومت سے معاہدہ کرنے کے بہت خواہشمند تھے اور اس بارے میں اپنے خیالات کو گورنر جنرل پر واضح کرنے کے لئے انھوں نے میر ابو القاسم کو کلکتے روانہ کیا۔ (۵۳)

میر ابو القاسم کی سفارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نیا معاہدہ ہوا

۱۔ سر جان کینوے۔

۲۔ یہ قابل شخص بعد میں میر عالم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے بحیثیت دارالہمام کے نو مہر مشعلہ میں بہ مقام حیدر آباد انتقال کیا۔

۳۔ میر ابو القاسم کی سفارت کا جو حال تاریخ گلزار آصفیہ مولفہ خواجہ غلام حسین خاں میں درج ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۴۔ شہرہ میں جملہ امور و منہجیات کے تصفیہ اور عہدہ پیمان کی یک سوئی

جس میں مشعلہ کے معاہدے کی توضیح کی گئی۔ اس عہد نامہ کو ایک خط کی شکل میں لارڈ کارنوالس نے نواب نظام علی خاں بہادر کے پاس روانہ کیا اور لکھا کہ برطانوی قوم پر بھی اس کی پابندی مثل باضابطہ معاہدوں کے عاید ہوگی۔

تقریباً شبیہ صفحہ گزشتہ - کی غرض سے میرالوائقاسم میر عالم بہادر کو کلکتہ روانہ کیا گیا۔ ان کے ہمراہ پانچ منصب دار عامل الدولہ - میر عباس علی خاں بہادر نظام باجنگ - میر عبدالعزیز خاں بہادر - غلام نبی خاں بہادر و میرزا ابوتراب خاں بہادر مع منقول مساز و سامان روانہ ہوئے۔

کلکتہ کے دوران قیام میں میرالوائقاسم میر عالم بہادر نے لارڈ کارنوالس سے دس مرتبہ ملاقات کی۔ پانچ بار میرالوائقاسم لارڈ بہادر کے مکان پر تشریف لے گئے اور پانچ مرتبہ لارڈ مصروف میرالوائقاسم کی قیام گاہ پر آئے۔ ان ملاقاتوں کے ذریعہ سے دونوں حکمرانوں میں اتحاد و یک جہتی پیدا ہوئی۔ جو معاملات ملے پائے۔ ان کا سودہ حیدر آباد روانہ کیا گیا۔ جسے بندگان حضرت نیز عظم الاعظم نے پسند فرمایا لہذا اسے عہد نامہ کی صورت میں مرتب کر کے لارڈ بہادر کے سپرد کر دیا گیا اور اس کی ایک نقل میرالوائقاسم اپنے ہمراہ حیدر آباد لائے۔

دوران گفتگو لارڈ کارنوالس نے اس بات کی تجویز کیا کہ معاہدہ میں ایک دفعہ یہ بھی شامل کر دی جائے کہ مگرین کے قیام تک و کالت کا عہدہ میرالوائقاسم اور ان کی اولاد اور خاندان کے لئے مخصوص رہے۔ میرالوائقاسم نے اس شرط کو مکمل خوانی کے خلاف سمجھا اور جواب دیا کہ ان مسئلہ کا انحصار خداوندیت کی عنایت و خوشنودی پر ہے جسے چاہیں مناز و سفر زکریاں اور اضر کر کے اسے سو سے خارج کر دیا۔

میرالوائقاسم کی کلکتہ سے واپسی کے وقت لارڈ کارنوالس نے پیغام سمجھا کہ میں پانچ بار آپ کے مکان پر گیا اور پانچ دفعہ آپ نے مجھے تحفہ کی لیکن میری بی بی ہوی اگر ایک بار آپ اور زمرمت گوارا فرمائیں اور وہی سے قبل ملاقات سے سرور فرمائیں تو مناسب گاہ لارڈ میرالوائقاسم کی بل پھر لارڈ مصروف سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے ان کے روانہ ہونے کے وقت لارڈ کارنوالس نے انھیں نیران کے ساتھ کے منصبداروں کو مکتبی جو اہر و دیگر تحائف مع خلعت کے پیش کئے۔

لے ہوا لارڈ کارنوالس نے نواب نظام علی خاں بہادر کو تحریر کیا کہ جب تک مناسب وجوہ نہ بتائے جائیں میں

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر ابو القاسم کو اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ گورنر جنرل کو اس بات پر آمادہ کرے کہ معاہدہ ۱۶۷۸ء کے ان دفعات کی تکمیل ہو جائے جن کی رو سے کمپنی کو کرنٹاک یا لاگھا کی دیوانی اس شرط سے ملی تھی کہ وہ اس علاقے کے معاوضے میں آصفیاء نظام علی خاں بہادر کو سات لاکھ روپیہ سالانہ پیش ادا کرے۔ یا بہ الفاظ دیگر ۱۶۷۸ء کے معاہدے کی بنیاد پر کمپنی ٹیپو سلطان کو اس کے علاقے سے بے دخل کرنے کی تہذیب کرے۔

گورنر جنرل نے ان تجاویز کو ناقابل تسلیم قرار دے کر رد کیا کیونکہ اسے ایک مدت دراندز پرچی تھی اور جس فراز والے مقبوضات پر ان کا اثر پڑتا تھا اس سے برطانوی حکومت کے تعلقات اس وقت دوستانہ تھے۔

اگرچہ اس وقت تک ٹیپو سلطان نے کمپنی یا اس کے حلیفوں کے خلاف کسی علانیہ مخالفت کا اظہار نہیں کیا تھا تاہم اس کا طرز عمل

بغیر حاشیہ صنوبر گزشتہ۔ اپنے ملک کے توپیں اور شاہ انگلتان اور کمپنی کے احکام کی وجہ سے ایسا معاہدہ کرنے سے مجبور ہوں اپنے مل سلو روڈ پر جو لائی مشاعریں وہ ان معاہدہ کو بیان کرتا ہے جن کی بنیاد پر انگریزی حکومت کو سرکار سنور کے مطالبہ پر اصرار تھا اور پیش کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے بحر قزحی عزت کے ادارہ کو کی ضمانت دینے پر جو اعتراضات تھے ان کا ذکر کرنے کے بعد (جس کے ساتھ بقایا کے لئے خاطر خواہ ترجمہ ہو چکا تھا) ۱۶۷۸ء کے معاہدے کی دفعہ ۶ کے مفہوم کو بیان کرتا ہے کہ کس دفعہ میں فوج کا وعدہ کیا گیا ہے وہ فرازدائے وکن کے طلب کرنے کے وقت دیا جائے گی لیکن اس کے ساتھ یہ شرط ہوگی کہ اس کے کسی ایسی طاقت کے خلاف کام نہیں لیا جائے گا جو کمپنی کی حلیف ہو یعنی پٹن پور رحمان کو جو صوبہ سندھ میں اور صوبہ رگھو جی جو سندھ اور دیگر حصے سرور اور آف وکان کے نائب و بڑا وڈا جو رڈ وڈا وڈا اور اس تشریح سے معاہدے کی ایک خاص شرط میں بہت بڑا فرق آگیا ۱۶۷۸ء کے معاہدے سے نواب میر نظام علی خاں بہادر کا یہ حق پورے طور پر قائم ہو گیا اور کمپنی کے مندرجہ بالا حلیف فرمانرواؤں اور سرداروں کے علاوہ جس کے خلاف وہ چاہیں اس فوج کو استعمال کریں اور چاہیں اسے رکھیں۔

خضر الیسا رہا ہو گا جس کی وجہ سے لارڈ کارنوالس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ لازمی طور پر مخلصانہ ارادے رکھتا ہے ورنہ گورنر جنرل خدیوہ بالا تنجا ویز کی بناء پر حیدر آباد سے اس تہ کا سیاسی معاہدہ نہ کرتا جس کی حیثیت (۵۵) از روئے انصاف سلطان لمپو کے خلاف ایک دفاعی معاہدے سے کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

لمپو سلطان کے خلاف لمپو سلطان کے خلاف اتحادی معاہدے کی تجدید سے اگر پارلیمنٹ کے قانون کے الفاظ کی حیدر آباد سے معاہدہ۔

کی توجہ و مخالفت ہوتی ہے۔ ۱۷۷۱ء کا معاہدہ یقیناً ایک اتحادی معاہدہ تھا۔ اگرچہ لارڈ کارنوالس اپنی تحریر مورخہ یکم جولائی ۱۷۷۱ء میں بیان کرتا ہے کہ زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے وہ معاہدے کے صلح نامے کے ان دفعات پر عمل نہیں کر سکتا، جن کی رو سے کرناٹک بالا گھاٹ کی دیوانی کمپنی کو ملنی چاہئے تھی تاہم اسی خط میں وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ اگر آئینہ واقعات ایسے پیش آئیں کہ کمپنی آپ کی امداد سے مندرجہ بالا مقامات پر قابض ہو جائے تو وہ آپ کی اور سر میٹوں کی مرضی کے موافق ان شرائط کی پوری تکمیل کرے گی۔

یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ۱۷۷۱ء کے معاہدے کے بعد سے کمپنی اور حیدر علی خاں کے درمیان دو اور معاہدے ہو چکے تھے اور ۱۷۷۱ء میں کمپنی نے اس کے بیٹے لمپو سلطان سے بھی ایک معاہدہ کیا تھا جس میں اس کی بادشاہی کو اس کے متقبضہ علاقے پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں اس کی طاقت کے خلاف اتحادی معاہدے کو کسی ترمیم کے ساتھ بھی از سر نو تازہ کرنے سے سلطان کو یقیناً جبرت ہوئی ہوگی اور یہ جبرت اس فقرے سے دوہرائی جاسکتی تھی جو اس کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا کہ اس کی سلطنت پر کوئی فوری (۵۶) حملہ نہ کیا جائے۔ اس فقرے کے بعد کی عبارت سے صاف ظاہر

تھا کہ جن دفعات کی رو سے اس معاہدے کے فریقین ٹیپو کو اس کے چند علاقوں سے بے دخل کرنا ضروری سمجھتے تھے، ان کی تکمیل کسی وقت بھی عمل میں آسکتی تھی اور کم از کم بعید از امکان نظر نہیں آتی تھی۔ اس معاہدے کی دوسری شرط جس ٹیپو کو لازمی طور پر تنخواش ہونی چاہیے تھی، اس اعانتی فوج کے اشتغال کے متعلق تھی جو حیدر آباد کو دی گئی تھی۔ اس فوج کو محض اس شرط کے ساتھ فرما کر دئے گئے کہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ اسے کپنی کے حلیف مسلمانزادوں اور سرداروں کے خلاف جن میں ٹیپو کا نام شامل نہ تھا، کام میں نہ لایا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جس وقت ٹیپو نے اس معاہدے کے متعلق سنا ہوگا اس وقت سے اس کے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو گئے ہونگے۔

یونان کے ریڈینٹ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کے وزیر نے بھی اسے اپنے آقا کے خلاف ایک اقدامی معاہدہ تصور کیا۔

جن حالات میں کہ یہ معاہدہ کیا گیا تھا، ان سے کوئی شخص واقف نہیں لیکن ہر ایک کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ٹیپو سلطان کے بلند حوصلوں کا مقابلہ کرنے اور اس کی سازشوں کے جال توڑنے کے لئے برطانوی قوم کو حفظ یا تقدم کے اصول کے لحاظ سے نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت تھی لیکن جو کچھ اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ پارلیمنٹ کے قانون سے جو قیود عاید ہوئے تھے ان کی لفظی بحث سے متاثر ہو کر گورنر جنرل نے ایسا طرز اختیار کیا جو بلحاظ (۵۷) وفاق داری محض قابل اعتراض ہی نہ تھا بلکہ ٹیپو سلطان کے نزدیک اس معاہدے سے کہیں زیادہ اقدامی۔ اشتغال انگیز اور جنگ کے اسباب مہیا کرنے والا تھا جو علانیہ اور سبجا طور پر اس کے غیر معمولی

حصولوں کے روکنے کے لئے دفاعی طور پر کیا جاتا۔
جیسے ہی ٹیپو سلطان کی ملی مخالفانہ پیش قدمی سے لارڈ کلرکس
کو ان قیود سے آزادی ملی، جو اس کے نزدیک پارلیمنٹ کے قانونی
الفاظ سے اس پر عائد تھے اس نے بہ محبت ممکنہ اپنی پوری اختیاری
کوشش کی کہ حیدر آباد اس جنگ میں پوری تین دہائی سے شریک
ہو جائے جو اس خطے کے سب سے کمزور تھے۔ ان میں وہ اپنے تاکیدی کرتا ہے
کہ وہ دربار حیدر آباد کو مطلع کر دے کہ سلطان اور کمپنی کے درمیان جو
صلح نامہ تھا، اسے ٹیپو توڑ چکا ہے اور تمام اختیاری مواقع پر جو اسے
حاصل ہو سکیں، وہ سلطان کی بے وفائی کو حقیقی طور پر نمایاں کرتا رہے
اور بندگانِ حضرت اور ان کے دُشمنوں کو واضح طور پر سمجھا دے کہ اس
موقع پر برطانوی حکومت سے قریبی تعلقات قائم کرنے سے ان کا
بڑا فائدہ ہو گا۔

گورنر جنرل نے ریزولوشن کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ وہ انہیں
اس بات کا بھی اطمینان دلا دے کہ جب تک جنگ سے پورے
خواجہ حیدر آباد کو حاصل نہ ہو جائیگے ٹیپو سلطان سے صلح نہ کیا جائے گی
اور چونکہ ٹیپو سلطان کی اس حرکت سے انگریزی حکومت اب آزاد
ہو گئی ہے لہذا وہ حیدر آباد سے ایک ایسا معاہدہ کرنے کے لئے
آمادہ ہے جس کی رو سے فریقین پر ایک دوسرے کے ان علاقوں
کی حفاظت لازم ہوگی جو اختتامِ جنگ پر ان کے زیرِ نگیں
ہوں۔

انہیں ہدایات کے ساتھ حیدر آباد کے ریزولوشن کو اس بات
کا بھی کمال اختیار دے دیا گیا کہ اگر ٹیپو سلطان کی باج گزار ریاستوں

یار عایا میں سے کوئی کمپنی کے ساتھ تعلقات قائم کرنا چاہے تو اس کی ہمت افزائی کی جائے اور اسے اس بات کی بھی ہدایت کی گئی کہ وہ میپو کے ارادے معلوم کرنے کے لئے معتبر اور با وقعت اشخاص سے کام لے یا اس کے وزیر یا اعلیٰ عہدہ داروں میں سے کسی کو ترغیب دلا کر اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ سلطان کو چھوڑ کر انگریزی حکومت کے ہدایات پر عمل کرے اور اسے سلطان کا تختہ اُلٹنے کی کوششوں میں مدد دے۔ رزولوشن کو اس امر کا یقین دلایا گیا کہ اس قسم کے اشخاص سے جو معاہدہ بھی وہ کرے گا حکومت اس کی سختی سے پابندی کرے گی۔

ان ہدایات کے بموجب دربار حیدر آباد سے ایک دفاعی اور اقامی معاہدہ قرار پایا جس کی گورنر جنرل باغلاس کونسل نے ۲۱ جنوری ۱۸۰۹ء کو توثیق کر دی۔ اس معاہدے کے شرائط یہ تھے کہ میپو سلطان کی تادیب کی جلد تدبیر کی جائے اور آئندہ کے لئے اسے امن میں خلل ڈالنے کے ذرائع سے محروم کر دیا جائے۔

نواب میر نظام علی خاں بہادر اور پیشوا جنگ میں نہایت زبردست حصہ لیں حیدر آباد سے دس ہزار سوار کا ایک رسالہ افواج کمپنی کے ساتھ (۵۹) کام کرنے کے لئے بھیجا جائے اس کے اخراجات کمپنی ادا کرے گی اور صلح کے بعد بجز ان مقامات اور قلعوں کے جن پر کمپنی دیگر فریقین کی شرکت سے قبل قبضہ کرنے تمام مفتوحہ علاقے کی مساوی تقسیم ہوگی۔

خاص خاص زمیندار اور پالیگار جو پہلے حیدر آباد اور مرہٹوں کے تحت رہ چکے ہیں (اگر ان کے قلعے یا علاقے تسخیر ہوں) تو مثل سابق ان کی وہی حیثیت قرار دی جائے گی۔ اگر دانتات کے لحاظ سے مصلحت صلح میں سمجھی جائے تو اس کا تصفیہ بھی باہمی اتفاق سے ہوگا

اور صلح کے بعد گزرتھیں میں سے کسی ایک پر قبضہ کرے، تو ان شرائط اور اس طرز پر جو بعد میں قرار پائے، سب مل کر اس کی تائید کریں۔ رزیدنٹ کی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب میر نظام علی خاں بہادر برابر مرہٹوں پر شبہ کرنے رہے اور ایک مرتبہ اشتراکات میں رزیدنٹ سے انھوں نے دریافت کیا کہ افواج سلطنت جب کمپنی کی حفاظت کر رہی ہوں، اگر اس وقت پیشوا امیو کے ایسا سے حیدر آباد پر حملہ کر دے تو آپ کی حکومت کیا کرے گی۔ رزیدنٹ نے شرافت آمیز جواب کے ساتھ جواب دیا کہ ”کمپنی فرمانروائے دکن کی حفاظت کے لئے اپنی ہر چیز تیار کرنے کے لئے تیار ہوگی“ اس سے قدرے اطمینان ہوا لیکن گفت و شنید کے اثنا میں وہ متواتر اس بات پر زور دیتے رہے کہ کمپنی ان کی سلطنت کی حفاظت کے لئے اس معاہدے میں ایک مخصوص دفعہ شامل کر دے لیکن گورنر جنرل کو یہ خوف تھا کہ شاید یہ بات مرہٹوں کے خلاف پڑے اور وہ جنگ میں مدد نہ دیں۔ اس کا یہ خوف سچا تھا لہذا اس نے نواب میر نظام علی خاں بہادر کی اس تجویز کو ٹال دیا لیکن اس کے ساتھ ہی رزیدنٹ کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ انھیں اس امر کا یقین دلا دے کہ آئندہ کسی مناسب موقع پر اس کی تکمیل ضرور کر دی جائیگی۔

جس اصول کی بنا پر لارڈ کلارنوالس نے فرمانروائے دکن کی اس تجویز کو ٹال دیا اسے وہ اپنے ایک مراسلے میں جو اس نے رزیدنٹ کو لکھا تھا صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ جب نواب نظام علی خاں بہادر اس تجویز پر غور کرینگے کہ مرہٹوں کی طرف سے نامناسب مطالبات کی صورت میں کمپنی مداخلت کرے تو ان پر یہ بھی روشن ہو جائیگا کہ ایسی حالت میں جب کہ مرہٹے نہایت اخلاص اور خوشی سے اس

اتحاد میں شریک ہو گئے ہیں ان کی بابت میرا یہ خیال کرنا کہ وہ خود اپنے ایک حلیف کے ساتھ نا انصافی کرینگے کس قدر نازیبا ہوگا اور اس قسم کی شرط کو وہ اپنے لئے کس قدر مضر اور شتعال انگینہ سمجھینگے۔

(۶۱) اسی سلسلے میں وہ لکھتا ہے کہ ”فرمانروائے دکن پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہیں ان کے مفاد کا لحاظ رکھنے اور ان کے خواہشات پورا کرنے کے لئے خود بہت کوشاں ہوں۔ انھیں مطلع کر دو کہ اگر مرہٹوں کو کوئی خاص اعتراض نہ ہو اتویں اس معاہدے میں ایک زائد دفعہ شریک کر دوں گا کہ اگر فریقوں میں کوئی باہمی تنازعہ پیش آئے تو تیسرے فریق پر لازم ہوگا کہ وہ ہمیشہ ثالث کے اس میں مداخلت کرے اور اختلافات کو از روئے انصاف اور صلح پسند طریقے سے حل کر لے۔“

اسی مراسلے میں اس نے رزیڈنٹ کو اس بات کا بھی اختیار دیا کہ وہ نواب نظام علی خاں بہادر اور ان کے وزراء کو نفین و لادے کر اگر مذکورہ بالا شرط تسلیم کر لی گئی اور اس کے مطابق اگر کسی موقع پر مجھے مداخلت کرنی پڑی تو آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کی سلطنت کو نقصان سے بچانے اور اس کا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ کوشش کروں گا۔“

ان زبانی وعدوں کا اثر یہ ہوا کہ فرمانروائے دکن نے ان پر اختیار کر لیا اور پس منظر میں کہ معاہدہ پیش ہوا تھا اسے منظور کر لیا۔ گورنر جنرل کے زبانی وعدوں سے ہندوگان حضرت کو جو توقعات ہو گئے تھے ان کی تائید گورنر جنرل کے مراسلے موزعہ ۲۹ جولائی ۱۸۱۷ء سے ہو گئی جو اس نے معاہدے کے مسودہ کے ساتھ روانہ کیا تھا۔

رزیڈنٹ کو وہ ایک مراسلے میں تحریر کرتا ہے کہ ”مجھے کامل

(۶۲) یقین ہے کہ تم دربار حیدر آباد پر اس بات کے غماہ کرنے میں کچھ کسر نہ اٹھا رکھو گے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد اور وقار کے لحاظ سے اپنے وعدوں کی سختی سے پابندی کریں اور جنگ کو نہایت شد و مد کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے اپنی حکومت کی پوری قوت صرف کریں۔ تم پر لازم ہے کہ تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ فرمانروائے دکن اور ان کے وزراء کو ہماری حکومت سے آئندہ گئے لئے جو توقعات ہو سکتے ہیں انہیں وہ کہیں بچا اور مخالفہ آئینہ اہست نہ دیں اور حیدر آباد کے مفاد کے بارے میں تم خود ایسے الفاظ مرگز استعمال نہ کرنا جن سے مرہٹوں کو حسد کرنے کا موقع ملے لیکن اس کے ساتھ ہی نواب نظام علیاں بہاؤ اور ان کے وزراء کو اس بات کا یقین دلاتے رہو کہ اس جنگ کے جاری رکھنے میں ہمارے مفاد و مصالح کا وہ جس قدر لحاظ رکھینگے اور اس کا جس قدر ثبوت دینگے اس کے عداوت میں وہ ہمارے خلاف وہ اعانت کی توقع رکھ سکتے ہیں اور وہ دیکھینگے کہ جب کبھی یہیں مناسب موقع ملے گا اور جہاں تک دیگر مفوضوں سے ہمارے معاہدے ہیں اجازت دینگے کہ ہم دونوں حکومتوں کے درمیان تعلقات بڑھانے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہینگے۔

اس نازک موقع پر مارکولس کارنوالس نے فرمانروائے دکن کے ساتھ یہ مسلک اختیار کیا کہ امدادی فوج سے ان کی سلطنت کی حفاظت کا فوری انتظام کر دیا اور میسور سلطان کے خلاف ان سے دفاعی اور اقدامی معاہدہ کر لیا اور اس کے منقول اور نفع بخش شرائط سے انہیں آئندہ کے لئے بڑے بڑے مستقل فوائد کی امید دلائی اور ان کے دربار کے برطانوی رزیدنٹ کی معرفت دلجوئی کی باتیں کر کے اس بات کی بھی امید دلائی کہ ان کی طاقت کو جو سب سے بڑا خطرہ اپنے ہمسایہ مرہٹوں کی غیر فتنائی ہوس سے لگا رہتا ہے اس سے بھی انہیں پورے طور پر نجات مل سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تہ میں جو دانشمندی مضمون تھی وہ اس کے نتائج سے ظاہر ہو گئی۔ ہندو ازماء نے دکن نے نہایت دلی صداقت اور تن و ہری سے سلطان کے خلاف جنگ میں شرکت کی۔ ان کی فوج کی تعداد اور آمدنی کے ذرائع کو دیکھتے ہوئے ان کی امانت سے جس قدر فائدے کی توقع ہو سکتی تھی اگرچہ وہ ان کے سپاہیوں کے خصال اور ان کی حکومت کے طرز عمل سے ماہل نہ ہو سکا، تاہم اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کی جدوجہد کا طریقہ کتنا ہی خراب کیوں نہ رہا ہو، جنگ کے خوشگوار خاتمے میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا اور درحقیقت بغیر ان کی امانت کے یہ جنگ اس قدر بڑے پیمانہ پر نہیں ہو سکتی تھی۔

تیموریو سلطان کے صلح نامہ سلطانی کے بعد سے برطانوی حکومت کے تعلقات دربار یونا سے خوشگوار گرمیوں سے رہے تھے جب تیموریو سے جنگ کے آثار نظر آئے تو لارڈ کارنوالس نے پیشوا سے معاہدہ کرنے کی طرف توجہ منہ دل

کی اور جب سلطان کے طرز عمل سے جنگ یقینی ہو گئی تو اس نے یونا (۱۶۴۱ء) کے برطانوی ریزیڈنٹ کو تقریباً وہی ہدایات روانہ کئے جو اس وقت حیدر آباد کے ریزیڈنٹ کو بھیجے گئے تھے۔ دربار یونا سے کوئی تعاون کا معاہدہ نہ تھا۔ مرہٹوں کی فوج کے ساتھ (جو تقریباً سوا تھے) انگریزی پیدل فوج کی قلیل تعداد شریک کرنے میں خطرہ تھا لہذا گورنر جنرل نے ان ہدایات میں یہ توجہ ظاہر کی کہ مرہٹے جنگ

۱۔ یہ معاہدہ ماسوجی سندھیا اور انگریزی حکومت کے درمیان ۱۷۸۲ء میں ہوا تھا۔

۲۔ سر چارلس میلٹ۔

۳۔ مورخہ ۱۷۸۲ء جنوری ۱۷۸۲ء

میں خود اپنی فوج سے کام لیں، لیکن رنڈیلٹ کو مطلع کر دیا کہ اگر برطانوی فوج کی امانت کے بغیر مرے جنگ میں متہدی سے کام کرنے لئے آواہ نہ ہوں تو اس کا بھی انتظام کر دیا جائیگا۔

واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست یونا مختلف اسباب کی بنا پر مجوزہ معاہدے کے لئے پورے طور سے آمادہ تھی۔ مہنوں کے معاملات میں عام طور سے جوتاخیر ہوا کرتی ہے وہ اس نازک وقت پر سخت پریشانی کا باعث ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے اس موقع پر ان قبیلوں کے منہر اثرات کو بہت محسوس کیا جن کی وجہ سے وہ پیشوا سے کسی ایسے موقع پر معاہدہ نہ کر سکا جب کہ اسے ضرورت کم تھی اور حالات اس کے زیادہ موافق تھے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ قانون ساز جماعت نے یہاں کی حکومت کے لئے عدم مداخلت کا جو طرز عمل قرار دیا ہے اس سے بلاشبہ چند فوائد ظہور میں آئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ناگزیر وقت بھی پیش آیا کہ ہمیں اس سے پہلے سے متفقہ حلیوں کی (۶۵) ادھوا حاصل کئے بغیر جنگ کرنے کی ضرورت پیش نہ آجائے۔

اگر ہم راجہ ٹراؤنکھور کو بس کا نام اس معاہدے میں ہمارے حلیوں کی فہرست میں شامل ہے ذلیل و پائمال ہونے دیتے تو سچا طور سے ہم پر بزدلی اور عہد شکنی کا الزام مائد ہو سکتا تھا اور اس کی وجہ سے ہم نام نہاد دستاویزی طاقتوں کی نگاہ میں ذلیل ہو جاتے۔ ایسی حالت میں جب کہ ہم گزشتہ چند سال سے تقریباً ہر روز مہنوں اور ویرانہ آباد سے مجبوراً یہ کہتے آئے ہیں کہ ہم ان سے کسی قسم کا کوئی جدید معاہدہ ٹیپو کی مہوس اور

۱۵۔ سہوالہ مراد سوزہ ۲۸ فروری بنام سر جارجس میلٹ۔

نا انصافیوں کو روکنے کے لئے نہیں کر سکتے تو آج ہم کس منہ سے اور کس طرح اپنا حق بخلا کر مرہٹوں سے اس بات کا مطالبہ کر سکتے ہیں کہ ٹیپو سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں انھوں نے ہمارا ساتھ دینے کا جو وعدہ کیا تھا اور جسے وہ برابر دہراتے رہے ہیں اسے اب وہ پورا کریں۔

اس مراسلے میں گورنر جنرل اپنے ارادے کو دہراتا ہے کہ وہ ٹیپو کے خلاف وفاقی معاہدے کی تجویز مرہٹوں کے سامنے ضرور پیش کریگا اور اگر اس قسم کا معاہدہ کئے بغیر وہ ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو گئے تو میری رائے میں وہ از روئے انصاف اس قسم کے معاہدے کے ادریسی زیادہ مستحق ہو جائینگے۔“

(۶۶) دوسرے مراسلے میں لارڈ کارلوائس رزیڈنٹ کو اختیار دیتا ہے کہ اس جنگ میں اس کے جو ارادے ہیں ان سے وہ دربار پونا کو آگاہ کر دے۔ اپنا پہلا ارادہ وہ یہ بتاتا ہے کہ اٹھائیس جنگ میں یا جنگ کی تیاری میں بمبئی کو جو کچھ صرف کرنا پڑے اور جو نقصان اسے برداشت کرنے پڑے، ان سب کی تلافی ٹیپو سے کرائی جائے اگر وہ نظام دکن اور مرہٹے جنگ میں شریک ہو جائیں تو اس کا دوسرا مقصد یہ ہو گا کہ ٹیپو کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ اس نے اور اس کے باپ نے ان دونوں طاقتوں کے جو علاقے غصب کر لئے ہیں اور جن پر وہ اس وقت قابض ہے، ان سب سے وہ دست بردار ہو جائے۔ علاوہ ازیں کرناٹک اور پالین گھاٹ کا جو علاقہ اس کے تحت ہے اس سے بھی وہ دست برداری دے اور چونکو سٹل طیار کے بیڑوں پر اس نے دل ہلانے والے حملے نہ مظالم کئے ہیں لہذا امیر ارادہ ہے کہ اس بات پر اصرار کیا جائے کہ یہ لوگ

ہمیشہ کے لئے اس کی حکومت سے آزاد ہو جائیں؟
 کچھ عرصے بعد انگریزوں اور مرہٹوں میں لمبیوں کے خلاف
 ایک اتحادی اور دفاعی معاہدہ ہو گیا اور ۵ جولائی ۱۸۱۷ء کو اس
 پر دستخط ہو گئے۔

قیسوسلطان کے اس معاہدے کے شہر اٹھ مجموعی طور پر حیدر آباد کے
 خلاف اتحاد کی معاہدے سے کسی قدر مختلف تھے۔ اس معاہدے
 میں یہ اقرار پایا تھا کہ پیشوا کو اختیار ہو گا کہ وہ اثناء
 جنگ میں حیدر آباد کی طرح انگریزی فوج کا ایک
 حصہ بن سکے۔

دستہ اپنی اعانت کے لئے حاصل کرے اور اس کے ساتھ ہی اگر
 ضرورت پڑے اور مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنی سوار فوج کا ایک
 دستہ حیدر آباد اور انگریزوں کی فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کے
 لئے پیشا کرنے۔

(۶۷) تھوگر نرجنل نے دولت رائے کو سنا دیا اور رگھوجی بھوسلے
 سے التجا کی کہ وہ اس اہم معاہدے کو کامیاب بنانے میں اپنا پورا
 اثر ڈالیں، لیکن اگر نانائے نرس فوجی اور ریاست پونا کے دوسرے
 فوجی سرداروں کے لئے اس وقت دیگر زبردست محرک قوتیں موجود
 ہوتیں تو باوجود مذکورہ بالا سرداروں کی کوششوں کے پیشوا کی مجلس
 کے حیدر نانائے نرس فوجی پر کوئی اثر نہ ہوتا اور وہ اس مسلک پر ہرگز
 عمل نہ کرتا۔ قیسوسلطان مرہٹوں کو نیچا دکھا چکا تھا۔ اس کی طرف
 سے انھیں اب بھی خوف لگا ہوا تھا۔ قیسو اور اس کے باب
 حیدر علی خاں نے ان کے جو زرخیز علاقے چھین لئے تھے ان کے
 دوبارہ حاصل کرنے کی بھی انھیں خواہش تھی، لہذا دیگر اسباب
 کے ساتھ ہر مرہٹوں کی شرکت کے یہ بھی خاص وجہ تھے۔

نواب میرنظام علی خاں بہادر کے دل میں بھی کچھ اسی قسم کے مقاصد تھے اور اگرچہ لارڈ کارنوالس نے دربار حیدر آباد اور میسور دونوں سے معاہدہ کرنے اور تعلقات بڑھانے کی کوشش میں حکومتی ذمیت نہیں اٹھا رکھا تھا تاہم اسے اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر اسے اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی تو صرف مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر ہی ہوگی۔ وہ اپنے اس خیال کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے کہ "اس وقت نظام اور میسور کی اعانت پر بھروسہ کرنے کی صرف یہی ایک وجہ ہے کہ اس معاملے میں ان کے ذاتی اغراض اور انتقامی جذبات شامل ہیں۔ میسور سے ان دونوں کو نقصان پہنچ چکا ہے اور مزید برآں اس کی حریم و مہوس کی کچھ انتہا ہی نظر نہیں آتی۔ لہذا یہ دونوں کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے جس سے انھیں (۶۸) سلطان کی طاقت کم کرنے کی توقع ہو سکے۔"

واقعات کراٹکنور اب ان واقعات کا بیان کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے میسور سے جنگ چھڑی۔ جنگ چھڑنے کے بعد حکومت فورٹ سینٹ جارج نے جو طرز عمل

اختیار کیا اور اس کی وجہ سے لارڈ کارنوالس نے جو تدابیر اختیار کیں ان کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میسور نے کراٹکنور اور جیکوٹہ کے علاقوں کو حاصل کرنے کی غرض سے راجہ ٹراونکور کی سرحد پر حملہ کیا۔ سلطان نے اس حملے کا سبب بیان کیا کہ اگرچہ راجہ نے یہ دونوں علاقے ڈبچ سے خریدے ہیں لیکن درحقیقت وہ اس کے باوجود راجہ کو چین کی ملک ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی میں ہیں۔ حکومت مدراس نے (حکومت بنگال کی ہدایت کے بموجب) راجہ ٹراونکور کو مشورہ دیا کہ وہ ان علاقوں کے بیچانے کو منسوخ کرے

راجہ نے اس کی تعمیل سے انکار کیا اور جواب میں یہ دلیل پیش کی کہ ٹیپو کا بیان قطعی غلط ہے۔ ڈیچ نے یہ مقاسم پر تنگی لیبوں سے خرید کئے تھے اور اس پر وہ عرصے سے قابض تھے اور اس وقت تک راجہ کو چین حکومت میسور کا باجگذار بھی نہیں بنا تھا۔

جب اس اعتراض کی اطلاع بنگال روانہ کی گئی تو حکومت عالیہ نے حکومت فورٹ سینٹ جارج کو اس بارے میں مفصل ہدایات روانہ کئے۔

(۶۹) ان ہدایتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر پوری تحقیقات کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ جس وقت راجہ کو چین میسور کا باجگذار بنا تھا اس وقت تک مقامات زیر بحث اس کی ملکیت میں تھے تو راجہ کو ان سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ اور اگر برخلاف اس کے یہ ثابت ہو کہ اس کے باجگذار ہونے کے وقت یہ مقامات اس کی ملکیت میں شامل نہ تھے تو ٹیپو سلطان کے مطالبات کی مخالفت کی جائے اور راجہ ٹراونکور کے جائز حق اور قبضے کو برقرار رکھا جائے۔ اگر ان ہدایات کے موصول ہونے سے قبل ہی ٹیپو ان مقامات پر قبضہ کر لے تو حکومت مدراس مذکورہ بالا اصول کے تحت حتی الوسع مصالحت کے ذریعے سے معاملہ طے کرنے کے لئے ٹیپو سے مراسلت شروع کرے حکومت عالیہ نے اس مراسلے میں یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ اگرچہ یہ مقامات راجہ ٹراونکور کی ریاست کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں، تاہم جنگ کے اہم نتائج کے مقابلے میں انہیں ترجیح نہیں دی جائیگی۔ لیکن اس طے ساتھ ہی ہم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ نقصان یا توہین کو

خاموشی سے برداشت کرنا ہمیشہ مضراور مہلک ثابت ہوتا ہے، حکومت عالیہ نے حکومت فورٹ سینٹ جارج کو مزید ہدایت روانہ کی کہ اگر بیپوان مقامات پر قبضہ کر چکا ہو تو اسے وہاں سے نکالنے کا اس وقت تک خیال نہ کیا جائے جب تک کہ سلطان راجہ ٹراونکور کے کسی دوسرے علاقے پر ہاتھ نہ ڈالے اور اگر وہ کسی ایسے علاقے پر بھی حملہ کر چکا ہو تو حکومت فورٹ سینٹ جارج کو قطعی طور پر حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے اس نعل کو علانیہ مخالفت اور اعلان جنگ پر محمول کرے اور اس جنگ کو پوری قوت اور مستعدی سے جاری رکھے۔

حکومت فورٹ سینٹ جارج نے ان احکام کی قطعی پابندی نہ کی، بلکہ جن دلائل پر یہ احکام مبنی تھے ان کا اپنے جواب میں ابطال کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ راجہ ٹراونکور کا ڈپٹیج سے کراٹنگور اور جیکوٹ کا خرید کر ناہر لحاظ سے انصاف اور مصلحت دونوں کے خلاف تھا، لہذا وہ برطانوی حکومت کی اعانت کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔

حکومت مدراس نے بیپو سلطان کو جو مراسلہ روانہ کیا اس میں مندرجہ بالا ہدایت کو ملحوظ نہ رکھا اور اپنے خیالات کی بناء پر اسے یہ تحریر نہ کیا کہ اگر یہ بات ثابت ہوگئی کہ ڈپٹیج کو ان مقامات کے فروخت کرنے کا حق تھا تو برطانوی حکومت سلطان کے ہر حملے کی مدافعت کریگی۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ راجہ ٹراونکور کو جو مراسلہ روانہ کیا گیا اس میں حکومت مدراس نے اس مسئلے پر محض سکوت ہی اختیار نہ کیا بلکہ اپنے طرز تحریر سے یہ ظاہر کر دیا کہ راجہ کو انگریزی حکومت سے کسی قسم کی اعانت کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔

حکومت فورٹ سینٹ جارج کو اپنی فوجیں جمع کرنے اور تجارتی بین دین روکنے اور نواب کرناٹک کے قریبی خواہموں کے

اقساط بند کرنے کا بھی حکم دیا گیا تھا اور یہ ہدایت کی گئی تھی کہ حتیٰ الامکان مصارف میں کمی کی جائے تاکہ حکومت کے تمام وسائل جنگ کی تیاری میں لگائے جاسکیں۔ لیکن اگر ان ہدایات کو قطعی نظر انداز نہیں کیا گیا تو کم از کم ایک بڑی حد تک انہیں ٹالا ضرور کیا۔ کفایت کے لحاظ سے جنگ کی تیاریاں ایک محدود پیمانے پر کی گئیں اور وہ بھی نہایت بچہ سے طور سے شروع کی گئیں اور نقد سرمایہ کا ایک بڑا حصہ تجارت میں بھی لگا رہا۔

حکومت عالیہ نے اس کارروائی پر ابتدا میں اظہار نفرت کیا اور اس پر نہایت سخت سختہ چینی کی اور سخت ترین الفاظ میں حکومت مدراس سے جواب طلب کیا کہ باوجود ناطق اور متواتر احکام و ہدایاں کے اس قدر نازک وقت میں اس قسم کا طرز عمل کیوں اختیار کیا گیا۔

جب ٹیپو ٹرانکور کی سرحد پر پہنچا ہوا تو اس نے حکومت مدراس کو دو خط روانہ کئے۔ اپنے طرز عمل کی تلافی کرنے کی غرض سے اس نے یہ عذر تحریر کیا کہ راجہ ٹرانکور کے سپاہیوں کے نازیبا حرکات سے متعلق ہو کر میری فوج نے یہ حملہ کر دیا تھا۔ ان خطوط میں اس نے انگریزی حکومت کی دوستی کا بھی خوب دم بھرا تھا۔ اگرچہ اس کا طرز عمل اس تمام زبانی جمع خرچ کے قطعی خلاف رہا تھا، تاہم حکومت مدراس نے اسے سلطان کے صلح پسند ارادوں کا ناقابل تردید ثبوت سمجھا۔ اسی موقع پر فورٹ سنیت جارج کے گورنر جان ہالنبیڈ نے لارڈ کارنوالس کو ایک خط لکھا اور اس میں انگلستان واپس ہونے کا ارادہ ظاہر کیا اور ٹرانکور کے معاملے

۱۷۰۔ (سوال نمبر ۸۰ فروری)

۱۷۱۔ (سورہ ۲۴) دسمبر و دسمبر جنوری

پر بھی اپنے خیالات کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اظہار کیا کہ مہاتنک
میں اندازہ کر سکا ہوں، ٹیپو کا مقصد کمپنی سے ہٹا کر کرنے کا نہیں ہے
البتہ وہ ہمارے حلیف راجہ ٹراونکور کے طرز عمل سے براہِ وقت
معلوم ہوتا ہے اور آپ اس بات کا خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس
حضرت کا وہ ہم سے اور بین الاقوام قوانین کی نگاہ میں مستحق ہے
اُس کا لحاظ کرتے ہوئے راجہ کا طرز عمل کس حد تک جائز قرار
دیا جاسکتا ہے۔ میں خود اسے ایک نہایت اہم سوال سمجھتا ہوں لیکن
ٹیپو سلطان کے جو خطوط اب تک موصول ہوئے ہیں، ان کی بناء
پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ زیرِ بحث معاملے پر گفت و شنید کرنے کے لئے
ضرور آمادہ ہو جائیگا۔

حکومتِ مدراس کے ان تمام حرکات پر لاٹو کارٹو اس کو جو غصہ
آیا اس کا وہ نہایت پر زور الفاظ میں اظہار کرتا ہے اور اس موقع
پر مدراس کے منصف گورنر ہالینڈ کو اس نے جو مراحل روانہ کیں اس
میں اس کا ذکر کرتا ہے اور اس میراثے کو مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم (۷۳)

ٹیپو کے معاملے حکومتِ مدراس نے حکومتِ عالیہ کے ناطق احکام
میں حکومتِ مدراس کے باوجود جنگ کی ضروری تیاری جو کفایت شعاری
دکھائی ہے، اسے میں یقین کی نظر سے ہرگز نہیں
کاروبار - دیکھ سکتا۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کسی قوم کی

ذلت نہیں ہو سکتی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہر ایک بانی کے معاوضے
میں جو اس بُرے طریقے سے بچائی گئی ہے کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ
صرف کرنا پڑیگا۔ علاوہ ازیں مجھے اس کا دلی رنج ہے کہ تم نے اس
بیجا تاخیر سے ہمارے گستاخ اور ظالم و سفاک غنیم کو ہمارے حلیف

راجہ ٹراونکور کی ریاست پر حملہ کرنے کا موقع دیا حالانکہ سابق اخصاص و اعتماد اور اتحاد کی رو سے اس کی حفاظت ہم پر لازم تھی اور اس طور سے ہمارے ملک کی سخت ذلت و توہین ہوئی۔

لارڈ کارنولس نے نور فورٹ سینیٹ جارج پنہیچے اور وہاں کی مقامی حکومت کے حرکات سے اس کے نزدیک عام مفاد کو جو نقصان پہنچنے والا تھا اسے رد کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن ہالینڈ کے جارج پنہیچے کے وہاں پہنچ جانے کے بعد اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس جنگ کا کام اس کے تفویض کر دیا اور اس کی بابت اپنے مراسلے میں تحریر کیا کہ جنگ محض توئی ہتھک دولت کے انتقام کے لئے ہی ضروری نہیں بلکہ اپنی آئندہ حفاظت کے خیال سے اس مناسب موقع پر ٹیپو سلطان کی طاقت کو کم کرنا بھی ضروری ہے۔ ہالینڈ کی تحریروں کے جواب میں ٹیپو کو جو خط موصول ہوا تھا اسے حکومت مدراس نے جنرل میڈوز کے مدراس پہنچتے ہی حکومت عالیہ کو اپنے ایک مراسلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ٹیپو نے اپنی اس تحریر میں راجہ ٹراونکور اور نواب کرناٹک کے متعلقہ معاملات کے سلسلے میں اپنے سچاؤ کی غرض سے طویل دلائل پیش کئے تھے۔ مسٹر ہالینڈ نے کمشنر مقرر کرنے کی جو تجویز پیش کی اس سے اس نے منظور کیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ درخواست کی کہ کمشنروں کو اس کے دربار میں روانہ کر دیا جائے۔ حکومت فورٹ سینیٹ جارج نے سلطان کو اس تحریر کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن مذکورہ بالا مراسلے میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کی درخواست کے مطابق کمشنروں کو اس کے دربار میں روانہ کرنا انگریزی حکومت کے اغراض و اقتدار کے تحت خلاف ہو گا۔

اس مراسلے کے جواب میں حکومت عالیہ نے اپنے سابق احکام کو دہرایا کہ راجہ ٹراونکور کی ریاست پر جو حملہ ہوا ہے اسے

اعلان جنگ سمجھا جائے اور تحریر کیا کہ حکومت عالیہ کا تو یہ خیال تھا کہ حکومت فورٹ سینٹ جارج ان مسلسل احکام کے بعد یا تو جنگ میں پورے طور سے شغول ہوگی یا ن ہن دہی سے جنگ کی تیاریاں کر رہی ہوگی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بیسوسلطان سے جو حرکت سرزد ہو چکی ہے جب تک اس کی پورے طور سے تلاشی نہ ہو جائے۔ کیونکہ کسی قسم کی گفت و شنید عزت کے ساتھ کیا جاسکتی ہے۔

حکومت عالیہ اس مراسلے میں حکومت فورٹ سینٹ جارج کو حکم دیتی ہے کہ بیسوسلطان کے ان خطوط کے جواب میں اسے صاف طور پر مطلع کر دیا جائے کہ یہ امر پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے اور اس کی تردید ناممکن ہے کہ گرائونڈ اور جیکوٹ ڈچوں کے آزاد مقبوضات تھے۔ ڈچوں نے راجہ کو جین کو کبھی خراج ادا نہیں کیا۔ انہیں بلاشبہ اس بات کا پورا حقی حاصل تھا کہ وہ ان مقامات کو راجہ ٹراونکور یا کسی اور دوسری طاقت کے ہاتھ جسے وہ مناسب خیال کریں، فروخت کر دیں۔ بیسوسلطان نے ٹراونکور کی سرحد پر خود حملہ کیا، اسے محض اتفاقی امر تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بیسوسلطان خود وہاں موجود تھا اور فوج کی کمان غالباً اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اور چونکہ راجہ اس علاقہ پر بیس سال سے قابض ہے اور صلح نامے کی رو سے ان پر اس کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا تھا لہذا اس قدر سخت اور خاصانہ کارروائی کو بجز عہد شکنی کے اور کسی بات پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

ان آخری احکام کے موصول ہونے کے بعد جنرل میڈوز اپنی فوج میں شریک ہونے کے لئے درکس سے روانہ ہوا۔ جنرل چنابی کے میدان میں جمع ہو چکی تھی اور ۲۴ اپریل کو اس کے پڑاؤ پر پہنچ گیا۔ جنرل میڈوز بیسوسلطان کو اپنی روانگی کی اطلاع کر چکا تھا۔ فوج کے پڑاؤ پر پہنچنے کے بعد اسے سلطان کا دوسرا

(۷۰) خط ملا جس میں اس نے پھینکی کی سرحد پر فوج جمع کرنے کے خلاف صدارت کے احتجاج بلند کی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بحوثیں ظاہر کی تھی کہ اسے اپنے ایک ممتاز اور متبحر شخص کے روانہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ ان تمام باتوں کی صفائی ہو جائے اور دونوں حکومتوں کے درمیان دوبارہ اخلاص و اعتماد قائم ہو سکے۔

اس کے جواب میں جنرل میڈوز نے نہایت شان سے مندرجہ ذیل مختصر سا جواب روانہ کر دیا۔

”آپ کا خط ملا۔ جو کچھ اس میں درج ہے، اسے میں خوب سمجھتا ہوں۔ آپ ایک عظیم الشان فرمانروائیں۔ آپ نے اپنے قیدیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے اگر اسے نظر انداز کیا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا شمار روشن خیال فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔ انگریز نہ کبھی ذلت برداشت کرتے ہیں اور نہ کبھی خود دوسروں کی توہین کرتے ہیں جس وقت کہ آپ نے ہمارے حلیف راجہ پر حملہ کیا، ہمارے اسی وقت سے جنگ چھڑ گئی۔ خدا کے تعالیٰ ہمیشہ زبردست ہی کو فتح و نصرت عطا نہیں کرتا اور نہ نیز رد ہی ہمیشہ دوزخ میں جیتتے ہیں بر خلاف اس کے فتح و کامیابی کا انحصار عام طور سے انصاف و عدل پر ہوتا ہے اور اسی پر ہمارا اعتقاد ہے۔“

میسو سلطان سے اس مراسلے کے روانہ کرنے کے چند روز بعد جنرل میڈوز جنگ ۱۲ جون کو سلطان کے علاقے میں داخل ہوا اور جنگ

شروع کر دی جس کا اختتام خود کار نو اس نے ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں کے کے تباہی شان طریقے سے کیا۔

جب میسو سلطان کے طرز عمل سے یہ بدیہی طور پر ظاہر ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں کا مخالف ہے تو لاڈ کا نوا

(۷۷) نے نہ تو جنگ چھیڑنے میں دیر کرنی چاہی اور نہ صرف فوری خطرے کی مدافعت کو، جو اس کی حکومت کو اس وقت درپیش تھا۔ اپنا مسلک بنایا۔ جب سپہ کے ارادوں کا پتہ لگ گیا تو اس نے اس پر حملہ کرنے میں جلدی کی اس نے ان تمام نوائے کار جنگی اندازہ کر لیا جو فوری اور اقدامی کارروائی سے حاصل ہوتے ہیں اور جس وقت جنگ کا تہیہ کیا اسی وقت سے (جساکہ اس کی تمام مہارت سے بتا چلتا ہے) جو اس نے جنگ چھیڑنے سے قبل کی، اس نے کرنا لگ اور ملبار کی سمٹ مینی کے حدود بڑھانے کا خیال کر لیا تھا جسے وہ اپنے مسلک کا ایک خاص جز قرار دے چکا تھا، کیونکہ اس تو سب سے بڑا ہی حکومت کی طاقت اور اس کے وسائل میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا اور اس کے زبردست ترین حریف کی قوت بھی کم ہو جاتی تھی۔ اور جب اس نے پیشوا اور سردار زوائے دکن سے اس بات کی درخواست کی کہ وہ کمپنی کے حلیف کی حیثیت سے اس جنگ میں شریک ہوں تو اس وقت بھی اس نے اسی اصول کو پیش نظر رکھا اور مالی اور فنی نوائے کار کے توقعات دلا کر ان کے حصول کو بڑھا دیا۔

لارڈ کارنوالس نے حکومت برطانیہ کی عزت برقرار رکھنے اور اس کا اعتماد قائم رکھنے کی غرض سے جس زور اور مستعدی سے جنگ شروع کی اس کا نہایت اچھا اثر پڑا اور فوجی کامیابی کے علاوہ جس اعتدال سے کارنوالس نے جنگ کے اختتام پر کام لیا، اس سے اس اثر میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب سپہ سلطان اپنی بابوں اور ملکیت خودہ انوائس کے ساتھ تلے سرنگا پٹم میں محصور ہو گیا تو اس نے اپنے آپ کو فوجیوں کی رحمہ کی اور فیاضی پر چھوڑ دیا یا بالفاظ دیگر اپنے آپ کو لارڈ کارنوالس کے حوالے کر دیا۔ کارنوالس کے حلیفوں کو اس کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے بلا تخصیص اپنے جملہ اغراض و مفاد کی نگرانی بھی اسی کے سپرد کر دی، انہوں نے نہ کسی موقع پر اس کی نیک نیتی پر شبہ کیا اور نہ اس کی رائے سے کبھی (۷۸) اختلاف ہی کیا۔ ایک فرد کے خصال اور اس کی حکومت کے اصول کی

خوبی کا اس سے بڑھکر اور کیا احترام و اعتراف ہو سکتا ہے۔
 ٹیپو سے صلح آئینہ کے دیکھوں سے ملاقات کرنے کی غرض سے لارڈ کارنوالس
 کے قریب ایک مقام تجویز کیا گیا۔ ۱۷ فروری کو
 سلطان کے وکیل اس مقام پر پہنچے انگریزوں کی طرف سے سر جان کینن (Sir John Kennenay) اور جیڈر آبا کی طرف سے میر عالم اور مرہٹوں کے
 دو نمائندوں نے ان سے ملاقات کی۔ ان کے سامنے پہلی تجویز پیش کی
 گئی کہ ٹیپو سلطان اپنی ریاست کے نصف علاقے سے دست بردار ہو جائے
 اور چھ کروڑ روپیہ نقد ادا کرے لیکن سلطان کے دیکھوں کے بیان پر کہ سلطان
 میں اس قدر رقم ادا کرنے کی استطاعت نہیں صرف پین کروڑ کا مطالبہ
 قائم کیا گیا اور مرہٹوں کے سپہ سالار ہری پنت کی شریک پر اس میں
 تیس لاکھ روپیہ دربار کے اخراجات کے لئے شامل کئے گئے۔ ہری پنت
 نے بیان کیا کہ ایسے منوعوں پر اس نام سے کچھ رستم حکومت کے ان
 سول عہداروں کے لئے وصول کر لی جاتی ہے جو جنگ میں شریک ہوتے
 ہیں۔

جب صلح کے ابتدائی شرائط قرار پائے ایفائے عہد و پیمان شرائط
 کی ضمانت کے طور پر ٹیپو نے اپنے دو بیٹے لارڈ کارنوالس کے پاس
 روانہ کر دیے۔

۱۔ انہوں نے اس بات کی قسم کھائی اور لارڈ کارنوالس سے درخواست کی کہ وہ اپنے آدمی
 سرنگاپٹم جیسو کو حسابات کی جانچ پڑتال اور خزانے کی حالت سے اس کے اس بیان کی تصدیق
 کر لے۔ اس کے مطابق اس کی بابت جو کچھ ظہر تھا اور آمد و خرچ کا جو حساب لا اور ۹۹۹۹ میں
 سرنگاپٹم کے قبضے کے بعد خزانے میں جو نقد رقم ملی اوجس جواہر ات کے دس لاکھ تھی اس کی بناء پر ٹیپو
 کے سفیروں کا بیان صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔
 ۲۔ مرہٹوں کے سردار نے سر جان کینن سے کوہلے دی کہ مصارف دربار کے لئے ساٹھ لاکھ کا مطالبہ کیا جاوے
 اور آخر میں دس لاکھ پر اکتفا کیا جائے ٹیپو کے سفیروں نے جب اس پر نہایت معمولی اعتراض کیا تو معلوم ہوا کہ

گفت و شنید جب شروع ہوئی تو اس میں ایک مہینہ لگ گیا پھر روز کے اجلاس کی کارروائی کے اعتبارات میسرے میں درج کر دئے گئے یہیں ان اختیارات کو غور سے پڑھنا چاہئے کیونکہ ان سے ٹیپو سلطان اور اس کے عہدہ داروں کی زیرکیوں اور اس کی ٹال مٹول اور تاخیر پیدا کرنے کی کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔ اور جس صبر و تحمل سے ان سب کا مقابلہ کیا گیا اس کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ خواہ ہم ان عاجلانہ کارروائیوں پر غور کریں جو اس صلح میں کرنی پڑیں یا امن ذیلی واقعات کا لحاظ کریں جو اس کے لئے ضروری تھے یا ان وقتوں پر نظر ڈالیں جن پر حلیفوں کو عادی آنا پڑا۔ یہ حالت میں ہیں اس اعلیٰ سیاسی عہدہ دار کے معلومات، قابلیت اور ان نمٹک کوششوں کی داد دینی پڑتی ہے جس کے سپرد لارڈ کارنوالس نے یہ سخت کام کیا تھا۔ ۱۹ مارچ کو فنانس شہزادوں نے سلطان کے تسلیم کردہ شرائط برطانوی سپہ سالار کے حوالے کئے اور اس صلح کے کیس ختم ہو گئی تھی۔

چونکہ لارڈ کارنوالس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس جنگ سے ٹیپو کی طاقت (۸۰) کورگ کا مطالبہ کا پورے طور سے خاتمہ نہ کیا جائے لہذا اس نے حتیٰ الوسع اس بات کی کوشش کی کہ سلطان اپنی اس گری ہوئی حالت سے مانوس ہو جائے۔ بنگلور کی واپسی کو بھی اس خواہش پر معمول کرنا چاہئے۔ یہ ایک رعایت تھی جس پر تمام حلیف

اور
ٹیپو کی مخالفت

بقیہ مابقیہ صفحہ گزشتہ۔ وہ اس مطالبہ کو رواج کے مطابق خیال کرتے تھے۔
لے شہزادوں نے اس کی ایک نقل ہمارے حلیفوں کے نمائندوں کو دی جو اس موقع پر موجود تھے۔ اس جنگ کے قابل نامہ نگار کا بیان ہے کہ جب لارڈ کارنوالس نے معاہدہ کی دونوں نقلیں بڑے شہزادے کو واپس کیں تو اس نے دوسری طاقتوں کے وکیلوں کو ایک ایک نقل دے دی اور اس موقع پر بھی اس شہزادوں نے ہمت و ضبط سے کام لیا لیکن اس رسم کے پہلے حصے کے مقابلے میں اس وقت یہی طور پر ان میں ایک خاص رکاوٹ اور غیر اطمینانی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ (انتخابات از حالات جنگ مصنفہ ڈورن صفحہ ۲۳۷)۔

دنگ رہ گئے۔ اس میں کچھ شبہ ہو نہیں سکتا کہ اس اہم تعلق اور اس سے ملحق اشخاص پر جو بالا گھاٹ کے محل کردہ علاقے سے ملے ہوئے تھے قبضہ کر لیا جاتا تو آئندہ اس کی خامانہ جدوجہد کے مقابلے کے لئے نہایت مل میں بندی ہو جاتی۔ فوجی نقطہ نظر سے بھی اس کی اہمیت کو رنگ سے کہیں زیادہ بھی جس پر لارڈ کارنوالس نے قبضہ برقرار رکھنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ اس خیال سے تھا کہ وہ ایک اہم فوجی مقام ہے بلکہ کارنوالس کو اپنے وعدے کے الفاظ کا لحاظ تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی مسلم تھا کہ میلو اس علاقے پر اپنا قبضہ محض اس وجہ سے قائم رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ وہاں کے راجہ سے جس کا نسب سے بڑا حرم یہ تھا کہ اس نے انگریزوں کی حمایت کرنے میں نہایت جوش و متعہدی کا اظہار کیا تھا انتقام تے سکے۔

میلو نے بجز جنگ کے ہر ممکن کوشش اس بات کے لئے کی کہ کو رنگ اس کے ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اس نے اس مطالبے کو دیانت داری کے خلاف بتایا اور کہا کہ ”یہ علاقہ کمپنی کے مقبوضات سے ملحق نہیں (ابستہ الی) شرائط میں جن مقامات کا مطالعہ کیا گیا تھا ان کے لئے ہی الفاظ استعمال ہوئے تھے مجھ سے ایک کروڑ روپیہ نقد وصول کرنے تک اس مطالبہ کو ادا واپس نہیں کیا گیا اب میرے دو بیٹوں کو ضمانت میں لے کر مجھے بے بس کر دیا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے بعد میرے لئے مخالفت کی گنجائش ہی نہیں رہی، ان الزامات کے جواب میں کو رنگ کا تعلق دوسرے محل کردہ علاقوں سے ثابت کر دیا گیا۔“

(۸۱)

ملہ لا بار کا علاقہ بھی بجز تلچیری (Tellicherry) کے تسمارتی مقام کے کمپنی کے مقبوضات سے ملحق نہ تھا لیکن اس کے مطالبہ کی ابتدا میں مخالفت ہی نہیں کی گئی بلکہ جب پہلی ملاقات میں اس کا ذکر ہوا تو سلطان اور جس کے دیکھوں نے اس انتخاب پر غلامیہ خوشی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو مبارک باد دی۔ کو رنگ بھی اس علاقے سے لا ہوا تھا اور دریائیں کوئی دوسرا مقام حال نہیں تھا۔ ابتدائی شرائط میں حدود کا کوئی دائرہ قرار نہیں پایا تھا۔

اور نہ نیا بت وضع ملو پر یہی ظاہر کروا گیا کہ گفت و شنید کا ایک اصول ہے کہ جب تک حلیفوں کو کسی خاص علاقے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس وقت تک اس کا نام نہیں لیا جاتا۔

(۸۲)

یہ بھیج ہے کہ محض بیہوشی کے احساسات کا خیال کر کے شروع میں چند موقعوں پر اس اصول سے انحراف کیا گیا تھا لیکن جن علاقوں کا حلیفوں نے اتنے اٹی شراٹ میں ذکر کر دیا تھا ان کی آمدنی کا تعین کرتے وقت بیہوشی کے انکشاف سے نہایت بجا فائدہ اٹھا یا لہذا گفت و شنید کے آخری مرتبہ میں مجبوراً اس اصول کی سختی سے پابندی کی گئی۔

اس اہم موقع پر بیہوشی نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے اس کی نیت کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو انگریزی پڑھوایا تھا اور ایک کو ڈر وید اور دوسرے کو دیا تھا لیکن اس طرح صداقت کا اظہار کرنے سے اسے خوب مہلت مل گئی تھی۔ دراصل اس کا صرف مالی نقصان ہوا تھا کیونکہ جہاں تک اس کے چھوٹے شہزادوں کی حفاظت اور ان کے ساتھ نیک

تعلیم حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور مذکورہ سرحد کا تعین کیا گیا تھا۔ کورنگ گھاٹ کے اور ایک ایسی نمایاں جگہ پر واقع ہے کہ وہاں سے بیہوشی کا دار الحکومت اور اس کی باقی ماندہ تمام سلطنت اس کی زد میں آجاتی ہے لہذا اس معاہدے کا علاوہ مقصد یہ ہو کہ سلطان کی طاقت کم کی جائے اور اس کے ذرائع کو اس قدر محدود کر دیا جائے کہ وہ آئندہ نقصان پہنچانے کے قابل ہی نہ رہے۔ اس کی ہمت میں اس مطالبے پر اعتراض کرنے کی کوئی حق معلول وہ نہیں ہو سکتی لیکن جو حقیقت حال ہے اسے تسلیم کرنا چاہئے کہ دراصل یہ مطالبہ سلطان کے لئے خلاف توقع تھا لیکن یہ توقع دیدہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ خلاف توقع نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کوئی ذی عقل شخص جو ان اصولوں سے واقف ہو گا جن کے ماتحت یہ جنگ شروع ہوئی تھی اور جاری رہی مگر یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ لارڈ کارنوالس اپنے اس تنہا حلیف کو جس نے اپنی ذمہ داریوں کو درحقیقت کالعدم قرار دیا اور خوبی اور عزت کے ساتھ پورا کیا تھا اس طرح چھوڑ دیا۔

(جنوبی ہندوستان کے دار الحکومت بنگالہ)

سلوک کا تعلق تھا اس کی بابت اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے لارڈ کارنوالس کی نگرانی میں تھے بجز خلاف اس کے اسے اس بات کا علم تھا کہ اس طرح جو زمین جتنے گزر چکے ہیں ان سے محاصرہ کو سخت نقصان پہنچ چکا ہے۔ پڑاؤ پر بیکار پڑے رہنے سے فوج میں بیماری پھیل گئی تھی اور جنگ مسالحوں سے جو سامان تیار کیا گیا تھا وہ قطعی بیکار ہو گیا تھا۔ خندقوں میں خراب ہو گئیں تھیں کہ انھیں از سر نو بنانا ضروری تھا۔ یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں جن کا سلطان کو علم نہ ہوتا اور جب کہ ہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ وہ اس وقت متحدین کے ایک با اثر اور با اقتدار شخص سے راز میں مراسلت بھی کر رہا تھا تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ چونکہ وہ اپنی نصف سلطنت کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لہذا ایک ایک گھنٹہ جو اسے ملتا تھا اس سے اس کی امید نہ جتنی تھی اور وہ آخر وقت تک اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ جس مصیبت میں وہ گھرا ہوا ہے اگر اس سے اسے نجات نہ مل سکے تو حتی الوسع اس کے مضرت اثرات کو کم کر دیا جائے۔ اس وقت متضاد جذبات اس کے دماغ پر اثر کر رہے تھے اور غالباً اس پر سب سے زیادہ اثر اس غصے کا تھا جو اسے اپنی اُن باجگزار ریاستوں پر تھا جو اس وقت اس کی شکست کا باعث ہوئی تھیں اور ان میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ راجہ کو رگ کا تھا۔

(۸۳)

راجہ سے کتنی کے جو کچھ تعلقات تھے ان سے بیاد و انتہا تھا۔ راجہ کی ایک فوج کمپنی تھی ساتھ ہو کر لڑ رہی تھی لہذا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں نہ ہو کیونکر خیال کر لیا کہ کمپنی اپنے اس حلیف کو اس کے انتقام کے لئے چھوڑ دے گی معاملات کو اس حد تک پہنچانے میں اس کے کچھ ہی متبادل کیوں نہ ہوں اسے اپنے اندازوں کی غلطی بہت جلد معلوم ہو گئی لارڈ کارنوالس نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس میں ایک لمحے کے لئے بھی اس نے پس پٹش نہیں کیا۔ وہ ہر قسم کے خطرات مول لینے کے لئے آمادہ ہو گیا اور برطانوی حکومت کی دیانت داری پر حیرت نہ آنے دیا۔ ضامنوں کو کرناٹک کی طرف بھیج دیا گیا۔ توپیں چڑھا جانے کا حکم ہو گیا اور محاصرہ شروع کرنے کے لئے تیاریاں ہونے لگیں۔

ٹیمپو سے معاہدہ ٹیمپو ان تیار یوں اور اس مستعدی سے مرعوب ہو گیا اور اس نے صلح نامہ پر دستخط کر کے جنگ کو دوبارہ چھڑانے سے روک دیا۔

جس طریقے سے صلح کی گفتگو کی گئی اور جس خوبی سے اسے ختم کیا گیا وہ ہر لحاظ سے لارڈ کارنوالس کے نمایاں شان رہی۔

(۸۴) جس غنیم کو لارڈ کارنوالس نے مغلوب کیا تھا اُسے بھی طوعاً و کرہاً اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنا پڑا اور تمہیدین نے اس کی ذات پر جو اعتماد کیا تھا اس میں حقیقی الامکان اضافہ بھی ہو گیا لیکن یہ تمام باتیں اس کی ذات تک محدود نہیں اور ان کا فائدہ حکومت کو بخش اُس وقت تک حاصل رہا جب تک کہ عنان حکومت اس کے ہاتھ میں رہی۔ مجلس نظما نے کارنوالس کو بتا کر لکھا کہ "کمپنی کی مالی حالت اور عام

لے۔ جب لارڈ کارنوالس نے اپنے طبعوں سے درخواست کی کہ گفت و شنید کے لئے وہ اپنے نمائندے مقرر کریں تو انھوں نے اس سے اتفاق کیا اور کہا کہ مدد محض آپ کے کہنے سے ہم اپنے نمائندے بھیجتے ہیں۔ انھیں بھیج کر ہم کسی قسم کی مداخلت نہیں کرنا چاہتے ہیں آپ کی ذات پر کامل اعتماد ہے۔ ان کے طرز عمل سے بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ انعام محض اسے خوش کرنے کے لئے استعمال نہیں کئے گئے تھے۔ ان میں سے کسی نے ضامنوں کو اپنی نگرانی میں رکھنے کی خواہش ظاہر نہ کی اور اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہوئی کہ جب ٹیمپو سے تاوان جنگ کی پہلی قسط (ایک کروڑ روپیہ) کی وصول ہوئی تو طبعوں نے اس کی رسید لکھنے اور مزید برائے روپیہ کے جانچنے اور پرکھنے کا تمام کام برطانوی حکام پر ہی چھوڑ دیا۔

یہ روپیہ کے پرکھنے اور جانچنے کا کام صرف کرتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ ایک باتا عہدہ پیش ہے ایک روپیہ ہو یا ایک لاکھ ہی لوگ اسے پرکھتے ہیں۔

لے۔ ملاحظہ ہو مجلس نظما و کامرا ملو مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۵۷ء

مفاد کے لئے یتیموں سے عداوت کا صلح کرنا ضروری ہے۔ فتح کی صورت میں جن فوائد کی بجا طور پر توقع ہو سکتی ہے ان میں سے چند کو ہم سار کر کے لئے آمادہ ہیں لیکن جنگ جاری رکھ کر مزید خطرات مول لینا چاہئے خود کار نوآں کے خیالات بھی اس اعتدال آمیز پالیسی کے مطابق تھے وہ سلطان کو خوب سمجھتا تھا۔ صلح کا مسودہ روانہ کرتے وقت وہ مجلس نظام کو اس کی بابت کہتا ہے کہ ”وہ ایک بیوقوف اور نڈمذرا شخص ہے اس پر قطعی اعتماد نہیں کیا جاسکتا“

لہذا کار نوآں یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ جو کچھ بھی اب ہو چکا ہے اس کی بدولت یہ شخص قابل اعتماد و دوست بن جائیگا اور نہ اس کا یہ خیال تھا کہ سلطان کی طاقت اس قدر کم ہو گئی کہ اب وہ پہلا ساز و دستاویز نہیں نہ رہے گا۔ اسی قسم کے خیالات اس کے دماغ میں تھے اور اس کی یہ رائے بھی تھی کہ سرنگاپٹم کی تسخیر حلیفوں کے ساتھ معاملہ نہیں میں وقت پیدا کر دیگی اور ان کے اتحاد و اخلاص کا آئینہ قائم رہنا بھی شہ سے خالی نہ ہو گا۔ لہذا اس نے یہ طے کیا کہ چند اہم اور بین فوائد جو اب تک حاصل ہو چکے ہیں انہیں آئینہ حکمت عملی کے منطبق اور مشروط مقاصد کی خاطر معرض خطر میں ڈالنا دانشمندی کا کام نہیں ہے۔

۱۔ لہذا ہولارڈ کار نوآں کی سرانجامت حکومت مدراس سے جس کا ایک آئینہ نظام کی تحریر مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۷۷۲ء میں درج ہے جو انھوں نے ہندوستان روانہ کی تھی۔ ۲۔ سالانہ رجسٹر (Annual register) کے ایک مضمون میں اس مسئلے کی بابت ۱۷۷۲ء میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ ان کارپردازوں نے جس دانشمندانہ اعتدال سے کام لے کر یتیموں کے مفروضہ علاقے کے صرف ایک حصے کو ایس بی تقسیم کیا ہے وہ کوئی خاص قابل توجہ امر نہیں کیونکہ اگر یتیمو سلطان کے پاس ایک ایسا معقول علاقہ نہ چھوڑ دیا جاتا جس کے ذریعہ سے وہ عزت سے رہ سکے بلکہ ایک حد تک اپنے مہایوں کے مقابلے میں اپنا بل بھاری رکھ سکے تو ہندوستان کی طاقتوں کا بہت کچھ توازن بگڑ جاتا اور اسے از سر نو متقیب

لارڈ کارنوالس کے اس فعل کے لئے خیرائی اسباب کی اب ضرورت نہیں۔
 مذکورہ بالا زبردست دلائل سے اس موقع پر صلیح کرنے کی دو صاف ظاہر ہے اور انہیں (۸۶)
 دلائل سے لارڈ کارنوالس کی پریشانی اور بے چینی کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو
 جنگ دوبارہ چھڑ جانے کے امکان سے کچھ مدت تک اسے لاحق رہی اور
 جس کا خود اس نے بھی ذکر کیا ہے۔

صلح کی بات حیثیت کے دوران میں لارڈ کارنوالس نے ٹیبو کے سفیروں
 سے جو گفتگو کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ٹیبو کے مفاد اور اعتبار کو نشانہ
 کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو سکتا اس کے علاوہ اس نے سلطان کو اپنا ہم خیال بنانے
 اور اسے منانے کی پوری کوشش کی جس طریقے سے اس نے خاصاں سٹراڈوں
 کا استقبال کیا اور جس قسم کا ملوک ان کے ساتھ کیا گیا اسے محض اس کی عنایت
 و مہربانی ہی پر معمول نہیں کرنا چاہئے بلکہ شفقت پورا نہ کہنا چاہئے۔
 پیشوا کی کشیدگی

جنگ پر کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی لیکن اس اتحاد سے ایک
 دوسرے کو جو فائدہ پہنچا تھا اس کی بدولت ان میں اخلاص بہت بڑھ گیا۔ فوج
 ریاست میں بدستور برقرار رہی۔ لیکن یونے کے دربار میں اس وقت کچھ اور
 رنگ تھا۔ ٹیبو سے صلح ہو جانے کے بعد مرہٹوں کی فوج کے سردار ہری پنت
 نے لارڈ کارنوالس کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ سرش باجگذاڑوں اور (۸۷)
 زیر دستوں کی سرکوبی کے لئے پیشوا کو بھی امدادی فوج کا ایک دستہ دے دیا
 جائے اور اس کی قہداد اور شرائط وہی ہوں جو حیدر آباد کی امدادی فوج کے
 میں۔ عام وجہ کی بنا پر اس تجویز کو رد کر دیا گیا لیکن اس مسئلے میں کارنوالس نے
 جو مصلحتیں تحریر کیا اس میں وہ بیان کرتا ہے کہ اس تجویز کے رد کرنے کا خاص

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دینے میں مزید لڑائیوں کا راستہ کھل جاتا ہے اس رائے کے جواب میں ہم یہ
 کہہ سکتے ہیں کہ لارڈ کارنوالس ہندوستانی سلطنتوں کی ممانعت سے خوب واقف تھا اور ان سلطنتوں کی
 حکمت عملی کے مقاصد اور عام مہم قائم کر نیے اصل دوسری سلطنتوں کے عام مہموں سے بالکل مختلف تھے اسکے بعد
 اس کی بابت اور کہا جائیگا۔

سبب یہ تھا کہ مجھے اس امر کا یقین تھا کہ مادھوجی سندھیا پونے میں اشر قائم کرنے کی جو ترکیبیں کر رہا ہے ان سے نانا فراوانویس بہت خوف زدہ ہے اور اس طرح وہ اس کے خلاف برطانوی حکومت کی اعانت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مادھوجی سندھیا کہنی مادھوجی سندھیا کی آزادی کو صلح نامہ سلیمان میں پہلے ہی تسلیم کر چکی تھی۔ اس کے بعد سے اس نے اپنی فوج اور کاظم زعل۔ اپنے علاقہ میں کافی اضافہ کر لیا تھا اس کے دربار کے قابل

رزیدنٹ مسٹر جیس انڈرسن نے سلسلہ عام میں سر جان میکفرن کی خدمت میں احوال وقت گورنر جنرل تھا اس کے عروج کو روکنے کی غرض سے ایک تجویز پیش کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر اسے نہ روکا گیا تو برطانوی حکومت سے اس کا ضرر و نقصان ہو گا۔ اس تجویز پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ لارڈ کارنوالس علانیہ طور پر پارلیمنٹ کے مقدرہ کردہ عدم مداخلت کے مسلک کا حامی تھا لہذا وہ اپنے آپ کو اس بات کا بھی مجاز نہیں سمجھتا تھا کہ اس سردار کی دست درازیوں کو روکنے کی غرض سے وہ کسی قسم کی سیاسی تدبیر تک اختیار کرے نتیجہ یہ ہوا کہ سندھیا نے ہندوستان کے تمام شمالی حصے پر سکہ جالیا تہشاہ دہلی کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ یورپین انسروں اور خصوصاً فرانسیسیوں کی نگرانی میں ایک عظیم الشان اور جرات شکر اور باقاعدہ توپخانہ تیار کیا۔ سامان حرب و آلات جنگ بنانے اور ڈھالنے کے لئے کارخانے قائم کئے۔ الغرض ان ذرائع سے اس نے ایسی طاقت حاصل کر لی کہ اس کا جانشین برطانوی حکومت کے خلاف وقت واحد میں دکن اور شمالی ہندو دونوں جگہ جنگ جاری رکھ سکے۔

سندھیا سے شیو سلطان سے جنگ چھڑنے سے قبل سندھیا نے اس کے گفت و شنید خلاف اتحاد میں شریک ہونے کی خواہش اس شرط پر کی تھی کہ برطانوی حکومت سے اس کا ایک معقول معاہدہ ہو جائے اور اسے انگریزی فوج کے دو ہلالین دیئے جائیں جنہیں وہ اپنی

فوج کے ساتھ لے کر بروقت پونے روانہ ہو جائے گا۔ اس نے اس بات کی بھی توقع ظاہر کی تھی کہ اس کی عدم موجودگی میں کمپنی اس کی ریاست کی حفاظت کرے۔ ان خاص شیر اٹھ کے علاوہ جن راجپوت سرداروں نے اب تک اس کی سرداری تسلیم نہیں کی تھی، ان کے خلاف بھی مدد چاہی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ شرط تسلیم کرنے کے قابل نہ تھے اور اس کی خواہش کے مطابق معاہدہ نہ ہو سکا۔ تیسویں جنگ ختم ہونے کے بعد اس بات کا شبہ ہوا کہ سندھیا کے دربار کا رنگ بڑا تواری (۸۹) قوم کے ساتھ دوستانہ نہیں بلکہ مخالفانہ نظر آتا ہے۔

صلح کے بعد لارڈ کارنوالس کو بھی اس کے طرز عمل کی وجہ سے سخت شبہ پیدا ہوئے۔ جولائی ۱۸۱۷ء میں دہلی کے وقائع نویس سے اطلاع ملی کہ شہنشاہ دہلی نے پیٹوا اور سندھیا کو مراسلے روانہ کئے ہیں اور ان کی امداد اور کوشش سے بنگال سے خراج حاصل کرنے کی توقع ظاہر کی ہے۔ گو رنر جنرل نے سندھیا کے دربار کے ریڈنٹ کو اس معاملہ کے متعلق فوراً ہدایات روانہ کئے اور اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا کہ اگرچہ یہ خبر مستند نہیں ہے اور اس وجہ سے باضابطہ طور پر اس معاملہ میں کارروائی نہیں کی جاسکتی تاہم میری خواہش یہ ہے کہ سندھیا اور اس کے وزراء کو میرے خیالات سے پورے طور پر آگاہ کر دیا جائے۔ ریڈنٹ کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر اس خبر کی تصدیق نہ ہو سکے اور علائقیہ طور پر اس کے اظہار کا موقع نہ ملے تو اس کے ان خیالات کو سندھیا تک پہنچانے کے لئے کوئی موقع نکالا جائے۔ وہ لکھتا ہے ”تم سندھیا سے کہنا کہ شہنشاہ دہلی کی آج کل جو حالت ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے سیاسی معاملات پر جو خطوط بھی شہنشاہ کے نام سے جاری ہوتے ہیں (۹۰) ان کی بابت میرا خیال یہ ہے کہ وہ آپ کی علاج اور مرضی سے لکھے جاتے ہیں

۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم کی تسخیر کے بعد کس مرالمت کا پتہ چلا جو ۱۷۹۳ء میں پیٹوا اور سندھیا کے درمیان ہوئی تھی اس سے اس قسم کا شہنشاہی بجا بن ثابت ہوا۔
۱۷۹۲ء کو تحریک کی گئی تھی۔

تعمیر کی طرف سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر اس قسم کے اصول قائم کرنے کی کوشش کی گئی خواہ وہ کسی طاقت کی طرف سے ہوں تو ہماری حکومت ہنایت سختی سے ان کی مخالفت کرے گی۔

اسی سلسلے میں وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ ”اگر اس معاملے کے لئے تم بھیا سے ملاقات کرو یا اسے کوئی تحریک دیا تو یاد کر کے ہنایت زوردار الفاظ میں بھیا کو جملہ دینا کہ اس نے اس طویل مدت میں شمالی ہند میں فتوح حاصل کئے ہیں اور اپنے حدود بڑھائے ہیں اور ہم نے ہنایت صبر و تحمل اور اعتدال سے کام لیا ہے۔ اب اگر ہمیں مجبوراً اس علاقے میں اپنی سابق عدم مداخلت اور صلح پسند مسلک کے اصول سے انحراف کرنا پڑا تو ہمیں بڑا صدمہ ہوگا۔ تم ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میں نے تمہیں اس بات کے اظہار کی خاص طور سے ہدایت کی ہے کہ ہمارا امتداد یہ فتوح حاصل کرنے کا قطعی نہیں ہے اور جہاں تک کہ ہمیں ہماری طاقت اور عزت اجازت دی گئی ہم ہنشت ہی کے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت نہیں کریں گے۔ لیکن اگر ہمارے ہمسایوں میں سے کسی نے اپنی نا عاقبت اندیشی کی بنا پر ہم سے بیجا مطالبات کئے یا کسی اور طریقے سے ہماری توہین کی تو ہم پورے طور سے اس کا بدلہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے اپنے آپ میں قوت بھی پاتے ہیں۔“

یہ ہدایات اس قابل فخر اور انصاف پسند قومی احساس پر مبنی تھے جو شرمہ برابر بھی توہین گوارا نہیں کر سکتا اور اس قسم کے خطرات کا مستعدی سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ رہ کر انہیں اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتا۔ اس وقت ان کا ہنایت اچھا اثر ہوا۔

سندھیا کے وزیر نے رزیدنٹ کو اس امر کا یقین دلایا کہ اس کا آفتا شہنشاہ کی عنایت سے محض اپنے علاقے پر اپنا تسلط جانا چاہتا ہے۔ دوسروں کے علاقوں پر حملہ کرنے یا انہیں تنہ کرنے کا اسے قطعی خیال نہیں۔

راجہ برار | برطانوی حکومت کے سیاسی تعلقات رکھو گی جو سلا سے اب تک کبھی دوستانہ نہیں رہے تھے۔ اس فرمانروا کے

ذاتی خصائل اور اس کی ریاست کے مقامی حالات کی وجہ سے شیپو کے خلاف جنگ میں کسی قسم کی امداد کی توقع بھی اس سے نہیں ہو سکتی تھی تاہم لارڈ کارنوالس نے اپنے مسلک کی صداقت کو اس پر ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور بالآخر اس سے بھی اس اتحاد میں شرکت کی درخواست کی۔ اور اس غرض کے لئے اور اس کے علاوہ دیگر چند اور معمولی تجارتی معاملات طے کرنے کی خاطر جن کا دونوں ریاستوں سے تعلق تھا، ایک رزیڈنٹ بھی اس کے دربار میں بھیجا۔ اُسے ہدایت کی کہ وہ راجہ کو پورے طور سے اس بات کا یقین دلادے کہ مختص فوجی ضروریات اور مجبوریوں کی وجہ سے برطانوی افواج کو انیسارسی اجازت کے اس کے علاقے اٹک سے روانہ کرنا پڑا۔

لارڈ کارنوالس کے سیاسی دور کا ایک صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مسلک کے اُن اصول پر غور کیا جائے جنکے تحت اس نے ان دیسی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کئے جنہیں مانے (۹۲) نے کمپنی کی اعانت و حفاظت کا محتاج بنا دیا تھا اور جن کے اغراض ان تعلقات کی نوعیت کی وجہ سے انگریزی حکومت کے مفاد کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ ان فرمانرواؤں میں فواب کرناٹک اور فواب وزیراودھ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے ان دونوں سے جو معاملات طے کئے ان میں سے خاص خاص کا مختصر ذکر ہمارے مضمون کے اس حصے پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہوگا۔

کرناٹک کے معاملہ | لارڈ کارنوالس کے یہاں آنے کے بعد فورٹ سینٹ جارج کے گورنر سرائچیا لڈ کیمل نے فواب کرناٹک سے ایک جدید معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کا منشا یہ تھا کہ ان دونوں انصاف کمپنی اور فواب کے مقبوضات کرناٹک اور شمالی سرکار کی حفاظت کے لئے آپس میں ایک معقول سمجھوتہ ہو جائے اس کے طے کرتے وقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ اس کی بدولت کمپنی اور فواب کرناٹک کے سیاسی تعلقات بہت بہتر ہو جائیں گے۔ ایک لحاظ سے یہ خیال ضرور صحیح تھا کیونکہ قبل ازیں ریاست کے معاملہ مختلف

فوجوں پر صرف ہوتے تھے اور ان دونوں فوجوں کی تنظیم مختلف اصول پر تھی اور وہ دو مختلف اور اکثر اوقات مخالف طاقتوں کے تحت کام کرتی تھیں۔ ان حالات کی وجہ سے سلطنت کو بہت سخت خطرات کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ اب اس معاہدہ سے کمپنی کو پورے فوجی اختیارات حاصل ہو گئے اور سلطنت ان سب خطرات سے محفوظ ہو گئی۔

(۹۳) یہ بھی ایک بات ہے جس کے لحاظ سے اس معاہدہ کو مفید کہا جاسکتا ہے باقی ہر لحاظ سے اس کے خاتمے کے اباب خود اس کے اندر موجود تھے۔

(۹۴) ستلوار ایک کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی اور خزانے کی کچی دوسرے کے ہاتھ میں۔ کام کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے ان دونوں میں سخت و مزوری تھا اور فریقین اس بات سے واقف تھے کہ اس قسم کا اتحاد دونوں کی بقا کیلئے

لحمہ جلائی معاہدہ کو اس معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ اسکی خاص شرائط یہ تھیں کہ فریقین کی سلطنتوں کی حفاظت کے لئے کمپنی امن کے ذریعے میں جو انتظامات کرے گی انہی مصارف کیلئے نواب کرناٹک نو لاکھ تہہ پوٹا ادا کریں گے۔ اگر نواب صاحب یہ رقم پابندی سے ادا نہ کر سکیں تو کمپنی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ انہی سلطنت کے چند اضلاع میں اپنے عہدے دار مقرر کرے اور انھیں اختیارات عطا کرے تاکہ وہ ان اضلاع کے عاملوں اور ناظموں کی نگرانی کریں اور وہاں سے الاذاری وصول کریں۔ معاہدے کی ایک دفعہ کی رو سے چند اضلاع اس قسم کے مطالبات کی ادا کرنے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے اس کے ساتھ ہی یہ شرط تھی کہ بقایا کی رقم وصول ہونے کے بعد کمپنی کے مقرر کردہ عہدہ دار فوراً واپس بلا لئے جائیں گے۔ لیکن یہ سب شرائط اس کے زمانے کے لئے تھیں۔ اگر خلیفہ چھڑ جائے تو اسکا پورا انتظام کمپنی کے ذمہ ہوگا۔ کمپنی کرناٹک اور شمالی سرکاری آمدنی کا پچھتہ جبکہ میں شریک لگی اور ایک دوسری دفعہ کی رو سے نواب صاحب بھی اپنی سلطنت کی آمدنی کا پچھتہ اس کام کیلئے دیں گے اور اگر چند رہنے والا پچھتہ میں سے کوئی رقم بچر جنگ کے اور کسی کام میں لگا دی گئی یا اس پر قرضہ لیا گیا تو کمپنی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ نواب کی پوری آمدنی پر قبضہ کر لے اور اس کے انتظام کے لئے عہدہ دار مقرر کرے اور اس انتظام کا وہی طریقہ ہوگا اور اس کے لئے وہی شرائط ہوں گے جاسکے فوجی مصارف کے سلسلے میں ان اضلاع کی آمدنی کے متعلق طے ہو چکے ہیں جو نو لاکھ پوٹا داسالانہ رقم کی ضمانت میں لکھے گئے ہیں۔

مزدوری ہے لہذا اگر نواب اپنی حکومت کے اصول یک نخت نہ بدلیں تو بیرونی طاقت سے جنگ ہونے کی صورت میں اور خاص جنگ کے زمانہ میں کمپنی کو ان تمام علاقوں میں جو مصارف جنگ کے لئے مخصوص ہیں قطعی جدید انتظامات کرنے پڑتے اور یہ بھی ظاہر تھا کہ ان تمام دقتوں یا خطرات کے علاوہ حکومت کی متواتر تبدیلیوں کی وجہ سے جو اس معاہدے کی بدولت نواب کی ریاست میں ہوتی رہیں گی وہاں آئندہ ترقی کی تمام امیدیں اور وہاں کی بد قسمت رعایا کے مستقبل آرام اور خوشحالی کے تمام توقعات بھی ختم ہو جائیں گے۔

اس عہد نامے نے سب سے پہلا تو یہ گل کھلایا کہ نواب صاحب اس معاہدے کے خاص خاص شرائط پر ہی پورا نہ کر سکے اور جب ۱۷۹۹ء میں پہلو سے جنگ چھڑی تو لارڈ کارنوالس نے مجبوراً دونوں ریاستوں کو ان تمام خطرات سے بچانے کے لئے جو اس کے نزدیک دہاں کی بد نظمی کی وجہ سے پیش آنے والے تھے نواب کی کل ریاست پر قبضہ کر لیا۔ اسے سر-اے کیمبل کے معاہدے کے خلاف مالکذاری وصول کرنے کے لئے بھی اپنے عہدہ دار مقرر ۹۵ کرنے پڑے۔ اگرچہ قرار یہ پایا تھا کہ ایسی حالت میں نواب کے ملازم کمپنی کی نگرانی میں مالکذاری وصول کریں گے تاہم اس وقت یہی مناسب خیال کیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی خواہش کی گئی کہ نواب کمپنی کے ملازموں کی نگرانی وہ ان کے حسابات کی جانچ پرتال کے لئے اپنے عہدہ دار مقرر کر دیں تاکہ بعد میں معاہدے کے اصول کے مطابق ہی برطانوی حکومت سے اس کا خاطر خواہ سمجھوتہ ہو سکے۔ لارڈ کارنوالس اپنے ایک مراسلے میں حکومت فورٹ سیٹ جاج کو ان تجاویز پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور جن اسباب کی بنا پر مجبوراً یہ طرز عمل اختیار کرنا پڑا انھیں نہایت زوردار الفاظ میں بیان کرتا ہے اور اس بات کا انہیں کہتے ہوئے کہ اس معاملے میں وہ نواب کی منظوری حاصل نہ کر سکا اس کی فوری عمل کا حکم دیتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ لکھتا ہے کہ اگر حکومت نواب کے ذاتی احکامات

کا لحاظ کر کے ان سے معاہدے کی تکمیل نہ کرتی تو اس پر یہ الزام عائد ہوتا کہ اس نے اپنے ملک کے مفاد اور نواب کی سلطنت کی حفاظت کو نظر انداز کر دیا۔

اس مسئلے میں وہ یہ توقع بھی ظاہر کرتا ہے کہ اب نواب صاحب کو اپنے ان مشیروں کی خود غرضی اور بدنیتی کا بہت جلد احساس ہو جائے گا جو انھیں حکومت مدراس کے تجاویز کی مخالفت پر آمادہ کرتے رہے تھے۔ اور اب وہ خود دیکھ لیں گے کہ ایک طرف ان کی رعایا کے ساتھ انصاف و انسانیت کا برتاؤ ہوگا اور دوسری طرف انھیں اپنے خاندان کی پرورش اور اپنے ذاتی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے کافی روپیہ مل جائے گا اور ان کی آمدنی کا وہ حصہ جو (لارڈ کارنوالس کے الفاظ میں) سخت گیر کمزوروں اور سود خوروں کے پیٹ میں جانا تھا اب عزت کے ساتھ ان کی سلطنت اور ان کی رعایا کی حفاظت میں صرف ہوگا۔“

(۹۲)

نواب کی ریاست پر قبضہ کرنے سے جنگ کے کاموں میں بڑی آسانی ہو گئی۔ یہی نہیں کہ کرناٹک کے تمام ذرائع کمپنی کے ہاتھ میں آ گئے بلکہ وہاں سے جو کچھ سامان جنگ دستیاب ہو سکتا تھا اسے بروقت مہیا کرنے کا بھی کامل اختیار حاصل ہو گیا۔

اختتام جنگ پر لارڈ کارنوالس فورٹ سینٹ جارج پہنچا اور نواب کرناٹک سے مراسلت شروع کی اور اس سے ایک جدید معاہدہ کیا۔ اگرچہ اس میں کچھ شبہ کی گنجائش نہیں کہ لارڈ کارنوالس نے جو معاہدہ کیا وہ

(۹۳)

لے اس معاہدے کی ابتدائی شرائط ۱۲ جولائی ۱۷۹۲ء میں طے ہوئیں۔ معاہدہ جسے کمپنی نے طے کیا تھا۔ نواب کی درخواست مورخہ جون ۱۷۹۲ء کے مطابق منسوخ کیا گیا۔ نواب نے دلیل پیش کی تھی کہ سابق معاہدے کی شرائط کو یوراکرنے کے لئے اس کی ریاست کے ذرائع کافی نہیں ہیں۔ (معاہدے کی رو سے) مقررہ رقوم کے ادا کرنے کے لئے جو ضمانت لی گئی ہے اس سے بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ دیگر اشخاص کے قرضوں کے ادا کرنے کے لئے جو شرائط نواب سے طے کی گئی تھیں وہ بھی منسوخ ہوئیں اور لارڈ کارنوالس نے جو معاہدہ کیا اس میں تخریر کر دیا گیا کہ جو معاہدے اس کی رو سے منسوخ ہوں گے ان کی تمام باتوں کا لحاظ اس میں رکھا جائے گا۔

کسی فتہ کیمبل والے معاہدے سے بہتر تھا اور چند معاملات اس سے کچھ

سہ اس عہد نامے کی رو سے (کیمبل کے معاہدے کی طرح) دونوں سلطنتوں کی حفاظت کیمپنی کے سپرد کی گئی اور جنگ کے زمانے میں کرناٹک کا کھل انتظام بھی اس کے ماتحت رہنا قرار پایا۔ صرف دوران جنگ میں کیمپنی کا انتظام رہیگا اور بجز ان چند اصولوں کے جن کا ذکر دوسری جگہ کر دیا گیا ہے، اختتام جنگ پر ریاست کا انتظام نواب کو واپس دیا جائے گا۔ اس معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ کرناٹک پر جب تک کیمپنی کا قبضہ رہے وہ نواب کو اس کی آمدنی کا $\frac{1}{4}$ حصہ ادا کرے۔

اس کی ایک دھڑکی رو سے امن کے زمانے میں فوجی اخراجات کے لئے نواب نے نو لاکھ پگوڑا سالانہ دینے کا وعدہ کیا اور چھ لاکھ اکیس ہزار اکیس پچیس گچڑا سالانہ دیگر شخص کے قرضوں کے ادا کرنے کے لئے مقرر کئے۔

ان رقم کے ایک جزو کی ادا کرنے کے لئے یا بیکار کا خرچ کیمپنی کو دیا گیا اور طے پایا کہ ان میں سے دو لاکھ چونتیس ہزار سات سو چار گچڑا نواب صاحب کو دئے جائیں گے اور کیمپنی اس رقم میں سے روپیہ وصول کرنے کا معاوضہ منہا نہیں کرے گی اس کے بعد فوجی اخراجات اور دیگر قرضوں کی جو واجب الادا رقم باقی رہے (یعنی بارہ لاکھ چھپتر ہزار چار سو پگوڑا) وہ باقاعدہ اقساط میں ادا کی جائے گی اور ادا نہ کرنے کی صورت میں کیمپنی ریاست کے مخصوص کردہ علاقے میں سے کسی ایسے علاقہ پر قبضہ کرے گی جس کی آمدنی مطالبہ کی مساوی ہو اور اگر ایسی صورت پیش آئے تو نواب اپنے تمام ملازم واپس بلا لیں اور ہر علاقہ میں ایک ایک آدمی چھوڑ دیں تاکہ وہ اس علاقے کی آمدنی اور وصولیابی کے حساب کیمپنی کے ملازموں سے سمجھ لے۔

جب ان علاقوں پر قبضہ کیا جائے گا تو ان کی آمدنی وصول طلب رقم میں سے منہا کر دی جائے گی اور جب تک کیمپنی کی اقساط کا بقایا اور دیگر انحصار کا قرضہ ادا نہ ہوگا کیمپنی کا قبضہ برقرار رہیگا۔ بعد ازاں یہ علاقے واپس دیدئے جائیں گے۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ پیشکش یا خرچ کی رقم کے علاوہ (۶۳۵۲۹۵) پگوڑا کی جو رقم فوجی مصارف کے لئے طے پائی ہے اگر اس کی سالانہ اقساط کی ادائیگی یا بندی سے نہ ہوئی تو مخصوص

صاف بھی ہو گئے لیکن سابق معاہدے کے نقائص میں سے ایک بھی اس سے رفع نہ ہوسکا۔ ۹۸

یہ جدید معاہدہ سابق عہد نامے سے ایک خاص اہم معاملہ مختلف تھا اس کی ایک دفعہ کی رو سے طے پایا کہ کسی بیرونی طاقت سے جنگ ہونے کی صورت میں کرناٹک کے اندر ایک سرتا پائی طاقت کی حکومت قائم ہوگی۔

(۹۹) اختیارات کی جو تبدیلی ۱۹۱۹ء کے معاہدے میں مشروط تھی، ۱۹۲۷ء کے معاہدے سے ناپق ہو گئی لہذا نواب یا اس کے جانشین کی حکومت کی اصلاح اور ریاست کے معقول انتظام سے فریقین کو استفادہ حاصل کرنے کی جو کچھ رہی تھی امید تھی وہ بھی اس اہم تبدیلی سے منقطع ہو گئی۔ سابق معاہدے کی طرح اس میں بھی خود غرض اور بدکردار مشیروں کو نواب پر اثر ڈالنے اور سخت گیر سفارکوں اور سود خواروں کو ابھارنے کی گنجائش رہی اور یہ ظاہر تھا کہ مثل سابق کے یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے نواب کو ابھارتے رہیں گے کہ وہ اپنی آمدنی کی کفالت پر روپیہ لے کر یا اپنی ریاست کا کوئی حصہ علیحدہ کر کے حتی الوسع اپنے ذاتی اقتدار میں فرقہ نہ آنے دیں۔

لارڈ کارنوالس نے اس زمانے میں جو مراسلے لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اس معاہدہ کی سرسبزی کی قوی امید تھی لیکن انگلستان کے حکام بالا کو اس کی رائے سے اتفاق نہ تھا؛ انھیں کامل یقین تھا کہ اس معاہدے سے جو توقعات قائم کئے گئے تھے وہ ہرگز پورے نہ ہو سکیں گے لہذا انھوں نے ابتدا ہی سے اس میں ترمیم کرنے کی ہدایت کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علاقوں میں سے کسی ایسے ایک یا ایک سے زائد علاقے جس کی آمدنی بقایا کے مساوی کمپنی قبضہ کرنے کی اور اس علاقے یا ان علاقوں کو بعد میں کبھی واپس نہیں کیا جائے گا۔
نواب نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنا اقتدار قائم رکھتے یا اندرونی امن برقرار رکھنے کے لیے کبھی کبھی کی امداد حاصل کریں گے تو ان مقرروہ رقم کے علاوہ اس کے مصارف علیحدہ ادا کریں گے۔

نواب نیر اودھ سے

جدید معاہدہ

لارڈ کارنوالس نے نواب وزیر اودھ سے جو معاہدہ کیا

اس کی نوعیت سمجھنے کے لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس

معاہدے سے قبل کمپنی کے اس فرمانروا سے جو تعلقات تھے

ان پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

عہد نامہ فیض آباد کی رو سے جو نواب وزیر آصف الدولہ نے اوائل

۱۷۷۴ء میں اپنی مسند نشینی کے بعد کیا تھا۔ بنارس غازی پور اور چنار کمپنی کے

تحت آگئے تھے اور یہ قرار پایا تھا کہ اودھ، کٹرہ اور الہ آباد کی حفاظت کے

لئے کمپنی کی باقاعدہ فوج کا ایک دستہ نواب وزیر کی ریاست میں رکھا جائے

اور اس کے قیام کے زمانے میں نواب وزیر اس کے اخراجات ادا کریں

اسی سلسلے میں یہ بھی قرار پایا تھا کہ اگر کسی دوسرے علاقے کی حفاظت کے لئے

زائد فوج درکار ہوگی تو اس کے اخراجات علیحدہ لئے جائیں گے۔ اور انھیں ضرورت

کے وقت ملے کر لیا جائے گا۔

اس عہد نامے کے چند ماہ بعد ہی ریاست کی بد امنی اور فوج کی بے قاعدگی

اور بد نظمی کی وجہ سے نواب آصف الدولہ نے گورنر جنرل سے درخواست کی کہ اسے

چند انگریز افسر دئے جائیں جو چھ فوجی ہٹالین کی کمان لے سکیں اور ان کے ساتھ

ایک توپ خانہ اور اسی کی مناسبت سے کچھ سوار فوج بھی بھیجا جائے۔ اس درخواست

کے ساتھ اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ یہ جماعت اس کی باقی فوج کو مطیع رکھ سکے گی

اور اس کی حکومت کو اس سے بہت تقویت پہنچے گی۔ تو پچھلے اور سوار فوج کی

ترتیب پورے طور سے انگریزی حکومت کی مرضی پر چھوڑ دی اور وعدہ کیا کہ

ان کی تنخواہ کے باقاعدہ ادا ہونے کا انتظام کر دیا جائے گا۔

(۱۰۱) اس طور سے جو فوج تیار کی گئی اُسے اُسٹریا میں کمپنی کی فوج میں شامل

کر کے فرخ آباد میں رکھ دیا گیا۔ نواب کی خدمت کے لئے جو باقاعدہ فوج کانپور

میں رکھی گئی تھی اس سے اسے ممتاز کرنے کے لئے اس کا نام عارضی فوج رکھا

گیا۔ اور نواب وزیر کے ذمے اس کے اخراجات تقریباً تیس لاکھ سالانہ ہونے

جب یہ عارضی فوج تیار ہو گئی تو نواب وزیر کو مطلع کر دیا گیا کہ جب تک

مختص اس فوج کی ضرورت رہیگی اس کے پورے اخراجات اُن کے ذمے ہوں گے لیکن نظام نے اس شرط کو منظور نہیں کیا۔ انھوں نے لکھا کہ اگر اس شرط کا مشایعہ نواب وزیر کو آزادی حاصل ہوگی کہ جس وقت دو چاہیں ان افواج کو برخاست کر دیں تو ہمارے نزدیک یہ ایک خطرناک شرط ہے اور اس کی وجہ سے آئندہ سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر اُس کے سینے کچھ اور ہیں جو الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتے اور تمھارا انشاء یہ ہے کہ اول تم اپنے اثر کے زور سے نواب کو اس تجویز کے قبول کرنے پر مجبور کرو اور بعد میں اپنی مرضی کے موافق اس فوج کو واپس برقرار رکھو تو ہمارے نزدیک تمھاری نیت سخت خراب ہے۔ اور یہ بات انصاف کے خلاف ہے اور اس قسم کے طرز عمل سے کمپنی کے نام پر بڑے لگ جائے گا۔

جن دقتوں کا نظام نے اندازہ کیا تھا وہ بہت جلد پیش آگئیں۔ ۱۷۷۹ء میں یعنی اس معاملے کے دو سال بعد ہی نواب وزیر نے کہا کہ یارش کی قلت کی وجہ سے اس کی آمدنی میں سخت کمی واقع ہو گئی ہے لہذا وہ ان افواج کے اخراجات اور کمپنی کے دیگر مطالبات کو ادا کرنے سے معذور ہے اور اگرچہ کمپنی کا کل مطالبہ ایک کروڑ چھتیس لاکھ بارہ ہزار ایک سو اکتالیس ہے وہ اڑسٹھ لاکھ بیاسی ہزار سے زائد ریڈنٹ کو ادا نہیں کر سکتا۔ ریڈنٹ نے اس معاملے کی اطلاع بنگال روانہ کرتے وقت نواب وزیر کا خط بھی بھیج دیا اس خط میں نواب نے کمپنی کے ساتھ اپنے اخلاص و اتحاد کا ذکر کر کے اس بات کی توقع ظاہر کی تھی کہ کمپنی اس کی مصیبت پر ترس کھا کر اسے فرخ آباد کی فوج کے بار سے نجات دلا دے گی جو اُس کی ریاست کے لئے محض بیکار ہے اور جس کی وجہ سے اس کی آمدنی کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس نے چند اور فوجی دستوں کی علیحدگی کی بھی درخواست کی تھی جو یورپین افسروں کی کمان میں تھے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ان کا خراج بہت اور فائدہ کم تھا۔

حکومت بنگال نے اپنی رائے ظاہر کی کہ نواب کے مطالبات کو پورا کرنے سے کمپنی کو نیز نواب کے مفاد کو سخت نقصان پہونچے گا۔ یہ بات

صاف ظاہر ہے کہ جب نواب کے پاس اپنے علاقے میں امن برقرار رکھنے کے لئے بھی کوئی ذرائع نہیں تو وہ اپنی ریاست کو مرہٹوں کے خطرے سے ۱۰۳ جن کا ہمیشہ ٹھٹکا لگا رہتا ہے اور جن سے عنقریب جنگ چھڑتی نظر آتی ہے کس طرح بچا سکیگا۔ اس خیال کی بنا پر رزیدنٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ حسب قرار داد کل رقم کے فوری ادا کئے جانے پر ہی امرار نہ کرے بلکہ نواب وزیر کو آگاہ کر دے کہ ان افواج کا برقرار رکھنا اس کا خاص فرض ہے۔ یہ محض اسکی حفاظت کے لئے ترتیب دی گئی تھیں اور موجودہ حالات میں ان افواج کے ایک حصے کو بھی برخاست کرنا خود اس کے لئے بھی اتنا ہی نامناسب ہے جتنا کہ کمپنی کے لئے اس تجویز کو منظور کرنا۔

گورنر جنرل نے خود بھی نواب وزیر کو ایک خط لکھا اور اس میں ان تمام مضر اثرات کو جو اس تجویز کے منظور کرنے سے رونما ہو سکتے تھے، نہایت پر زور الفاظ میں تحریر کیا۔ اس نے اس بات کو صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ جس وقت آپ نے جدید فوج کا مطالبہ کیا تھا اس وقت اس بات کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کمپنی اتنی بڑی فوج تیار کرنے اور حسب ضرورت اس کے لئے افراد کی ایک کثیر تعداد کے تقرر کی زحمت اس لئے گوارا کرے گی کہ آپ بغیر اطلاع اور بلا ہمت دئے اور بلا کمپنی کی اجازت کے جس وقت چاہیں گے اسے برخاست کر کے اس کا سب بار اور ان سب افراد کے مصارف ایک دم سے کمپنی پر ڈال دیں گے۔ اس نے نواب صاحب کو صاف طور پر بتلادیا کہ اگر آپ کمپنی سے رشتہ اتحاد توڑنا اور اس کی اعانت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں تو آپ اپنے ارادوں کی اطلاع ایسے وقت میں دیں جب کہ کمپنی کو اس سے کوئی (۱۰۳) نقصان نہ پہونچے اور آخر میں لکھ دیا کہ میں ایسے نازک وقت میں اور بقدر فاصلہ پر فوج کی علیحدگی کی منظوری نہیں دے سکتا۔ اگر اب یہ افواج درکار نہیں تو آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ ان کی علیحدگی کے لئے اتنا وقت ضرور دیں گے جتنا کہ ان کی تیاری میں صرف ہوا تھا۔ ”سٹریٹسنگٹن نے اس خط کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ ”اگرچہ بدقسمتی سے فصل خراب ہوئی ہے تاہم مجھے اس امر کا

یقین ہے کہ باوجود اس کے آپ کے پاس اس فوج کے انحراف جاست
برداشت کرنے کے لئے جو آپ کی ریاست کی حفاظت کے واسطے نہایت
ضروری ہے، کافی رقم موجود ہے۔ اس نے اصرار کیا کہ کمپنی کے جملہ
مطالبات ادا کئے جائیں اور اگر ضرورت پڑے تو ان کی تکمیل کے لئے
ریاست کی فوج کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا جائے یا اس کی خواہ روک لی جائے۔
جن اہم مجبوریوں اور ضرورتوں کی وجہ سے برطانوی حکومت کو نواب
وزیر کے تجاویز انا منظور کرنا پڑے، ان میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی لیکن
ایک ایسے اعانتی معاہدے کی خرابیاں جس کے شرائط نامکمل ہوں اور جسکی
نتیجہ کا مدار ایک بڑی حد تک ایک ہندوستانی فرمانروا کی مرضی پر ہوتا ہے
کبھی اس سے زیادہ نمایاں ہوئیں ہوں۔ اس وقت غالباً مسٹر ہیننگز کے
شخص کی دانشمندی مستقل مزاجی اور فیصلہ کن طبیعت کی ضرورت تھی جو عوام کے
مقاہد کو ان تمام خطرات سے محفوظ رکھ سکے جو اس موقع پر ایک ایسے کمزور اور
اوباش فرمانروا کی اس حرکت سے پیدا ہو گئے تھے جو بدکردار اور سازشی
لوگوں کے زیر اثر اپنے خواہشات نفسانی کی خاطر یا کسی عارضی مقصد کے حصول
کے لئے اپنے ملک کو نیز اس طاقت کے مستقل مفاد اور ذرائع حفاظت کو جو اس
وابستہ ہو گئے تھے نشانہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔

نواب وزیر نے اس وقت تو گورنر جنرل کے دلائل طوعاً و کرہاً تسلیم
کر لئے اور خاموش ہو گیا لیکن موقع ملتے ہی اس معاملے کو دوبارہ چھیڑ دیا۔
اور جب چیت سنگھ کے خلاف برطانوی حکومت کو مدد دے کر اس نے اپنے اخلاقی
کا کامل ثبوت دے دیا تو وارن ہیننگز سے درخواست کی کہ وہ اس معاملے کی
طرف اپنی توجہ مبذول کرے۔ اس نے بھی بہ نسبت پہلے کے نواب کو زیادہ
نیک نیت سمجھا اور ۱۹ ستمبر ۱۷۸۱ء کو اس سے ایک جدید معاہدہ کر لیا۔ اس میں
یہ قرار پایا کہ عارضی فوج کمپنی کے حدود میں واپس بلا لی جائے اور ہندو افواج

لے وہ افواج جن سے محض مالگداری وصول کرنے کا کام لیا جائے۔

۱۰۶ میں جو انگریزی افسروں کی کمان میں ہیں تحفیف کی جائے اور نواب وزیر سے صرف سابق فوج اور اس کے ساتھ ایک زائد فوجی دستے کے مصارف لئے جائیں جو لکھنؤ میں رزیدنٹ کے پاس رکھا جائے اور اگر آئندہ کسی موقع پر نواب وزیر کو زائد فوج درکار ہو تو وہ اس کی حقیقی تنخواہ اور مجتہد اس کے دریا کر مٹا ساجبور کرنے کے بعد سے ادا کریں۔

ان سب شرائط کی تعمیل ہو گئی لیکن سب سے اہم شرط جو عارضی فوج کی واپسی کے متعلق تھی وہ اب بھی پوری نہ ہوئی۔ میسٹنگرنے اس کے لئے یہ عذر پیش کیا کہ مجبوراً چند سیاسی امور میں مہینہ رہنے کی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ کر سکا۔ اس معاملے میں وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب لکھنؤ میں لکھنؤ پہونچ کر اس نے نواب وزیر سے دوسرا معاہدہ کیا تو اس میں بھی فرخ آباد سے فوج واپس بلائے کا وعدہ کیا اور لکھنؤ کے رزیدنٹ کو اس کے متعلق احکام بھی دے دیئے لیکن کلکتہ پہونچ کر مجلس کے ارکان کو قطعی اس کے خلاف پایا۔ (چونکہ اس کی واپسی کا زمانہ قریب تھا) لہذا اس نے اپنا حق سمجھ کر محض اس کی تعمیل کا خیال ہی ترک نہ کیا بلکہ اپنی اس تحریک ہی کو شش کر دیا چونکہ یہ اس کا ذاتی حکم تھا اس لئے اسے خیال ہوا کہ اس تحریک کو کہیں اس کی مخالفت پر معمول نہ کر لیا جائے اور اس کی وجہ سے اس کے (۱۰۶) جائنتین کی حکومت پر کوئی مضراثر نہ پڑے۔

سر جان میکفرسن کے مختصر دور میں بمبئی اور اودھ کے تعلقات میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی لیکن اس تاخیر نے نواب وزیر کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے زیادہ بے چین کر دیا اور لارڈ کارنوالس کے ہندوستان پہونچتے ہی نواب آصف اللہ کو اپنے قابل اور معتبر وزیر حیدر بیگ خاں کو وزارت عظمیٰ روانہ کیا تاکہ وہ نواب کی حالت سے اسے آگاہ کرے اور اس بیجا بارے

لے اس کے مصارف دو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ ماہانہ قرار پائے۔

اس کے مصارف پچیس ہزار ماہانہ ہوئے۔

اسے کسی قدر نجات دلانے کا انتظام کرے۔
اس گفت و شنید کی نوعیت اور اس کے نتائج کو کارنوالس نے اپنے
مراسلے مورخہ ۳۱ اپریل ۱۸۵۷ء میں توضیح سے بیان کیا ہے اور جن اصول کے
تحت اس نے اس دقیق اور اہم معاملے کے متعلق آخری سمجھوتہ کیا، انہیں بھی
تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

نواب وزیر نے حیدر بیگ خاں کی معرفت اس امر کی توقع ظاہر کی تھی
کہ دارن میسنگرز نے جو معاہدہ اس سے لکھنؤ میں کیا تھا اس کے مطابق انگریزی
حکومت اپنی فوج فرخ آباد سے واپس بلائے گی لیکن کارنوالس نے اپنی رائے
میں اس فوج کا قیام نواب وزیر اور کمپنی دونوں کے مفاد کے لئے ضروری
سمجھا۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے جو خط نواب وزیر کو لکھا اس میں اس فوج
کو بدستور برقرار رکھنے کے مقاصد بیان کیے اور جن اصول کی بنیاد پر اس نے یہ
طرز عمل اختیار کیا تھا۔ اپنے متعلقہ مراسلے میں انکا خلاصہ ان الفاظ میں بیان
کرتا ہے کہ ”میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے نزدیک تنہا کانپور کی فوج نواب وزیر کی سرحد
کی حفاظت کے لئے کافی نہیں ہے اگرچہ اس وقت کسی خاص فوری خطرے کا
اندیشہ نہیں تاہم ممکن ہے کہ فتح گڑھ کی اس قدر بڑی فوج کو واپس بلا لینے سے
کوئی حادثہ پیش آجائے۔ یہ بات عیاں ہے کہ نواب وزیر کی فوج میں نہ کوئی
تنظیم ہے اور نہ وہ اندرونی امن قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ کمپنی کی فوجوں
کو جو اعزاز حاصل ہے محض اس کی بدولت اس کی رعایا مطیع اور وفادار نظر
آتی ہے۔ نواب وزیر کا جو رویہ ہے اور ان کے بیجا مصارف کا جو ڈھنگ ہے
اور ذرائع آمدنی کی طرف ان کی جو غفلت ہے اور بجز عارضی خواہشات
نفسانی کے دیگر معاملات سے جو بے اعتنائی ہے اس کی وجہ سے ان سے
اس بات کی ہرگز توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ریاست کو کسی بیرونی حملے یا اندرونی
شورش سے بچا سکیں گے۔“

فتح گڑھ کی فوج کی بابت جو رویہ ہم نواب وزیر سے وصول کرتے ہیں
وہ اس رقم سے کہیں زیادہ ہے جس کے ہم محفل نظام کے احکام کے بموجب تھے ہیں

(۱۰۹) لیکن اب جو انتظامات اس مراسلت کے ذریعہ سے قرار پائے ہیں ان کے مقاصد کی اہمیت کے مقابلے میں یہ زائد رقم کچھ بھی نہیں۔

اسی مراسلے میں لارڈ کارنوالیس تحریر کرتا ہے کہ سابق نو سال کی مدت میں جلد رقم جو مختلف مدوں میں نواب نے ادا کی ہے اس کا اوسط چوراسی لاکھ سالانہ ہے حالانکہ اس سال کے معاہدوں میں نواب نے صرف اکتیس لاکھ اکیس ہزار اور چونتیس لاکھ بیس ہزار سالانہ کمپنی کو ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

گورنر جنرل اس سلسلے میں یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ حیدر بیگ خاں سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رو سے اب جلد مطالبات پچاس لاکھ سالانہ ہونگے ہیں اور مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اودھ کے تعلقات کی وجہ سے جو اخراجات بھی کمپنی کو برداشت کرنے پڑیں گے ان کی تکمیل اس رقم سے ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ اس رقم کے سالانہ ادا کرنے میں نہ نواب کو کوئی دقت پیش آئے گی اور نہ اس کی وجہ سے اس کے اعزاز میں کچھ فرق آئے گا۔

حیدر بیگ خاں نے اس انتظام کو یہ کہہ کر تسلیم کر لیا کہ ”مجھے برطانوی حکومت کے انصاف پر کامل اعتماد ہے کہ وہ میرے آقا کی بہتری کا لحاظ کرے گی اور فوج کا بار کم کرنے کی غرض سے کسی اور مناسب موقع پر جب مصلحت یا سہولت اجازت دے وہ کمپنی کی فوج کا ایک حصہ بھی واپس بلا لے گی۔“

حیدر بیگ خاں نے جس بات کی توقع ظاہر کی تھی اس کی بابت لارڈ کارنوالیس نے بھی اپنے خط میں نواب وزیر کو اطمینان دلایا۔ لیکن اپنی یادداشت میں وہ تحریر کرتا ہے کہ میرے نزدیک شاید ہی کبھی ایسا موقع آئے جبکہ مصلحت اس کی اجازت دیکے۔

اسی فاضلانہ مراسلے میں کارنوالیس نے اودھ اور کمپنی کے تعلقات کی نوعیت پر بحث کی ہے اور اس طرز عمل کو واضح کیا ہے جو اس کے نزدیک انگریزی حکومت کو اپنا فرض سمجھ کر نواب سے تعلقات بڑھانے اور اتحاد مستحکم کرنے کے لئے اختیار کرنا چاہئے۔

وہ لکھتا ہے کہ جن اصول پر اب اودھ اور کپنی کے تعلقات کی بنیاد رکھی گئی ہے انھیں کی بدولت وہ مستقل دستِ حکم ہو سکتے ہیں۔ ہم اس کی ریاست کی مخالفت اپنے ذمے لیتے ہیں اور اس کے عوض وہ اُن حقیقی مصارف کے ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے جو ہمیں اس معاہدے کی وجہ سے جو خود اس کی ذات کے لئے تھا اہم ہے لاحق ہوں۔ حکومت کے اندرونی معاملات تنہا اس پر چھوڑ دئے گئے ہیں اور جو معاہدہ نواب نے کیا ہے جب تک وہ اُس کے شرائط کی پابندی کرتا رہے گا میری کوشش برابر اس انتظام کو برقرار رکھنے کی رہے گی۔

لیکن نواب وزیر کی حکومت کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کے یہ سوتے نہیں کہ ضرورت کے وقت مجھے یا مجلس کو اس کی حکومت کے معاملات میں رائے دینے یا کسی خاص ایسے انتظام کو پیش کرنے کا جو دونوں حکومتوں کے مفاد کے لئے اہم ہو اختیار نہ ہوگا۔

(۱۱۱)

باہمی ہولتوں کی غرض سے اکثر اس قسم کے تجاویز پیش کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے اور صرف ایسے ہی مواقع پر انھیں پیش بھی کرنا چاہئے۔

میرا خیال ہے کہ بورڈ بھی اس بات کو محسوس کرے گا کہ اُس میں نواب حیدر بیگ خاں یا جو کوئی بھی وزارت کا کام انجام دے اسے مدد دینی ضرور ہوگی۔ اس وقت نواب وزیر کو اُس پر کامل اعتماد ہے اور تنہا وہی اپنے آقا کے لئے ہماری حکومت کی اعانت حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ میں نے بلا کسی پس و پیش کے نواب حیدر بیگ خاں کو یقین دلادیا ہے کہ جب تک وہ اپنے آقا کے ساتھ وفادار رہے گا اور انصاف و انسانی ہمدردی کو ملحوظ رکھ کر ریاست کی خدمت انجام دے گا۔ اور کپنی کے معاہدوں کی سختی سے پابندی کرتا رہے گا وہ ہماری حکومت کی اعانت پر کامل اعتماد کر سکتا ہے۔

لارڈ کارنوالس نے جو کچھ معلومات بہم پہنچائے تھے اُن سے اُسے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ جہاں تک نواب وزیر کی ذات کا تعلق ہے اُسے اس بات کا احساس کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو اخلاص و اتحاد اب دونوں حکومتوں میں قائم ہو گیا ہے اسے برقرار رکھنے کی غرض سے حیدر بیگ خاں اور اُس کے

ہم خیال اور ہم پلہ اشخاص کی جو اس اتحاد کے حامی ہوں امداد کرنا اشد ضروری ہے۔ اس بارے میں کاروائیوں نے اپنے جو خیالات قلمبند کئے ہیں ان سے واضح ہے کہ اگر کوئی موقع پڑتا تو عدم مداخلت کے مسلک سے انحراف کرنے کی بجائے (۱۱۲) ہم ذمہ داری اسے سنی ایسے فیصلہ کن اور عملی کام کے انجام دینے سے ہرگز نہیں روک سکتی تھی جو اس کے نزدیک فوری و اتمعات کے لحاظ سے اس ریاست کے مفاد و استحکام بڑھانے کے لئے جو اس کے تفویض کی گئی تھی ضروری ہوتا۔ اس بارے میں اس کے جوارادے تھے اور جن دلائل پر وہ مبنی تھے وہ سب اس کے اس فاضلانہ مراسلے میں درج ہیں جس کا اور حوالہ دیا جا چکا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ ”ارکان مجلس خوب واقف ہیں کہ اودھ میں حکومت کا کل کام وہاں کے دیوان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ نواب وزیر صاحب تو اپنے ملازموں کے کاموں کی تائید کرنے اور کاغذات پر دستخط کرنے کے سوا کچھ کرتے ہی نہیں۔ انھیں کام کے نام سے اس قدر نفرت ہے کہ اس قسم کی معمولی ضابطے کی کاؤٹا بھی وہ بدقت تمام اور طوفاؤ کر باہی کرتے ہیں۔ انتہا درجے کے تو وہ ادبائش میں لیکن اس کی کبھی پروا نہیں ہوتی کہ ان کے ان مشاغل کے لئے روپیہ آئے گا کہاں ہے لہذا ایسی حالت میں کمپنی کو اپنے معاہدوں کی تکمیل اور پابندی کے لئے یہاں نواب وزیر کے دیوان پر بھروسہ کرنا چاہئے لیکن یہ بیچارہ نواب صاحب کے تلون اور دوسروں کی سازشوں کا نشانہ بنا رہتا ہے لہذا یہ اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حیدر آباد خاں اپنا اثر نواب وزیر پر کب تک قائم رکھ سکتا ہے؟ جن مشکلات کا اسے اس حیثیت میں رہ کر مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہ مشائیش اور اگر نواب وزیر کے متعلق میری رائے صحیح ہے تو اس کے لئے دو متفاد باتوں کو یکجا کرنا یعنی ایک طرف نواب صاحب کی عنایت و اعتماد حاصل کرنا اور دوسری طرف ریاست میں ایسا نظم و نسق قائم رکھنا جو حقیقی معنوں میں فرمانروا کے مفاد کے لئے مفید ہو، نہایت دشوار ہوگا۔ میں اب اس پر کچھ تبصرہ کرنا نہیں چاہتا بس میری تو یہ دعا ہے کہ کوئی ایسا موقع ہی پیش نہ آئے جب کہ اس حکومت کو نواب اور اس کے وزیر کے تعلقات میں مداخلت کرنی پڑے یا دیوان

اس کے خلاف ادا دینی پڑے۔

لارڈ کارنوالس کے زمانے میں اودھ سے یہی ایک اہم معاہدہ ہوا اور اس کے یہی پسند خاص پہلو ہیں جس حد تک کرنوال آصف الدولہ کی ذات سے توقع ہو سکتی تھی وہاں تک تو اس کے نتائج اچھے رہے لیکن اس کے قابل اس کے بیجا مصارف اور نازیبا شاغل کی وجہ سے معاملات میں متواتر شکلات پیش آتے رہے اور معاہدے کی پیمائش میں اس کی طرف سے اکثر رکاوٹ بھی پیدا ہوئی۔ جب اس کی ریاست میں کامل امن قائم ہو جاتا تھا جو اس اتحاد کی خوبی کا ثبوت ہوتا تھا اسی وقت وہ کمپنی کی امانت و حمایت کی قدر بھول جاتا تھا۔

لارڈ کارنوالس کے

لارڈ کارنوالس کے دور کے آخری سال تک برطانیہ عظمیٰ اور فرانس میں صلح رہی اور گورنر جنرل ہندوستان کی پوری برطانوی قوت سے بیٹوں کے خلاف کام لے سکا اور ان تمام فوجی اخراجات میں کمی کر سکا جو فرانسیسیوں کے حملے کے خوف سے غیر محفوظ سرحد کی حفاظت یا فرانس اور اس کے حلیفوں کے مقبوضات اور نوآبادیات کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف ہونے لگے۔

(۱۱۴)

جب فرانس سے جنگ چھڑنے کی خبر ہندوستان پہنچی تو فوراً پانڈیہ پر حملہ کیا گیا اور فورٹ سینٹ جانج کی فوجوں نے جو اس کے پہلے سالار مرجان بریٹھوٹ (Sir John Braithwaite) کی کمان میں تھیں اس پر قبضہ کر لیا اور خود فوج کی کمان لینے کی غرض سے مارکوالس کارنوالس بہ عجلت مکہ فورٹ ولیم سے روانہ ہوا لیکن ساحل پر پہنچنے سے قبل ہی وہاں کام مکمل ہو چکا تھا۔ وہاں سے وہ بنگال واپس ہوا بلکہ اگست ۱۷۹۳ء میں انگلستان روانہ ہو گیا۔

کارنوالس کی حکومت پر ایک نظر

برطانوی حکومت کے کاموں میں جو غیر معمولی کامیابی لارڈ کارنوالس کے دور میں حاصل ہوئی اسے بلاشبہ زیادہ تر اس کے مردانہ جوش، اس کے عزم بالجرم اور صحیح قوت فیصلہ پر جو اس کے خصوصیات تھے محمول کرنا چاہئے لیکن

اگر ہندوستان کی سابق تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو اُس کا سب سے بڑا راز ان دیوانی و فوجی اختیارات میں مناسب جو ملک کے قانون سے گورنر جنرل کو حاصل ہوئے تھے ان اختیارات کی وجہ سے وہ تفرقوں کو مٹا کر اور منتشر قوتوں کو متحد کر کے حکومت کے ہر شعبے سے فائدہ اٹھا سکا۔ فورٹ سینٹ جارج اور بمبئی کی زیر دست حکومتوں پر اس نے براہ راست نگرانی کی اور ان کے معاملات کو اپنے تحت لاکر مثل بنگال کے اُن کے ذرائع پر بھی قدرت حاصل کی۔

(۱۱۵) ہندوستان کے فوجوں اور راجاؤں پر اس کے ذاتی کیریکٹر اور اقتدار کا جو رعب پڑا تھا وہ اس کے غیر معمولی اختیارات سے اور بھی جم گیا برطانوی قوم کے اعلیٰ اقتدار اور اس کے رعب اور دب دے کا جیسا سکرا ان کے دلوں میں اُس وقت بیٹھا تھا دیا آج تک کبھی نہ ہوا تھا جس خوبی سے اس نے برطانوی حکومت کی قوت اور اُس کے ذرائع کو پیو کے خلاف استعمال کیا اُس سے خوف و رعب اور تحیر و دونوں پیدا ہوئے اور جنگ کی سہری اور جد و جہد کی توسیع اور شہرت و قوت کے اضافے سے ہندوستان کی سب ریاستیں بے ساختہ آفریں پکار اٹھیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ خوف زدہ بھی ہوئیں یہ سب حقیقی واقعات کے نتائج تھے۔ ان کے اثرات کو نہ کسی اعتدال سے زائل کرنا ممکن تھا اور نہ مناسب کیونکہ اسی میں برتری اور اعلیٰ اقتدار کی شان تھی اور اسی سے دراصل سب گھبراتے تھے۔

برطانوی ہند میں جو اہم انقلابات ظہور پذیر ہو رہے تھے ان کے امکانی نتائج و اثرات سے حکام بالائے انگلستان میں غافل نہ تھے۔ انہوں نے (شاید انہوں کے ساتھ) یہ محسوس کر لیا کہ واقعات نے جو اُن کے قابو سے باہر تھے گورنر کو اُس صبح و آشتی اور عدم مداخلت کے مسلک سے منحرف کر دیا جسے وہ قابل عمل سمجھتا تھا اور جس کی پابندی اُس نے اس پر لازم کی تھی۔ اور اپنے مفاد جو معیار اور اندازہ انہوں نے خود قائم کیا تھا اُس کے خلاف اس دور میں ان کے مقبوضات بڑھ گئے اور سیاسی تعلقات وسیع ہو گئے۔

لارڈ کارنوالس کو جن مجبوریوں کی وجہ سے حکومتِ اعلیٰ کے مسلک اور خواہشات کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا پڑا، اُن کا اعتراف کر لینے کے یہ معنی نہیں کہ اس قسم کے واقعات سے ایسے ہی نتائج دوبارہ بھی ظہور پذیر کئے ہیں۔ انگلستان میں اس وقت عام خیال یہ تھا کہ کارنوالس کی جدوجہد کی بدولت کمپنی اس پائیدار استحکام پر پہنچ گئی جس کی ایک مدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور اب برطانوی ہند میں فروغ کے اباب ہمایا کرنے اور کامل امن قائم رکھنے کے لئے مقامی حکومتوں کو بجز اعتدال پسند اور صلح کن مسلک اختیار کرنے کے کسی اور چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جب ہم ہندوستانی ریاستوں کی حقیقی حالت پر نظر ڈالتے ہیں جو اُن مراسلات میں درج ہے جن کا حوالہ لارڈ کارنوالس کے دور کی اس مختصر کیفیت میں دیا جا چکا ہے تو یہ غلط فہمی انوکھی اور نرالی معلوم ہوتی ہے۔

تیسرا باب

سرجان شور کی حکومت

سرجان شور مار کوئس کار نو اس کی جگہ ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ وہ کمپنی کے ملازمین میں ایک ذی اقتدار رسول عہدہ دار تھا۔ اس کے متعدد خدمات کی وجہ سے یہ نظر اس سے خوب واقف ہو گئے تھے اور اس پر ان کی خاص عنایت بھی تھی۔ اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں حکام کمپنی کا یہ خیال تھا کہ لارڈ کار نو اس نے جو اہم کام انجام دیے تھے وہ سب اس کے جانشین کی مقامی واقفیت اور محنت و قابلیت سے مکمل ہو جائیں گے اور ان میں امتناذ بھی ہو جائے گا۔

ہندوستان کی عام حالت

سرجان شور کے جائزہ لیتے وقت ہندوستان کی مختلف سلطنتوں کی جو حالت تھی اس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ کمپنی کو کچھ مدت دراز تک جنگ سے نجات مل سکے گی۔ لیکن دوسری طرف خود کمپنی کے معاملات ہر لحاظ سے صاف تھے اور اسے کوئی خطرہ درپیش نہ تھا۔ حکومت برطانیہ کی فوجی طاقت اور مالی حالت اس سے بہتر بھی نہ تھی۔

اس کے خاص دشمن تھیں کی طاقت میں بہت کچھ کمی ہو گئی تھی۔ اس کے حلیفوں میں صوبہ دار وکن کار تیبہ سب سے بڑھا ہوا تھا اور وہ اپنے سہا بدوں

قائم تھا اور کمپنی نے اُس سے جو دوستانہ تعلقات قائم کئے تھے وہ انھیں برقرار رکھنے اور بڑھانے کی طرف راغب تھا اگرچہ مرہٹے حد کی وجہ سے کمپنی کی نمایاں کامیابی۔ اس کے حدود اور سیاسی تعلقات کی ترقی سے بھرپور رہے تھے تاہم اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور خوف کی وجہ سے اس بات کی احتیاط رکھتے تھے کہ کمپنی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ اس جگہ یہ غور کرنا ضروری ہے کہ سر جان شور نے اپنا فرض سمجھ کر جو مسلک اختیار کیا اُس کا اس حالت پر کیا اثر پڑا اور دوسری ریاستوں میں کمپنی کی جو وقعت قائم ہو گئی تھی اور جس کی اہمیت برطانوی سی ٹھنہ شاہی میں فوجی طاقت سے بھی کہیں زیادہ تھی وہ اس کے طرز حکومت سے کس حد تک گر گئی۔ اگرچہ سر جان شور نے کسی جنگ میں شرکت نہیں کی تاہم اس کی حکومت کی وجہ سے ہندوستان میں اہم سیاسی انقلابات ہو گئے۔ ان انقلابات کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر اس کے ان واقعات کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جو ان انقلابات کے بعد یا ان کی وجہ سے واقع ہوئے۔ ان میں سب سے اہم سیاسی واقعہ سلطنت آصفیہ اور مرہٹوں کا باہمی تنازعہ تھا۔ برطانوی حکومت نے اسے رفع دفع کرنے کے لئے جو مداخلت کی اُسے سمجھنے کے لئے اُن تمام انقلابات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جو دربار حیدر آباد و پونا میں صلح مرنگاپور کے بعد سے کرنا لاکے اس شرمناک واقعہ تک پہنچا رہے ہیں جس نے کچھ مدت کے لئے حکومت حیدر آباد کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

(۱۱۹)
صفحہ ۱۶۹

لارڈ کارنوالیس نے دربار حیدر آباد اور پیشوا سے جو اتحاد قائم کیا تھا اپنی تکمیل کے خیال سے بیوہ سے جنگ ختم ہو جانے کے بعد اُس نے اس امر کی کوشش کی کہ ان تمام وفعات کو واضح طور پر ایک خاص معاہدے کی شکل میں ترتیب دے لیا جائے۔ جن کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ فریقین معاہدہ ایک دوسرے کو اس بات کا اطمینان دلائیں کہ اختتام جنگ پر جو علاقے ان کے تحت ہوں گے انھیں وہ ٹیپو سلطان کے حلوں سے آئندہ محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ گورنر جنرل نے پورے کے ریڈنٹ کو جو خط لکھا اُس میں اس معاہدے کی خاص اہمیت کو

(۱۲۰)
صفحہ ۱۷۰

۲۶ اگست ۱۷۹۲ء

جتلایا اور جن اصول پر وہ اس کی تکمیل مناسب سمجھتا تھا انھیں بھی واضح کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ فریقین کا یہ فرض ہے کہ جنگ کے بعد ان میں سے ہر ایک کے تحت جو علاقہ ہو اُسے وہ بیٹو کے حملے سے محفوظ رکھے لیکن اس کا بھی ساتھ ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ شرط محض دفاعی ہے اور جب تک کہ بیٹو بغیر کسی مقول وجہ یا استعمال کے حملہ نہ کرے اس وقت تک اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا لہذا اسے معاہدے میں واضح کر دیا جائے کہ اگر فریقین میں سے کسی کا بیٹو سے کوئی تنازعہ ہو تو دوسرے فریق بجا طور پر یہ توقع رکھیں گے کہ اختلاف کی فوجیت اور تمام متعلقہ واقعات کی انھیں پوری اطلاع دی جائے گی تاکہ وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے صلح دے سکیں اور متعلقہ اوسع اعتدال پسند طریقے سے گفت و شنید کر کے اُسے طے کرادیں۔ نیز جب تک کہ انھیں اس امر کا یقین نہ ہو جائے کہ ان کا حلیف راہ راست پر ہے اور سمجھوتے کی کوئی توقع نہیں تو اس وقت تک وہ اس کے لئے تیار اٹھائے پر مجبور نہ سمجھے جائینگے (Saparte Para)

اگر جنگ اٹل ہو جائے تو اس صورت میں فریقین معاہدہ کے مفاد اور ان کی حفاظت کا اس واقعے سے اس قدر گہرا تعلق ہوگا کہ ان کا محض سمجھوتے کے ذریعے سے تنازع کو جلازبط اور عزت کے ساتھ ختم کرانے تک اپنی کوششوں کو محدود کرنا خلاف مصلحت ہوگا۔ لہذا یہ طے کر دینا چاہئے کہ ایسے موقع پر مہ سلطنت اپنی پوری قوت صرف کر دے گی (Sebante Para) اس طعن جو فریق حملے کی وجہ سے مصیبت اور خطرے میں ہوگا وہ معاہدہ مذکور کے دیگر فریقوں کی پوری توجہ کا مستحق ہوگا۔ لہذا اسے خوب سمجھ لینا چاہئے اور آئندہ کے واسطے طے کر دینا چاہئے کہ مجملہ فوج کو میدان جنگ کے لئے تیار کرنے میں قطعی تاخیر نہ کی جائے اور جو فوج میدان جنگ کے لئے بروقت تیار ہو اُسے فوراً مدد کے لئے روانہ کر دیا جائے۔

(۱۲۱)
۱۹۳۸ء

ان اصولوں پر کاربند ہونے سے معاہدہ کا مسودہ تیار کیا اور ان کی نقلیں حیدرآباد اور پونا روانہ کیں۔ چونکہ اس کی تکمیل نہ ہو سکی اس لئے اس کی مجوزہ دفعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے جن کی وجہ سے یہ شرائط طے نہ ہو سکے حالانکہ سابق معاہدے میں لے برطانوی حکومت کو جس تنازعہ کی اطلاع کی گئی اس کا تعلق ان مطالبات سے تھا جو بیٹو نے حیدرآباد کے ماتحت نواب کرؤل سے لئے تھے۔

(۱۲۲)

صفحہ

ان کا ذکر تھا اور ہر لحاظ سے وہ برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں کے مفاد و استحکام کے لئے ضروری تھے۔ جس زمانے میں دربار حیدر آباد کے سامنے یہ تجویز پہلی مرتبہ پیش کی گئی تھی اسی زمانے میں دربار حیدر آباد نے برطانوی حکومت کو پیشکش سے اپنے ایک تنازعہ کی اطلاع دی تھی اور اس طفلانہ کج خلقی سے جو دیسی ریاستوں کا عام رویہ ہے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کارنوالس کی اس تجویز کو اس وقت منظور کیا جاوے گا جب کہ حکومت برطانیہ مداخلت کر کے اس معاملے کو طے کرانے میں مدد دے گی لیکن اس مطالبے کو بہت جلد خلاف مصلحت اور نامناسب ثابت کر دیا گیا اور فرما دئے دکن نے مجوزہ معاہدے کو بلا کسی شرط کے منظور کر کے اس کی پوری تلافی کر دی۔

دربار پونا کا طرز کچھ اور ہی تھا اس نے انگریزی حکومت کی تجویز کو التوا میں ڈال دیا اور جواب میں تاخیر کی اور اس طور سے صاف منہ ظاہر کر دیا کہ وہ اس قسم کے ان تمام معاہدوں سے غلط فہمی رہنا چاہتا ہے جن کی وجہ سے آئندہ اسے یٹو اور سلطنت آصفیہ کے خلاف اپنے ارادوں میں کوئی رکاوٹ محسوس ہو۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر سلطنت پونا کے دیوان تاناخوئیس نے اس کے مقابلے میں اپنے تجاویز ریڈنٹ کے سامنے پیش کئے جو کچھ بحث کے بعد ناقابل تسلیم ثابت ہوئے اور رد کر دیئے گئے علاوہ دیگر مطالبات کے ایک تجویز یہ بھی پیش کی گئی تھی کہ جملہ حلیف یٹو پر حکومت پونا کا حق چوتھے تسلیم کر لیں یہ شرط عہد نامہ سرنگاپٹن میں شامل نہیں تھی۔ علاوہ ازیں اگرچہ توابع میر نظام علی خان بہادر لارڈ کارنوالس کی پیش کردہ تجاویز کو منظور کر نے کے لئے پوری آمادگی ظاہر کر چکے تھے تاہم انھوں نے بھی پیشوا کے مجوزہ معاہدے کو قبول کر نیسے قطعی انکار کر دیا۔

(۱۲۳)

صفحہ

نہایت طویل اور تکلیف دہ گفت و شنید کے بعد اس معاہدے کا خیال قطعاً ترک کر دیا گیا اور برطانوی حکومت نے صرف اس اعلان پر اکتفا کیا کہ اسے علیحدہ نظام کے

۵ آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ جو بطور خراج کے وصول کیا جاتا تھا۔

زیانی وعدوں اور حکومت پوتہ کے ان موہوم الفاظ پر ہی کافی اعتماد ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے معاہدوں کی پابندی کے لئے منعقد رہے گی۔ نواب میر تقی علیاں بہادر نے آخر میں علیحدہ معاہدے کی بہت زیادہ کوشش کی اور انکی یہ دلیل نہایت بجاتھی کہ اگر فریقین میں سے ایک معاہدے کی پابندی نہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے بھی اپنے عہد و پیمان سے پہلو ہٹ کر میں یا اپنے فائدہ کا لحاظ نہ کریں اور اگر حیدر آباد سے معاہدہ ہو گیا تو دربار پونا کو مجبوراً اپنی غرض کیلئے اس میں شرکت کرنی پڑے گی۔

(۱۲۴) سر جان شور پران و لائل کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے ان فوائد کو جو گلاؤں کے نزدیک صلیفوں کی ریاستوں میں امن قائم رکھنے کے لئے ضروری تھے مرہٹوں کی غفلت کے مقابلے میں متاثر کرنا ہی بہتر سمجھا اس کا خیال تھا کہ مرہٹے ایسے معاہدے سے جو حکومت انگریزی اور حیدر آباد کے تعلقات و اتحاد کو مستحکم بنا دے گا اور بھی آگ بگولہ ہو جائیں گے۔

دربار حیدر آباد اور پونا
کے انگریزوں سے تعلقات

قبل اس کے کہ حیدر آباد اور مرہٹوں کی جنگ کے اسباب بیان کئے جائیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حکومتوں کے اس طرز عمل کا ذکر کر دیا جائے جو لڑائی پھڑنے سے پہلے دولت برطانیہ کے ساتھ تھا۔ دربار حیدر آباد کا طرز عمل اس

مراسلے سے ظاہر ہوتا ہے جو وہاں کے ریڈنٹ نے گورنر جنرل کو لکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”دربار حیدر آباد کا اندازہ لگاتے ہوئے اور وہاں کے با اثر لوگوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں اپنا تسلط جمانے کے لئے یہ بہترین موقع ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا شد ضروری اور نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح آئندہ ہم وہاں کی کارروائیوں پر اثر ڈال سکیں گے اور جب موقع ریاست کے ذریعے سے پورا فائدہ اٹھا سکیں گے۔“

(Sir John Kennaway) سر جان کنیادے یہ بھی لکھتا ہے کہ اگر ایسا اتحاد یا اس قسم کی مداخلت خلاف مصلحت سمجھی جائے اور حیدر آباد سے جو کچھ تعلقات اہمیت قائم ہیں وہی کافی تصور کئے جائیں تو بغیر اس اتحاد کے بھی خوش قسمتی سے دربار

حیدر آباد کو ہماری دوستی اور ہماری ذات پر کافی اعتماد ہے اور نظام دکن کو کہنی پر بھر دیا ہے کہ وہ آئندہ مرہٹوں کے ہر ایک ایسے اتحاد کو روکنے کی کوشش کرے گی جو ان کے حقوق اور ان کے حکومت کے اقتدار کے خلاف ہو۔ میرے نزدیک ان سب باتوں کی وجہ سے نہ تو فرمانروائے دکن کبھی ہمارے مفاد کے خلاف کوئی کام کریں گے اور نہ کوئی ایسا طرز عمل اختیار کریں گے جس پر ہمیں خاص طور سے اعتراض کرنے کی ضرورت پڑے۔ سیاسی معاملات کے متعلق جو آخری مراسلہ اس ممتاز عہدہ دار نے لکھا ہے اس سے دربار حیدر آباد کے رجحانات کا نہایت صحیح اندازہ ہوتا ہے اور لاڈلو کار نو اس کے مسلک کی وجہ سے دربار حیدر آباد کو مرہٹوں کے حملے کے وقت برطانوی حکومت سے مدد و اعانت کے جو توقعات ہو گئے تھے ان کی نوعیت بھی اس مراسلے سے واضح ہو جاتی ہے۔

دربار پونا کا میدان صرف معاہدے کی تکمیل کے انتظار ہی سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس کا پتا مرہٹوں کے اس حسد سے بھی خوب پتا ہے جو انھیں ہمارے اور حیدر آباد کے تعلقات پر تھا علاوہ ازیں انھیں اسی بناء پر نواب مسر نظام علی خاں بہادر سے جو علانیہ مخالفت ہو گئی تھی اس سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے پونے میں مادھوجی سندھیہ کی طوطی بولتی تھی اور ہر شخص اس بات سے واقف تھا کہ وہ ہندوستان کی امن و آسائش کا دشمن ہے اور سارے ملک میں مرہٹوں کا راج قائم رکھنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ پونا میں دربار حیدر آباد کے ایک وکیل سے شنائے ملاقات میں اس نے بلا پس و پیش علانیہ طور سے معاہدہ حفاظت کے خلاف رائے ظاہر کی اور فرماں روا نے دکن کو صلاح دی کہ وہ بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ انگریزوں سے ہرگز نہ کریں کیونکہ وہ ان کے ارادوں کو بڑی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مرچائس میلیٹ نے جو مراسلہ گورنر جنرل کو لکھا اس میں اس نے مادھوجی سندھیہ کی سازشوں کا ذکر کیا ہے اور اس میں وہ بیان کرتا ہے کہ نانا فرتیس اس کے ان تمام بد انجام تدابیر اور بد زبانوں کے سخت خلاف ہے اور جتنا کہ وہ ہماری روز افزوں طاقت

کے خطر سے کو روکنے کی فکر میں ہے اتنا ہی وہ مادہ صوبائی کے خلاف پانسہ پلٹنے کی اور اپنا اثر جاننے کی ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے۔

ایک دوسرے مسائل میں مرچالس لکھتا ہے کہ ”در بار یونا کو دست درازوں کے لئے کوئی موقع ہرگز نہیں دینا چاہئے، باوجود ہمارے متوازن صبر و اعتدال و اعتدال کے جو میرے دور میں رہا ہے انھیں ہماری طاقت و قوت سے کچھ ایسا بلا وجہ حسد ہے جس کی کچھ انتہا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انھیں اپنے اصول پر بڑا زعم ہے اور وہ کسی دوسرے کو نیک نیت سمجھتے ہی نہیں۔“

اس رائے کی تائید حکومت یونا کے ہر کام سے اور وہاں کے بااثر لوگوں کی زبان سے ہوتی ہے جسے رزیدنٹ نے اپنے مہسلوں میں برطانوی حکومت کے سخت خلاف ظاہر کیا ہے اور اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہماری طاقت میں جو اضافہ ہوا ہے اُس کے سد ارک کے لئے مادہ صوبائی سندھیا جاں طور سے بیوقوف پر بھروسہ رکھتا ہے۔

متذکرہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ مرہٹوں اور حید آباد کی جنگ سے قبل فوجی نظام علی غارہا ہوا اور کو برطانوی حکومت کے ساتھ بیحد اخلاص تھا اور اس کی واپس اور راستبازی پر بھروسہ ہونے کی وجہ سے انھیں اس بات کی بے انتہا خوشی تھی کہ واقعات نے ہندوستان کی سیاسیات میں کبھی کا تسلط قائم کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے مرہٹے کبھی کی کامیابی سے کھٹکتے تھے اور اس کی طاقت دیکھ دیکھ کر ایسا حسد کرتے تھے جسے صریح محنت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ جب مرہٹوں کے یہ خیالات تھے تو وہ اس طاقت کے کم کرنے کے موقع کی تلاش میں ضرور رہتے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ حید آباد کی طاقت کم کرنے سے ان کا یہ مطلب بھی حاصل ہو جاتا تھا اور اُن کی طاقت میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔

حید آباد سے مرہٹوں بن واقعات کی بنا پر حید آباد اور مرہٹوں میں جنگ کے تعلقات ہوئی انھیں تفصیل سے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں

اس قسم کے تنازعات کے لئے مواد ان کے سیاسی تعلقات کی وجہ سے ہمیشہ
تیار رہتا ہی تھا۔ کچھ نہ کچھ حساب جھیلے میں بڑا رہتا تھا۔ حیدر آباد پر چوتھ کا کچھ
تقایا تھا۔ مرہٹے اُسے بڑھا کر بناتے تھے اور شاید دوسری طرف والے اُسے
کچھ کم ہی بتاتے تھے۔ صرف یہی معاملہ فیصلہ طلب نہ تھا بلکہ مرہٹوں نے چالاک
سے دوسری قوتوں کو دبانے کے لئے کچھ ایسے سیدھے سادے اصول بنائے
تھے جو ان کی طبیعت اور دماغ کے لئے نہایت موزوں تھے۔ دیگر فکین کی طرح
وہ غلامیہ طور سے اپنی حکومت یا اپنا وفاق قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے
بلکہ مفتوح کے چند اضلاع سے مالگزاری وصول کرنے کا حق حاصل کر لیتے تھے اور
مسلمان فرمانروا اپنی کالہلی اور سلطنت کے زوال کی وجہ سے نیز آئندہ ان کے
حکموں سے نجات حاصل کرنے کی توقع میں اسے بخوشی منظور کر لیتے تھے۔
لیکن ان مراعات کے بعد ان کے مطالبات بڑھتے جاتے اور زیادہ حقوق قائم
ہو جاتے تھے۔ پہلا مطالبہ تو یہ ہوتا تھا کہ مخصوص شدہ اضلاع سے مالگزاری
انھیں کے عامل وصول کریں پھر کسی دوسرے صوبے کی نصف آمدنی مانگ بیٹھتے
اور بعد میں چند صوبوں کی آمدنی پر کچھ محصول لگا دیتے۔ اس طرح حکومت کے
اندرونی معاملات میں وہ پیچیدہ اختلاط کرتے اور ان کے ہر شے عامل طرح
کے مشکلات پیدا کرتے تھے۔

(۱۲۸)
۱۶۹۴

مرہٹوں کی قومی ریاستوں کے ایک ایسے اتحاد پر عمل تھی جس کا
قریب قریب تباہ مقصد کوٹ مار تھا لہذا اس قسم کے تعلقات کی پیچیدہ نوعیت
ان کے خصوصیات کے لئے موزوں تھی اور چونکہ اس کی ساخت کی وجہ سے
ان کی طاقت و قوت میں تغیر و تبدیل لازم تھا اس لئے یہ ہر ذریعہ تھا کہ جب بھی
وہ کمزور پڑیں تو وہ اپنے حقوق تلف کئے بغیر ان تمام فوائد سے عارضی طور پر
دست کش ہو سکیں جو ان کے آبا و اجداد کو حاصل تھے۔ لہذا اکثر ایسا ہوا ہے کہ
ان کے باہمی تفاق کی وجہ سے ان کے مطالبات کی کثیر قیمتیں برسوں باقی
رہی ہیں اور بعد میں وہ ان کی وصولیابی کے لئے متحد ہو گئے ہیں۔

(۱۲۹)
۱۶۹۴

مختوڑے عرصے تک تو مسیدر آباد میں ان کا اثر چھایا نظر آتا تھا

وہاں کے سابق دیوان رکن الدولہ اپنے آقا کے احکام کے مقابلے میں ان کا

سلعہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دیگر اسباب کے علاوہ مرہٹوں کا غلبہ بھی ایک خاص سبب تھا جس کی وجہ سے فرمانروائے دکن کو اس دیوان کے قتل کرانے کی ترغیب ہوئی۔
 مسئلہ بھری میں میر موسیٰ خاں بہادر اختتام جنگ نے چار ہزاری منصب سے ہفت ہزاری منصب پر ترقی پائی۔ رکن الدولہ کا خطاب عطا ہوا اور دیوانی کے عہدے پر تقرر عمل میں آیا۔ تمام مالی و ملکی امور کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور نیک نامی حاصل کی۔
 مسئلہ بھری میں جب حضرت غفر اعقاب ہو جاہی بھونڈل کے قتل اور فتنے کو رفع کرنے میں مشغول تھے۔ رکن الدولہ ان کے ہمراہ تھے۔ فتنہ اذکور کے رفع ہونے کے بعد بندگان حضرت مع اسمائیل خاں صوبہ ہرائے کے مفاد میں قصبہ بئیر کی سزل پر قبضہ پذیر ہوئے۔ رکن الدولہ اسی ضرورت کی غرض سے شاہی شہید پر حاضر ہوئے اور باریابی حاصل کی۔ اثنائے گفتگو میں فیضو خاں نامی گارڈ نے قنات سے باہر نکل کر گناہ سے ان پر حملہ کیا اور نیک ہی وار میں دل و گردے چاک کر کے زخمی کر ڈالا۔

مؤلف تاریخ گزدار آصفیہ نے اس واقعہ کے دو اسباب بتائے ہیں اول یہ کہ حضرت کافی بیگم صاحبہ ہمیشہ حضرت غفر اعقاب نے ایسی ڈیوڑھی کے ایک پور پہن کر رکن الدولہ کے پاس بھیجا کہ آج کل روزانہ سفر کرنا پڑتا ہے اور بندگان عالی متواتر کوچ کرتے رہتے ہیں لیکن میری رائے کے بیل کمزور و لاغر ہیں اور ان کی سواری میں مجھے آرام نہیں ملتا لہذا جوان کجراتی بیٹوں کی ایک جوڑی میرے لئے روانہ کرو۔ رکن الدولہ بہادر نے وعدہ کر لیا لیکن اس کا انتظام نہ کیا اور بیگم صاحبہ پور بیہ مذکور کو روزانہ تقاضہ کے لئے روانہ کرتی رہیں۔ ایک روز پور بیہ نے آئینک آکر سختی سے تقاضہ کیا اور جیسا کہ اکثر ایسے مواقع پر ہوتا ہے اس نے اپنے آپ کو بیگم صاحبہ کا قاصد بھکر زیادہ ادب و لحاظ نہ کیا۔ رکن الدولہ بہادر نے اسے جھڑک دیا۔ پور بیہ کو سخت رنج ہوا اور وہ وہاں سے خالص چلا آیا۔ ڈیوڑھی پر اگر بھی اس کا کچھ ذکر نہ کیا۔

دوسرے روز بیگم صاحبہ اس پر خفا ہوئیں کہ اب تک رکن الدولہ کے پاس سے وہ بیٹوں کی جوڑی نہیں لایا۔ اس نے تمام حال عرض کیا اور کہا کہ میں اب رکن الدولہ بہادر

زیادہ لحاظ کرتے تھے اور ان کے جانشین عظیم الامرا کی وزارت کا زمانہ سلطنت کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گا آپ کسی اور غلام کو روٹا کریں۔ جب بندگانغالی مجاہدین تشریف لائے تو کالی بیگم صاحبہ نے سامنے بیٹھ کر کہا کہ اے برادر تمہاری حکومت اور دولت کے زمانے میں ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہمارا ملازم بھی رکن الدولہ کے سامنے جانا پسند نہیں کرتا تو دوسروں کی غیرت کیسے اجازت دے سکتی ہے۔

حضرت غفراں ماب نے فرمایا کہ مرہٹوں کی جنگ و جدل اور فساد کی وجہ سے میں آج کل بے بس ہوں آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ اگر تم کشتی ناچار و بے اختیار ہو گئے ہو تو ہمیں اجازت دو کہ ہم سے جو ممکن ہو ہم خود کر لیں۔

بندگانغالی نے جواب دیا کہ آپ مختار ہیں کون شخص مانع ہو سکتا ہے۔ جو چاہیں کریں اس کے بعد بیگم صاحبہ نے فیضو جوان کو جو زنائی ڈیوڑھی کے پہرے پر

مامور تھا طلب کیا اور کہا کہ فیضو اگر ہم ایک ایسا کام تیرے تفویض کریں جس میں تیری جان کا خطرہ ہو تو اسے انجام دینے کے لئے آمادہ ہو گا یا نہیں۔ اس نے جواب

دیا کہ اگر غلام کی جان نثار کرنے سے سرکار کا کوئی کام نکل سکے تو میں ہزار جان تصدق کرنے کے لئے آمادہ ہوں گا۔ اس جواب کے بعد بیگم صاحبہ نے

منہ مایا کہ اگر تو زندہ رہا تو مجھ سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہ ہو گا اور اگر تو مر گیا تو تیری اولاد سے زیادہ کوئی عزیز نہ ہو گا۔ فیضو نے اسے قبول کیا لیکن جب رکن الدولہ کے

قتل کرانے کا خیال ظاہر کیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر حضور پر نور اپنی زبان سے ارشاد فرمائیں تو غلام بلا عذر اس کام کو انجام دے گا۔ بیگم صاحبہ نے کہا کہ حضرت اپنی زبان

سے خود کچھ نہیں فرمائیں گے لہذا میرے حکم دینے کے وقت حضرت موجود رہیں گے اگر وہ خاموش رہیں تو ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھو اور میرے کہنے پر عمل کر

فیضو نے یہ بات مان لی اور دوسرے روز شب کے وقت جب حضور اندر تشریف لائے تو بیگم صاحبہ نے ایک اہیل کو بھیج کر فیضو کو طلب کیا۔ درمیان میں صرف ایک

باریک پردہ حائل تھا بیگم صاحبہ نے کہا کہ فیضو پردہ میں سے تو مجھے اور حضور کو دیکھ سکتا ہے۔ اس نے کہا دیکھ رہا ہوں۔ بعد ازاں بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ میری بات

بے جا اثر سے آزاد کرانے کی کوشش ہی میں گزرا۔ زمانہ نے اُن کا سناٹا بیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسن۔ حضرت کا حکم یہ ہے کہ رکن الدولہ کو قتل کر۔ فیضو نے بسر و چشم اسے تسلیم کیا اور صدق دل سے وعدہ کیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں حضور پر نور کی بیگمات زیادہ تر مچھلی بندر کی چھینٹ استعمال کرتی تھیں۔ ایک موقع پر ایک مغل تاجر اعلیٰ قسم کی چھینٹ لایا جو محل میں خرید کی گئی۔ کپڑہ کی جگہ قیمت سات سو روپیہ ہوئی اور اس کی چھٹی خود حضور نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر رکن الدولہ کے پاس روانہ کر دی لیکن یہ رسم چھ ماہ تک ادا نہ ہوئی اور تاجر تھکا کر تے تے تنگ آ گیا۔ اسی زمانہ میں جنگ درپیش تھی فوج کے مصارف بڑھے ہوئے تھے اس لئے رکن الدولہ اس کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔ بالآخر تاجر مذکور ایک روز حضور کی سواری نکلنے کے وقت سہراہ کھڑا ہو گیا اور خدا و رسول کی دہائی دے کر کہنے لگا کہ حضور میرا کپڑہ واپس کرادیں یا رقم دلوا دیں۔ اس تاجر کی وجہ سے غلام کا سخت نقصان ہو رہا ہے۔ حضرت غفلت آجئے باوجود رکن الدولہ کی موجودگی کے زبان سے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ محل مبارک میں تشریف لے گئے چھینٹ کے سالم بھٹان معین سور و پیہ کے کشتی میں لٹکر واپس کر دئے اور فرمایا کہ کپڑہ دوسری جگہ فروخت کر ڈالو۔ مین سور و پیہ بھٹا ہرجانہ کے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد رفتہ رفتہ حضور کی بے اتفاقی اور بیگم صاحبہ کی عداوت کے قصے مشہور ہونے لگے اور رکن الدولہ کے قتل کی افواہیں مشہور ہوئیں ایک روز شب کے وقت جب کہ رکن الدولہ آرام کر رہے تھے مصحام الملک کا ایک رقعہ پہنچا جسے پڑھ کر انھوں نے فوراً شمع کے شعلہ سے جلا دیا اور کہلا بھیجا کہ معلوم ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کے چھوٹے بھائی شرف الدولہ پہنچے اور بیہ ار کر کے کہا کہ آج کل لوگ آپ کی بابت مختلف خبریں مشہور کر رہے ہیں لہذا آپ احتیاط سے کام لیں تو مناسب ہو گا۔ آپ نے جواب دیا کہ تم فضول روئے ہو اور پریشان ہوتے ہو میں بکری کا بچہ نہیں ہوں کہ مجھے کوئی ذبح کر ڈالے گا۔ تم خاطر جمع رہو۔

اور شاہ میں انگریزوں سے دوبارہ تعلقات قائم ہونے سے قبل ہی وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب ہندگان حضرت کوچ کر کے ٹبر کی منزل پر پہنچے تو رکن الدولہ حسب معمول آکر کھڑے ہو گئے حضور نے سب کو رخصت کیا اور رکن الدولہ کو بھی اشارہ کیا کہ تم بھی اپنے خیمہ میں جاؤ رکن الدولہ نے عرض کیا کہ غلام کو بعض ضروری مقدمات عرض کرنے ہیں تنہائی کی ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ابھی ہم منزل پر پہنچے ہیں دوسرے وقت آؤ جب حضور اپنے خیمہ کے قریب پہنچے تو رکن الدولہ نے باہر اتر تمام باریابی چاہی حضور کا مزاج براہم ہوا اور فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ وقت مل جائے لیکن تمھاری سمجھ میں نہیں آتا۔ آؤ بیٹھو اور کہو کہ کیا ضروری کام ہے۔ پس حضور خیمہ میں داخل ہوئے اور ساتھ ہی رکن الدولہ پہنچے۔ اسی اثنا میں فیضو جوان نے جو کہ پہرہ پکھڑا تھا پونچکر کٹار سے جھک کیا جو ایک پہلو سے گزر کر دوسرے پہلو سے نکل گیا۔

برہان الدولہ بہادر نے جو رکن الدولہ کے دکیل کی حیثیت سے حضور پر نوکی خدمت میں حاضر تھے اس خیال سے کہ یہ کام حضور کے اشارہ سے ہوا ہے فیضو کا تعاقب کیا اور تلوار کے ایک ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا تاکہ قاتل و مقتول دونوں مرجاویں اور حالات ظاہر ہونے پائیں۔

اس واقعہ کے بعد حضور نے فرمایا کہ آخر ہم جو کہتے تھے وہ تم نے زماناؤں تمھارا یہ حال ہوا۔ رکن الدولہ نے جواب دیا ”جاں کشاری نوکری کی معراج ہے جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ مبارز الملک بہادر واسمعیل خان بہادر اس سانحہ سے پریشان ہوں گے لہذا غلام انھیں تسلی دینا اور ان کا اطمینان کرانا چاہتا ہے۔“

اس کے بعد اپنے منشی کو طلب کیا اور خطوط لکھوائے اور اپنے ہاتھ سے دستخط کئے خطوط کا مضمون یہ تھا۔ ”یہ امر حضور کی بغیر اطلاع کے وقوع میں آیا ہے۔ خود بدولت کا اس معاملہ میں قطعی دخل نہیں ہرگز ہرگز کسی قسم کا کوئی خیال نہ کرنا اور ہر کام میں قربان داری۔ نیک طمانی اور جاں نشاری کا خیال رکھنا۔“

حضور کے حکم سے ہوشیار جراح بلائے گئے جو رکن الدولہ کو ان کے

ایک حد تک کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ لیکن اس بات میں بھی شک نہیں کہ اس نئی مراد کو پورا کرنے کے لئے ہی نواب نظام الدولہ میر نظام علی خاں بہادر نے اُن تمام مشکوک اور تعصبات کو اپنے دل سے نکال دیا جو انھیں برطانوی حکومت کے ارادوں پر ہو گئے تھے اسی غرض سے انھوں نے اس پر بھروسہ کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خیم پر لیجا کر ان کے زخموں کے سینے میں مشغول ہوئے لیکن کچھ فائدہ نہوا۔ صبح صادق کے وقت انتقال کیا۔

شاہ تجلی علی صاحب مصنف تاریخ ترک اصفیہ نے تاریخ نکالی۔ ”سیر جنت نصیب شد باؤ“ (۱۱۸۹)۔

مقبرہ کے کتبہ پر یہ تاریخ درج ہے۔ ”داخل آمد از شہیداں با حین“ خلاصہ واقعات مندرجہ صفحت ۲۲۳ تا ۲۲۸ تاریخ گزار اصفیہ مصنفہ خواجہ غلام حسین۔ ترک اصفیہ میں فیضو کے قتل کی بابت یہ درج ہے کہ اول اس سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی اور اس نے کچھ پتہ نہ دیا تو اُسے سخت اذیت کے ساتھ قتل کیا گیا۔

ان دونوں تاریخوں سے سر جان میلکام کے قول کی قطعی تائید نہیں ہوتی۔ نہ مرہٹوں کے اثر کا ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے اور نہ اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ نواب میر نظام علی خاں بہادر ان کے مرہٹوں کے تعلقات کی وجہ سے رکن الدولہ بہادر کے خلاف تھے یا وہ سیاسی اسباب کی بناء پر ان کے قتل کی انھوں نے کوشش کی۔ برخلاف اس کے ترک اصفیہ میں صاف طور پر درج ہے کہ بندگان حضرت خود ان کے عزیزوں کی نفلی کیلئے تشریف لے گئے اور ان کے بیٹوں اور بھائیوں کو اعلیٰ مدارج عطا کئے۔

”صبح آئندہ خود کمال حزن و دلال متبریب عز پر سی بخیر شرف الدولہ تشریف بردہ زاد یحزنا! سرور آگس نمودند.... مکر از زبان مبارک دلاسا ارشاد فرمودند۔ حتی کہ بعد رکن الدولہ پر در خواست خاطر برادران و رفیق قاش بدترقی مدارج علیا کہ مزید سے بر آں تصور ثبت بنایت خداوندگی دستھا بندی او کمال مال کمال امتند۔ در پچ ازمنہ و احصار از پنج بادشاہ ذوالاقتدار بظہر بنامہ کہ بعد مردن شخصے باز نامہ کاویا فیروز مار عظمیٰ کو شیدہ ہر یک را سردار عالی مقام سازند۔....“ (ترک اصفیہ ص ۲۲۲ و ۲۲۳)

اور اس کی دوستی سے اُس زبردست اعانت کی خواہش کی جو ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے اُس زمانے میں اُن کی ریاست کی حفاظت اور امن اور آزادی کے لئے ضروری تھی۔ جس اصول پر مارکوس کارولس نے معاہدہ کیا تھا اُسے پیش نظر رکھتے ہوئے اُنھوں نے اس موقع پر مرہٹوں کی مادیوں کو روکنے کے لئے حکومت برطانیہ سے مدد چاہی جس کا اندیشہ اُن کی فوجی تیاریوں اور اُن کے طرز عمل سے ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس موقع پر دربار حیدر آباد کے خاں خاص عہدہ داروں نے اُس کمزوری اور غیر یقینی طریقے سے کام کیا جو قریب قریب تمام ہندوستانیوں کے ساتھ مخصوص ہے تاہم اس معاملے کے متعلق جو کچھ نبوت موجود ہے اس سے اس بات میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ نواب نظام الدولہ بہادر کے پیشوا سے جو تنازعات تھے اُن میں وہ برطانوی حکومت کے فیصلے پر عمل کرنے کے لئے باسانی آمادہ ہو جاتے بشرطیکہ اُنھیں یہ اطمینان دلا دیا جاتا کہ پیشوا کی حکومت بھی اُس فیصلے کی وقعت کرے گی۔ برخلاف اس کے مرہٹوں نے انگریزی حکومت کے اُن مصلحت آمیز تجاویز کو شروع ہی سے ٹالا اور اُن کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی اور جس وقت اُنھیں اس کا پورا اطمینان ہو گیا کہ انگریزوں کا ارادہ اس معاملے میں محض دوستانہ طریقے سے مداخلت کرنے اور سرریقین میں مصلحت کرانے کی خواہش کے ماسوا حیدر آباد کو کوئی خاص مدد دینے کا نہیں ہے تو انھوں نے انگریزوں کی اس مداخلت کو ایسی بُری طرح ٹالا کہ اُسے ایک حد تک توہین پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ گورنر جنرل کو اس کا احساس تھا کہ اس تنازع سے اگر اُن اہم سیاسی تعلقات کے خاتمے کی ابتدا ہو گئی جو اس کے پیشرو نے ہندوستان میں برطانوی مفاد کے استحکام کے لئے قائم کئے تھے تو اس سے سخت نقصان پہنچے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ لڑائی کی جو ہمت بٹائی جاتی ہے اُسے برآسانی ملے کیا جاسکتا ہے اور وہ محض مرہٹوں کے اُن خاص ارادوں کو چھپانے کے لئے ہے جو انھوں نے حیدر آباد کی طاقت کا قلع قمع کرنے کے لئے کر لئے ہیں۔

(۱۳۱)

سرجان شور کے
خیالات

سرجان شور کا بیان ہے کہ اگر مہاراجہ حیدر آباد کے خلاف زیادتی کریں گے تو میرے نزدیک ان کا مدعا بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ ریاست حیدر آباد کی آزادی کا خاتمہ کر دیں۔ کیونکہ اُنھیں اپنی طاقت پر گناہی زعم کیوں ہو مگر دونوں ریاستوں میں جن معاملات پر جھگڑے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں جنھیں طے نہ کیا جاسکے اور نہ وہ اتنے اہم ہیں جن کی وجہ سے اقتدار لڑائی کا شور مچایا جائے لیکن حیدر آباد کی تیاریاں بھی کافی ہیں اور پیشوا کو جب ان کا پتہ چلے گا تو وہ اپنے ارادوں سے ضرور باز آجائیں گے۔

اس گفت و شنید کے دوران میں مادھوجی سندھیا کا انتقال ہو گیا۔ برطانوی حکومت کے لئے مداخلت کرنے کا یہ نہایت ہی مناسب موقع تھا اور پونے کے ریڈنٹ نے بھی لکھا کہ ایسے میارک موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے لیکن گورنر جنرل کو مرہٹوں کی حلقی قسطنطنیہ گوارا نہ تھی اور جو طرز عمل اُس نے اختیار کر لیا تھا اُس میں وہ کسی قسم کی تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ دولت راؤ سندھیا جو اپنے چچا کی جگہ مندرتیس ہوا اُس نے فوراً ہندوستان کے ہر گوشے سے اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کر دیں تاکہ اُسے اپنے ذاتی اقتدار کو تقویت پہنچائے اور حیدر آباد کے خلاف جو اتحاد ہو رہا تھا اُس میں اپنا تسلط جانے کا موقع مل جائے۔

حیدر آباد اور مرہٹوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی
میں
یہو سلطان اور مرہٹوں
کے اتحاد کا امکان
سے کچھ مدت قبل ایک نہایت سخت مسئلہ برطانوی حکومت کے لئے درپیش ہو گیا۔ یہو سلطان کو انگریزوں سے کچھ ایسی محاصرت تھی کہ صلح سرنگاپٹم کے بعد ہی اس

(۱۳۲)

نے فرانسسبول اور دربار حیدر آباد و دربار پونہ سے سازشیں شروع کر دی تھیں۔ اس موقع پر اس نے ایک فوج جمع کی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس

لے مرسلہ مورخہ یکم اکتوبر ۱۸۱۷ء بنام ریڈنٹ حیدر آباد۔

جھگڑے میں وہ حیدر آباد کے خلاف مرہٹوں سے بحیثیت حلیف کے بھاگتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر ایسا خلاف توقع اور غیر معمولی واقعہ پیش آئے تو برطانوی حکومت کا طرز عمل کیا ہوگا۔ گورنر جنرل نے اس موقع پر غور کر کے یہ طے کر دیا کہ کسی حالت میں بھی حیدر آباد کی مدد نہ کی جائے۔ اس کے دماغ میں اس وقت جو دلائل تھے انھیں اس نے اپنے ایک مراسلے میں بیان کیا ہے جسے بغور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس میں ان چھوٹے کو واضح کیا گیا ہے جن کی بنا پر اس نے سلطنت کے سیاسی معاملات میں اپنی حکومت کا مسلک قرار دیا تھا۔

یہ پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ چونکہ قانون کسی ایسے معاملہ میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس کا لازمی نتیجہ جنگ ہو لہذا حیدر آباد اور مرہٹوں کے اس جھگڑے میں کوئی دخل نہ دیا جاسکے۔ لیکن جب یہ معلوم ہو کہ غالباً میو بھی حیدر آباد کے خلاف شریک ہوگا تو سوال قطعاً بدل گیا جس کے حل کرنے میں گورنر جنرل نے محض معاہدوں پر ہی غور نہیں کیا بلکہ خاص طور سے ان سلاہات پر بھی تبصرہ کیا جو دربار حیدر آباد کو کمپنی کی اعانت و دوستی پر تھے۔

(۱۳۳)
۹۹۴

برطانوی حکومت کے یہ سبب یہ اندازہ کر لیا کہ نواب نظام الدولہ بہادر یہ دلیل پیش کریں گے کہ اگر میو بلاسی مناسبت و جویا طرز عمل کے متعلق سر اشتغال کے محمولہ کرے تو معاہدے کی رو سے وہ کمپنی پر جان شور کی رائے مرہٹوں کی امداد کے مستحق ہوں گے چونکہ ایک فرقہ کی غداری سے دوسرے کو کنارہ کشی کا حق حاصل نہیں ہو سکتا لہذا بجائے اس کے کہ انگریز مرہٹوں کے خلاف مدد کرنے سے انکار کریں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ تیسرے فریق کو معاہدے کی تکمیل کے لئے مجبور کریں۔ یہ بھی سوچ لیا گیا تھا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی نہیں گے

لے یہ مراسلہ مورخہ ۱۶ فروری ۱۷۹۵ء ضمیمہ ۲ میں درج ہے۔

کے معاہدے کی رو سے کمپنی کو مدد کرنا لازمی ہے کیونکہ یہ شرط تو ایسی صاف ہے کہ اس میں شبہ اور جیلے کی گنجائش ہی نہیں، نیز یہ کہ انھوں نے انگریزوں ہی پر بھروسہ کر کے معاہدہ کیا تھا نہ کہ مرہٹوں پر جن کی دغا بازی سے وہ بخوبی واقف تھے اور جن کے متعلق وہ برابر شبہ ظاہر کرتے رہتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب انگریزوں نے حیدر آباد سے معاہدہ کرنے کی خواہش کی تھی تو ان کے لئے وہ ایسا نازک وقت تھا کہ اگر نواب نظام الدولہ نے زور دیتے تو وہ اقدامی و دفاعی دونوں محلوں کے وقت انھیں امداد دینے پر رضامند ہو جاتے۔ پس اس موقع پر اگر انگریز کسی خاص وقت یا اپنی سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے پاس بنا پر کہ مرہٹوں نے اپنے ہمدرد پیمانہ کی خلاف ورزی کی ہے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے وہ اعتبار جاتا رہتا ہے جس پر کہ معاہدوں کا مدار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے جیلے تو اہم سے اہم معاہدے سے انحراف کرنے کے لئے بھی تراشے جاسکتے ہیں۔ نواب نظام الملک ہنایت بجا طور سے کہہ سکتے ہیں کہ نیپو خواہ تنہا حملہ کرے خواہ مرہٹوں کے ساتھ کمپنی کو اس کا مقابلہ کرنا ہر حالت میں لازم ہے اور اگر وہ پیشوا کے ساتھ مل کر حملہ کرے تو اس وقت تو انگریزوں کو اور بھی زیادہ مستعد ہونا چاہئے، کیونکہ اس سے بڑھکر اس معاہدے کی کوئی توہین نہیں ہو سکتی اور ایسی صورت میں انھیں ہر لحاظ سے اس پر ناخوشی کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھنا چاہئے۔

گورنر جنرل نے برخلاف اس کے یہ پہلو اختیار کیا کہ جس معاہدہ کی بنا پر نواب نظام علیاں بہادر اپنا حق جتاتے ہیں وہ تین فریقوں کے مابین ہے اور اس میں تینوں کا اتحاد تصور کر لیا گیا ہے اور ہر موقع پر تینوں کی یگانگی ضروری ہے، لیکن اس کے اس کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگر اس میں سے ایک فریق دو برس پر حملہ کرتا ہے تو ان تینوں کے تعلقات قطعاً بدل جاتے ہیں۔ سر جان شوہر کی رائے تھی کہ اگر تینوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی ٹیپو سے اتحاد قائم کرے تو ایسی صورت میں فریقین معاہدہ کی حیثیت کے اسباب پر غور کیا جائے

(۱۳۴)
۱۱۶۹۵

فرض کیجئے کہ سلطنت آصفیہ اور مرہٹوں کی لڑائی میں ایک ہی فریق کی سراسر
 بالاضافہ ثابت ہو اور دوسرا فریق اپنی طرف سے بغیر اشتغال دلائے اقدامی حملے
 کی وجہ سے مجبور ہوا ہو تو ایسی صورت میں مظلوم فریق اپنی حفاظت کی خاطر پیو
 سے مل جانے میں حق بجانب ہوگا۔ لیکن اگر اتحاد و شلالت کا ایک فریق محض اپنی
 ملک گیری کی ہوس سے دوسرے فریق کے خلاف پیو سے اتحاد قائم کرے
 تو ایسی صورت میں اس کی طرف سے بلاشبہ اس معاہدے کی سخت خلاف
 ورزی ہوگی۔ گورنر جنرل نے اس دلیل سے بھی حیدر آباد کے خلاف ہی مطلب
 نکالا۔ اور یہ رائے قائم کی کہ حیدر آباد کی فوجوں نے بیدر کی طرف جو کوچ کیا
 تھا اگر وہ اقدامی حملے کے خیال سے نہیں تھا تو کم از کم مرہٹوں کی حکومت کے
 اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے کی نیت سے ضرور تھا۔ برطانوی زمین
 دربار حیدر آباد کے وزیر کو اس برے فعل کے نتائج سے متواتر آگاہ کرتا رہا تھا
 لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

(۱۳۵)
 مشورہ

سر جان شور نے خیال کیا کہ اگر پیو نے فرماں روا کے دکن کو مرہٹوں کے
 خلاف مصروف دیکھ کر بلا کسی اشتغال کے حیدر آباد پر حملہ کیا اور انگریزی حکومت
 نے حیدر آباد کی مدد کی تو اسے مرہٹوں سے بھی ضرور جنگ کرنی پڑی اور یہ ایک
 ایسا واقعہ ہوگا جس کا کہ اتحاد و شلالت قائم کرتے وقت گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔ معاہدے
 کی جو شرائط انگریزی حکومت کو ایک دوسرے کے دشمنوں کو مدد دینے سے
 روکتی ہیں وہی ان دونوں میں جنگ چھڑانے کے بعد کمپنی کو سختی سے غیر
 جانبداری پر مجبور کرتی ہیں۔ سر جان شور کا خیال تھا کہ اس قسم کی جنگ سے
 اتحاد کے اصول میں عارضی طور پر تغیر واقع ہو جائے گا۔ یہ دلیل کہ بالنگال کے
 سمجھوتے کو ایک جدا عہد نامے کی حیثیت حاصل ہے اور یہ خیال کہ ایک فریق کی
 غلطی کی دوسرے فریق کو اس کے عہد و پیمان کی پابندی سے آزاد نہیں
 کر سکتی کہونکہ معاہدہ مذکور میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے دونوں سر جان شور
 کے نزدیک ناقابل تسلیم تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ معاہدے کے مین فریق میں
 نہ کہ دو۔ ان سب کی متحدہ کوششوں ہی سے وہ قائم رہ سکتا ہے اور اگر ایک

(۱۳۶)
 ۱۷۹۵ء

فریق کی علیحدگی دوسرے کو آزاد نہیں کر سکتی تو اس معاہدے کے منہ کچھ اور ہی ہو جاتے ہیں کیونکہ اس حالت میں کسی نہ کسی فریق سے جنگ کا اندیشہ رہیگا اور یہ کبھی اس معاہدے کا مدعا نہ تھا، نیز یہ امر ان مفروضات کے بھی خلاف ہے جن پر معاہدے کے تمام شرائط قائم ہیں۔ گورنر جنرل کا خیال تھا کہ اٹھائے جنگ میں تو معاہدے پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا لیکن صلح کے بعد اس کی حیثیت بدلتی رہے گی اس کا یہ خیال بھی تھا کہ اگر حیدر آباد اور مرہٹوں کی جنگ میں میو نے ان میں سے کسی کا ساتھ دیا تو وہ دوسرے فریق کو معاہدے کی تکمیل کے لئے مجبور کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ان میں آپس میں صلح ہو جائے گی یا کم از کم انکار کرنے والے فریق کی بابت یہ پتہ چل جائیگا کہ میو نے اس کے مشورے سے عمل کیا اور اس کے بعد اپنے طیف کی مدد کو انکار کرنے والے معاہدے کی سرسخت خلاف ورزی کی لہذا اس کے بعد برطانیہ کو حق حاصل ہو جائیگا کہ اس کے ساتھ جو طرز عمل مناسب سمجھے اختیار کرے لیکن یہ جان شور کے دماغ میں یہ کبھی نہ آیا کہ اگر حیدر آباد اور مرہٹوں میں صلح نہ ہوئی تو کسی نہ کسی فریق کی مدد کرنا اس کا فرض ہو جائیگا۔

گورنر جنرل کو اس امر کا یقین تھا کہ نظام دکن یہ دلائل کبھی تسلیم نہ کریں گے بلکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ انگریزوں کی اس غیر جانبداری کو غدارانہ پر محمول کریں گے اور یہ اس اتحاد اور ان تعلقات کا صلہ سمجھا جائے گا جو انھوں نے برطانوی حکومت سے قائم کئے تھے اور جن کے بڑھانے کی ہمیشہ خواہش کی تھی نیز اس کا یہ خیال بھی تھا کہ اگر نواب نظام الملک کے سے دلی ملک کے دماغ میں یہ بات سما گئی تو وہ ہمیشہ کے لئے سلطنت برطانیہ کے دشمن ہو جائیں گے۔ سر جان شور کس بات سے بھی غافل نہ تھا کہ اگر کمپنی نے حیدر آباد کی مدد نہ کی تو پھر اور مرہٹے بلکہ اس ریاست کو کچل ڈالیں گے۔ اور اس صورت میں میو پہنچے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جائیگا۔ لیکن جب اس نے یہ سوچنا شروع کیا کہ حکومت حیدر آباد کی بدانتظامی کی وجہ سے کیا کیا وقتیں پیش آئیں گی۔ بغیر ریاست پر قبضہ کئے وہاں کے سیاسیات پر حاوی ہونا اقتدار و ثناء

ہوگا۔ مرہٹوں پر رعب چاٹنا کس قدر مشکل ہوگا اور وہ حکومت برطانیہ کو کس آسانی سے نقصان پہنچا سکیں گے۔ میپو اور مرہٹوں کے متحدہ حملے کی مدافعت کے لئے کس قدر کثیر سامان کی ضرورت ہوگی اور ایک طویل جنگ کی وجہ سے کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوگا تو اُسے یہی کہنا پڑا کہ ان تمام خطرات کی موجودگی میں حیدر آباد کی تباہی کے مضر نتائج کے خیال سے نظام دکن کی مدد کرنے کے لئے تو بہت بڑی ترغیب کی ضرورت ہے۔

گورنر جنرل کا خیال تھا کہ اگر میپو اور مرہٹوں نے مل کر حیدر آباد کی طاقت کا خاتمہ کر بھی دیا تو اس بات کا بھی بڑا امکان ہے کہ کمپنی کی سرحد پر حملہ کرنے سے قبل ہی وہ آپس میں لڑ بیٹھیں گے۔ اُسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اگر حیدر آباد کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا گیا تو ہندوستانی طاقتوں کی نگاہ میں کمپنی کی سیاسی وقعت بہت کچھ گھٹ جائے گی۔ اگرچہ سر جان شور یہ بھی خوب جانتا تھا کہ برطانوی حکومت کے لئے ہندوستان میں عوام کی رائے نہایت ضروری ہے۔ تاہم اُس کے نزدیک یہ ایسا موقع نہ تھا کہ اس کی خاطر میپو اور مرہٹوں کے خلاف جنگ کا عذاب مول لیا جائے جس سے کہیں زیادہ خطرات بڑھ جاتے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ اگر میپو اسے جنگ جاری رہنے کی حالت میں پیونے حیدر آباد پر حملہ کر دیا تو اُسے تنہا مدد دینے کا یقین ہی حشر ہوگا۔

اس موقع پر سر جان شور کو کمپنی کی عزت و ثروت کا بھی بڑا پاس تھا اُس کا یہ خیال درست تھا کہ جب برطانوی حکومت نے اپنے حلیف راجہ ٹراڈنور پر حملہ گوارا نہ کیا اور میپو سے جنگ کی اور صلح کی گفت و شنید میں اس معاملے کے متعلق خاص طرز عمل اختیار کیا تو اُس کی بدولت کمپنی کے حلیفوں کو اُس پر اعتماد ہو گیا اور پورے ہندوستان میں دولت برطانیہ اپنی دیانت داری۔ اپنے استقلال اور اعتدال کے لئے مشہور ہو گئی۔ اس قسم کے خیالات کی اہمیت کو اس نے تسلیم کیا لیکن اُس کے ساتھ ہی ذاتی بچاؤ کا لحاظ رکھنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اُسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ اس وقت حیدر آباد اور مرہٹوں کے

(۱۳۸)
۱۷۹۹ء

باہمی تنازعات خواہ صلح سے طے ہوں یا جنگ سے حیدر آباد میں لازمی طور پر
مرہٹوں کا اثر قائم ہو جائے گا اور مرہٹوں کی طاقت جو اس وقت بھی بہت زیادہ
ہے اور بھی بڑھ جائیگی انواب نظام علیاں بہادر برطانوی حکومت سے مایوس ہو کر مجبوراً بیپو سے
اتحاد کی کوشش کریں گے لیکن ان دونوں کا اتحاد نامکن ہوگا۔ اگر بیپو نے بغیر
مرہٹوں کی شرکت کے تنہا حیدر آباد پر حملہ کیا تو مرہٹے حیدر آباد سے مصالحت
کر کے بیپو کے خلاف انگریزوں سے مل جائیں گے۔ ممکن ہے کہ حیدر آباد کی
کمزوری کی وجہ سے بیپو کو حملہ کرنے کی جرأت ہو جائے لیکن گورنر جنرل
کا گمان غالب یہ تھا کہ سلطان کا اہلی مقصد برطانوی حکومت کا تختہ الٹنا ہے
لہذا انگریزوں کو مرہٹوں سے اتحاد قائم رکھنا سب سے زیادہ مفید تھا۔
کیونکہ ان کی مدد سے بیپو نیز دیگر رورچین طاقتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔
اور حیدر آباد کے تعلقات سے یہ بات میسر نہ ہو سکتی تھی۔ ستر جان شور کا یہ ایسا
تھا کہ امن قائم رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنی فوجی طاقت نہایت
اچھی حالت میں رکھی جائے تاکہ ہمایوں کو امن برقرار رکھنے پر باسانی مجبور
کیا جاسکے۔ یہی نہایت مناسب اور نہایت کم خرچ اصول ہے۔ اس کے
ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کارفراس کی طرح ان خطرات و نقصانات
کا بھی اندازہ تھا جو سلاطین کے ایکٹ کے مطابق ہندوستانی ریاستوں سے
تعلقات محدود رکھنے کے سبب کمپنی کو درپیش تھے۔

(۱۴۰)

۱۷۹۵ء

اس مذکورہ بالا قانون کی وہ دفعہ جو کمپنی کو اعلان جنگ کرنے یا لڑائی
چھیڑنے کی محض اس وقت اجازت دیتی ہے جب کہ حکومت برطانیہ کے
خلاف جنگ چھیڑ چکی ہو یا اس کے شروع کرنے کے لئے فریق مخالف کی تمام
تیاریاں نکل ہو چکی ہوں، اسے فیصلہ میں ناطق تھی۔ گورنر جنرل نے اسے
لفظی معنی پہنا کر یہ مطلب نکالا کہ اگر بیپو حیدر آباد پر حملہ کرے تو کمپنی اس کے
مطابق بغیر مرہٹوں کی اعانت کے حیدر آباد کو مدد نہیں دے گی اور واقعتاً
کے لحاظ سے اس نے اپنی مصالحت بھی اسی میں سمجھی۔ لیکن اس کے ساتھ
اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ایسے موقع کا بھی آنا ممکن ہے جب کہ ہمیں بغیر

ملک گیری کی ہوس کے اور محض اپنی سلامتی کی خاطر کسی دوسری ریاست کو جنگ میں مدد دینا ہی زیادہ مناسب معلوم ہو۔ لہذا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ کسی سابق معاہدے کی رو سے اس ریاست کی مدد کرنا ہم پر لازم نہیں ہے تو ہم اسے مناسب اور ضروری سمجھ کر اس کا ساتھ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

سر جان شور کے مذکورہ بالا خیالات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس نے حیدر آباد کو بیٹو کی مرضی پر چھوڑ دینے کا تہیہ کر لیا تھا اور وہ اپنے اس فیصلے کو یہ لحاظ دیا تھا کہ قابل تسلیم اور بلحاظ حکمت عملی مصلحت آمیز اور اس قانون کے حرف بہ حرف مطابق تصور کرتا تھا جو مقبوضات ہند کی حکومت کے لئے پارلیمنٹ نے نافذ کیا تھا۔ اس نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی کہ چونکہ مرہٹے اتحاد ثلاثہ کے ذریعہ ہیں لہذا جب تک حکومت حیدر آباد ان کے خلاف جنگ میں مشغول رہے برطانوی حکومت اس کا ساتھ نہ دینے میں حق بجانب ہوگی۔ یا بہ الفاظ دیگر اگر گورنر جنرل کا یہ شبہ کہ بیٹو انگریزوں کے حلیوں میں نفاق کرانے کی فکر میں ہے صحیح نکلے اور بیٹو اپنی سازشوں میں کامیابی حاصل کر کے مرہٹوں سے اتحاد بھی کر لے تو (اگرچہ مرہٹے معاہدے کی خلاف ورزی کریں گے) حکومت برطانیہ اپنی ان تمام ذمہ داریوں سے بری ہو جائیگی جن کے لحاظ سے اس پر حیدر آباد کی مدد کرنا لازمی ہے۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل اس موقع پر کمپنی کے اس نام و ناموس کو بھی ایک حد تک انشار کرنے کے لئے تیار تھا جو کاروائی نے برطانوی حکومت کے لئے ہندوستان میں پیدا کیا تھا لیکن شرط یہ تھی کہ اسے اس قربانی سے ان تمام خطرات و مشکلات سے فوری نجات مل سکے جو اس کے نزدیک اس موقع پر ذرا اہمیت سے کام لینے اور فیصلہ کن رائے پر عمل کرنے سے حکومت کو لاحق ہو جاتے تھے۔ مجھ دیکھ اسباب کے جن کی بنا پر گورنر جنرل نے حیدر آباد کو مدد دینے کا فیصلہ کیا ایک خاص سبب یہی تھا کہ سلطنت مذکور اس کے نزدیک اس وقت کہ ورنہ بھی اور انگریزوں کی مدد اسے درکار تھی واضح رہے کہ

(۱۳۱)
۱۷۹۵ء

تین سال قبل اُس کی اس حالت ہی کو نواب نظام الملک کے لئے برطانوی حکومت سے دوستی قائم کرنے اور تعلقات برٹھانے کا بجا اور مناسب سبب تصور کیا گیا تھا۔

(۱۴۲)

میر جان شہو کا حیدر آباد کے خلاف فیصلہ کے ساتھ نہ دینے سے مرہٹوں کی اس مخالفانہ حسد میں کسی قدر کمی ہو جائے گی جو انھیں حیدر آباد سے انگریزی حکومت کے جدید تعلقات کی بنا پر ہو گیا تھا اور نواب نظام الملک کی طاقت کے خاتمہ سے جس اہم اور خطرناک سیاسی انقلاب کے ظہور پذیر ہو نیکا اندیشہ تھا

اُس کی بابت اُس نے اپنے دل کو یوں بہلا لیا تھا کہ بعد میں پٹو اور مرہٹوں میں باہمی نا اتفاقی کا امکان ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرہٹوں کو برطانوی مقبوضات پر حملہ کرنے کے مقابلے میں اس بات کی زیادہ ترغیب ہو کہ وہ ان چند چھوٹی ریاستوں کی جنھوں نے شمالی ہند میں اب تک اُن کی سرداری تسلیم نہیں کی تھی تسخیر مکمل کر کے اپنی زبردست قوت کو پہلے مستحکم بنالیں۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر گورنر جنرل اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر اٹھو حیدر آباد پر ایسے وقت حملہ کرے جب کہ وہ مرہٹوں کے خلاف جنگ میں مشغول ہو تو پارلیمنٹ کے قانون کے مطابق نواب نظام الملک کی مدد نہیں کیا سکتی اس معاملے میں بلحاظ واقعات بھی اسی مسلک کے اختیار کرنے میں مصیحت ہے۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ فیصلہ کس رائے پر بنی ہے کہ اتحاد و مٹاثر ایک اقدامی و دفاعی معاہدہ تھا اور اگر اس کے فریقوں میں سے ایک فریق غلبہ ہو جائے اور معاہدے کے فریقین میں سے کسی ایک پر حملہ کرنے کی عرض سے اُس طاقت سے اتحاد کر لے جس کے خلاف یہ معاہدہ ابتداء میں کیا گیا تھا تو باقی ماندہ فریق اپنی تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ غرضاً رہنے کا بھی مجاز ہو سکتا ہے اگر اس فیصلے کو عام اصول کی حیثیت سے صحیح سمجھی تصور کر لیا جائے تب بھی اس کا اطلاق زیر بحث معاملے پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس معاہدہ کی رو سے دربار حیدر آباد اتحاد و مٹاثر کا پابند تھا وہ علانیہ طور پر محض انگریزوں کی ذات پر اعتماد و کر کے کیا گیا تھا۔ نواب نظام علی خاں بہادر مرہٹوں کی نمائندگی

(۱۴۳)
۹۱۹۵

کا خوف معاہدہ پر دستخط کرتے وقت تک ظاہر کرتے رہے تھے اور یہ خوف محض اس وقت رفع ہوا تھا جب کہ انھیں بارہا برطانوی حکومت کی دائمی دوستی کا پورے طور پر اطمینان دلایا گیا۔

کارنوالس نے پونہ کے آرڈینٹ سے کہا تھا کہ مرہٹوں سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تاہم انھوں نے میٹو کے خلاف برطانوی حکومت کا ساتھ دیکر اس بات کا حق حاصل کر لیا ہے کہ سلطان کے خلاف ان سے وفا بھی معاہدہ کر لیا جائے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اس شریف طبیعت شخص کے نزدیک (باضابطہ معاہدہ کے علاوہ) محض جنگ میں ساتھ دینے سے برطانوی حکومت پر کس قسم کی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ کارنوالس اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ ہندوستان میں کمپنی کی حکومت کا انحصار اس کی شہرت پر ہے جس کی وجہ سے حد درجہ غدار تو یہ بھی اس کے نمایندوں کی زبان پر اعتبار کر لیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ انگریزوں کا ایک جنگ میں ساتھ دینے سے انھیں ان تمام طاقتوں کے خلاف جو انگریزوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے اسے خوار کھائے بیٹھی ہوں برطانوی حکومت کی حفاظت و اعانت کا ایسا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ بحران کی بدسلوکی کے اور کوئی چیسز اس میں خلل نہیں ڈال سکتی۔

(۱۴۴)

سرجان شور جانتا تھا کہ اس کی اس حرکت سے برطانوی حکومت کی ہوا کس طرح اٹھ جائے گی اور حیدر آباد کا ساتھ چھوڑنے سے کمپنی کی سیاسی اہمیت اور عزت و شہرت پر کیا بڑا گلیگا اور اس کے سیاسی نتائج کس قدر مہلک ہوں گے اس نے کہا کہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں عوام کی رائے کا ہمارے موافق ہونا مستعد رمزوری ہے لیکن میرے نزدیک اس موقع پر یہاں بڑی مصیبتوں کے مقابلے میں جو یہ سلطان اور مرہٹوں کے خلاف جنگ کرنے سے پیدا ہوگی اس کی پروا ہمیں نہ کجا سکتی۔ اس بات کا اندازہ کرنا تو شاید وقت طلب ہو گا کہ ایک سلطنت کو اپنی شہرت اور ذاتی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے کس حد تک

اور کہاں تک کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جسکی اہمیت کا صحیح اندازہ کبھی ہوا ہی نہیں سکتا لیکن دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جس قوم نے بھی ترقی کا راستہ اختیار کیا یا عروج حاصل کیا اُس نے ہمیشہ اس کی پروا کی اور اس سے صرف اُن ہی قوموں نے غفلت کی جو دوال میں مبتلا یا فنا ہونے کے قریب تھیں۔ اگر سلطنتوں کے لئے اسے عام اصول کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے تو اس کی اہمیت اُس غیر معمولی سلطنت کے لئے اور بھی زیادہ ہوگی جس کی بنیاد انگریزوں نے مشرق میں ڈالی تھی۔ اس میں تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ انگریزوں کی سلطنت کا انحصار عوام کی نیک رائے پر رہا ہے یا یہ الفاظ دیگر اس کے وجود کا انحصار اُس وقار و رعب و دبدبہ پر قائم ہے جسے ان کی معمولات ان کی انصاف پسندی اور ان کے طرز حکومت کی خوبی و برتری نے اُن کی رعایا کے دلوں پر نقش کر دیا ہے نیز اس کا مدار کمپنی کی صداقت و راستبازی و فوجی طاقت پر بھی ہے جس کی ہر ہندوستانی قوم قائل ہو گئی ہے۔

ان احساسات کو اول تو اُس فرمودہ اور ظالم حکومت پر معمول کرنا چاہئے جس سے انگریزوں نے اپنی رعایا کو نجات دلائی اور ان کے لئے امن و مہین و خوشحالی کے اسباب مہیا کئے اور دوسرے غداری و بیوفائی کے اُن مہولوں پر جو ہندوستانی ریاستوں کے باہمی تعلقات میں عام طور سے پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ہندوستانی ریاست اس قوم کی دوستی کی خواہاں ہوتی ہے جس نے باوجود مذہب و ملت و زبان کے اختلاف کے دیانت و جرات کیلئے ایسا نام حاصل کر لیا ہے جس سے اُس کی دوستی کی بہت قدر بڑھ گئی ہے۔ لہذا ہندوستان میں انگریزوں کی حالت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ کوئی خطرہ ان کے لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی اس نیک نامی میں کسی قسم کا فرق آنے دیں۔ جس پر کہ برطانوی حکومت کا مشرق میں وجود قائم ہے۔

ہر مسلک کا اندازہ کس کے نتائج سے کرنا چاہئے لہذا اب ہم ان واقعات پر غور کرتے ہیں جو برطانوی حکومت کے حیدر آباد کے ساتھ اس طرز عمل کے نتیجے میں کرنے سے پیدا ہوئے۔

مرہٹوں کا سلطنت

۱۷۹۵ء
حیدر آباد پر حملہ

فروری ۱۷۹۵ء میں حیدر آباد اور مرہٹوں کے درمیان پہلی
اٹل ہو گئی۔ حیدر آباد کی فوجوں پر جو بیدار سے کوچ کر چکی تھیں
مرہٹوں کے مقدّمہ الجیش نے جو دولت راؤ سندھیا کی کمان میں
تھا حملہ کیا۔ ایک جھڑپ کے بعد جس میں دونوں فریق کی افواج
درہم برہم ہو گئیں اور جس میں کسی کو فوجیت حاصل نہیں ہوئی تھی نواب میر نظام علیاں
بہادر اپنی بیگمات کی وجہ سے پریشان ہو کر جو میدان جنگ میں ان کے ہمراہ جو
تھیں شب کو کھلے میدان سے واپس ہو گئے اور قلعہ کھڑ لائیں قیام کیا۔ یہ مسئلہ
تین طرف پہاڑوں سے محصور تھا ایک سمت جو غیر محفوظ تھی اس پر مرہٹے قابض
ہو گئے اور انھوں نے حیدر آباد کی فوج کو اس طرح گھیر کر اس کے
سامان رسد کے تمام وسائل بند کر دیے۔

چند ہفتوں اس طرح محصور رہنے کے بعد آصفیہ ثانی نے صلح کی جس کی
کل شرائط معلوم نہیں ہو سکیں لیکن عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرہٹوں کے
ان تمام مطالبات کو تسلیم کرنے کے علاوہ جو صلح نامہ اوڈگیر میں قرار پائے تھے
نظام وکن نے بیئیس (۳۵۰۰۰۰) لاکھ سالانہ آمدنی کا علاقہ جس میں دولت آباد
کا ضلع اور قلعہ بھی شامل تھا بتین کروڑ روپیہ نقد دشمن کے حوالے کرنے کا
وعدہ کیا۔ اس رقم کا ایک تہائی حصہ نقد اور باقی پچیس لاکھ سالانہ کی قسط سے ادا
کرنا قرار پایا۔ ان سب شرائط سے بڑھ کر یہ بات ہوئی کہ انھیں اپنے وزیر
اعظم الامر کو بطور ضمانت کے مرہٹوں کے حوالے کرنا پڑا۔ کھڑ لاکے اس واقعے
کے بعد نواب نظام الدولہ بہادر حیدر آباد واپس آ گئے اور مرہٹے اپنی اپنی
سلطنت کو واپس ہو گئے لیکن یہ اتنی اسے گھبرائی نہ پہونچے ہوں گے کہ
یکایک دو ایسے واقعات پیش آئے جن کا کسی کو گمان تک نہ تھا۔ اور توڑوا
مادھو راؤ کی موت کی خبر پہونچی اور صر سلطنت حیدر آباد کے ولیعہد کی بغاوت

(۱۳۷)
۱۷۹۵ء

لحد یہ حملہ ۱۷۹۵ء کو ہوا تھا۔

سرجان میلکام نے کھڑا کی لڑائی کے جو واقعات درج کئے ہیں ان کی تائید

ظہور میں آئی۔ ان دونوں واقعات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک طرف تو انگریزوں کا اثر دہلی حیدر آباد میں دوبارہ قائم ہو گیا اور دوسری طرف نواب نظام الملک کا وقار و کن میں بحال ہو گیا۔ ان معاملات پر سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔ عالجہ کی بغاوت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سلطنت آصفیہ کی کسی تاریخ سے نہیں ہوتی۔ تاریخ گلزار آصفیہ میں جو واقعات درج ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۳۱۲ء شعبان ۱۲۷۱ھ ہجری میں قلعہ کھڑلہ کے متصل ایک سخت جنگ ہوئی جس میں مرہٹے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حیدر آباد کی فوج میں جو جماعت اعظم الامرا بہادر کی مخالفت تھی وہ بہادر مذکور کو بیچا دیکھانے کی غرض سے مرہٹوں سے مل گئی اور عین جنگ کی حالت میں پیچھے ہٹ گئی جس کی وجہ سے اکثر جاں نثار ہلاک ہوئے۔ اور بعض ممتاز سردار مرہٹوں کے ہاتھوں میں گرفتار بھی ہو گئے۔ روشن جاں بہادر۔ مظفر الملک، بہادر و نواب منصور الدولہ بہادر نے انتہائی کوشش کی۔ جنگ کی صورت بدل گئی اور اکثر جاں نثاروں نے ساتھ فتح حاصل کر کے لشکر کو واپس آئے۔ شب میں جب کہ جدال و قتال و آتش باری بند ہو گئی بندگان عالی نے رزمگاہ سے علیحدہ ہو کر قلعہ کھڑلہ میں قیام فرمایا اور سرداران فوج جا بجا حفاظت و نگہبانی میں مصروف اور دشمن کی مدافعت میں مستعد ہو گئے۔

ان واقعات کے بعد شہنشاہ راؤ بلہل نے پنڈت پردھان کے وکیل کی حیثیت سے صلح کی بات چیت شروع کی جس کی بنا پر پنڈت پردھان سے صلح ہو گئی اس طرح مقدمات نزاع کے تصفیہ کے بعد ۱۸ رمضان المبارک کو بندگان عالی کے سامنے مسودہ پیش کیا گیا اور ۱۸ رمضان کو اس پر دستخط ہو گئے۔ جاہلین کی قرارداد کے بموجب اعظم الامرا مشیر الملک، بہادر کو اہل پونا کے حوالہ کر دیا گیا اور ۱۳۱۲ء مذکور کو بلدہ حیدر آباد کو مراجعت عمل میں آئی۔ مؤلف گلزار آصفیہ نے شرائط صلح تحریر نہیں کیں اور نہ خود سر جان میلکام کو اپنی تحریر کردہ شرائط پر زیادہ اعتماد و وثوق ہے۔ اعظم الامرا کی سواری سے جن واقعات کا پتہ چلتا ہے انھیں صفحہ (۱۵۷) کے حاشیہ میں درج کر دیا گیا ہے۔

انگریزوں کو بڑا فائدہ پہونچا کیوں کہ اس کی وجہ سے کمپنی اور دربار حیدر آباد کے سابق تعلقات قائم رہ گئے۔

نواب نظام علی خاں بہادر جب بیدار میں مقیم تھے تو انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ دو انگریزی بٹالین جو حیدر آباد کی حفاظت کے لئے مخصوص تھے ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں لیکن اس مطالبے کو اس خیال سے ٹال دیا گیا تھا کہ ان کی شرکت سے مرہٹوں کو شکایت کا موقع مل جائے گا۔ بہر حال بعد میں یہ قرار پا گیا کہ دوران جنگ میں یہ بٹالین ان کی سلطنت میں امن قائم رکھنے کے لئے اہتمام کئے جائیں۔

(۱۳۸)

جنگ کے بعد صاف نواب امیر نظام علی خاں بہادر نے حیدر آباد واپس ہو کر گورنر جنرل کو مطلع کیا کہ اب انھیں ان دلوں کی ضرورت نہیں اور اس کے بعد ہی ان افواج کو کمپنی کے ہتھیاروں میں واپس روانہ کر دیا۔

بندگان حضرت کو انگریزوں پر بہت غصہ تھا۔ اس غصہ کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے یہ کام کیا تھا اور اُسی سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنی اُس معقول اور باقاعدہ فوج کی تعداد بڑھانے اور اس کی تنظیم درست کرنے کی طرف خاص توجہ کی جو فرانسیسی افسروں کی کمان میں تھی۔ اس زمانے میں فرانسیسیوں کو جو کامیابی یورپ میں حاصل ہوئی تھی اُسے یہ لوگ ہنایت چالاک سے بڑھا چڑھا کر ان کے گوش گزار کرتے رہتے تھے۔

۱۷۹۲ء میں موسیور کینڈ کی کمان میں صرف دو بٹالین تھیں۔ صلح میرنگاپٹم کے بعد ان میں اضافہ ہو گیا تھا۔ رزیڈنٹ کے بیان کے مطابق تین بٹالین مع بارہ جنگی توپوں کے فرمانروائے دکن کے ساتھ مرہٹوں کے خلاف روانہ ہوئے تھے۔ دارالحکومت پر واپس ہونے کے بعد انھوں نے ان میں مزید اضافہ کرنے کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ ان کی باقاعدہ تنخواہ و دیگر

لے جو الزامات برطانوی رزیڈنٹ مقیم دربار حیدر آباد۔

اخراجات کے لئے ایک علاقہ مخصوص کر کے ان کے سپہ سالار کو نہایت وسیع اختیارات بھی دے دئے۔ برطانوی رزیدنٹ نے دربار حیدر آباد کو اس قسم کی کارروائی کے نتائج سے آگاہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی قطعاً پروا نہیں کی گئی اور جب اس فوج کی معقول تعداد کو کڑپہ اور کھم کے علاقوں پر جو کمپنی تھی سرحد سے ملے ہوئے تھے روانہ کرنے کی تجویز ہوئی تو اس پر بھی اعتراض کیا لیکن اس کا بھی کچھ خیال نہیں کیا گیا۔

اس تجویز سے تو گورنر جنرل کو بھی پریشانی ہوئی اور جن خطرات کا اندیشہ تھا انھیں اس نے اپنے ایک مراسلے میں پرزور الفاظ میں بیان کیا کہ بندگان حضرت نے مویو ریمینڈ کی فوج کو ہماری سرحد کے قریب کڑپہ پر تعین کرنے کا جو ارادہ کیا ہے اس کی میرے نزدیک حیدر آباد کے رزیدنٹ نے کافی مخالفت نہیں کی اسے سختی سے اس کی مخالفت کرنی چاہئے۔ یہ تجویز شخصی طور پر قابل فوج ہی نہیں بلکہ شبہ پیدا کرنے والی ہے اگرچہ ہم بندگان حضرت کی بابت یہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ خود کمپنی کے خلاف کوئی مخاصمانہ ارادہ رکھتے ہیں اور ہمیں انکی ذات کی بابت اس قسم کا خیال کرنے سے گریز بھی کرنا چاہئے تاہم سمجھے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ مویو ریمینڈ اور اس کی فوج کے دوسرے افسر شمالی سرکار کے خلاف فرامیوں سے ملنے میں کچھ دریغ کریں گے۔ ممکن ہے کہ یہ بات وقوع میں نہ آئے لیکن اگر ایسا ہوا تو برطانوی مقبوضات کے لئے وہ سخت مضر ہوگا اس لئے اس بات کی سخت کوشش کرنی چاہئے کہ نواب میر نظام علیاں بہادر ریمینڈ کی فوج کو واپس بلا لیں۔

سر جان ٹوڈ نے اس بارے میں جو مراسلہ نظام دکن کو لکھا اس میں اشارہ ان تمام نتائج کو ظاہر کیا جو ایک فوج کو ایسے اشخاص کے تحت رکھنے سے پیدا ہو سکتے تھے جو علانیہ طور سے انگریزوں کے دشمن تھے اور ان سے درخواست کی کہ فوج کو واپس بلا لیا جائے۔ لیکن رزیدنٹ کو جو ہدایات اس نے

روانہ کئے اُن میں اُسے اس معاملے پر صاف صاف گفتگو کرنے کی رائے دی
 اُس نے اپنے دلائل بیان کئے اور ریڈنٹ کو صلاح دی کہ انھیں
 پیش کر کے ہندوگان حضرت کو زیر بحث فوج کے واپس بلائے پر راضی
 کرے اور اپنی تحریر کو ان ہدایات پر ختم کیا ”مجھے یقین ہے کہ اگر یہ دلائل
 صاف لیکن مصاحمت آمیز اور اعتدال پسند الفاظ میں پیش کی گئیں تو نظام دکن
 ہماری درخواست منظور کر لیں گے اور اس فوج کو واپس بلا لیں گے۔ میرے
 نزدیک اس کی بہت اہمیت ہے لیکن اگر وہ اپنے ارادے پر قائم رہیں
 اور اس فوج کو کڑیہ پر ہی رکھنا چاہیں تو تم اس پر سختی سے اعتراض کرنا
 اور آخر میں انھیں بتلادینا کہ اس موقع پر مجھے بھی باوجود اپنے تمام سروس پیش
 کے مجبوراً اپنی سرحد کی طرف کچھ فوج روانہ کرنی پڑے گی۔“ اس بات کا بھی پتہ
 لگتا ہے کہ اس وقت ریڈنٹ اُن فرانسیسی افسروں سے بھی خط و کتابت کر رہا تھا
 جو پانڈیچری میں ایران جنگ کی حیثیت سے مقید تھے اور لارڈ بائرن جو اس وقت
 حکومت مدراس کا صدر تھا محض اپنی ہوشیاری سے ان میں سے اکثر کو رہنمائی
 تک پہنچنے سے باز رکھ سکا اور انھیں بھاسنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا۔

(۱۵۱)

انگریزوں کی معاونتی فوج کو برخاست کرنا ریڈنٹ کی فوج میں اضافہ کرنا
 اور باوجود برطانوی ریڈنٹ کی مخالفت و اعتراض کے اس فوج کے ایک حصے کو
 کمپنی کی سرحد پر متعین کرنا ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لارڈ کارنوالس
 نے اپنی دانائی اور جرات آمیز مسلک سے جو اثر دربار حیدر آباد میں قائم کیا تھا
 وہ قطعاً غائب ہو گیا تھا اور برطانوی حکومت اب حیدر آباد سے بھی مدد کی توقع نہیں
 رکھ سکتی تھی بلکہ اُسے بجا طور پر اس بات کا خوف ہو سکتا تھا کہ وہاں کے ذرائع اب
 بہت جلد کمپنی کے خلاف استعمال کئے جائیں گے۔ یا تو با اثر فرانسیسی جماعت کے
 ذریعہ سے حیدر آباد کا پورا علاقہ مرہٹوں کے زیر اثر ہو جائے گا یا اگر اس سے
 بچنے کی کوشش کی گئی تو وہ انگریزوں کے جانی دشمن بیٹو سلطان کے ہاتھ میں پھنس
 جائے گا جو اس وقت اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی سازشوں میں
 سرگرم تھا اور یہ ترکیب فرانسیسیوں کے موافق بھی تھی کیوں کہ وہ علانیہ طور پر اپنے

(۱۵۲)

مفاد کو دکن میں ترقی دینا چاہتے تھے۔
 عالیجاہ کی بغاوت اور
 دربار حیدر آباد میں
 کے دوبارہ تعلقات
 ۱۷۹۹ء
 جن میں کہ وہ اس وقت گھر گئی تھی۔

نواب نظام الملک اپنے ولیعہد کے فرار ہونے سے پریشان ہوئے اور انھوں نے انگریزوں کی امدادی فوج کو فوراً حیدر آباد واپس بلانے پر اصرار کیا۔ ریمینڈ کی فوج کو کڑپہ سے ہٹانے پر رضامندی ظاہر کی اور اس نازک وقت میں اس قوم کی مدد و اعانت حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جن کی دوستی کو تھوڑے عرصے قبل وہ بری طرح ٹھکرا چکے تھے۔ حکومت انگریزی نے تھوڑے تجربے ہی سے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ اس واقعے سے کس قسم کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ انگریزی فوج کو بجلت مکنہ ممالک محروسہ کے علاقے میں داخل ہونیکا حکم دے دیا گیا۔ حیدر آباد کی جو فوج عالیجاہ کے خلاف مشغول تھی اس سے ملنے کے لئے یہ فوج بڑھ ہی رہی تھی کہ ولیعہد کی شکست و گرفتاری کی اطلاع ملی۔ مقید ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد عالیجاہ کا انتقال ہو گیا اور نواب میر نظام علی خاں بہادر کو ان کی بغاوت سے جو خوف ہو گیا تھا اس سے انھیں نجات مل گئی۔ اس موقع پر برطانوی فوج کی اعانت اور توجہ سے انھیں جو فائدہ حاصل ہوا اس کا انھوں نے پورا پورا اعتراف کیا James Darlympts انگریزی فوج نے اپنے لائق سپہ دار کپتان جیمس ڈارلپل کی ماتحتی میں رانچور کے قلعہ کی تسخیر اور ایک معقول فوج کی شکست میں جس نے ان کے خاندان کے ایک شہزادہ کے علم کے نیچے بغاوت کی تھی جو جدوجہد اور بہادری ظاہر کی اس سے انھیں امدادی فوج کی اہمیت کا اور بھی اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا۔

(۱۵۳)

۱۷۹۶ء

سے یہ شہزادہ نظام دکن کے بھتیجہ داراجاہ کا بیٹا تھا۔

بند گن حضرت کو اس وقت اس بات کا کتنا ہی اطمینان کیوں نہ ہو کہ انگریزی فوج ملک کے اندر امن برقرار رکھنے کے لئے مفید ہے لیکن اپنے تجربے کی بنا پر وہ اس امر کی ہرگز توقع نہیں کر سکتے تھے کہ اگر ان کے دشمن جن کی دست درازی اور سفاکی کا انھیں ہمیشہ گھٹا لگا رہتا ہے حاکم کریں گے تو اس فوج سے مدد مل سکیگی۔ لہذا اُن کی خاص توجہ کمپنی کے حریف ہی کی طرف تھی جس کی مدد سے وہ اپنے خیال کے موافق اس محلے کی مدافعت کر سکتے تھے۔ ریمینڈ کی فوج نے عالیجاہ کی شہرت میں مستعدی سے کام کیا تھا۔ اس سے اُس کی بہت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کی تعداد خواہ میں اضافہ ہوا۔ تنخواہ کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے اُس کے سپہ سالار کو اور زمین عطا کی گئی اس کے ساز و سامان کے لئے تو پانچائے اور اسلحہ ڈھالنے کے کارخانے تیار کئے گئے۔ اس جہت فوج کو تقویت پہنچانے اور مستحکم بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ریمینڈ نے اپنے مرنے کے اس رجحان سے ہنایت عقلمندی کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔ اپنی فوج کی تنظیم بڑھانے اور دربار کے خاص خاص عہدہ داروں سے تعلقات پیدا کرنے میں خوب کوشش کی لیکن انگریزوں کے خلاف اس کی اور اُس کے ماتحتوں کی مخالفانہ روش کا ہر قدم پر اظہار ہوتا رہا۔ اس کی فوجیں فرانسیسی جمہوریت کا (جو اُس وقت انگلستان سے جنگ کر رہی تھی) جھنڈا اٹھاتی تھیں۔ اُن کی وردی کے بنوں پر آزادی کی فونی کی تصویر کھدی ہوئی تھی۔ ہندوستانی سپاہیوں کو انگریزوں کی ملازمت چھوڑنے کے لئے درخلا ناجاتا تھا اور ریمینڈ کی اُس فوج کے چند دستے جو کچھ عرصہ کے لئے سرحد پر مقیم تھے اُن کے افسروں نے مدراس کی فوج میں کیفدر بغاوت بھی کرا دی اور دو ہندوستانی کمیشن افسر مع چند سپاہیوں کے فرانسیسی جماعت سے جا ملے۔

(۱۵۴)
صفحہ ۶۱۹۶

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اگرچہ انگریزی فوج حیدر آباد و اس بلانی گئی تھی اور ظاہری طور پر دربار حیدر آباد سے دوبارہ تعلقات قائم ہو گئے تھے تاہم بیوج محض مزدور تھوکن میں رکھ لی گئی تھی اور ریاست کے مسائل بتدریج

فرانسیسی جماعت کے ہاتھ میں جا رہے تھے جن کے اغراض و مقاصد علانیہ طور سے برطانوی حکومت کے خلاف تھے۔

نواب نظام الملک نے محض حالات زمانہ سے مجبور ہو کر یہ اختیارات فرانسیسیوں کو دے دئے تھے لیکن جن خطرات کا اُن سے اندیشہ تھا اُن سے وہ خود بھی ناواقف نہ تھے، اور انھوں نے برابر اس بات کی خواہش کی کہ برطانوی حکومت اُن سے ایک ایسا معاہدہ کر لے جس کے بعد محض حفاظت کی خاطر حیدر آباد کو یہ مہلک راستہ اختیار نہ کرنا پڑے۔

(۱۵۵)
۶۱۶۹۵

اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے وعدہ کیا کہ اگر حیدر آباد کی ملازمتی فوج میں اضافہ کر دیا جائے تو فرانسیسی فوج برخاست کر دی جائے گی لیکن جن شرائط پر وہ یہ انتظام چاہتے تھے وہ مرجان شور کے نزدیک مرہٹوں کے معاہدوں کے منافی تھے لہذا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اس موقع پر شہرت آزمائگریزوں کو حیدر آباد کی ملازمت میں بھرتی کر کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ اور بادجو دیگر انھیں برطانوی ریڈنٹ کی اعانت حاصل تھی لیکن انھوں نے کوئی خاص ترقی نہیں کی اور نہ ان کی جماعت کبھی اس پایہ پر پہنچی کہ اس سے اس بات کی توقع ہو سکے کہ آئندہ وہ کبھی ریمینڈ کی مد مقابل بن سکے گی۔ برخلاف اس کے انگریزی حکومت نے ان ترکیبوں سے اس کی جگہ اپنا اقتدار قائم کرنے کی جو ناکامیاب کوششیں کیں اُن سے قدرتی طور پر ریمینڈ کی مخالفت اور جدوجہد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

نوعمر پیشوا اور حیدر آباد کی موت کی بدولت (جس کا اوپر ذکر واقعات پورناؤں) ہو چکا ہے) نظام دکن کو بالکل خلاف امید جس کا کبھی خیال حیدر آباد پر لگا تھا بھی نہیں ہو سکتا تھا ہندوستانی ریاستوں میں ایک حد تک وہی سابق اقتدار و اثر حاصل ہو گیا جو کھڑکے کے معاہدے

سے ختم ہو گیا تھا۔ اس موت سے جو ۲۷ اکتوبر ۱۷۶۵ء کو واقع ہوئی مرہٹوں کے سرداروں میں جن کے اغراض گدی کی وراثت سے وابستہ تھے بہت

(۱۵۶)

۲۱۴۹۵

سخت پھوٹ پڑ گئی۔ پونے کے خاص وزیر نانا فرنیس نے حقیقی وارث رگھوپا کے بیٹے باجی راؤ کے بجائے جو باقی پیشوا کا چچا زاد بھائی تھا ایک کس بچے کو جو اس کا دور کار شہیدار تھا گدی نشین کرانے کی کوشش کی۔
دولت راؤ سندھیہ کے وکیل نے اس تجویز کی مخالفت کی اور پیشوا کی موت کی خبر سننے ہی سندھیہ خود باجی راؤ کی مدد کے لئے پونہ روانہ ہو گیا۔ نانا فرنیس نے اس کے مقابلے کے لئے دربار حیدر آباد سے مدد حاصل کر کے اپنی طاقت بڑھانی چاہی اور اعظم الامراء کو رہا کر کے گفت و شنید شروع کی۔ اور ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے اس نے ریاست پونہ کی طرف سے ان تمام اہم مراعات سے دست برداری کر دی جو اسے گہڑ لگے معاہدے سے حاصل ہوئی تھیں۔

اعظم الامراء کو پونہ میں جو اثر حاصل ہو گیا تھا اسے تقویت پہونچانے اور خود حیدر آباد واپس ہونے کی غرض سے اس نے ہنایت ہوشیار علی کام لیکر اس گفت و شنید کے دور ان میں حیدر آباد کے علاقے سے ایک معقول فوج ملائی تھی لیکن دولت راؤ سندھیہ اپنی فوج کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور اس طرح اسے فوجیت حاصل ہو جانے کی وجہ سے یہ ترکیب ایک حد تک کارگر نہ ہو سکی اور سندھیہ نے باجی راؤ کو خالی شدہ گدی پر بٹھا دیا۔

(۱۵۷)

۲۱۴۹۵

اس انقلاب کی وجہ سے از سر نو گفت و شنید ہوئی اور یہ طے پایا کہ گہڑ لگے معاہدے میں جس رقبہ اور علاقے کا تصفیہ ہوا تھا اس کا اب صرف ایک چوتھائی حصہ مرہٹوں کو دیا جائے۔ نانا فرنیس سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مقابلے میں اگرچہ یہ معاہدہ گرا ہوا تھا تاہم حیدر آباد کے لئے بہت مفید تھا۔ اس قول و قرار کے بعد اعظم الامراء کو حیدر آباد واپس ہونے کی اجازت مل گئی۔ اور انھوں نے وہاں پہنچ کر دوبارہ قلمدان وزارت حاصل کیا۔

۱۔ اعظم الامراء کی زندگی کے حالات جو تاریخ گزار آصفیہ میں درج ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ پونا میں پیشوا دھور راؤ کے انتقال سے جو انتشار پیدا ہوا اس سے اعظم الامراء

سندھیا کی طاقت اس موقع پر دولت راؤ سندھیا کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کی بدولت مرہٹوں کی سلطنت میں اس کا بول بالا ہو گیا اور انگریزوں کی تشویش تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے نانا فرنس کو مقید کیا اور وزیر کو آزاد کرتے وقت اس نے ایک کثیر رقم وصول کی اور اپنی طاقت مستحکم کرنے کے لئے جن جن باتوں کو وہ ضروری خیال کرتا تھا وہ سب اس سے منوالیں۔ اس موقع پر اس کے خاندان کے حریف ٹکوجی ہو لکر کی موت سے اس کی طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اس نے ہو لکر کے بڑے بیٹے کو قتل کیا اور گدی کے دوسرے وارث کو مقید کر کے اس کے اکثر مقبوضات پر خود قبضہ کر لیا۔ اس غصب کے علاوہ اس نے پیشوا پر جسیر کر کے احمد نگر اور اس کا ملحق علاقہ بھی وصول کیا۔ اس مقام پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اسے محض شہر پلو نہ پری تسلط حاصل نہ ہو گیا بلکہ صوبہ واروکن کے علاقوں میں داخل ہونے کا بہترہ منہ بستہ بھی ماقہ آ گیا۔ انگریزوں کو سندھیا کی غیر معمولی طاقت سے جو خوف تھا اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور اپنی واپسی کا انتظام کر لیا۔ ان سب واقعات کو مؤلف نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے۔

”چند روز بعد جب پونے کے سرداروں میں تفرقہ پڑا تو دولت راؤ سندھیا اور باجی راؤ وغیرہ نے مصالحت کر کے اس تفرقہ کے اسباب دریافت کئے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب فتنہ اعظم الامرا کا پھیلا ہوا ہے۔ اگر اسی طرح کچھ دن اور گزرے تو بہت سخت خرابی پیدا ہو جائے گی اور پنڈت پر دھان کی سلطنت کا سنبھالنا دشوار ہو جائے گا لہذا اب ان کا یہاں قیام مناسب نہیں۔ انھیں حیدر آباد روانہ کرنا بہتر ہو گا۔“

دولت راؤ باجی راؤ نے اس امر پر اتفاق کرنے کے بعد اعظم الامرا سے کہلا بھیجا کہ تمہارا تعلق حضور بندگان عالی سے ہے۔ جس شخص نے تمہیں حضور کی مرضی کے خلاف یہاں رکھا تھا اسے اپنے اعمال کی سزا مل گئی۔ ہمیں حضور بندگان غالی کی جو حقیقت ہمارے جد امجد ہیں ہر حال میں خوشنودی منظور و منظور ہے اور حضور کے خط برابر آپ کی

اس کی باقاعدہ پلا وہ فوج کی تنظیم و ترتیب سے اس وقت مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ اس فوج کی بدولت ہی اسے کامیابی حاصل ہوئی تھی اور اسی کے ذریعہ سے وہ اپنی طاقت کو سنبھالے ہوئے تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طلبی کے لئے آپ یہ ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضور کی آستان بوسی کا ارادہ کریں کوئی شخص مانع نہ ہوگا ہم آپ کو بخوشی رخصت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اعظم الامرا اس خبر سے بہت خوش ہوئے۔ پوتا کے سرداروں سے رخصت ہوئے۔ روانگی کے وقت پیٹو اباجی راؤ سے ملاقات کی۔ پیٹو اند کور نے قیمتی جواہر اور خلعت فاخرہ عطا کر کے رخصت کیا۔ اسی طرح دولت راؤ سندھیلا و رنگھوجی بھونسلو و گیرا علی سرداروں سے ملاقات کر کے منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔

ابھی دریائے سیکناس تک ہی پہنچے تھے کہ ناٹا فرنیس کا ایک سربراہ خط ملا جس میں اس نے نہایت عجز و انکسار سے یہ تحریر کیا تھا کہ آپ مجھے قلعہ کوکن میں نامراد اور مقید چھوڑ کر اور اپنا مطلب حاصل کر کے حیدر آباد روانہ ہو گئے۔ مبارک ہو لیکن حالاً وقت کے لحاظ سے یہ مناسب نہیں۔ بزرگی و سرداری کا اقتضایہ ہے کہ باجی راؤ اور دیگر ارکان دولت سے آپ اس ماضی کا تصفیہ کرادیں اور مجھے پونا کی مدارالہامی پر دوبارہ سرفراز کر اگر فیروزی اور نام آوری کے ساتھ حیدر آباد روانہ ہوں تاکہ اس سلطنت کے قیام تک جناب کا نام یہاں زبان زد خاص و عام رہے۔

یہ موقع احسان کرنے کا ہے۔ تعاضل و چشم پوشی مناسب نہیں۔ اس عنایت کے معاوضہ میں آپ ایک کروڑ روپیہ اپنے سفر خرچ اور تین کروڑ روپیہ کی بندگائی کی دستاویز مع سند معافی چوتھو بیدر لے کر اور محلات و قلعہ و دولت آباد جواب ہمارے علاقے میں شامل ہیں انھیں واگڈا منت کر کر حیدر آباد تشریف لیجائیے تاکہ جناب کی ناموری اور حضور پروردگی خوشنودی کا باعث ہو ورنہ اسنے عرصہ بعد خداوند رحمت کی خدمت میں خالی ہاتھ جائے سے کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔

اعظم الامرا اس اطلاع سے بہت خوش ہوئے۔ باجی راؤ اور سرداران پونا کو خط

جنرل ڈباؤنی General Debaigne نے جو کثیر فوج ابتداء میں مادموجی منڈیا (۱۵۰) کے لئے تیار کی تھی اس کی کمان اب جنرل پیران General Perran کے سپرد ہوئی تھی۔ جوانی میں جو حوصلے ہوتے ہیں ان کے تقاضے سے دولت مادموجی نے اپنی اس فوج کو جس کی بدولت اُسے ہندوستان کی دوسری ریاستوں پر تدریجاً زبردست فوقیت حاصل ہوئی تھی مستحکم بنانے اور تقویت پہنچانے میں بھگن کوئٹھ کی۔ ہر اس قوت متحرک سے کام لیا گیا جو یورپین افسروں کی حرص و طمع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لکھے اور خود پونا واپس پہنچ کر کوئٹھ کی اور سب کو ہوا کر کے مانا فرنیس کے موافق تصفیہ کر دیا اور سب کو نانافرنویس کی مدارالہامی پر بھی راضی کر لیا۔ اس کے بعد اپنے خط کے ساتھ پونا کے سرداروں کے خطوط اور باجی راؤ کے حمایت کا نانافرنویس کے پاس روانہ کئے اور قلعہ کوکن سے اُسے بلا کر اپنے پاس لے لیا اور اپنے ساتھ باجی راؤ کے پاس لے جا کر اس کی ملازمت کا اہتمام کر دیا اور دوسرے سرداروں سے بھی کسی کی مصالحت کرا دی۔

جب باجی راؤ کی منہ شیخی کی رسم ہوئی تو سب سے پہلے حضور پر نوری جانب سے تشقہ کی رسم ادا کی گئی۔ بعد ازاں نانافرنویس کے قول کے مطابق ایک کروڑ روپیہ نقد اور تین کروڑ روپیہ کی حضور کی دستاویز مع سند معافی چوتھ میڈرلے کو اور چلا قلعہ دولت آباد کو واگراشت کر اکر..... دوبارہ سب سرداروں سے نصحت ہوئے اور منزل مقصود کو روانہ ہو کر قلعہ مھرنگر کی عید گاہ کے میدان میں داخل ہوئے۔

اعظم الامرا کی واپسی اور سرکار دولت مدار کے علاقے میں ان کے داخل ہونے کی خبر سے بندگانِ غالی کو بے حد مسرت ہوئی۔

مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ نانافرنویس نے اعظم الامرا سے جو معاہدہ آخر میں کیا تھا وہ برقرار رہا اور سر جان میدام نے اس میں ترمیم و تبدیلی کا جو ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

دوسرے اور حوصلوں کو ابھار سکتی تھی۔ ادنیٰ افسروں کو بھی بڑی بڑی تنخوااں دی جاتی تھیں ان کی ادائیگی پابندی سے ہوتی تھی۔ انھیں صرف معقول تنخوااں ہی نہیں ملتی تھیں بلکہ ان کے سپر سالاروں نے اپنے اثر سے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ ایک معینہ مدت تک ملازمت کرنے یا جنگ میں زخمی ہونے کے بعد انھیں وظیفے کا حق بھی حاصل ہوگا۔ اس وظیفے کے قواعد بھی ان کی مرضی اور ان کے حالات کے موافق رکھے گئے تھے۔

ہندوستان کے تقریباً تمام اس علاقے کا انتظام جس پر سندھیا نے تسلط قائم کر لیا تھا نیز راجپوتانہ کی ریاستوں سے خراج وصول کرنے کا بھی سب کاروبار اس نے اپنے خزانچی جنرل کے سپرد کر دیا تھا جس کے پاس اس کی پیادہ فوج کی کمان تھی۔ اس فوج میں پیادوں کی ان متعدد جماعتوں کے علاوہ جو اس کے ساتھ کام کرتی تھیں اس وقت متعدد باضابطہ برکیٹ موجود تھے۔ ان کی بھرتی زیادہ تر کمپنی کے علاقوں سے ہی کی جاتی تھی۔ انگریزی سپاہیوں کی جو وردی تھی وہی ان کی تھی۔ جو ہتیار ان کے پاس تھے وہی انھیں دینے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ نہایت عمدہ و باضابطہ اور کثیر تعداد میں توپخانے رہتا تھا اور سوار فوج کی بھی ایک معقول تعداد ان کے ہمراہ رہتی تھی۔

اس فوج کو بلحاظ طاقت و قوت اور تنظیم و ترتیب اور اتفاق و اتحاد سندھیا کی تمام دوسری فوجوں پر فوقیت حاصل تھی اور اس کا یہ سالار ایک بڑی حد تک خود مختار ہو گیا تھا۔ لہذا بجا طور پر یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ آئندہ کسی موقع پر (سندھیا اگر اپنے علاقہ حسد کے باوجود خود راغب نہ ہو تو بھی) اسے مجبوراً فرانسیسی جماعت کی مرضی کے مطابق ایسی خاصانہ روئے اختیار کرنی پڑے جو برطانوی حکومت کے خلاف ہو۔

میرپور سلطان کا طرز عمل | میرجان شہزاد کے عہد میں میرپور سلطان سے بہت کم مراسلت رہی۔ سلطان کے دو شہنشاہوں کے جو مرنگا پیم کے عہد نامہ کے مطابق بطور ضمانت کے لئے گئے تھے انھیں معاہدہ کے بعد نیپور پہنچا دئے گئے۔ ایک عہدہ دار انھیں لے کر گیا تھا۔ سلطان اس کے ساتھ

(۱۵۹)
۱۶۹۵

سردھری اور کچ خلقی سے پیش آیا۔ اس عہدہ دار کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ سلطان کو انگریزوں کی دوستی حاصل کرنے کی طرف مائل پائے تو تعلقات بڑھانے کی غرض سے گفتگو کرے لیکن سلطان نے اس بارے میں اس کی قطعی ہمت افزائی نہ کی۔ یٹو سلطان نے مثل سابق کے اس موقع پر بھی بلانوی حکومت کے خلاف اپنے مخالفانہ جذبات ظاہر کئے جن سے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ وہ کمپنی پر حملہ کرنے کے لئے صرف موقع کی تاک میں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جنگ یا صلح کے ذریعے سے دکن کے ذرائع پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد یہ مقصد اچھی طرح پورا ہو سکتا ہے۔

(۱۶۰)
۱۶۹۶ء

مراٹوں سے اتحاد کرنے کی فکر۔ کرنل پر حملے کا ارادہ۔ ۱۶۹۶ء میں گوئی پر کثیر التعداد فوج کا جمع کرنا۔ اعظم الامرا کی اسیری کے زمانے میں نظام دکن کے تختیچہ امتیاز الدولہ سے سازش کرنا۔ اور اسی زمانہ میں موسیور سینڈ سے خط و کتابت کرنا۔ ان سب باتوں کو اس کے خاص مقصد کے حصول کی خواہش پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ خوش قسمتی سے پونہ میں ایک انقلاب ہو گیا۔ عایجاہ کی بغاوت وقوع میں آئی۔ اعظم الامرا دوبارہ اپنے عہدے پر مامور ہو گئے اور انگریزوں کے حیدر آیا دے دور بارہ تعلقات بھی قائم ہو گئے ان سب کی وجہ سے یو اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

سرجان شور کے عہد کے سیاسی معاملات کے اس خاکے کو ختم کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان چند اہم واقعات کا ذکر کیا جائے جو اس زمانے میں نواب کرناٹک اور نواب وزیر اودھ کے دربار میں واقع ہوئے۔

کرناٹک کے معاملات | لارڈ کارنوالس نے نواب کرناٹک سے جو معاہدہ کیا تھا اور بد قسمتی سے جو خراب نتائج اس سے پیدا

ہوئے ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نواب محمد علی خاں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا، ان کی زندگی میں اسے ترمیم کرانے کی کوشش نہیں کی گئی ان کے انتقال کے بعد جو ۱۳ اکتوبر ۱۶۹۵ء کو واقع ہوا فورٹ سینٹ جانج کے گورنر

لارڈ ہارٹ نے اس کے جانشین عمدة الامرا سے اس میں ترمیم کرنے کی کوشش کو اپنا فرض سمجھا اور گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کو ایک مراسلے کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ اس نے انگلستان میں لارڈ کارنوالس اور مسٹر ڈنڈ اس سے اس بارہ میں جو کئی مرتبہ مراسلت کی تھی اسی کی بنا پر اس نے گفت و شنید شروع کر دی ہے۔ حکومت اعلیٰ کی رائے حاصل کرنے تک وہ اس مسئلہ کو ملتوی کرنا اس وجہ سے نامناسب قرار دیتا ہے کہ اکثر خود غرض لوگ اپنے ذاتی اغراض کی وجہ سے اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ عمدة الامرا اس معاہدے میں کوئی ترمیم نہ کریں۔ آخر میں وہ اس بات کی توقع ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ اسے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تاہم انگلستان کو جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کے جواب میں وہاں سے ایسی ہدایات موصول ہو جائیں گی جن سے موجودہ انتظام کا خاتمہ ہو جائے گا جو اس کے نزدیک گرتا ٹنگ کے ذریعے کے لئے تباہ کن اور برطانوی حکومت کے لئے ایک حد تک باعث ذلت ہے۔

لارڈ ہارٹ نے جو ترمیمیں پیش کیں وہ یہ تھیں کہ مالی قرضہ کی انسداد کے باقاعدہ ادا کرنے کے لئے جو علاقہ زمین رکھا گیا ہے اسے پورے طور پر کمپنی کے حوالے کر دیا جائے اور نواب نے کمپنی کو پالیگاراؤں سے خراج کی رقم وصول کرنے کا اختیار دینے کے باوجود ان پر اپنا حق شاہی جو برقرار رکھا ہے اس سے بھی دست برداری دیجائے۔ نیز کرتا ٹنگ کے چند قلعے بھی دیدئے جائیں۔

(۱۶۱)
۹۱۶۹۵

گورنر کا خیال تھا کہ ان میں کی پہلی شرط سے نواب اور کمپنی دونوں کو مساوی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ ان کی وجہ سے اول الذکر کو آئندہ ان قرض دینے والوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے کی ضرورت نہ رہے گی جن کی بدولت ان کا ملک تباہ ہو گیا ہے نیز دونوں سلطنتوں کے درمیان آئندہ کوئی بحث

(۱۶۲)
۹۱۶۹۵

۱۔ مورخہ ۲۵ اکتوبر۔

۲۔ عہد نامہ ۱۶۹۲ء۔

مسئلہ نہ اٹھ سکیگا اور آخر میں رہن شدہ علاقے اس ظلم و تعدی سے محفوظ ہو جائیں گے جن کی بدولت ان کی آبادی بہت کچھ گھٹ چکی ہے اور جس کی وجہ سے عقیقہ یب ان کی آمدنی بھی اس قدر گھٹ جائے گی کہ جس رقم کے لئے انہیں رہن رکھا گیا تھا اس کی ضمانت کے لئے بھی وہ ناکافی ہو جائیں گے۔

دوسری شرط سے نواب کے اختیار میں حصص برائے نام کی ہوگی مگر کمپنی کے لئے وہ نہایت ضروری ہے کیونکہ اقتدار شاہی نواب کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے (سرکش پالیگاروں پر) کمپنی کا اثر و اختیار بہت کچھ کم ہو گیا ہے اور کمپنی کی حکومت میں رکاوٹ ہوتی رہتی ہے۔ تیسری شرط یعنی گرانڈ اینڈ کے چند قلعوں کا قبضہ اس وقت اس خیال سے ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ بیجو سلطان کے آئندہ حملے کی مدافعت کی غرض سے ملک کی حفاظت کا مقول انتظام کیا جائے۔ نواب کو اس پر راضی کرنے کے لئے لارڈ ہارٹ بہت کچھ ایشیا کرنے کے لئے تیار تھا لیکن سب بے سود ہوا۔ نواب عہدہ الامرائے ان سب تجاویز کو قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور لارڈ صاحب نے جن دلائل کے ساتھ انہیں پیش کیا تھا ان کے جواب میں لارڈ کارولٹ اس کے معاہدے پر ہی ثابت قدم رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کیونکہ ان کے باپ نے مرتے وقت انہیں اس پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور اپنے لئے وہ اسے سب سے زیادہ قابلِ استحکام حکم تصور کرتے ہیں۔ لارڈ ہارٹ نے اپنے مراسلے میں ۱۷۹۷ء کے معاہدے کی مکمل ناکامی کو نہایت زوردار الفاظ میں تحریر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ”اگر ہم پچھلے واقعات پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس معاہدے کی بغا یہ ہوئی تھی کہ نواب والا جاہ نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ ۱۷۹۵ء کے عہد نامے میں جن رقوم کا اندراج ہے انہیں وہ بغیر رعایا پر بار ڈالے اور انہیں کر سکتے اور ان کی رعایا کسی مزید بار کے اٹھانے کے قابل نہیں لیکن کمپنی کو اس رقم میں کمی کرنے پر راضی کرانے اور ۱۷۹۲ء کے معاہدے سے

(۱۷۳)
۱۷۹۵ء

اُس کی تکمیل ہو جانے کے بعد ہی انھوں نے جو طریقہ ان شرائط کی تکمیل کے لئے اختیار کیا اُس سے ان کی رعایا کی مصائب و کس گنی ہو گئیں اور جس مفید اور بہرہ راندہ مقصد کا حصول اس کا خاص منشا تھا وہ اس طرح فوت ہو گیا۔ اُس وقت تو کمپنی کا بجز اس کے کچھ نقصان نہیں کہ کرنا ملک کی آبادی کم ہوتی جاتی ہے لیکن جنگ کے زمانے میں بڑی سختی و قتل و قتل کا سامنا ہو گا آخر میں وہ لگتا ہے کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ میری منت اور سختی کسی کا بھی نواب پر اب تک اثر نہیں ہوا۔ اُس سے یہ مراد نہیں کہ جو تجاویز میں نے پیش کی ہیں اُن کی مصلحت و منفعت سے وہ ناواقف ہیں بلکہ جیسا کہ انھوں نے اکثر دوران ملاقات میں مجھ سے ذکر کیا ہے اُن میں اس کام کے کرنے کی ہمت نہیں۔ کیونکہ ہندوستانی وزراء اور یورپین مشیر انھیں اس قدر ستاتے اور پڑا کرتے اور دھمکاتے ہیں کہ باوجود اپنی خواہش کے وہ اس کی جرات نہیں کر سکتے۔“

(۱۶۲)
۱۶۹۵ء

حکومت اعلیٰ نے نواب مہر علی خاں کے انتقال کی خبر ملنے کے بعد اور لارڈ ہارٹ کے خطوط پہنچنے سے قبل ہی حکومت فورٹ سینٹ جارج کو ہدایات روانہ کر دیئے تھے کہ عمدۃ الامراء کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ اپنی پوری ریاست کمپنی کے حوالے کر دیں۔

اس مسئلے میں حکومت اعلیٰ نے اپنے خیالات ظاہر کئے تھے کہ اُسے لارڈ کارنوالس کی اُس رائے سے پورا اتفاق ہے جس کا اظہار اس نے نظما کو ایک مراسلہ لکھتے وقت کیا تھا کہ ”ملک کی اندرونی حکومت اور مالگداری کے انتظام کو حفاظت کی ذمہ داری سے علیحدہ کرنے میں جو نقصان و خطرہ ہے اس کا مجھے پورا احساس ہے اور اگر مجھے نواب کی رضامندی حاصل کرنے کی ذرا بھی امید ہوتی تو میں یہ تجویز پیش کرتا کہ ریاست کا کل انتظام اس شرط سے

لے مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۶۹۵ء -

لے مورخہ ۹ جولائی ۱۶۹۵ء -

کمپنی کے تحت کر دیا جائے کہ نواب کو اس کی آمدنی کا ایک معقول حصہ ملتا رہے۔
 اس کے ساتھ ہی کار نو اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ ”میرے نزدیک صرف یہی ایک
 ایسی تدبیر ہے جو نواب صاحب کے حقیقی مفاد اور کرناٹک کی رعایا کی آسائش
 اور خوشحالی کے لئے مناسب اسباب جمیا کر سکتی ہے۔“

(۱۶۵)
 ۱۶۹۵ء

حکومت اعلیٰ نے آخر میں اس مقصد کی اہمیت پر اپنی رائے کا اظہار
 کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ”تھیں اپنی مجلس میں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے کہ لارڈ
 کار نو اس نے جن دفتروں کا اظہار کیا ہے کیا وہ اب بھی ایسی ہیں کہ ان کی
 وجہ سے مذکورہ بالا انتظام میں رکاوٹ ہو سکے۔ اور اگر نواب صاحب کو مرضی
 کرانے کی کوئی ممکن صورت ہو تو ہماری خواہش ہے کہ اس کی ضرورت کو پیش
 کی جائے اور ہمیں کامل توقع ہے کہ لارڈ ہارٹ اپنی قابلیت اور اپنے اثر
 سے اس انتظام کی تکمیل کر لیں گے جو ملک کی خوشحالی۔ کمپنی کے مفاد اور
 نواب کے حقیقی آرام و اطمینان کے لئے نہایت اہم ہے۔“ حکومت اعلیٰ
 کے ارکان کو جب لارڈ ہارٹ کی کارروائی کی اطلاع ملی تو انھوں نے ان کی
 کو نہایت پسند کیا جو اس نے عہدہ الامر کے روبرو پیش کی تھیں اور جو
 درحقیقت ان کی تجاویز کے مقابلے میں نہایت محدود تھیں۔ انھوں نے نہایت
 کی کہ حکومت فورٹ سینٹ جارج ان تجاویز کو دوبارہ پیش کرے ممکن ہے
 کہ نواب کو جب یہ معلوم ہو کہ دونوں حکومتوں کو ان پر پورا اتفاق ہے تو وہ ان
 منظور کر لیں۔ حکومت اعلیٰ نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ نواب کے ذمہ کمپنی کا جو قرضہ
 ہے (جو توپ خانہ کے قرضہ کے نام سے موسوم ہے) اس کے ادا کرنے کے لئے
 تن اولیٰ کے علاقے کا مطالبہ کرنے اور کرناٹک کے قلعوں پر قبضہ کر لینے سے
 (جیسا کہ حکومت فورٹ سینٹ جارج نے اپنی دو تجویزوں میں پیش کیا ہے)
 نواب یہ مطلب نکالیں گے کہ ہم اس طرح مسئلہ کے معاہدے کی ترسیم مجبوراً کرنا
 چاہتے ہیں اور یہ عہد شکنی ہے اور چونکہ ہمارے نزدیک انگریزی حکومت کو

(۱۶۶)
 ۱۶۹۵ء

نہ کوہہ بالا قرضہ کے سلسلے میں نواب کے کسی ایسے علاقے پر قبضہ کا حق حاصل نہیں جس کا اندراج معاہدے میں نہ ہو۔ اور چونکہ ابھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس کی بنا پر لارڈ کارنوالس کے معاہدے کے مطابق کرناٹک کے قلعوں میں کہیں کی افواج رکھی جاسکیں لہذا ہماری رائے میں ان دونوں تجویزوں میں سے کسی کے لئے کوشش نہ کی جائے۔ اسی عرصہ میں مرجان ٹورنٹ نے عمدة الامر کو لکھا کہ جو تجارتی لارڈ ہا برٹ نے پیش کی ہیں اگر آپ انھیں منظور کر لیں تو وہ آپ کے نیکمپنی کے لئے نہایت مفید ثابت ہوں گی۔ گورنر جنرل کی تمام کوششیں اس موقع پر بے سود ثابت ہوئیں۔

نواب نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ۱۷۹۲ء کے معاہدے میں کسی قسم کی ترمیم کے لئے تیار نہیں اور حسب معمول اس معاہدے کے تحت وہ اپنی بد بخت ریاست کے اختراع یکے بعد دیگرے سود خواروں کے حوالے کرتے رہے ہی لوگ انھیں برطانوی حکومت کے خلاف اُبھارتے رہتے تھے اور مالی معاہدوں کی باضابطہ تکمیل کے لئے انھیں سخت شرح سود پر روپیہ دیتے رہتے تھے۔ رامپور کے رہنماؤں نے افغانوں کے ایک سرکش قبیلے نے جو کرناٹک میں آباد تھا ۱۷۹۲ء میں ایک سخت ہنگامہ برپا کیا جس کی وجہ سے نواب وزیر آصف الدولہ کے علاقے میں بد امنی ہو گئی۔

کی بغاوت

کے سردار فیض اللہ خاں کے انتقال کی وجہ سے جو ان روہیلوں کا سردار تھا یہ واقعہ پیش آیا۔ مرنوم کے بیٹوں میں وراثت پر جھگڑا ہوا۔ بڑا بیٹا محمد علی خاں اپنے بھائی علامہ محمد کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر الذکر نے جاگیر پر قبضہ کر لیا اور اپنے اس غضب کی نواب وزیر سے منظوری حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب نے اول تو اس پر آمادگی ظاہر کی لیکن انگریزی حکومت سے (جس کے اغراض اس معاملے میں ایک حد تک اس وجہ سے شامل تھے کہ اس نے اس بات کی ضمانت دی تھی کہ رامپوری افغانوں کا جو خاندان نواب کے تحت برسرِ اقتدار ہے وہی وہاں پر برقرار رہے گا) مرسلت کرنے کے بعد باغیوں کو سر ادا ستیہ کا

(۱۶۷)
۱۷۹۲ء

(۱۶۸) اراوہ کر دیا۔ اس مقصد کے لئے جنرل رابرٹ ایمر کراچی کی کمان میں فوج روانہ ہو گئی اور گورنر جنرل نے فیصلہ کیا کہ اس تصور میں فیض احمد خاں کے خاندان ہی کو اس جاگیر سے محروم کر دیا جائے۔ ان ہدایات کے موصول ہونے سے قبل ہی ان سے ایک جھڑپ ہو چکی تھی۔ رُہیلوں نے برطانوی افواج کو کئی دفعہ نقصان پہنچا کر آخر میں شکست کھائی اور اس کے بعد انھوں نے کامل اطاعت قبول کر لی۔ سانگری کی سپہ سالار نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر احمد علی خان کو کمپنی کی بنگرانہ میں جاگیر کا وارث قرار دیا اور نواب دزیر سے اس کی منظوری حاصل کر لی۔ احمد علی خاں محمد علی خاں کا کم سن بیٹا تھا جسے غلام محمد نے قتل کیا تھا۔ جب آخر الذکر سردار مع اپنے چند ساتھیوں کے جنھوں نے اُسے مدد دی تھی برطانوی مستقر پہ حاضر ہوا تو ان سب کو بھی معاف کر دیا گیا۔ اس انتظام سے کامل امن قائم ہو گیا اور جس مصلحت اور انسانی ہمدردی سے متاثر ہو کر سر ایمر کر بھی نے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا اسی کی وجہ سے حکومت اعلیٰ نے بھی اسے منظور کر لیا۔

معاملات اودھ لارڈ کراؤنس کو اودھ کے دیوان حیدر بیگ کی قابلیت اور مستندی کی وجہ سے جن اصلاحات کی توقع ہو گئی تھی وہ وہاں مذکور کے انتقال کے بعد منقطع ہو گئی۔ اسکی جگہ ایک شخص کا برائے نام تقرر کر دیا گیا۔ لیکن سلطنت کے تمام اختیارات نواب کے چند خاص دوستوں کے ہاتھ میں رہے جو اول درجے کے اوباش تھے۔ ان میں سے چند برطانوی حکومت کے تعلقات کے مخالف بھی مشہور تھے۔

۱۷۹۷ء (۱۱۶۹)

ان حالات سے کمپنی کے مفاد کو جو نقصان پہنچ سکتا تھا اس سے سر جان شورو بخوبی واقف تھا لہذا اس نے ایک موقع پر اودھ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے خیالات کا صاف اظہار کر دیا کہ اگر ریاست کی حکومت کا یہی رنگ رہا تو ہمیں وہاں کی فوجوں سے بھی مدد کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے اور وہاں بجائے دوستوں کے دشمن ہی نظر آئیں گے۔

نواب آصف الدولہ نے سر جان شورو کے زمانے میں انتقال کیا اور وزیر علی جسے ریاست کے وارث ہونے کا دعویٰ تھا سند نشین ہوا۔ مرحوم نواب نے

اپنی زندگی میں ہی اسے اپنا حقیقی بیٹا تسلیم کر لیا تھا لیکن عام طور سے اسے ولد الحرام خیال کیا جاتا تھا اور اس لحاظ سے مسند پر اس کا کوئی حق نہیں تھا لیکن لکھنؤ کے اکثر باوقار اور با اثر لوگ اس کے موافق تھے اور برطانوی حکومت بھی اُس کا حق تسلیم کر چکی تھی۔ اس موقع پر نواب آصف الدولہ کے بھائی سعادت علی خاں نے لکھنؤ کے اس فیصلے کے خلاف مزاحمت کیا لیکن سر جان شعور نے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے ایک مراسلے میں وہ تحریر کرتا ہے کہ میں نہایت پس و پیش کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر وزیر علی کی بات جو عام خیال ہے اسے رنج نہیں کیا جاسکتا اور ایسی حالت میں کہنی کے نام اور انصاف پر بڑا آنے سے جو خطرہ ہے اس کا بھی مجھے بخوبی احساس ہے۔“

(۱۶۰) (۱۶۹۶ء)

ان خیالات کے ساتھ سر جان شعور لکھنؤ روانہ ہوا لیکن اسی مرحلے میں وہ لکھتا ہے کہ ”جن انتظامات کا وہاں میرا ارادہ ہے ان میں وراثت کے فیصلے کو تبدیل کرنے کا قطعاً خیال نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اگر وہاں کی رعایا کو اپنے جدید نواب سے عام نفرت ہوئی تو مجھے اس معاملے پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت پڑے۔“

سر جان شعور کے لکھنؤ پہنچنے ہی وہاں کے دیوان تفضل حسین نے اُس سے ملاقات کی اور اسے مطلع کیا کہ وزیر علی اور اُس کے ساتھ تمام دوسرے لوگ جو آصف الدولہ کے بیٹے مشہور ہیں ولد الحرام ہیں اور اس میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں۔ لہذا سعادت علی خاں کا مسند پر حق ہے۔ دیوان مذکور نے یہ بھی بیان کیا کہ ”مسند نشینی کے وقت اگرچہ کوئی مخالفت نہیں ہوئی تاہم اس کے بعد سے ہر شخص متحیر اور باؤس ہے اور عام خیال یہ ہے کہ وزیر علی کو مسند نشین کرانے میں عجلت سے کام لیا گیا ہے اور معاملے پر کافی غور نہیں ہوا۔ اور چونکہ برطانوی حکومت نے اسے تسلیم کر لیا ہے اسوجہ سے کسی کی بہت علانیہ مخالفت کرنے کی نہیں پڑتی“ اس بیان نے گورنر جنرل کے دل میں اور بھی شبہات پیدا کر دیئے۔ اور وہ یہ سوچنے لگا کہ اُس کا سابق فیصلہ کس حد

۱۹۹۷ء

تک صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا اس نے وزیر علی کے صحیح النسب ہونے کے متعلق مزید تحقیقات شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوس کا والد حرام پونا پور سے طور سے ثابت ہو گیا۔

وزیر علی نے سند نشینی کے بعد سے جو اپنا طرز عمل رکھا تھا اس پر گورنر جنرل اپنے ایک دوسرے مراسلے میں بحث کرتا ہے اور کثیر مواد کی بنا پر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ وہ ایک تند مزاج غیر مستقل اور ظالم شخص ہے اور اس کے دماغ میں کمپنی کے مفاد کے خلاف سخت مخاصمانہ تدابیر ہیں اور اسے اختیارات سے محروم کرنے کے بعد ہی ان سب باتوں کو علانیہ طور پر ظہور میں آنے سے روکا جاسکتا ہے۔ وزیر علی کی بابت عوام کے جو خیالات تھے انھیں بیان کرنے کے بعد وہ اُس عام رائے کی طرف رجوع ہوتا ہے جو آودھ کے باشندے کمپنی اور وزیر کے سیاسی تعلقات کی نوعیت کی بابت رکھتے ہیں۔ نیز دیگر ریاستوں کے ان خیالات کو بھی مد نظر رکھتا ہے جو دراصل سلطنت آودھ کے معاملے میں وہ کمپنی کے حقوق کی بابت رکھتی ہیں۔

اس کا بیان ہے کہ آودھ کے باشندے نیز باہر والے یہ خیال کرتے ہیں کہ آودھ سے کمپنی کے معاملے کچھ بھی ہوں وہ درحقیقت اُس کی ایک تختانی ریاست ہے۔ سندھیا کا خیال ہے کہ نواب وزیر علی کو شہنشاہ شاہ عالم کی منظور می گورنر جنرل ہی کی بدولت حاصل ہوئی۔ اہل ہند تو یہ سمجھتے ہیں کہ شجاع الدولہ کو سلطنت کمپنی کی طرف سے بطور عطیے کے ملی تھی۔ اور ان کی نگاہ میں نواب وزیر کی حیثیت ایک تختانی نواب کی سی ہے۔ ان باتوں کے بیان کرنے سے میراد عاید ہے کہ وزیر علی نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اُس کا مقابلہ اُس کے پیشرو کے طرز عمل اور عوام کے خیالات سے کیا جائے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ آراؤدھ میں ہمارا اثر جاتا رہا تو سیاسی حلقوں میں ہماری کس قدر سبکی ہوگی۔“

اسی سلسلے میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ مجھے یہ معلوم کر کے سخت ندامت ہوئی کہ کمپنی کی شہرت کو میرے ایک ایسے فعل سے صدمہ پہنچا ہے جو تمام ذی مرتبہ

۱۹۹۷ء

لوگوں کے نزدیک محض نا انصافی پر ہی مبنی نہیں بلکہ کمپنی کے لئے باعث ذلت بھی ہے۔ ان خیالات کو اس دلیل سے نہیں مٹا جاسکتا کہ کمپنی نے وراثت کے فیصلے میں براہ راست مداخلت نہیں کی۔ اب تو وزیر علی کی مسند نشینی کی ذمہ داری کمپنی پر ہی ڈالی جاتی ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کی مرضی اور اعانت کے بغیر وہ اب اپنی مسند پر اب تک برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

سر جان شور آخر میں لکھتا ہے کہ میں اس امر سے بھی بخوبی واقف ہوں کہ وزیر علی کو باضابطہ طور پر نواب تسلیم کر لینے سے اور اس کی مصالحت آہستہ مرامت اور اس خط و کتابت سے جو میں نے بعد میں اُس سے کی ہے معاملے کی صورت بہت کچھ بدل گئی ہے لیکن میرے نزدیک پہلے اعتراض کے جواب میں تنخواہ کی وراثت کا مقدمہ بطور مثال کے پیش کیا جاسکتا ہے جس میں امر سنگھ کی گدی نشینی کے گیارہ سال کے بعد نظام کی منظور سی سے وراثت کا سوال اُٹھا یا گیا اور امر سنگھ کے خلاف فیصلہ کیا گیا۔ دوسرے اعتراض کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ مجھ سے کوئی بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے میں انصاف اور عوام کے مفاد کے مقابلے میں اپنے ذاتی احساسات کا لحاظ نہیں کر سکتا۔

(۱۶۳) مشاعرہ

اس کے بعد سر جان شور اپنی تمام دقتوں اور پریشانیوں کو پرزور الفاظ میں تحریر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ”معاذے پر بخوبی غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اول تو وزیر علی بلا شک و شبہ ایک فرائض کا بیٹا ہے، لہذا مسند پر اس کا کوئی حق نہیں۔ یہ فیصلہ تحریری واقعات مختلف خبروں، عوام کی رائے اور ان بیانات پر مبنی ہے جو اس کی بندیش کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی مسند نشینی کی تائید کرنے سے کمپنی کے نام پر ایسا حرف آئے گا جو شائے نہ منٹ سکیگا۔ یہی نہیں بلکہ اغلب یہ ہے کہ وہ ریاست کی تباہی اور کمپنی کے مفاد کی بربادی کا بھی موجب ہو گا۔

تیسرے عدل و انصاف اور کمپنی کی عزت و شہرت اور سیاسی مفاد کا اقتضا بھی یہی ہے کہ تحقیقی وارث کو مسند نشین کرایا جائے۔

لے فارسی زبان میں فرائض سے وہ لازم مراد ہے جو میر نصیب کرنے اور مکان کی صفائی اور سی قسم کے دیگر کام انجام دینے کے لئے رکھا

چوتھے۔ چونکہ آصف الدولہ کے تمام نام نہاد بیٹے ولد الحوام ہیں لہذا
 اودھ کی سند کو شجاع الدولہ کے خاندان میں منتقل کر دینا چاہئے۔
 پانچویں۔ وزیر علی کو معزول اور سعادت علی کو مسند نشین کر دیا جائے۔
 اس فیصلے کے بموجب گورنر جنرل نے فوراً وزیر علی کی معزولی اور سعادت علی
 خاں کی مسند نشینی کا انتظام کیا۔ برطانوی فوج جمع کی گئی اس کی قوت اور نواب مذکور
 کی عام ناپسندیدگی کی وجہ سے یہ کام بہ آسانی انجام پا گیا۔
 سرجان شوریہ نے معاہدے کا سب ذیل مسودہ مسٹر جیری کے پاس اس
 ہدایت کے ساتھ بنارس روانہ کیا کہ اسے سعادت علی خاں کی منظوری کے لئے پیش
 کیا جائے۔ سعادت علی خاں اس وقت بنارس میں ہی مقیم تھا۔

لے اس معاہدے سے تین ٹیس دنغات تھیں۔ ریاست کی حفاظت کپینی کے ذمہ کی گئی جس کے
 معاوضہ میں سعادت علی خاں سے چھتر لاکھ روپیہ سالانہ کا مطالبہ کیا گیا۔ اگر اس
 کی کوئی قسط مقررہ وقت پر ادا نہ ہو تو اودھ کا ایک علاقہ جس کی آمدنی دس لاکھ
 سالانہ ہو کپینی کے حوالہ کیا جائے اور جب تک کہ جملہ رقوم ادا نہ ہو کپینی اس پر قابض
 رہے۔ اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ نواب سعادت علی خاں ان تمام مصارف کو
 بھی ادا کرینگے جو کپینی انہیں مسند نشین کرانے میں برداشت کرے گی۔ الہ آباد کا اہم قلعہ
 کپینی کے حوالہ کیا جائے اور اس کی مرمت کے واسطے آٹھ لاکھ روپیہ کا وعدہ کیا جائے
 اور تین لاکھ روپیہ قلعہ فتح گڑھ کی مرمت کے واسطے بھی دیا جائے۔

دس معاہدہ کی رو سے یہ بھی قرار پایا کہ آئندہ سے ریاست اودھ پور سے طور سے
 کپینی کی حفاظت میں رہے گی۔ اور نواب صاحب منصب اس کی حفاظت پر مجبور نہ کریں گے۔
 لہذا وہ ریاست کے اندرونی انتظام کے لئے سینتیس ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار فوج
 سے زیادہ رکھنے کے مجاز نہ ہونگے۔ کپینی کو اختیار ہوگا کہ وہ ریاست کی معقول حفاظت
 کی غرض سے جس جگہ مناسب سمجھے اپنے افواج رکھے۔ اس طور سے اس چھاؤنی تبدیل کرنے
 میں جو مصارف ہوں وہ بھی نواب وزیر ادا کریں۔ کپینی کا فوجیں جو ریاست میں رکھی جائیں گی
 ان کی تعداد بعد میں سین تیس ہونگی لیکن اگر کسی وقت ان کی تعداد بارہ ہزار سے زائد ہو جائے تو

۱۶۹ (۱۷۹۸ء)

گورنر جنرل نے اس سلسلے میں چیری کو جو ہدایات روانہ کئے ان سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے اس معاملہ میں کوئی تنظیمی فیصلہ کر لیا تھا جس پر وہ عمل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ ”ممکن ہے کہ میں نے سعادت علی خاں کے موافق جو فیصلہ کیا ہے اس میں اب بھی کوئی تبدیلی ہو جائے۔ اس نے سعادت علی خاں سے درخواست کی کہ جو معاہدہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اسے آپ فوراً بلا کسی شرط یا پس پیش کے تسلیم کر لیں یا اسے قطعاً رد کر دیں اسی خیال سے اسے رزیدنٹ کو ہدایت روانہ کی کہ نواب صاحب کو بتلادیا جائے کہ جس شکل میں معاہدہ روانہ کیا گیا ہے اسی شکل میں اس کی تکمیل ہوگی۔ کیونکہ حالات زمانہ کے لحاظ سے اس میں نہ تاخیر کی گنجائش ہے اور نہ بحث کی۔ سعادت علی خاں نے گورنر جنرل کی پیش کردہ شرائط فوراً قبول کر لیں اور چیری کو یقین دلایا کہ اگر اسے سند نشین کرادیا گیا تو وہ نہایت پابندی اور وفاداری سے ان سب کی تکمیل کرے گا۔ اس معاہدہ سے کمپنی اور اودھ کے سیاسی تعلقات چند اہم معاملات میں بالکل بدل گئے۔ اس کی رو سے ریاست کی حفاظت کمپنی کے ذمہ ہو گئی ریاست کی قوت کم کر دی گئی اور اس کے ذمہ اب صرف پولیس کا کام باقی رہ گیا۔ اودھ والی فوج کے مصارف کے لئے رقم میں جو اضافہ کیا گیا تھا وہ اس کے زمانہ کے لئے کافی تھا اور اگر ریاست کی حفاظت کی غرض سے کسی وقت اس فوج میں اضافہ ضروری ہو تو معاہدہ کی ایک مخصوص دفعہ کی رو سے نواب کو مزید مصارف کی ادائیگی کے لئے بھی جو اس اضافہ سے لاحق ہوں ذمہ دار قرار دے دیا گیا تھا۔

۱۶۹ (۱۷۹۸ء)

بقیہ ماشہ صفحہ گذشتہ۔ نواب وزیر محض ان کے حقیقی معارف ماہ ماہ ادا کرے گا۔
۱۷۹۸ء۔ مورخہ ۴ مئی جنوری۔

یہ دفعہ نہایت وسیع تھی لیکن بدیہی طور پر اس کا مقصد یہ تھا کہ کپہنی نے اپنی فوجوں سے نواب کی سلطنت کی حفاظت کرنے کا جواب لکھیے لکھیے لیا ہے اس میں کسی قسم کے نقصان کا انبیشہ نہ ہے، اس دفعہ کی شرائط نہایت صاف اور مکمل تھیں اور معاہدے کے اصول کے مطابق برطانوی حکومت کو تنہا اس بات کا حق تھا کہ وہ یا اندازہ کرے کہ بیرونی خطرات سے ریاست کو محفوظ رکھنے کے لئے فوج میں کس قدر اضافہ کی ضرورت ہے اس اصول کی تائید صاف طور پر دوسری شرائط سے بھی ہوتی ہے جس کی رو سے نواب وزیر بغیر برطانوی حکومت کی اجازت یا علم کے بیرونی طاقتوں، جگر ریاستوں سے تعلقات رکھنے یا کسی قسم کی مداخلت کرنے کا مجاز نہ تھا اس شرط سے صاف ظاہر ہے کہ نواب کو ان معاملہ میں کسی قسم کی رائے دینے کا حق نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۷۹۵ء

سعادت علی کے فیصلے کا علم ہونے سے قبل ہی گورنر جنرل نے پیر چری کو ہدایت بھیجی کہ اگر نواب صاحب مجوزہ شرائط منظور کر س تو انھیں فوراً کاپور روانہ ہو جانا چاہیئے۔ وہاں ان کی مسند نشینی کے لئے انتظام کیا جائیگا اور اگر وہ انھیں قبول نہ کر س تو انکو تیار دیا جائے کہ اگرچہ میں اودھ کی مسند پر ان کا حق تسلیم کرتا ہوں تاہم انھیں بدویہ جنگ کے خطرے کو اس وقت تک سونپ نہیں لے سکتا جب تک کہ اس خطرے کی مناسبت سے کپہنی کو اپنے سیاسی مفاد کی ترقی کی توقع نہ ہو۔ گورنر جنرل کی خواہش کے مطابق سعادت علی فوراً کاپور چلیے اور وہاں سے یورپی فوج کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ پہنچا دیئے گئے اور وہاں ۱۲ جنوری ۱۷۹۵ء کو ان کی نوابی کا اعلان کر دیا گیا۔

مسند نشینی کے بعد برطانوی حکومت کا ان سے ایک اور معاہدہ ہوا جو چند باتوں میں اس معاہدے سے مختلف تھا جس پر انھوں نے ہارس میں دستخط کئے تھے۔ دواہم دفعات جن میں سے ایک کا تعلق ریاست کی آئینہ حفاظت سے تھا جسے کپہنی نے اپنے ذمے لے لیا تھا اور دوسری کا اس حفاظت کے معاہدہ کی ادائی سے تھا جو نواب کے ذمہ تھی۔ اصولاً بدستور قائم رہیں۔ البتہ ان کی چند ذیلی شرائط میں تبدیلی کر دی

گئی۔

اس معاہدے میں سعادت علیجاں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ وزیر علی کے لئے بطور وظیفہ کے مقرر کیا۔ وزیر علی کو رز جنرل کی جمع کی ہوئی فوج سے مرعوب ہو گیا اور چونکہ تمام جماعتیں اس سے علیحدہ ہو گئیں تھیں اس لئے وہ اس انتظام کی مخالفت نہ کر سکا۔ اس کے بعد وزیر علی کو بنارس پہنچا دیا گیا۔ سر جان شور نے طے کیا کہ وہ بنارس میں سکونت اختیار کرے۔ اور وہاں آرام سے رہ کر اپنا مقررہ وظیفہ خرچ کرے۔

(۱۶۰)

(۱۶۱)

سابق معاہدہ کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ آدھ میں کمپنی کی فوج کبھی دس ہزار سے کم نہ ہوگی۔ نواب نے وعدہ کیا کہ اگر کسی وقت اس فوج کی تعداد تیرہ ہزار سے زائد کرنے کی ضرورت ہو تو معینہ تعداد سے زیادہ کے حقیقی مصارف ادا کرینگے۔ اور اگر بلحاظ ضرورت کسی وقت کمپنی کی فوج آٹھ ہزار سے کم ہو تو انھیں حق حاصل ہوگا کہ جو تعداد اس طرح کم ہو اس کے حقیقی مصارف وہ چتر لاکھ سالانہ کی رقم میں سے (جو انھوں نے کمپنی کو دینے کا وعدہ کیا تھا) کم کر لیں۔

اس معاہدہ میں نواب نے اپنی گدی نشینی کے مصارف کے لئے بارہ لاکھ روپیہ دینے کی رضامندی ظاہر کی۔ سابق معاہدے کی ایک دفعہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ اگر اقتصاد پابندی سے نہ ہوں تو کمپنی کو ریاست کے کسی علاقہ پر قبضہ کرنے کا حق حاصل ہوگا اور لکھنؤ والے معاہدے کی ایک دفعہ سے نواب کی فوج کی تعداد میں کمی گئی تھی اب ان دونوں دفعات کے بجائے یہ قرار پایا کہ اقتصاد کے ناکھ ہونے کی صورت میں نواب اپنے بقایا کی رقم کے لئے اور آئندہ پابندی سے اقتصاد ادا کرنے کے واسطے ایسی معقول ضمانت پیش کریں گے جو انگریزی حکومت کے نزدیک قابل اطمینان ہوگی۔ نیز یہ بھی طے ہوا کہ مددگار فوج کا معاوضہ بڑھ جائے اور ریاست کی آمدنی بد دیگر مستقل بار پر بڑھانے کے باعث نواب اپنے غیر ضروری مصارف اور ملازموں میں مناسب تخفیف کریں تاکہ جملہ مصارف آمدنی سے نہ بڑھنے پائیں ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ نواب اس مسئلے میں کمپنی کی حکومت سے مشورہ کریں گے اور اس کی رائے سے تخفیف کے اصول اور انھیں عمل لانے کے تدابیر پر غور کریں گے۔

مکھنسی و طیفی کی سنامن بنی اور اس کی معرفت ہی اس کا ادا کیا جانا قرار پایا۔
 اس جگہ اس اہم خطرہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے
 ہندوستان اور خصوصاً نواب وزیر کی سلطنت میں بد امنی
 واقع ہونے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ
 گورنر جنرل نے اس زمانے میں نواب اودھ سے جو معاہدہ

لاہور پر افغانستان
 کا حکم ۱۸۱۹ء

کیا اس میں ایک بڑی حد تک اس خطرے کا اثر بھی شامل تھا۔
 زان شاہ والی کابل جو تیمور شاہ کا بیٹا اور مشہور ابدالی کا پوتا تھا ۱۸۱۷ء
 میں لاہور تک آپہنچا۔ شمالی ہند کے مسلمانوں کے سرکش طبقہ میں اس کی آمد کی
 خبر سے خوش پھیل گیا اور ان کے حوصلے بڑھ گئے۔

چونکہ ایک سبک رفتار فوج لاہور سے دہلی میں پہنچ سکتی ہے۔
 اس لئے دہلی پر حملے کا خوف ہوا۔ عام خیال یہ تھا کہ چونکہ شاہ مذکور کا تیمور کے شاہی
 خاندان سے رشتہ منسوب تھا اس کا حقیقی مقصد اس خاندان کے گروے ہوئے
 اقتدار کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس وجہ سے اسے اس طبقے کی پوری ہمدردی حاصل
 ہوگئی۔ اور مرہٹوں میں جو اس موقع پر اس قدر بڑے حملے کے مقابلے کے
 لئے قطعی تیار نہ تھے یہ یقینی پھیل گئی۔

شاہ افغانستان کی نقل و حرکت اور مرہٹوں کی کمزوری کی وجہ سے
 برطانوی حکومت نے اس خطرے کے مقابلے کے لئے تیاری کرنا مناسب
 تصور کیا۔ اگرچہ یہ یقینی خطرہ نہیں تھا تاہم اس سے چشم پوشی بھی نہیں کجاسکتی
 تھی۔

(۱۸۰۰) کا پتہ اور فتح گڑھ کی فوجوں کی تیاری کا حکم دیدیا گیا۔ اور اس بات کا انتظام
 کر دیا گیا کہ جس جگہ بھی ان فوجوں کی ضرورت پیش آئے انھیں فوراً روانہ کیا جاسکے۔
 تران شاہ کو اپنے ایک بھائی کی بغاوت کی وجہ سے اپنی سلطنت کو
 واپس ہونا پڑا اور اس کی مراجعت سے تمام خطرہ رفع ہو گیا لیکن جس آسانی
 سے زان شاہ لاہور پہنچ گیا تھا اس سے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ سکھوں
 کی طاقت یا ان کے اتحاد پر مطلق بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقی واقعات

اور دیگر ذرائع سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس قوم میں ایسی پھوٹ ہے جسکی وجہ سے نہ وہ کسی موقع پر متحد ہو سکتی ہے اور نہ افغانوں کے خلاف جن کے آئندہ حملے کا اس واقعہ سے بہت زیادہ امکان ہو گیا تھا حد فاصل کا کام دیکھ سکتی ہے۔

سر جان شور نے اپنے مراسلے مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۱۹ء میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ زماں شاہ اپنے ساتھ جو فوج لاہور لایا تھا اس کی تعداد تینتیس ہزار سے زائد نہ تھی اور اس میں سب کے سب سوار تھے اسلئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس موقع پر اس کا مقصد ہندوستان پر حملہ کرنے کا نہیں تھا۔ یہ ہم محض تجربہ کے طور پر کہی گئی تھی اور اس سے وہ آئندہ حملے کے لئے اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

(۱۸۱) ۱۸۱۹ء

اس کے ساتھ ہی گورنر جنرل کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر زماں شاہ بڑھا چلا آتا تو وہ ضرور دہلی پہنچ جاتا کیونکہ مرہٹوں میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اور وہ بہت خوف زدہ تھے۔ اس کا بیان ہے کہ مرہٹوں نے بعد میں کچھ معقول فوج جمع کر لی تھی اور شاہ کے اخراج کے لئے کبپنی سے اتحاد کرنیکی درخواست بھی کی تھی ممکن تھا کہ اس فوج سے وہ دہلی پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لئے اس سے ایک جھڑپ کر لیتے یا اس کی مراجعت کے وقت اسے کسی قدر نقصان پہنچا لیتے لیکن اسے آگے بڑھنے سے روکنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔

ان خیالات کی بنا پر سر جان شور اس واقعہ کے نتائج پر غور کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ نواب وزیر علی کی ریاست پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

افغانوں کے حملہ کا
اودھ پر اثر

وہ لکھتا ہے کہ شمالی ہند میں ”بیشمار قسمت آذنا لوگ ایسے موتوں کی تاک میں رہتے ہیں یہ لوگ یا تو محض لوٹ مار کی غرض سے شاہ کی فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں یا اس کے حملے سے فائدہ اٹھا کر خود ہر قسم کی زیادتیاں کرنے لگتے“

غلام قادر خاں کے بھائی بھبھو خاں نے بوریا گھاٹ کے قریب ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی اور یہ مشہور کر دیا تھا کہ مجھے زماں شاہ سے اس کے متعلق

احکام وصول ہو چکے ہیں، اُس نے رام پور کے متعدد روہیلہ سرداروں کو شرکت کے لئے خطوط لکھے اور بجز ایک تنہا مثال کے سب سرداروں نے اس واقعہ کو نظر انداز کرنا سے پوشیدہ رکھا۔

سرجان شہر لکھتا ہے کہ اس واقعہ سے جو معنی اخذ کئے جاسکتے ہیں انہیں بحث کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ریلوں کی طبیعت کا خوب اندازہ ہو گیا ہے اور ہم وہ فوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جب کبھی انھیں موقع ملے گا وہ بغاوت کر بیٹھیں گے۔ اور اگر زراں شاہ دہلی پہنچ جاتا تو اُس کے لئے یہ نہایت ہی اچھا موقع ہوتا ضلع فرخ آباد کے پٹھان اگرچہ اسنے آزاد نہیں تاہم سرکشی اور غارتگری میں وہ بھی ان سے کم نہیں۔ اور اگر زراں شاہ ان کے شہر تک پہنچ جاتا تو بجز کہنہ کی قوت کے کوئی دوسری طاقت نواب وزیر کی ریاست کو بدامنی سے محفوظ نہیں رکھ سکتی تھی۔ میرا تو خیال ہے کہ ساری ریاست پر فراق چھا جائے۔ کچھ عرصہ کے لئے مالدارانہ می کی وصولیابی قطعی بند ہو جاتی۔ اور اگر اس کا جلد تدارک نہ کیا جاتا تو عام بغاوت کا علم بلند ہو جاتا۔

اسی سلسلے میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس موقع پر حکومت آدھ کی نااہلی اور اس کی فوج کی کمزوری کا مزید ثبوت مل گیا۔ الماس کی فوجیں تو غنیمت تھیں لیکن ریاست کی باقی افواج بلا تخصیص بجائے مدد کے برطانوی فوج کے لئے بائراگراں ثابت ہوئیں۔ اور سخت تائیدوں اور دھمکیوں کے بغیر نواب وزیر سے بھی کسی قسم کی جدوجہد پاسا مان رسد کی فراہمی کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

ان واقعات کی بنا پر سرجان شہر صحیح نتیجہ نکالتا۔ ہے کہ برطانوی حکومت کو اپنے مفاد کی خاطر شاہ افغانستان کے آئندہ ارادوں کی طرف سخت توجہ کرنی چاہیئے اور اس خیال کو پیش نظر رکھ کر وہ اس کے آئندہ حملے کے امکان پر بحث کرتا ہے۔

۱۸۵۷ء (۱۸۵۷ء) وہ لکھتا ہے کہ میرے نزدیک زراں شاہ موجود اپنے تمام ارادوں کے اس قسم کے حملے کا غالباً خیال نہیں کر سکتا۔ تاہم ممکن ہے کہ اس کے بلند حوصلے دربار دہلی کی منتوں اور غلط بیانیوں سے مشتعل ہو جائیں اور وہ اپنے دادا کی

تعلیق کر کے شمالی ہند کو مشرقوں کے تسلط سے پاک کرنے یا اپنے سابق ناکام حملے کی ذلت کو مٹانے یا سکھوں سے جنھوں نے اس کی مراجعت کی وقت اس پر حملہ کر دیا تھا اپنی شکست کا انتقام لینے کی غرض سے مشرق کی طرف فوج کشی کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ اسی مراسلے میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ”جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے عام رائے یہ ہے کہ زماں شاہ راست شمالی ہند پر حملہ کرے گا اور پہلے پنجاب پر اپنا تسلط جانے کا خیال نہیں کرے گا۔ یہ خیال کتنا ہی بعید از امکان کیوں نہ معلوم ہو لیکن اس کی نوعیت ایسی ہے کہ اسے قطعی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سترخان شور کی یہ رائے ہرگز نہیں تھی کہ زماں شاہ کے ارادوں کو نہ دکنے کے لئے کوئی ایسا انتظام کیا جائے جس کے لئے روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ مرہٹوں نے خوف زدہ ہو کر کپنی سے اتحاد کی جو درخواست کی تھی اس کے متعلق بھی اسے بھی یہ طے نہیں کیا تھا کہ یہ مسلک کپنی کے لئے کس حد تک مفید ہوگا اور آیا کپنی اور اس کے حلیف نواب وزیر کے مفاد کی خاطر مرہٹوں سے اتحاد کرنا یا انھیں ان کی قسمت پر چھوڑ دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ گورنر جنرل کے نزدیک یہ مناسب تھا کہ ہندوستان میں اس قوم کی طاقت کم ہو جائے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی جگہ زماں شاہ کہیں ان سے زیادہ تو خطرناک ثابت نہ ہوگا۔ اگر زماں شاہ دہلی آہو چکا تو نواب وزیر کے لئے بڑی وقتوں کا سامنا ہوگا۔ اور اگر افغان اس کی ریاست پر حملہ کریں تو بھی وہاں امن قائم رکھنے کے لئے خاص جدوجہد درکار ہوگی۔ اس سلسلے میں گورنر جنرل کو روہیلوں کی طرف سے بڑا خدشہ تھا اور اُس نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ اگر اس قوم کے چند برگزیدہ اشخاص کو جبراً بطور ضمانت کے گرفتار کر لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان تمام باتوں کا اندیشہ ضرور تھا۔ کابل اور قندھار کے شمالی قبائل کو ہمیشہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کا شوق رہا ہے اور ان کے باہمی تنازعات کی وجہ سے ان میں جو کمزوری رہتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری وجہ انھیں اپنے اس ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ انکے سے دیکر جنناک ملک کی حالت ایسی ہے کہ کوئی

(۱۸۴۱ء)

چیز بھی انکے آگے بڑھنے میں مانع نہیں ہو سکتی۔ ان جوشیوں کو اپنی طاقت پر مبالغہ آمیز ناز ہے۔ اور ان کے بزرگ ہندوستانیوں کو ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں لہذا وہ ان دقتوں کے خیال سے کبھی حملے سے باز نہیں آ سکتے جو ان کے آباد اجداد کو پیش آ چکی ہیں اور جن پر وہ ہمیشہ حادی آتے رہے ہیں۔ اور نہ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی صحیح طاقت کا اندازہ کر کے وہ اپنے ارادوں کو ترک کر دیں گے اول تو انھیں اس کے متعلق صحیح خبر ملنا ہی ناممکن ہے اور اگر انھیں اس کا علم ہو بھی گیا تو وہ اپنی بھدی سمجھ اور اپنے دشمنان غرور کی وجہ سے ان فوجوں کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے جن کی تنظیم کے اصول ان کے اصولوں سے قطعی مختلف ہیں۔

سرجان مشور کی رائے تھی کہ ان کے حملے سے مسلمان سرداروں میں شتمال پھیلنا ضروری ہے اور اگر افغان ان سے مل گئے تو مرہٹوں کو ان کا پسپا کرنا دشوار ہوگا اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ انھیں اپنی ان باقاعدہ فوجوں پر بھروسہ کرنا پڑے گا جن میں زیادہ تر ہندوستانی اور فرانسیسی شامل ہیں۔ ان لوگوں کو مرہٹوں سے کوئی خاص بدردی نہیں محض اپنی عارضی اغراض کی بنا پر وہ ان سے ملے ہوئے ہیں اور اس خیال کے لئے کافی تمغائش ہے کہ کتاں شاہ کو اسلامی سلطنت قائم کرنے کی غرض سے جو اس کا خاص مقصد ہے ان فوجوں کو رشوت دیکر غدار ہی پر آمادہ کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی اور ان فوج والوں کا ایک آقا کو چھوڑ کر دوسرے کی ملازمت اختیار کرنے سے کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ ان کے افسروں کو اپنی حالت سنبھالنے کے علاوہ اپنے بلند حوصلوں کو بجا کرنے کے مواقع حاصل ہوئے اور برطانوی حکومت کی ترقی کے خلاف ان کے جوار و سے جس اُن کی تکمیل کے لئے تو اس طرح انھیں خاص طور پر مقتول ذرائع مل جائیں گے۔

مجموعی حیثیت سے ان تمام واقعات پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ شاہ افغانستان کے حملے سے جو خوف برطانوی حکومت اور اُس کے عیلموں کو ہوگا اُسکی مدافعت کے لئے مرہٹوں کی طاقت پر کافی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات بھی بعید از ممکن نہیں ہے کہ دولت راہِ سندھ بھیا کی فرانسیسی فوجیں جتنکے

سپرہ شمالی ہند کی حفاظت کیجائے گی وہ زماں شاہ سے ملجانے میں اپنا فائدہ دیکھیں
اگر فرانسیسی زماں شاہ سے نہ ملے اور اُن کے سپہ سالار نے ہمت سے کام کیا۔
اور اپنی فوج اور اپنے وسائل سے جو اُسے حاصل ہیں ہوشیار می سے کام لیا
اور زماں شاہ کو شکست دیدی تو خود اُس کی نیز اُس کی جماعت کی شہرت بڑھ
جائے گی اور فرانسیسیوں کے اثر اور اُن کی طاقت میں اس قدر غیر معمولی اضافہ
ہو جائیگا کہ وہ بہت جلد مرہٹوں اور افغانوں سے زیادہ خطرناک ہمسایہ ثابت ہونگے۔

۶۷۹۷ (۱۸۷۷)

یورپی غنیمتوں کے
خلافت مہمات

سر جان شور کے دور حکومت میں ہندوستان سے چند
مہمات یورپین غنیمتوں کے مشرقی مقبوضات کے خلافت
روانہ کی گئیں لیکن یہ سب در اس سے بھیجی گئیں اور وہاں
کے گورنر لارڈ ہارٹ کی مستعدی اور قابلیت اور شاہی

بیزے کے امیر الیجر آڈیرل رینیر کی پرورش اعانت کی بدولت برطانوی حکومت
نے جزائر لنکا اور ملاک کے ولندیزی مقبوضات اور بانڈا واسٹیاٹا کے دولت خیز
جزائر کی تسخیر مکمل کر لی۔ ان سے بھی زیادہ اہم مہمات کی تیاریاں فرانسیسیوں کے
مقبوضات مارٹینیٹ اور ہسپانیوں کے مقبوضات مینی لاس کے خلافت کی گئیں
تھیں لیکن یہ مکمل ہو سکیں۔ سب سے اولہ میں آخر الذکر مقام کے خلافت ایک فوج
روانہ کی گئی اور وہ پینیاٹک کے خاص بندرگاہ تک پہنچ بھی گئی لیکن یورپ
سے کچھ ایسی خبریں وصول ہوئیں کہ اُن کے بعد ٹیپو سلطان کے روپے اور
ہندوستانی ریاستوں کی عام حالت کو پیش نظر رکھ کر حکومت فورٹ سینٹ جانج
نے اس مہم کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس مدت میں سر جان شور کو لارڈ ٹینڈن کا خط
مل گیا تھا اور وہ اوائل میں انڈیا میں
روانہ ہو گیا۔ سر جان شور کے جائزہ لینے وقت
ہندوستانی سلطنتوں کی حالت

Amhava ۷

Malacca ۷

Admiral Rainier ۷

Telengouta ۷

Penang ۷

Manilla ۷

Manritins ۷

مختلف ہندوستانی ریاستوں کی جو حالت تھی اس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہ معلوم کرنا کارآمد ہو گا کہ اس کے دور حکومت میں ان ریاستوں میں کس قسم کے تغیرات پیدا ہوئے اور ان کے کیا اسباب تھے اور اس کے واپس جانے کے بعد ان کی کیا حالت رہی۔

میسور | ٹیپو سلطان کی خاصانہ روش میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے وسائل بڑھائے تھے اور وہ مرہٹوں اور فرانسیسیوں اور وربار حیدر آباد کی برگشتہ جماعت سے سازش کرنے میں مشغول تھا۔ (۱۸۸)

حیدر آباد | حیدر شاہ دکن کی شہرت اور طاقت میں کمی ہو گئی تھی۔ انھیں اب مثل سابق برطانوی حکومت پر کوئی بھروسہ نہ تھا۔ انھوں نے انگریزی حکومت سے اخلاص و اتحاد قائم کر لیا جو خواہش کی تھی وہ محض فوری مفاد یا منفعت کی خاطر نہ تھی بلکہ ان کا مقصد انگریزوں سے تعلقات بڑھا کر اپنی سلطنت کی فلاح و بہبودی اور خوشحالی کا مستقل انتظام کرنا تھا لیکن ان میں انھیں باپوسی ہوئی اور لارڈ کارنوالس نے اپنے ذہانی وعدوں سے انھیں جو امیدیں دلائی تھیں وہ ختم ہو گئیں۔ اس طور سے مجبور ہو کر انھوں نے فرانسیسی جماعت کا اثر قبول کیا جو اپنی ساخت اور نوعیت کے لحاظ سے برطانوی حکومت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھی۔

سندھیا کی سلطنت اور عدم مداخلت کے مسلک کے نتائج

اس زمانہ میں دولت رائے سندھیا کی طاقت نہایت خطرناک طریقے پر بڑھ رہی تھی۔ مرہٹوں کی سلطنت میں وہ ہر لحاظ سے برگزیدہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس لئے پیشوا کی آزادی کا خاتمہ کر دیا تھا اور اب پیشوا سندھیا کے دربار کے ایک معمولی عہدہ دار کی نگاہ میں پڑنا

کے شہر پر پڑائے نام حکومت کر رہا تھا۔

لارڈ کارنوالس کی واپسی کے وقت دکن کی جو حالت تھی وہ اس انقلاب سے بالکل بدل گئی تھی۔ پونا کی فوج اور اس کے وسائل پر اب اس سردار کا اختیار تھا جو انگریزی حکومت کا دشمن مشہور تھا اور سندھیا کے بلند حوصلوں۔ اس کی

سلطنت کے حدود۔ اسکی باقاعدہ فوجوں کی تنظیم۔ اور ان فوجوں کے کمانداروں کے اصولوں سے سمات ظاہر تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن کمپنی کے علاقے پر حکم کر دے گا۔

برطانوی حکومت کو ایسے چند موقعے پیش آچکے تھے جن کا وہ اٹھا کر وہ متدینا کی زبردست طاقت کو بڑھنے سے روک سکتی تھی یا اس خاندان سے اتحاد کر کے اس بات کا انتظام کر سکتی تھی کہ اس کی طاقت و قوت سے کمپنی کے خلاف کام نہ لیا جائے۔

پونامیس سندھیا کے تسلط قائم ہونے سے قبل ہی نانا فرنیس کو اس کی روز افزوں طاقت سے حسد پیدا ہو گیا تھا اور اسنے ہری پنت کی معرفت لارڈ کارڈواس کو پیشوا سے معاہدہ کر کے لئے پیغام بھیجا تھا لیکن جب لارڈ مورائے پیشوا کی موت کے بعد دولت رائے سندھیا پونامی فرنیس کو اس کا حسد خوف و ہیبت سے مبدل ہو گیا۔ اس موقع پر نانا فرنیس مرہٹوں کی سلطنت کے اس خاندان کی آزدی برقرار رکھنے کی غرض سے جس کا پوتا سے تعلق تھا انگریزوں سے ہر قسم کا معاہدہ کرنے کے لئے بخوشی آمادہ ہو جاتا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ برطانوی حکومت کی مداخلت اس کے اس مقصد کو برپا کرتی رہتی۔

کمپنی کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ پیشوا کی گدی کے لئے جو تنازعہ درمیش تھا اس کا وہ خاطر خواہ فیصلہ کر دیتی اور اپنی طاقت اور اپنے اثر کے زور سے فریقین کو اس فیصلے پر مجبور بھی کر لیتی اور اس طرح کمپنی کی غیر جانبداری سے عوام کے مفاد کو جو صدمہ پہونچنے کا اندیشہ تھا وہ بھی رفع ہو جاتا اور کمپنی کی شہرت میں بھی بہت کچھ اضافہ ہو جاتا۔

مادھوجی سندھیا نے کئی مرتبہ برطانوی حکومت سے مدد کی خواہش کی تھی اور ایک موقع پر وہ امدادی فوج بھی لینے کے لئے آمادہ تھا۔ اس کے جانشین دولت رائے نے بھی کئی مرتبہ یہی خیال ظاہر کیا تھا اور غالباً وہ اپنی نگہداشتی کمپنی کے موقع پر یا اس وقت جبکہ وہ باجے رائے کی مدد کے لئے پونامی

(۱۸۹) سنہ ۱۷۹۹ء

(۱۹۰) سنہ ۱۷۹۰ء

روانہ ہو رہا تھا یا اُس وقت جبکہ افغانوں کے حملے کی خبر تھی اور اُسے اپنی سلطنت کے لالے پڑے ہوئے تھے ایک ایسے معاہدہ کے لئے آسانی آمادہ ہو جاتا جس کی رو سے فرانسیسی طاقت کو جو اس کے یہاں اپنا اثر اور رسوخ قائم کر رہی تھی علیحدہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن عدم مداخلت کے مسلک کی وجہ سے جو حکام کمپنی نے انگلستان میں بنا دیا تھا اور جس کی پابندی گورنر جنرل سختی سے کر رہا تھا نہ تو یونان کے انقلاب میں تغیر پیدا کرنے کی کوشش ہوسکی اور نہ اس پر کوئی اثر ڈالا جاسکا۔ اور نہ سندھیا کے خاندان سے تعلقات بڑھانے کی کوئی تدبیر ہوسکی۔ اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ اُس وقت یہ بھی تسلیم کیا جاتا تھا کہ کمپنی کی اس غیر جانب داری سے برطانوی حکومت کے مفاد گنگے لئے سخت مضر نتائج پیدا ہوں گے۔

(۱۹۱)

۹۷۹

عدم مداخلت کے مسلک کے جو حامی ہیں انھوں نے بارہا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ پارلیمنٹ نے ہندوستان کی حکومت کے لئے جو قانون نافذ کیا ہے اس کا صحیح فائدہ محض اسی ایک طریقہ سے پورا ہو سکتا ہے لیکن اس بات کا یقین کرنا اگر ناممکن نہیں تو کم از کم دشوار ضرور معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت کے قانون سازوں نے جب اپنی عقل سے کام لے کر کمپنی کے حوصلوں پر قیود عاید کئے تھے اور فتوح و ملک گیری کے مسلک کو ممنوع قرار دیا تھا تو ان جن قانونی اصطلاحات میں اس مدعا کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے لفظی معنی کچھ ہی ہوں (اُن کا منشاء یہ تھا کہ اُن کی ہندوستانی حکومت کو ترقی کی راہ میں جو خطرات پیش آئیں اُن کی مداخلت کا اُسے کوئی اختیار نہ رہے اور ایک ایسی بڑی مملکت کے لئے ایک نامطلق حکم صادر کیا جائے کہ وہ اپنے ہمسایوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ یا بالفاظ دیگر برطانوی حکومت کو اُس تمام طاقت و اقتدار سے محروم کر دیا جائے جو خود اُس نے اپنی عقل و ہمت سے حاصل کیا تھا اور جو درحقیقت ملک میں امن و امان قائم رکھنے کا بہترین و مناسب ترین ذریعہ تھا اس طریقہ عمل کا سر جان شور کے دور حکومت میں خوب امتحان ہو گیا۔ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے نہایت صدق دلی اور دیانت داری

(۱۹۲)

۶۱۶۹۸

سے اس بات کی کوشش کی کہ اس کا ہر کام قانون کے مطابق اور اُس کے اعلیٰ احکام کی مرضی کے موافق ہو اور ہر موقع پر اس نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور دیرینہ تجربہ کو ان حکام کے احکام کی تعمیل میں صرف کیا۔ اس امتحان کا نتیجہ ان سب اشخاص کے لئے جن کا برطانوی حکومت ہند سے تعلق رہے خوب سبق آموز ہے۔ اس دور کے واقعات سے یہ بخوبی ظاہر ہو گیا کہ کوئی سیاسی مفاد ایسا نہیں جسے کہنی چھوڑ دے اور اس کے دشمن اُسپر قابو نہ پالیں۔ ذاتی اثر و اقتدار سے دست بردار ہونا صرف طاقت و قوت ہی کو ہاتھ سے کھو دینا نہیں بلکہ اُسے برطانوی حکومت کے دشمنوں کے ہاتھ میں دیدینا ہے۔ سیاسی معاملات میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔ گورنر جنرل صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ اُس کے دور میں بجز سعادت علی کی مسند نشینی کے کوئی اہم کام ایسا نہیں ہوا جسکی انجام دہی پر وہ مجبور ہوا ہو۔ حکومت کے معاملات کو ایک خاص حالت پر رکھنے کے بجائے جو اس مسلک کا خاص مقصد تھا یہ نتیجہ نکلا کہ برطانوی حکومت کی ترقی تو رگ گئی۔ اور اس کے مہنائے آگے بڑھ گئے اور ان کے انقلابات سے اُس کے لئے خطرات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور حالات و واقعات کی تبدیلی کے لحاظ سے اُسے کسی خاص مسلک کے اختیار کرنے کا حق باقی نہ رہا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔

چھ سال کے کامل امن کے رمانے میں نہ تو برطانوی ہند کی سلطنت کو کوئی خاص تقویت پہنچی اور نہ اس کے استحکام میں اضافہ ہوا۔ برخلاف اسکے ایک لحاظ سے وہ معرض خطر میں آگئی۔ اگرچہ برطانوی حکومت کی طاقت میں کوئی خاص کمی نہیں ہوئی تھی تاہم دیگر ہندوستانی ریاستوں کی طاقت و ذرائع میں اضافہ ہو گیا تھا۔ حلیفوں کے اعتقاد و اعتبار کا اگر خاتمہ نہیں ہوا تو اس میں بہت کچھ کمی ضرور ہو گئی تھی۔

(۱۹۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے فرمانرواؤں کے خیالات اور خواہشات جذبات سے صاف ظاہر تھا کہ برطانوی حکومت کے اس طریقہ عمل کو اس کی

اعتدال پسندی پر محمول نہیں کرنے تھے بلکہ اُسے اُس کی خاص کمزوری یا خود غرضی پر مبنی تصور کرتے تھے۔

اس عدم مداخلت کے مسلک سے برطانوی مقبوضات ہند کے لئے جو خطر پیدا ہو گئے تھے اور اُس کے دشمنوں کو اس سے جو فائدہ پہونچا تھا اس کا صحیح اندازہ تو کچھ مدت تک نہ ہو سکا، لیکن جنہیں واقعات کا علم تھا وہ سر جان شور کی واپسی کے وقت باوجود ظاہری امن کے کمپنی کو خطرے کے غالی نہیں سمجھتے تھے۔ اور کرۂ ارض کے اس حصے میں برطانوی مقبوضات کو جن متعدد خطرات سے اندیشہ تھا اُن کا حکام انگلستان کو بھی احساس تھا۔ وہ ان سب خطرات سے خوف زدہ تھے اور انہوں نے بالآخر اپنے اس خوف کا اظہار بھی کیا۔

چوتھا باب

مارکوس ویلزلی کا دور حکومت

(۱۹۲) **شاہد اعظم ہندوستان** لارڈ ٹیننڈتھ کی جگہ برطانوی ہند میں مارکوس ویلزلی برسر حکومت آیا۔ اس باوقار شخص کو اپنے ذاتی اعزاز اور اپنی داغی قابلیت کے سبب سے ان اہم خدمت کی بجا آوری میں جو اس کے سپرد کئے گئے تھے بہت سی سہولتیں حاصل تھیں۔ ۲۶ مارچ ۱۸۵۷ء کو وہ ہندوستان پہنچا۔ کچھ ارض کے اس حصے میں برطانوی معاد اس زمانے میں بنایت نازک حالت میں تھا۔ ٹیپو سلطان کی محاصرت پیرس اور سازشیں تقریباً مکمل ہو چکی تھیں۔ شہر یاروکن اور سندھیا کے دربار میں فرانسسی جماعت اپنا سکہ جما چکی تھی۔ دربار پونہ بالکل سندھیا کے رحم و کرم پر تھا۔ راجہ برار بھی جو ایک زمانے سے برطانوی عروج و زوال کو حاسدانہ نظر سے دیکھتا تھا اب علی الاطلاق مخالف سمجھا جاتا تھا۔

ریاست اودھ کی حکومت میں جو تبدیلیاں کی گئیں تھیں اور ان سے جو اشتغال پیدا ہو گیا تھا اس میں اب تک کوئی کمی نہیں ہوئی تھی اور وہاں امن قائم رکھنا جدید فرما زندہ سعادت علی خاں کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ برابر اپنے خوف کما اظہار کر رہا تھا اور چونکہ برطانوی حکومت نے مداخلت کر کے اسے مسند نشین کرایا تھا لہذا اپنی حکومت کی اعانت و حفاظت کے لئے وہ برابر اسی سے مدد طلب

کر رہا تھا۔

کرناٹک کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی لارڈ کارنوالس کے معاہدے میں ترمیم کرانے کی سب سے سود کو ششوں سے عہدۃ الامرا خفا ہو گئے تھے اور اپنی ریاست کی آمدنی قبل از وقت حاصل کرنے کی غرض سے مختلف علاقے سود خواہانوں سے حوالے کئے جا رہے تھے اور ایسے زمانے میں جبکہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ریاست کی حفاظت کے لئے روپیہ کی سخت ضرورت پیش آنے والی تھی اس کے وسائل اس طرح تباہ ہو رہے تھے۔

(۱۹۶) ان مشکلات کے علاوہ ولندیزیوں کے مشرقی مقبوضات اور جزیرہ لنکا کی تسخیر کی غرض سے حسب ضرورت ایک معقول فوج تیار کرنی پڑی جس کی وجہ سے مالی حالت کمزور ہو گئی تھی۔ ساحل کارومنڈل کی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ اب تک اس مہم پر تھا۔

لارڈ ویلزی کو بنگال پر پہنچتے ہی ٹیپو سلطان کی ایک صریح خاصانہ حرکت اور حیدرآباد میں فرانسیسی جماعت کی زبردست سازشوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی اگرچہ اسے ان اہم معاملات پر فوراً اسے قائم کرنی پڑی تاہم اس نے ان فریب آمیز سیاسی جانوں سے کام لیا جو عموماً فوری خطرات سے عارضی نجات حاصل کرنے کے لئے اختیار کی جاتی ہیں اور جن پر بعد میں وہ کہے مستقل استحکام کو نثار کر دیا جاتا ہے۔ اس نے کل معاملے کو اچھی طرح سمجھ لیا اور اول ان تدابیر پر غور کیا جن کی واقعات کے لحاظ سے فوری ضرورت تھی نیز ساتھ ہی برطانوی مقبوضات ہند کی حالت پر ایک وسیع نظر ڈالی اور اپنے مسلک کے ان اصول کو دعیان میں لیا جو اس کے نزدیک ملک کی خوشحالی اور مستقل امن کے لئے ضروری تھے بعد ازاں اس نے اپنی حکومت کے ہر شعبے میں آنکھیں جاری کیا اور ساتھ ہی ساتھ فوری خطرات کی مداخلت کے لئے تدابیر اختیار کیں۔

قبل اس کے کہ ویلزی کے دور کے واقعات بیان کئے جائیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان عام حالات پر غور کیا جائے جن کی بنا پر اس نے اپنا مسلک طے کیا تھا۔ اس لئے کہ جلاسی تدابیر کے لئے اول ان واقعات

و حالات کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے جن کی بنا پر پہلے پہل وہ اختیار کی گئیں کیونکہ ایسی تدبیروں کے قرین مصلحت اور معتدل اور مبنی بر انصاف ہونے کا صحیح معیار وہ واقعات و حالات ہی ہو سکتے ہیں۔ جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو صد ہا قسم کے واقعات ایسے پیش آجاتے ہیں جن کا نہ پہلے سے و ہم و گمان ہوتا ہے اور نہ جن پر کسی طرح عبور حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ جن کے خلاف کوئی حفظ یا تقدم کی تدبیر ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

ٹیپو سلطان کے خیالات و جذبات کا خوب اندازہ ہو گیا تھا۔ اس میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ ہر ایسی سازش میں شرکت کرنے کے لئے نہایت ذوق و شوق سے تیار تھا جس کا مقصد برطانوی حکومت ہند کا تختہ الٹنا ہو جس حد تک کہ واقعات سے پتا لگتا تھا فرانسیسی اپنی سازشوں میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم تھے انھوں نے جو ذرائع حصول مقصد کے لئے اختیار کئے تھے وہ بوڈے ضرور تھے اور جس اتحاد کی وہ فکر میں تھے اس کا عمل میں آنا بھی بدشوار تھا تاہم یہ سب باتیں ایسی نہ تھیں کہ انھیں حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے اس زمانے میں فرانسیسی افراد نے حیدر آباد اور سندھیا کے خاص خاص فوجی ذرائع پر قابو پا کر ان دونوں کے درباروں میں اپنا جو اثر قائم کر لیا تھا۔ اس سے بجا طور پر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ جب کبھی فرانسیسی کوئی سازش کریں گے تو ان لوگوں کی جلدی سے انھیں نہایت معقول مدد ملے گی۔ اس بات میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ افراد بھی اپنے ملک والوں کی تدابیر کو کامیاب بنانے میں سرگرم تھے اور ان کے اثر و اقتدار کا جو حال اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے بجا طور پر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انھیں اپنی مرضی کے موافق کام کرنے کے لئے معقول ذرائع بھی حاصل تھے۔

(۱۶۱)

اس زمانے میں دیگر حالات بھی ٹیپو سلطان اور فرانسیسیوں کے مطلب کے موافق تھے۔ لارڈ کلاؤنس اس نے ٹیپو کی ہوس اور اولوالعزمیوں کے روکنے کی غرض سے جو اتحاد دہلائے قائم کیا تھا اس کا خاتمہ سر جان شور اپنے عدم مداخلت کے مسلک سے کر چکا تھا اور جن واقعات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ان سے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر ٹیپو سلطان سے جنگ چھڑی تو دربار حیدر آباد و پونہ انگریزوں کا ساتھ

دینے کے بجائے ان کے خلاف ہی کام کرینگے۔
 اس موقع پر دولت راؤ سندھیا کا شمالی ہند سے غائب ہونا برطانوی مفاد کے لئے اتنا ہی مضر تھا جتنا کہ اس کا یونہی قیام کرنا کیونکہ جب تک وہ دکن میں مقیم تھا پیشوا کی طاقت اگر معدوم نہیں تو اس کی محکوم ضرورت تھی۔ علاوہ انہیں اس کے پاس فرانسیسی افروں کی کمان میں ایک زبردست پیادہ فوج موجود تھی اور اس فوج کے سپہ داروں کے قومی جوش اور سندھیا کی اولوالعزمیوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس بات کا امکان نظر آتا تھا کہ برطانوی حکومت سے اس کی ایک جھڑپ ضرور ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ خوف بھی لگا ہوا تھا کہ اگر سندھیا کی غیر موجودگی میں زمان شاہ نے شمالی ہند پر حملہ کر دیا تو اس علاقے کی حفاظت کا بورا بار کمپنی پر پڑ جائے گا۔ سندھیا کی سلطنت کی غیر محفوظ حالت کی وجہ سے اسی وقت اس خطے کا امکان اور بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

۱۹۹

ان حالات میں لارڈ اولیونڈی نے ٹیپو سلطان اور فرانسیزیوں کی سازشوں کا خاتمہ کرنے اور برطانوی حکومت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کی غرض سے چند سیاسی اصول قائم کئے ان مقاصد کے حصول کے لئے اس نے جو ذرائع اختیار کئے ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ ٹیپو کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کئے بغیر اس کی اور فرانسیزیوں کی جدوجہد کے خلاف معقول انتظام ہو جائے گا اور جنگ لازم آنے کی صورت میں کامیابی بھی یقینی طور پر حاصل ہوگی۔

حیدرآباد کے دارالہبائہ عظیم الامرا یونہی سے واپس ہو چکے تھے وہ انگریزوں کے موافق اور اپنی فوج کی فرانسیسی جماعت کے دل سے مخالف تھے تاہم فریکینی کی مدد کے وہ اسے برخاست بھی نہیں کر سکتے تھے اور یہ مصلحت اس کی مقتضی تھی لہذا جب تک کہ انگریزوں کی اعانت حاصل نہ ہو تو اور مرہٹوں کی دست درازیوں کے خلاف معقول انتظام نہ ہوتا وہ اپنے آقا کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے شہر یار دکن کو فرانسیسی افواج کی غلطی کی رائے نہیں دے سکتے تھے۔

نومریشوا اپنے راؤ بھی اس وقت دولت راؤ سندھیا کی غلامی سے

(۲۰۰) نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور برطانوی حکومت کی مداخلت کا خواست نگار تھا۔ پونہ کے ریڈنٹ نے اپنی تحریر مورخہ یکم جون میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "برطانوی افواج کے پہنچتے ہی پونہ میں پیشوا کا اقتدار دوبارہ قائم ہو جائے گا اور پیشوے جو حلقہ کر دیا ہے اُس کی وجہ سے سندھیا کو ہماری فوجوں کی نفی کی حرکت پر کچھ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا اور نہ اُس کی اس دقت یہ حیثیت ہے کہ وہ ہمارا مقابلہ کر سکے۔"

لارڈ ویلزلے کے
خیالات

ہندوستان کی اصلی حالت یہ تھی جسکا لحاظ کر کے ویلزلے نے جدید مدافعہ معاہدوں کے ذریعہ سے حیدر آباد اور پونہ کی امداد حاصل کرنے کا ارادہ کیا یا بالفاظ دیگر یہ انتظام کیا کہ ان سلطنتوں کی طاقت و قوت اور ان کی آمدنی کے وسائل برطانوی حکومت کے خلاف استعمال نہ ہو سکیں۔ اُس نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب تک ان مقاصد کے حصول کے لئے خط و کتابت جاری رہے اور جس حد تک کہ اُس کی حکومت کی حفاظت و عزت اُسے اجازت دے میو سلطان کے ساتھ اعتدال سے کام لیا جائے۔ اُسے اس امر کا بھی یقین تھا کہ اگر اُسے دربار حیدر آباد اور پونہ میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو گئی تو برطانوی حکومت کو ایک ایسی غیر معمولی حیثیت حاصل ہو جائے گی کہ خود میو سلطان اُس کے خلاف اپنی تمام کوششیں بے سود تصور کر لے گا اور بالآخر اپنا رویہ بدل دے گا اور فرانسیسی حلیفوں کو چھوڑ دے گا اور اپنے مقبوضہ علاقے پر تفتاح کر کے (اور اپنے حقیقی مفاد کا لحاظ کر کے) انگریزوں اور ان کے حلیفوں سے تعلقات قائم کرے گا۔

(۲۰۱) مذکورہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ جن خیالات کی بنا پر ویلزلے نے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا وہ جس قدر اعتدال و انصاف پر مبنی تھے اسی قدر وسیع اور صحیح بھی تھے اور اس نے یہ طریقہ محض مدافعہ طور پر اور امن و امان قائم کرنے کی غرض سے اختیار کیا تھا کہ نہ حرص و طمع اور ملک گیر کی ہوس سے۔ لارڈ ویلزلے کے زمانے میں جو اہم سیاسی واقعات پیش آئے ان کا جب مختصر ذکر کیا جائے گا تو یہ بات اور بھی زیادہ صاف ہو جائے گی۔

اگرچہ اُس کی آمد کے وقت دربار حیدر آباد کے حالات برطانوی مفاد کے خلاف تھے لیکن چند واقعات ایسے پیش آ گئے تھے جن کی وجہ سے ویکٹری کو اپنی کارروائی میں کامیابی کا یقین ہو گیا تھا۔ عظیم الامراء کے یہ عروج کا زمانہ تھا اور وہ ہر ایسے معاہدے کے لئے آمادہ تھے جس کی بدولت حیدر آباد کو مزید بڑھنے کی درست درازیوں اور حلوں کے خلاف جن سے حیدر آباد کی طاقت کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا آئندہ کے لئے نجات مل سکے۔ چونکہ اُن کی اسیر کی زمانے میں اُن کے حریفوں نے یثوب سے سخت سازشیں کی تھیں لہذا وہ سلطان مذکور کی جد و جہد اور اس کے حوصلوں سے بھی بہت کھینکتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے تجربے کی بنا پر اس امر سے بھی خوب واقف تھے کہ فرانسیسی سپہ داروں کی کمان میں جو فوج بے اُس سے سلطنت کی فوجی طاقت میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ ہو جائے وہ حیدر آباد کو اُن حلوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جن کا کہ ہمیشہ اندیشہ لگا رہتا ہے ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ مزید براں وہ اس بات سے بھی غافل نہ تھے کہ اگر اس فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا اور اُس کی تنظیم اعلیٰ پایہ پر کی گئی تو اس سے برطانوی حکومت کو حسد ہوگا اور اس طور سے ممکن ہے کہ علانیہ طور پر اُس کے مفاد سے تصادم ہو جائے اور دربار حیدر آباد کو ہندستان کی اُس تنہا طاقت سے بھی جنگ کرنی پڑے جو معقول طریقے سے اس کی حفاظت کر سکتی ہے اور اُس کے اقتدار کو سنبھال سکتی ہے۔

ان خیالات کی بنا پر عظیم الامراء اس وقت انگریزوں کے ان مراسلوں پر التفات کرنے کے لئے آمادہ تھے جن میں انہوں نے حیدر آباد سے تعلقات بڑھانے کی خواہش ظاہر کی تھی اور چونکہ ان کے نزدیک حیدر آباد کو تمام خطرات سے بچانے کا بہترین ذریعہ یہی تھا اس لئے وہ خود بھی اس بات کے خواہاں تھے کہ اس سلطنت کے انگریزوں سے قریبی تعلقات قائم ہو جائیں لیکن ایسے اتفاق کے نقصانات پر حادی آنا اُن کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ شہر یار دکن یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ فریقین کی طاقت و قوت میں اس قدر زیادہ فرق ہے

حیدر آباد سے
مراسلت اور معاہدہ

سے بچانے کا بہترین ذریعہ یہی تھا اس لئے وہ خود بھی اس بات کے خواہاں تھے کہ اس سلطنت کے انگریزوں سے قریبی تعلقات قائم ہو جائیں لیکن ایسے اتفاق کے نقصانات پر حادی آنا اُن کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ شہر یار دکن یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ فریقین کی طاقت و قوت میں اس قدر زیادہ فرق ہے

کہ ان کی حکومت آئندہ اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے کلیتہً برطانوی حکومت کی محتاج ہو جائے گی۔ عظیم الامراء نے اسے تسلیم کیا لیکن اس کا یہ جواب دیا کہ ایسی طاقت پر بھروسہ کرنا جس کے قول و قرار پر اعتبار ہو اور جس کی قوت ہماری حفاظت کے لئے کافی ہو مرہٹوں کے لامتناہی مطالبات اور میو سلطان کے زبردست حملوں اور اولوالعزمیوں کے شکار بننے رہنے سے بہتر رہے۔

(۲۰۳)

علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں سلطنت حیدر آباد ان مملکتوں میں سے کسی ایک سے اتحاد قائم کئے بغیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔ لہذا دانشمندی اس میں ہے کہ ایسی سلطنتوں کی برائے نام دوستی کے مقابلے میں جن کا مقصد محض ملک گیری اور غارت گری ہو اور جن کے متعلق بارہا یہ تجربہ ہو چکا ہو کہ وہ اپنے قول اور معاہدوں کی کبھی پابندی نہیں کر سکتی ہیں اس حکومت کے تعلقات کو ضرور ترجیح دینی چاہیے جو ہماری حفاظت بھی کر سکے اور امن و امان کی نعمتیں بھی مہیا کر سکے۔ بالآخر فرما کر دئے دکن کے شہزادے و تردوات ان دلائل سے رفع ہو گئے اور انھوں نے فرانسیسی افواج کی علیحدگی اور انگریزوں کی امدادی فوج میں اضافہ کرنے کے متعلق کمپنی سے مراسلت کرنے کی اس شرط پر اجازت دے دی کہ برطانوی حکومت سلطنت حیدر آباد کو مرہٹوں کے ناانصافانہ مطالبات سے محفوظ رکھنے کا صریح وعدہ کرے۔

جن واقعات کی وجہ سے گورنر جنرل کو حیدر آباد سے تعلقات بڑھانے کی فکر ہوئی تھی وہ اتنے اہم تھے اور برطانوی مقبوضات کی بقا کا ان پر اس قدر مدار تھا کہ اس وقت وہ یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اس مسلک کا دربار پونہ پر کیا اثر پڑے گا۔ واقعات کا لحاظ کرتے ہوئے فرانسیسی افواج کی علیحدگی اور دربار حیدر آباد میں انگریزوں کا کامل اثر قائم ہو جانے کے مقابلے میں ان خیالات کی قطعی پروا نہیں کی جا سکتی تھی۔

(۲۰۴)

یہ نہایت اہم مقامات تھے کیونکہ ان کی بدولت ایک نادر وقت میں ان تمام خطرات کا جو اس وقت کمپنی کے مقبوضات کو درمیش تھے محض ازالہ ہی نہیں ہو جاتا تھا بلکہ کمپنی کو اس قدر ممتاز حیثیت حاصل ہو جاتی تھی کہ میو سلطان

غالباً اُس سے مرعوب ہو کر اپنی تمام مخاصمانہ سازشوں سے باز آجاتا اور اس انجام بد سے بچنے کی غرض سے جس کا کردہ اپنے افعال کی وجہ سے مستحق ہو گیا تھا بہت غلط مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

جب فریقین کے مفاد و اغراض اس اتحاد سے اس قدر زیادہ وابستہ تھے تو طبعاً سرے سے گرفت و شنید میں زیادہ دقتیں پیش نہیں آسکتی تھیں لہذا معاہدہ طے ہو گیا جس کی رو سے برطانوی فوج حیدرآباد میں مستقل کر دی گئی اور سابق معاہدے سے جو دو ٹائپین طے پائے تھے اُن میں چار کا اضافہ کیا گیا۔ شہر یاروکن نے وعدہ کیا کہ وہ فرانسیسی فوج کو اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیں گے اور جب سلطنت میں قیام کرنے والی جملہ انگریزی افواج دار الحکومت پہنچ جائیں گی تو فرانسیسی افسر بھی برطانوی حکومت کے حوالے کر دئے جائیں گے۔ دوسری طرف برطانوی حکومت نے وعدہ کیا کہ وہ غیر جانب داری اور انصاف کے اصول پر حیدرآباد اور پونہ کے تنازعات کو بحیثیت ثالث طے کرے گی اور اپنے فیصلے پر پونہ کی رضامندی حاصل کرے گی اور رضامندی حاصل نہ ہونے کی صورت میں وہ

(۲۰۵) حیدرآباد کو مرہٹوں کے نامناسب اور بیجا مطالبات سے محفوظ رکھے گی۔ فرانسیسی افواج کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ معاہدے میں اُس کی علیحدگی کے متعلق کوئی دفعہ شامل کرنا تو بجا سامان تھا لیکن اُس کی تکمیل بہت زیادہ وقت طلب معلوم ہوتی تھی لیکن اتفاق سے اس کی تکمیل کے لئے ایک نہایت اچھا موقع مل گیا۔ ریمنڈ جس نے یہ فوج ابتدا میں تیار کی تھی نہایت قابل شخص تھا اور اسے نہایت معقول اثر بھی حاصل تھا۔ معاہدہ طے پانے سے چند ماہ قبل اُس کا انتقال ہو گیا اور اُس کے جانشین کے انتخاب پر جھگڑا ہوا اور فوج میں تفاق پھیل گیا۔ اگرچہ

۱۷۷۹ء

۲۵ فوج کا معاوضہ بجائے شادون ہزار سات سو تیرہ (۵۷۱۳) روپیہ اہلہ کے دولاکھ ایک ہزار چار سو پچیس (۲۰۶۴۵) روپیہ اہلہ یا چوبیس لاکھ سترہ ہزار ایک سو (۲۴۱۷۱۰۰) روپیہ سالانہ قرار پایا۔

ظاہری طور پر اس کا فیصلہ ہو چکا تھا اور جنرل پیردون (Perron) اس کی جگہ مقرر ہو گیا تھا لیکن اس شخص میں اتنی قابلیت نہ تھی اور نہ اس کا اتنا اثر تھا کہ وہ کامیابی کی توقع کے ساتھ کوئی خاص طرز عمل اختیار کرتا جیسا کہ اس موقع پر ایک قابل سپہ سالار کو اپنی فوج کی علیحدگی کو روکنے کی لئے اختیار کرنا چاہیے تھا۔ فرانسیسی فوج کی حیدر آباد گورنر جنرل نے اس معاہدے کی تکمیل کرانے کے لئے جو ذرائع اختیار کئے وہ ایسے زبردست تھے اور ایسی پھرتی سے علیحدگی ۱۷۹۰ء کو کام لیا گیا کہ ان کی کامیابی میں کچھ مشہد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ فوج کی چار قبائلیں اور توپیں جو گفت و شنید کے دوران میں حیدر آباد کی سرحد چھو گئی تھیں فوراً حیدر آباد روانہ کر دی گئیں اور یہ فوجیں وہاں کے سابق دو قبائلیں سے جا ملے ان کے وہاں پہنچتے ہی معاہدے کی اس دفعہ کی تکمیل کا مطالبہ کیا گیا جس کے مطابق فرانسیسی افواج کی علیحدگی طے پائی تھی لیکن دربار حیدر آباد نے خواہ کسی سازش کی وجہ سے یا محض مرعوب ہو کر اس کی تکمیل میں پس و پیش کیا اور عظیم الملامت بھی جو کسی قدر کمزور واقع ہوئے تھے خود اپنی تجاویز کی تکمیل سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن برطانوی ریڈیٹ کے احتجاج کے بعد شہر باروکن اور ان کے زیردوڑوں نے اپنے معاہدے کی پابندی کا پاس کیا ریڈیٹ نے انھیں صاف الفاظ میں مطلع کر دیا کہ گورنر جنرل کے احکام کے بموجب ایسی حالت میں جبکہ معاملات اس حد تک پہنچ گئے ہیں وہ جلد شرائط کی پوری تکمیل کے علاوہ جو حیدر آباد نے برطانوی حکومت سے طے کی ہیں کسی اور بات پر راضی نہیں ہو سکتا اور ایسی حالت میں جب کہ فرانسیسی افواج کی علیحدگی کا فیصلہ مشہور ہو چکا ہے اسے قلیل سے قلیل مدت کے لئے بھی برقرار رکھنا کمپنی کے مفاد کے لئے سخت مضر ہوگا لہذا اگر اس معاملے میں پس و پیش جاری رہا تو مجبوراً انگریزی فوجوں کو فرانسیسی افواج پر حملہ کرنے کا

(۲۰۹)

۱۷ ستمبر ۱۷۹۰ء

۱۷ ستمبر ۱۷۹۰ء Major James Achilles Kirkpatrick

حکم دے دیا جائے گا اور اُس سے جو برے نتائج پیدا ہونگے اُن کی ذمہ داری دربار حیدر آباد پر ہوگی اور انہیں اس کی کمزوری اور بے وفائی پر محمول کیا جائے گا اس مسئلے کے ساتھ ہی فوجوں کے کوچ شروع کر دیا اور اس طرح ریزیٹنٹ کا

(۲۰۷) ۱۷ اکتوبر کی تاریخ سے ۲۲ تک فوجوں کی نقل و حرکت جاری رہی۔ چونکہ اس معاہدے کی تکمیل میں پابندی معاہدے سے زیادہ ان فوجوں کا دخل تھا اس لئے ان کا تھوڑا سا ذکر ضروری ہے۔ ۱۹ تاریخ کو کرنل رابرٹس کی چار ٹالین مع قوت خانے کے سوا حیدر آباد میں جا پہنچیں۔ اُسی دن فرانسیسی فوج کی چھ ٹالین اپنی چھاؤنی میں داخل ہوئیں۔ یہ دونوں فوجیں موسیٰ ندی کے دائیں کنارے پر مقیم تھیں۔ عظیم الامرا کو خوف ہوا اور غالباً اس خیال سے کہ ان میں آپس میں کہیں جھڑپ نہ ہو جائے یہ تجویز پیش کی کہ کرنل رابرٹس ندی کے بائیں کنارے پر چلا جائے۔ ریزیٹنٹ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ انگریزی فوج کی دو ٹالین کرنل ہندمن (Hyndman) کی کمان میں بائیں کنارے پر موجود ہیں اور وہ وہیں مقیم رہیں گی۔

۱۸ اکتوبر کی تاریخ سے ۱۹ تک بہرمن تدیر کی گئی اور معاہدے کی تکمیل سے بچنے کی بہرمن کو شش کی گئی۔ ذاب نظام علی خاں بابر اپنی حفاظت کے خیال سے حیدر آباد سے تھوڑے فاصلے پر منتقل ہو گئے فرانسیسی جماعت کے ساتھی بے شمار تھے۔ بائیکاہ کی فوج کو جس کے سپہ سالار فرانسیسیوں کے موافق تھا دارا حکومت پر کو برج کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب معاملے نے یہ رنگ اختیار کیا تو ۱۹ تاریخ کو ریزیٹنٹ نے وزیر سے ملاقات کی اور اُس کا یہ مشبہ کہ وزیر معاہدے کی اس دفعہ کی تعمیل سے جس کا تعلق فرانسیسی افواج کی علیحدگی سے ہے بچنا چاہتا ہے یقین کی حد تک پہنچ گیا لیکن اب یہ موقع چھپے مٹنے کا نہ تھا۔ فرانسیسی صفوں پر حملہ کرنے کا فوراً انتظام کیا گیا۔ کرنل ہندمن ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے وہ فرانسیسی فوج کے عقب پر گولہ باری کر سکتا تھا اور ضرورت کے وقت ایک

سخت مزب سے اُس کے گودام اور بارود خانے میں لگ بھی لگا سکتا تھا کرنل رابرٹس چند ایسے بلند مقامات پر قبضہ کرنے کے لئے تیار تھا جہاں سے وہ اُس فوج کے قلب پر حملہ آور

(۲۰۸) عزم ظاہر ہو گیا اور ساری کشمکش ختم ہو گئی۔ فرانسیسی فوجوں کو احکام روانہ کر دیے گئے کہ شہر یاروکن نے یورپی افسروں کو برخاست کر دیا ہے اور سپاہیوں پر ہتھیاری اطاعت لازم نہیں ہے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ ہو سکتا تھا۔ ان تمام تیاریوں سے جن کا مقصد اعزاز کرنل ہندسن کے کوچ سے ہو گیا تھا اور بار حیدر آباد کو واضح ہو گیا کہ بجز معاہدے کی تکمیل کے یا علانیہ طور پر فرانسیسی عہد کا ساتھ دینے کے اب کوئی چارہ نہیں۔ موجودہ حالت میں فرانسیسی تو پہچان نہ کر سکتا تھا اور ایک آدمہ وار ہی میں اس کا خاتمہ ہو جانا بعید از امکان نہ تھا حیدر آباد کی جن فوجوں کی اعانت پر اس جماعت کا اب مدار تھا وہ اس وقت تک شہر حیدر آباد میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ انگریزوں کا ارادہ تھا کہ ان کے پہنچنے سے قبل ہی حملہ شروع کر دیا جائے۔

اور عظیم الامور کا سارا پس پیش محض خوف کی وجہ سے تھا لیکن معاہدے کی عدم بجا آوری سے اب جو نتائج ظہور پذیر ہوئے ان کا خوف ان نتائج سے کہیں زیادہ تھا جو فرانسیسی فوج کی علیحدگی کی رونق کی تعمیل سے پیدا ہو سکتے تھے لہذا فرانسیسی افسروں کی ایک سخت علیحدگی کا حکم دیدیا گیا ان کی تعداد پینتالیس تھی۔ ان سب کو اسیران جنگ کی حیثیت سے انگریزوں کے حوالے کرنے کا حکم ہو گیا۔ فرانسیسی فوج کے سپاہیوں کو چار مختلف دستوں میں تقسیم کرنے اور انھیں بسندہستانی افسروں کی گمان میں رکھنے کی ہدایت ہوئی۔ جب یہ احکام فرانسیسی صفوں میں پہنچے تو سپاہی اور افسر دونوں میں سخت طوفان اور بغضی برپا ہو گئی۔ فرانسیسی سپہ سالار موسیو پرون نے رزیڈنٹ سے کہا بھیجا کہ علیحدگی کے احکام ملنے کے بعد سے اس کی ان دیگر افسروں کی خواہش ہے کہ وہ برطانوی حکومت کی حفاظت میں پہنچ جائیں اور انھیں اس سے اس رحم و کرم کی پوری توقع ہے جو تہذیب یافتہ قوموں کا شعار رہا ہے۔ اس کے جواب میں ان افسروں کو اطمینان دلا دیا گیا کہ ان کے ساتھ ہر لحاظ سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے گا۔ ۲۱ مارچ کو پرون نے درخواست کی کہ رزیڈنسی کے کسی عہدہ دار کو فرانسیسی جماعتوں میں بھیجا جائے تاکہ تمام سہ کار سی نیز ذاتی مال و اسباب اس کے حوالے کر دیا جائے۔ مدوگر رزیڈنٹ کپتان میلکام کو روانہ کیا گیا لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی بلوہ ہو گیا اور میلکام بھی باغیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ اس کی خوش قسمتی سے فوج میں چند سپاہی ایسے موجود تھے جو چار سال قبل کپنی کے انتہائی رسالے میں ملازم رہ چکے تھے

(۲۰۹) اور جو ان کی اعانت کرے گا وہ باغی تصور کیا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ اس فرمان کے ساتھ ہی برطانوی فوجوں کی دھمکی اور فرانسیسی جماعت کے باہمی نفاق کی وجہ سے اس فوج میں بلوہ ہو گیا، اس سے فوراً فائدہ اٹھایا گیا۔ حیدر آباد کی زبردست سوارہ فوج نے انگریزوں کی جملہ فوج سے مل کر فرانسیسی چھاؤنی کا محاصرہ کر لیا۔ جن سپاہیوں نے بلوہ کیا تھا ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں گے تو ان کی تنخواہ بھی ادا کر دی جائے گی اور انہیں ملازمت بھی ملے گی۔ تھوڑی عرصت کے بعد وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور اس طور سے کل فوج سے جس کی تعداد چودہ ہزار تھی اور جس کے پاس معقول توپ خانہ بھی تھا اور جس کے بارود خاصہ بھرے ہوئے تھے اور جس کے نوادام میں ہر قسم کا فوجی سامان موجود تھا ہتھیار ڈالوا لئے گئے اور ایک جان بھی ضائع نہ ہونے پائی۔

اس اہم سیاسی معاملے کی یہ مختصر تاریخ ہے جس حکمت عملی سے سب کام چلے دیا گیا تھا اور جس تیزی اور چستی سے اس کی تکمیل کرائی گئی اس سے برطانوی حکومت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ اور محض تنخواہ کے احصائے کے لالچ سے فرانسیسی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ اپنے سابق افسر کو مصیبت میں دیکھ کر ان کی وفاداری نے جوش کیا اور انھوں نے کوشش کر کے اس کی جان بچائی اور سیلکام نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اس کے ساتھ ریڈیٹنسی میں چلیں اور ان سے محض معافی کا ہی نہیں بلکہ انعام و ترقی کا بھی وعدہ کیا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہمارا مقصد محض آپ کی جان بچانا تھا۔ اور پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مل گئے۔

۲۱ کی تمام رات اور تمام دن ایک عام اتھری بریاد ہی اور ادھم مچا رہا۔ پیرون اور تقریباً تمام یورپی افسر سچ کرات کو انگریزوں کے خیموں میں پہنچ گئے۔ ان کی حفاظت کا جو انتظام کیا گیا اور جو سلوک ان کے ساتھ ہوا اس سے کم از کم اس وقت تو ان کے تمام غاصبانہ خیالات فروکش ہو گئے۔ ۲۲ کو تیر کو دن نکلنے ہی فوج کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کرنل رابرٹس نے اپنے اعداؤں اور خوبی انتظام سے شام تک اس کثیر تعداد اور باقاعدہ اور مسلح فوج سے ہتھیار ڈالوا لئے اور ایک جان تک ضائع نہ ہونے دی۔

کے حربوں میں خوف اور اس کی رعایا اور حلیفوں میں خوشی ہوئی اور مزید غنا و پیدا ہو گیا۔ اس قسم کے خیالات سے ویلزلی کو آئندہ اپنے کاموں میں کامیابی حاصل کرنے میں معقول مدد ملی۔

اسی مدت میں اور اسی تیزی سے حیدرآباد کی طرح دربار پونہ میں بھی معاہدے کے لئے کارروائی جاری رہی لیکن وہاں اس کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوا حیدرآباد میں جو کارروائی کی گئی تھی اس کی اطلاع باضابطہ طور پر پیشوا کو کر دی گئی تھی لیکن اس فرما زوانے خواہ اپنے کمزور مشیروں کی صلاح سے یا دولت راؤ سندھیا کے اثر سے برطانوی حکومت کو اپنے اور دربار حیدرآباد کے معاملات میں ثالث تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی۔

دربار پونہ سے
مراسلت اور نمائندگی

سندھیا شمالی ہند سے غائب اور دکن میں مقیم تھا۔ اس طرح برطانوی حکومت کو اس سے جبراً نقصان پہنچ رہا تھا لہذا کمپنی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہاں سے پونہ چھوڑنے پر مجبور کرے نیز شمالی ہند میں اس وقت انگریزی فوج کی جو طاقت و قوت تھی اور اس علاقہ میں سندھیا کی جو کمزور حالت تھی اس سے ظاہر تھا کہ اگر برطانوی حکومت چاہتی تو اس کے درخیز ترین علاقوں پر برہم آسانی قبضہ کر لیتی لہذا انگریزوں نے اس موقع پر اس کا جو لحاظ کیا اس میں نہ کسی غلط فہمی کی گنجائش تھی اور نہ اس میں کوئی خاص مقصد پنہاں تھا اس کا مطلب صاف نمایاں تھا۔

اس زمانے میں سندھیا کے دربار میں کسی قدر تبدیلی ہوئی اور ایک موقع پر اس بات کی توقع ہو گئی تھی کہ پونہ میں جو بحریف جاری ہے اس کا خاطر خواہ فیصلہ ہو جائے گا لیکن اس میں مایوسی ہوئی اور کچھ گنت دشمنی کے بعد جس میں پیشوا کی طرف سے کمزوری اور التواء کا اظہار ہوتا رہا اور سندھیا اپنی سازش کے ساتھ دو غلے بن سے کام لیتا رہا۔ برطانوی حکومت نے مجبوراً سلطان کے خلاف کارروائی شروع کر دی اور ان دونوں سرداروں میں سے کسی ایک سے بھی خاطر خواہ

سمجھوتہ نہ ہو سکا بلکہ اس بات کا شبہ ہو گیا کہ اس وقت ان کا (اور خصوصاً سندھ کا) رجحان زیادہ تر ضمیمہ سے مل جانے کا ہے۔

(۲۱۲) اب ہم ان واقعات پر بحث کریں گے جن کی وجہ سے میو سلطان سے جنگ ہوئی اور مارکوٹس ویلزلی نے اس موقع پر نیز جنگ چھڑنے سے قبل جو طرز عمل اختیار کیا اس پر بھی غور کریں گے۔

لارڈ کارنوالیس نے میو سلطان سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے بعد ہی سے سلطان کے سہرغل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ برطانوی حکومت سے سخت انعام لینا جانتا ہے اور اس سے اخلص پیدا کرنے اور اسے منانے کی جو مسلسل کوششیں کی گئیں ان سے اس کے انتقامی جذبے میں بجائے کمی کے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ حیدر آباد میں اس نے ہوساڈنٹیں کیں پونہ - باریشس - کابل اور ترکی کو اپنے جو سفیر اس نے روانہ کئے وہ سب اسی مخالفت کے نتائج تھے۔ برطانوی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ کرنا اس کا خاص مقصد تھا اور وہ ہمیشہ اسی ادھیڑ میں لگا رہتا تھا۔ اگرچہ اس کے خیالات اور ارادوں کا انکشاف بہت پہلے ہو چکا تھا اور اس سے برطانوی مفاد کو سخت نقصان پہنچنے کا بھی اندیشہ تھا تاہم (ویلزلی کی آمد سے قبل) اس سے علانیہ مخالفت کی کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ لارڈ ویلزلی کے آنے کے بعد ہی والی انڈ (Wynad) کے سرحدی تنازعہ کے متعلق اس سے مراد ہوئی لارڈ موصوف نے اس موقع پر اس کی فوجوں کی نقل و حرکت کو نظر انداز کیا اور تنازعات کو آپس میں بنہایت نرم و صلح آمیز بنانا کھیلنے کے لئے پیش کئے۔ اس طور سے سلطان کو انگریزوں کے خلاف کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملا اور درحقیقت اس نے کبھی کوئی شکایت کی بھی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے خطوط میں برابر کمپنی کے طرز عمل پر اطمینان اور اس کی دوستی پر کامل اعتماد ظاہر کرتا رہا تھا۔

(۲۱۳) ان واقعات کے بعد گورنر جنرل کو یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ سلطان کے سفیر جزیرہ فرانس پہنچے ہیں اور وہاں ان کی مرضی اور شرکت سے میو کی ملازمت میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے اعلان شائع کیا گیا ہے اور اس اعلان میں بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ سلطان عفریب فرانسسی حکومت سے مل کر انگریزوں پر حملہ کرنے

والا ہے۔ اس مخلصیت پر علانیہ طور سے احتجاج کرنا نامناسب اور قبل از وقت خیال کیا گیا اور جب پہلی مرتبہ اس کی خبر ملی تو اس کے باور کرنے میں بھی تاثر ہوا۔ گورنر جنرل نے یہ مناسب سمجھا کہ صبر سے اس کی تحقیقات کی جائے اور جب تک کہ اس کے ثبوت میں مواد فراہم نہ ہو کسی قسم کی کارروائی نہ کی جائے حتیٰ کہ احتیاط کے خیال سے دفاعی تدابیر بھی نہ اختیار کی جائیں۔

ان تحقیقات کے نتائج کو لارڈ دلیوزلی نے اپنے مراسلے میں وضاحت سے بیان کیا ہے اور سلطان کے سفیروں کا جزیرہ فرانس پہنچنا اور ان کی جملہ کارروائی کی پوری کمینیت وہ مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کرتا ہے۔
 ٹیپو نے اپنے دو سفیر روانہ کئے جو راستے میں منگور اترے اور وہاں سے اودا فر جزیرہ مشرق میں جزیرہ فرانس پہنچے۔

(۲۱۴) نورد آوسٹ (Port Nord Oust) کے بندرگاہ میں داخل ہوئے ہی انہوں نے ٹیپو سلطان کا جھنڈا بلند کیا۔ فرانسیسی حکومت نے علانیہ اور باضابطہ طور پر ان کا نہایت شاندار طریقے سے استقبال کیا اور وہاں وہ سرکاری مہمان ہوئے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے قبل نہ تو فرانسیسیوں کو کسی طرح ٹیپو کی مدد کرنے کا خیال تھا اور نہ انہیں یہ خبر تھی کہ وہ کمپنی کے خلاف جنگ کرنے والا ہے۔

ان کے پہنچنے کے دوسرے دن ایک اشتہار شایع کیا گیا جس کا مضمون تقریباً وہی تھا جو سرکاری اعلان کا تھا۔ اکثر مقامات پر یہ اعلان چسپاں کر دیا گیا اور پھر اس کی فوراً اشاعت ہو گئی۔ ایک شخص ترکی لباس میں منگور سے ان سفیروں کے ساتھ ہو لیا تھا۔ یہ شخص غیر معمولی طور سے فرانسیسی و انگریزی زبان نہایت صحیح دتیر بولتا تھا۔ وہ نہایت قابل اور ذہنی علم شخص تھا۔ ہندوستان کی اکثر زبانیں بھی جانتا تھا۔ وہ بصرے میں عبداللہ کے نام سے، سورت میں دریش کے نام سے اور جزیرہ فرانس میں طلہاش کے نام سے مشہور تھا۔ بنگال میں بھی

وہ کچھ مدت رہا تھا اور وہاں بھی طلّاش ہی کے نام سے مشہور تھا۔ سفیروں نے سرکاری اعلان کی قطعی مخالفت نہ کی بلکہ علانیہ طور پر اور صاف الفاظ میں انھوں نے بھی یہی بیان کیا کہ ہندوستان میں عنقریب برطانوی مقبوضات کے خلاف ایک اقدامی جنگ ہونے والی ہے ان کی قیام گاہ سے بھی اشتہارات تقسیم ہوئے اس پر بھی انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ طلّاش کی گفتگو کسی قدر گول بول اور نائل بہ احتیاط تھی لیکن اُس کا بھی خلاصہ یہی تھا۔ ان سب باتوں سے وہاں عام خیال یہ پیدا ہو گیا کہ بیرونی مقبوضات پر عنقریب حملہ کرنے والا ہے اور یہ خبر اس قدر زیادہ مشہور ہو گئی کہ جو لوگ اس وقت جریدہ فرانس سے ہندوستان پہنچے اور جنہوں نے یہ واقعات بیان کئے ان کا خیال تھا کہ انکے یہاں پہنچنے سے قبل ہی یورپ سے جنگ چھڑ گئی ہوگی لیکن ان سب نے متفقہ طور پر یہی بیان کیا کہ یورپ کے ان تمام خیالات کا وہاں خوب مضحکہ اڑایا جا رہا ہے۔ فرانسیسی حکومت نے سفیروں کی موجودگی ہی میں اعلان کی تعمیل شروع کر دی اور انھوں نے سلطان کی طرف سے وعدے کر کے حکومت کو رضا کاروں کی فراہمی میں مدد دی۔ ان سفیروں نے یہ بھی کہا کہ جتنے آدمی بھی فراہم ہو سکیں انھیں روانہ کر دیا جائے اور رضا کاروں کی بھرتی میں انھیں وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ اعلان کے مقاصد اور شرائط کے بموجب سفیروں کی مدد سے ستوائس اور پچاس سپاہی ٹیموں کی ملازمت کے لئے فراہم کئے گئے۔ ان افسروں میں سے نہ تو کسی کو فوجی تجربہ حاصل تھا اور نہ ان میں کوئی خاص قابلیت تھی۔ سپاہی جویرے کے ذیل ترین طبقے کے آدمی تھے۔ ان میں چند تو اپنی مرضی سے بھرتی ہوئے تھے اور کچھ جیل خانے سے نکال کر جہاز پر لادے گئے تھے اور چند حبشی اور درختے تھے یہ تھی وہ فوج اور اُس کے رضا کار جن سے سفیروں نے سلطان کی طرف سے معاہدے کئے۔

مرارج مشہور کو سفیر یہ فوج اپنے ہمراہ لے کر فرانسیسی خلی جازیریہ نوڑ (Preneuse) پر روانہ ہوئے اور اپنے اسی مقصد کے لئے مرید رضا کار حاصل کرنے کی غرض سے انھوں نے علانیہ طور پر بوربن جانے کا خیال ظاہر کیا۔

(۲۱۵)

(۲۱۶)

گورنر جنرل کا بیان ہے کہ محض سفیروں کے پونچنے سے جزیرہ فرانس میں اس قسم کا اعلان کیا گیا۔ اُن کے نابول سے اشتہارات تقسیم کئے اور جو کچھ ان اشتہاروں میں درج تھا اُس کی لفظ بہ لفظ آنھوں نے اپنے بیانات سے تائید کی اور بالآخر اُن کی اعانت اور شرکت سے اُس کی تعمیل ہوئی۔

”اعلان کی عبارت ہی سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سفیروں نے اُس کی خاص خاص شرائط سے کامل اتفاق کیا۔ اُس میں جو خاص خاص باتیں درج تھیں وہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:-

ٹیپو سلطان نے اپنے دو سفیروں کی معرفت جزیرہ فرانس کی مجلس نوآبادیات اور وہاں کے مسیح داروں اور فرانس کی ڈائریکٹری کے عہدہ داروں کے نام خطوط روانہ کئے اور مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

(۲۱۵)

(۱) وہ فرانس سے ایک اقدامی و دفاعی معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور جب تک کہ ہندوستان میں جنگ جاری رہے گی وہ اُن تمام فرانسیسی فوجوں کے جلد مصارف برداشت کرے گا جو اُس کی مدد کے لئے روانہ کی جائیں گی اور (جو چند خاص سامان کے) باقی تمام ضروری سامان جنگ بھی اُن کے لئے مہیا کیا جائے گا۔

(۲) اس نے انہیں اس امر کا بھی یقین دلایا تھا کہ اُس کی تمام تیاریاں مکمل ہیں اور سپہ داروں اور دیگر افسروں کے لئے ہر قسم کا سامان ضروری جو ہندوستان کی دیسی سلطنتوں کی لڑائیوں میں درکار ہوتا ہے اور جس سے یورپین واقف نہیں ہوئے تیار ملے گا۔

(۳) اُسے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے میں صرف فرانس کی مدد کا انتظار ہے اور اُس کی دلی خواہش ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے۔

ان واقعات کی بنا پر اعلان مذکور میں ٹیپو کے واسطے رضا کاروں کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی اور جزیرے کے باشندوں کو امید دلائی گئی تھی کہ سلطان اُنھیں مناسب منخواہ اور معقول بہتہ دے گا جو اُس کے سفیروں سے ملے کیا جاسکتا ہے اور سفیر اپنے بادشاہ کی طرف سے اس بات کا بھی

وعدہ کرتے ہیں کہ جو فرانسیسی فوج میں بھرتی ہو گئے انھیں اُن کی مرضی کے خلاف وہاں نہیں روکا جائے گا اور جس وقت بھی وہ اپنے وطن واپس ہونے کی خواہش ظاہر کریں گے انھیں اجازت دے دی جائے گی۔

(۲۱۸)

اس اعلان کے مقاصد پر بحث کرنے کے بعد گورنر جنرل ٹیپو کے خلاف تیاریاں حکومت سے کی اُچھی اُس کی مخالفتانہ روش ثابت کرنے کے لئے واقعات و دلائل پیش کرتا ہے اور ان واقعات سے

ایسے سلسل نتائج اخذ کرتا ہے کہ اُن کی تردید ناممکن معلوم ہوتی ہے اور بجا طور پر وہ اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ سلطان کی مخالفتانہ روش کی تائید تو اُس خط و کتابت کی نوعیت ہی سے ہوتی ہے جو اس نے دوسرے فرماؤروں کے ساتھ کی تھی۔ ان خیالات کے اظہار کے بعد آخر میں وہ یہ رائے قائم کرتا ہے کہ سفیروں کو جزیرہ فرانس روانہ کرنے سے سلطان کا بجز اس کے اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا جو اُس نے خود اپنے مراسلوں میں ظہور کیا ہے اور جس کا اعلان اُس کے سفیروں کے روبرو کیا گیا تھا یعنی ”برطانوی قوم کو ہندوستان سے نکالنے کی دلی تمنا“۔

گورنر جنرل کو جب سلطان کے ارادوں کا اس طرح یقین ہو گیا تو اُس نے مجلسِ نظا کو ایک مراسلہ روانہ کیا اور لکھا کہ ٹیپو سلطان کے بلند عہدوں کا خاتمہ کرنے اور اُس کی اتقامی سرگرمیوں کو رد کرنے کے لئے جو بلا کسی خاص سبب یا اشتغال کے جاری ہیں انصاف اور مصلحت کے صحیح اصولوں کا اقتضا یہ ہے کہ اب فوراً حملہ کر دیا جائے۔ اسی مراسلے میں وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائی جسکی خود سلطان تائید کر چکا ہے اور جس کے بعد فرانسیسی سپاہی اُس کی فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں بلاشبہ اور بدیہی طور پر اعلان جنگ کے مساوی ہے اگرچہ اُس کی مخالفتانہ جدوجہد کا علانیہ اظہار ہو گیا ہے تاہم خوش قسمتی

(۲۱۹)

ہوا کہ ان فوجوں کا ہندوستان کے حصے سے قریب یا بعد تعلق ضرور ہے لہذا اس
نمبر کے بعد لارڈ ویلزلے کا یہ ارادہ اور بھی مصمم ہو گیا کہ یا تو ٹیپو کو مجبور کر کے فرانسیسی
معاوضے سے جدا کیا جائے یا اسے ان تمام وسائل سے محروم کر دیا جائے جن کے
باعث وہ برطانوی حکومت کے خلاف اس قوم کی کسی محتاحمانہ کارروائی میں شریک
ہو سکے۔

(۲۲۲)

لارڈ ٹیلن فرانسیسی بڑے پر ایک عظیم الشان فتح حاصل کر چکا تھا۔ اس کی
خبر ۲۱ اکتوبر کو بنگال پہنچ چکی تھی (حیدر آباد میں کمپنی کو غیر معمولی کامیابی حاصل
ہوئی تھی۔ مدراس اور بمبئی میں فوجی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ ان سب باتوں
کی وجہ سے لارڈ ویلزلے کو یقین ہو گیا تھا کہ سلطان اس کی مصالحت نہ سجاؤ نیز منظور
کر لے گا۔ اور برطانوی قوت کے رعب کی وجہ سے فوجوں سے کام لینے کی ضرورت
ہی نہ پڑے گی لیکن باوجود اس توقع کے اس نے ہر موقع کے لئے تیار رہنا ضروری
سمجھا اور خود مدراس پہنچا تا کہ نزدیک رہ کر تاخیر کے بے شمار برے نتائج کو روک سکے۔
اور جو فوجی یا سیاسی معاملہ پیش آئے اسے مستعدی سے جلد از جلد طے کر سکے۔
اس نے سلطان کو اپنے ارادوں سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ اس کے مراسلے
پر خود کر کے بہ عجلت مکتہ جواب دیا جائے۔

۳۱ دسمبر کو لارڈ ویلزلے مدراس پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ کلکتے
سے روانہ ہونے سے قبل اس نے جو مراسلہ روانہ کیا تھا اس کا جواب سلطان
کے پاس سے موصول ہو چکا ہے۔ ٹیپو نے اپنے جواب میں مثل سابق کے یہ
یقین دلایا تھا کہ اس کی دوستی میں اب تک قطعی کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ فرانسیسیوں
کے خلاف اپنی رائے ظاہر کی تھی اور سفیروں کے ماکیشس جانے کی بابت یہ
تحریر کیا تھا کہ وہ محض ایک افواہ ہے۔ دراصل سلطنت کے چند باشندوں نے انھیں
تجارتی اغراض کے لئے روک لیا تھا ان کا فرانسیسی جزائر سے گزرنا محض ایک اتفاقی

(۲۲۳)

۱۷ مورخہ ۸ نومبر ۱۷۹۸ء
۱۷ مراسلہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۷۹۸ء

امرتھا۔ جو بہاؤروانہ کئے گئے تھے اُن میں البتہ جا لیس اشخاص آئے تھے۔ ان میں سے بارہ تو دستکار تھے اُنھیں ملازمت دیدی گئی۔ باقی ماندہ سلطنت سے واپس چلے گئے فرانسیسیوں نے جو پرلے درجے کے چالاک اور فتنہ پرداز ہیں غالباً جہاز کی روانگی سے فائدہ اٹھا کر دونوں حکومتوں کو پریشان کرنے کی غرض سے یہ افواہیں اڑا دی ہیں۔

گورنر جنرل نے اپنی تحریر میں جنگ کا جو اشارہ کیا تھا اس پر سلطان نے سخت تعجب کا اظہار کیا اور اسی بنا پر میجر ڈاؤن کے تقرر کے متعلق جو تجویز کی گئی تھی اُسے مائل نہ کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ برطانوی حکومت اور اُس کے حلیفوں سے اُس کے تعلقات اس قدر استوار ہیں کہ اُنھیں مستحکم بنانے یا احلاص ہٹھانے کے لئے کسی مزید کارروائی کی ضرورت نہیں۔

(۲۲۴) اس ٹال مٹول کے جواب میں لارڈ ویلزلی نے اپنے تجاویز کو مدلل اور واضح طور پر بیان کیا۔ جو سفیر مارشلس روانہ کئے گئے تھے ان کی تمام کارروائیوں کو دُہرایا اور سلطان کو آگاہ کیا کہ آپ کے طرز عمل ہی نے متحدین کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ گزشتہ چند سال سے جن پریشانیوں میں وہ مبتلا ہیں اور جن شکوک میں وہ پڑے ہوئے ہیں اُن سے اب نجات حاصل کریں اور وہ اب اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ جنگ کی متواتر تیاریاں اور غنیمتوں سے آپ کی مضامناہ مرسلت ہوتے ہوئے دیکھیں اور خود صلح اور امن کا زمانہ سمجھ کر تمام خطرات اور دقتوں کا سامنا کریں اور جنگ کے مصارف برواشت کریں سلطان نے اپنے جواب میں ویلزلی کے مطالبات کو جو ٹالنا تھا اس کی بابت اُس نے لکھا کہ ”غنیم سے جدید معاہدہ کر لینے کی وجہ سے آپ کے لئے کمپنی اور اُس کے حلیفوں سے بھی ایک جدید معاہدہ کرنا ضروری ہو گیا ہے۔“ اُس نے سلطان کی دوبارہ منت کی کہ وہ صدق دلی سے ان اعمتہ ال پسند اور مخلصانہ تجاویز کو قبول کر کے معاملات طے کر لے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا کہ اب تاخیر کی گنجائش نہیں ہے لہذا اس تحریر کے ملنے کے دوسرے ہی روز اس کا جواب روانہ کر دیا جائے۔

اس خط پر ۹ جنوری کی تاریخ پڑی تھی اور ۱۵ جنوری کو وہ سلطان کو ملا۔ ۱۳ فروری کو اس کا ایک مختصر جواب ملا جس میں ویلزی کی تحریر کا جواب سرسری طور پر ان الفاظ میں تھا کہ مجھے شکار کا بہت شوق ہے۔ اس وقت بھی شکار کو جا رہا ہوں۔ آپ مہربانی فرما کر میجر ڈاؤن کو (جن کی بابت آپ بار بار لکھ چکے ہیں) روانہ کر دیجئے لیکن ان کے ساتھ آدمی کم ہوں گا۔

(۲۳۵)

۹ جنوری کی تحریر کے جواب میں جو تاخیر ہوئی اُس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ صلح کی تجاویز کو سلطان نے مسترد کر دیا اور وہ اس معاملے کو التوا میں ڈالتا چاہتا ہے تاکہ اس کے دار الحکومت پر حملہ کرنے کا وقت نکل جائے۔ ان خیالات کی بنا پر جن کی تائید جزیرہ فرانس کو دوبارہ سفیر روانہ کرنے سے ہو گئی تھی برطانوی افواج کو جنرل ہیئر س کی کمان میں تھیں نیز حیدر آباد کی فوج کو جس کی کمان میر عالم کے پاس تھی ۳ فروری کو میسور پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

بہر حال لارڈ ویلزی نے سلطان کے مختصر خط کی رسید لکھ کر اُسے مطلع کر دیا کہ اس قدر اہم معاملے میں آپ نے جو سکوت اختیار کیا اُس کی وجہ سے مجھے مجبوراً یہ سب کارروائی کرنی پڑی۔ میجر ڈاؤن کو اب آپ کے پاس روانہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ اب بھی مجھ اور اس کے حلیفوں کو معاملات سلجھانے کی خواہش ہے لہذا جنرل ہیئر س کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ اگر آپ کا کوئی سفیر بھیجے تو وہ اُس سے ملاقات کرے اور اُسے اختیار دے دیا گیا ہے کہ آپ سے ایک نیا معاہدہ ان شرائط پر کر لے جنہیں ہمارے حلیف امن و امان قائم رکھنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

(۲۳۶)

یہ سلطان کے خلاف جنگ ہونے کے واقعات بیان کرنے میں پیشتر ان شرائط پر غور کرنا ضروری ہے جو مختلف اوقات میں لارڈ ویلزی نے مصالحت کرنے کی غرض سے سلطان کے روبرو پیش کئے کیونکہ ان کے حوالے سے لارڈ ویلزی ارادے

کے مسلک کے اُن اصولوں کا صحیح اندازہ ہو جائے گا جن پر کہ اُس نے اس اہم اور وقت طلب کارروائی میں عمل کیا۔
 گورنر جنرل نے نظماً کو جو مراسلہ روانہ کیا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ویلزلی کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ سلطان کو شکست دینے کے لئے نہ تو کافی فوج ہے اور نہ فوجی اور اچانک حملہ کرنے کے ذرائع ہیں تو اس نے سلطان کو صرف فرانسیسیوں سے جبر کرنے کا خیال کیا اور اس مقصد کے لئے جو سمجھوتہ بھی ہو جائے اُس پر اتفاق کرنا مناسب سمجھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر سرنگایٹم میں ایک رزٹنٹ رکھ دیا جائے اور فرانسیسیوں کو سلطان کی ملازمت سے علیحدہ کر کے ہمیشہ کے لئے اُن کا اُس کی فوج اور سلطنت میں داخلہ نہ کر دیا جائے تو یہ مقصد حاصل ہو جائیگا۔
 ساتھ ہی ساتھ اسے یہ خیال بھی تھا کہ اگر سرگوست فرانسیسیوں کا مقصد مصر پر حملہ کرنے سے پیو کو مدد دینا نہیں ہے تو آئندہ کسی موقع پر اس سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے سلطان کی طاقت کا کم کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا اور حیدر آباد میں کامیابی حاصل ہونے اور مدراس و تینبی میں فوجی تیاریاں مکمل ہو جانے کی وجہ سے یہ کام کسی قدر آسان بھی نظر آنے لگا لہذا اس امکان کا احساس ہوتے ہی لارڈ ویلزلی نے اپنے ارادے وسیع کر دیئے اور ۸ نومبر کو سلطان کو خط لکھتے وقت اُس نے اپنے پیش کردہ شرائط میں اتنا اور اضافہ کر دیا کہ کنارا (Canara) کا صوبہ کینی کے کسی علاقے سے بدل لیا جائے (ساحل پری) ایک علاقہ پیو کے قبضہ میں باقی رہ گیا تھا)۔ اسطور سے پیو کو فرانسیسیوں سے آئندہ سازش کرنے کا کوئی موقع نہ رہے گا اور میسور سے ان کی خط و کتابت قطعاً بند ہو جائے گی۔ ان شرائط پر بحث کرنے کا اُسے کوئی موقع نہ ملا۔ سلطان نے فرانسیسیوں سے تعلقات برقرار رکھنے پر اصرار کیا اور باہمی سمجھوتے کی صلح پسند تجاویز کو نظر انداز کر دیا۔ اس وقت حیدر آباد اور کینی دونوں کی فوجی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں لہذا گورنر جنرل نے مدراس پہنچ کر اپنے مطالبات میں مزید اضافہ کیا اور سابق شرائط کے ساتھ اُس نے ایک

کثیر رقم بطور تادان جنگ اُن اخراجات کے معاوضے میں طلب کی جو اُس کی
مخاصمانہ سازشوں کی وجہ سے کمپنی اور اُس کے حلیفوں کو برداشت کرنے پڑے
تھے۔ (۲۳۸)

ٹیپو کی سلطنت
پر فوج کشی

گورنر جنرل کو مصالحت ہو جانے کی جو کچھ توقعات تھیں
دسمبر ۹ / فروری ۱۷۹۹ء تک ختم ہو گئیں لہذا اُس نے مجبوراً
برطانوی افواج کو تیسویں پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا لیکن ساتھ ہی
سپہ سالار جنرل ہیبرس کو یہ اختیار دے دیا کہ اگر سلطان

صدق دلی سے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے تو اُس سے وہ سلسلہ جنبانی کر سکتا
ہے۔ جب صلح کی گفت و شنید شروع ہو تو شرائط صلح اُس وقت کی حالت کا اندازہ
کر کے پیش کی جائیں۔ اگر یہ گفت و شنید اُس وقت شروع کیجائے جب کہ برطانوی
افواج نے کوئی فیصلہ کن فتح حاصل کر لی ہو یا سلطان کے دارالحکومت پر گولہ باری
شروع کر دی ہو تو اُس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی سلطنت کا نصف حصہ
اور دو کروڑ روپیہ متحدین کے حوالے کر دے اور ان شرائط کی تکمیل تک کے لئے اپنے
چار بیٹے اور چار اسلئے عہدہ دار بطور ضمانت کے روانہ کرے۔

جنرل ہیبرس کی کمان میں جو فوج تھی وہ حیدر آباد دالی فوج سے مل کر ۳۱
مارچ کو بغیر کسی مقابلے کے سلطنت تیسور کے حدود میں داخل ہو گئی۔ سلطان ان
فوجوں کو بڑھتا ہوا کچھ کرتیزی سے کمپنی کی اُس فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا
جو جنرل اسٹوارٹ کی کمان میں علاقہ کورگ میں متعین کی گئی تھی اور جو دارالحکومت
کی شیریں حصہ لینے کے لئے بڑھ رہی تھی۔ یہاں اُسے سخت نقصانات کے
ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد اُس نے جنرل ہیبرس کی طرف رخ کیا اور ۲۷ مارچ
کو سلطان پیٹ اور ملاولی کے درمیان اُس کا مقابلہ کیا۔ یہاں بھی اُسے شکست
ہوئی اور اس کے بعد اُس نے فوراً سرنگا پٹم کی راہ لی۔ چند روز کے بعد برطانوی
اور حیدر آبادی فوجوں نے مل کر قلعے کا باقاعدہ محاصرہ کر لیا۔

اس وقت تک سلطان نے جنرل ہیبرس سے کسی قسم کی مراسلت نہیں
کی تھی۔ ۹ اپریل کو اُس نے ایک مختصر سا خط لکھا اور برطانوی فوج کی حملہ آوری

کا سبب دریافت کیا۔ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ ”آپ وہ خطوط ملاحظہ کریں جو گورنر جنرل نے اس بارے میں آپ کو تحریر کئے ہیں۔ ان میں اس کی تشریح موجود ہے۔“ ۲۰ اپریل ۱۸۵۷ء تک سلطان نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب محاصرے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو گئیں تو اس نے جنرل ہیرس کو لکھا کہ ”صلح کی غرض سے آپ اپنا ایک وکیل مقرر کریں“ اس کے جواب میں جنرل ہیرس نے ان شرائط صلح کا مسودہ روانہ کر دیا جن کے ایسے وقت میں پیش کرنے کی اسے ہدایت کی گئی تھی۔

اس کی رسید تک نہ آئی۔ محاصرہ جاری رہا اور ۳۴ مئی کو قلعہ فتح ہو گیا۔ ٹیپو سلطان مردہ پایا گیا اور اس طور سے حیدر علی کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲۳۰) اس جنگ کا یہ خلاصہ ہے۔ اس کے شہد و فتح میسور ۳۴ مئی ۱۷۹۹ء

ہونے سے قبل جس اعتدال اور دانشمندی سے کام لیا گیا اور جس قابلیت اور جرأت سے اسے جاری رکھا گیا اور جو اہم سیاسی نتائج اس سے پیدا ہوئے ان کی مثال برطانوی ہند کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ چند ماہ کی قلیل مدت میں ایک ایسے حریف کا خاتمہ ہو گیا جس کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے از ابتدا اپنی پوری طاقت و قوت ہندوستان میں انگریزوں ہی کے خلاف صرف کی تھی۔

اگرچہ فتح میسور برطانوی مفاد کے لئے نہایت اہم تھی تاہم مستقل و حقیقی مفاد کا انحصار مفتوحہ علاقے کے انتظام پر تھا۔ از روئے انصاف اور میدان جنگ کی کامیابی کے لحاظ سے کمپنی اور نظام دکن کو اس بات کا پورا حق حاصل تھا کہ وہ جس طور سے چاہیں اسے آپس میں

۱۷۹۹ء میں سلطنت میسور اٹھینس سال کاظم رہی۔

تقسیم کر لیں لیکن اس حق کے طریقہ استعمال پر ہی نہ صرف ان دونوں کی شہرت بلکہ تمام جنوبی ہند کے آئندہ امن کا انحصار تھا۔

نواب میر نظام علی خاں بہادر نے تو جنگ کے ابتدائی زمانے ہی میں گورنر جنرل کو ہر قسم کی مراسلت کرنے کا پورا اختیار دے دیا تھا اور بعد میں اپنے سپہ سالار کو ہدایت کر دی تھی کہ لارڈ ویلزی جو انتظام بھی مناسب سمجھیں وہ اس سے اتفاق کر لے۔ اس طور سے اعتماد و انصاف کے جن اصول سے جنگ کی ابتدا ہوئی تھی انہی کے مطابق اس قابل فخر اعتماد کی بدولت گورنر جنرل کو مفتوحہ سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا کامل اختیار مل گیا۔

(۲۳۱)

اس کے بعد لارڈ ویلزی نے جو انتظام کیا اور جن باتوں کا اس نے اس اہم موقع پر خاص طور سے لحاظ رکھا ان پر ایک سرسری نظر ڈالنا کافی ہوگا۔ لیکن انھیں بیان کرنے میں

سلطنت میسور کی
تقسیم کا مسئلہ

کہیں کہیں ان مراسلوں سے اقتباس ضرور دینے پڑیں گے جو اس نے اپنی جگہ کارروائی کے مقاصد واضح کرنے کے لئے اپنے حکام کے پاس انگلستان روانہ کئے تھے اور جن سے اس موقع پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے نظماً جو خط اس نے تحریر کیا تھا اس میں وہ لکھتا ہے کہ ”فتح سے جو اختیار ہمیں حاصل ہوا ہے اس کے استعمال کے لئے میرے نزدیک بہ لحاظ انصاف کوئی اصول اس سے زیادہ مناسب نہیں ہو سکتا کہ جن مقاصد سے جنگ کا آغاز ہوا تھا انہی پر صلح کی جائے اور انہی کے لحاظ سے ہم اپنے مفتوحہ علاقہ کی تقسیم کریں ہمارے حلیف اس بات کا بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ وہ ان مقاصد کے حصول کو اپنے مصارف کا معقول معاوضہ تصور کرتے ہیں اور جس خطرے کی وجہ سے ہمیں تلوار اٹھانی پڑی اس کی

دائمی مدافعت بھی ان مقاصد سے اچھی طرح ہو جاتی ہے۔

اسی سلسلے میں ویلزلی یہ بھی لکھتا ہے کہ ان اہم اور منصفانہ مقاصد میں سے ہر ایک کا لحاظ کرتے ہوئے یہ امر ضروری سمجھا گیا کہ مفتوحہ علاقے کا زیادہ حصہ کمپنی اور نظام دکن کے تحت رہے لیکن تقسیم کا صحیح اصول قرار دینے اور ہر ایک کے علاقے کے حدود کا تعین کرنے میں بہت سی اور باتوں کا بھی خیال رکھنا پڑا۔ جنگ اس لئے نہیں کی گئی تھی کہ ہم فتوحات حاصل کریں یا اپنے اپنے علاقوں کو وسعت دیں اور ان کی آمدنی بڑھائیں۔ اپنی فتح و نصرت کی شان و عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ جو صلح ہوا وہ ہوس کو پورا کرنے کی غرض سے کی جاتی ہے وہ نہ تو کبھی مفید ثابت ہوتی ہے اور نہ کبھی باعث فخر و دیرپا ہو سکتی ہے۔

برطانوی قوم کی حکمت عملی اور اس کے اعزاز و مفاد کا یہ اقتضاء تھا کہ جو وسیع سلطنت ہمارے قبضے میں آگئی ہے اس کا ایسا انتظام کیا جائے جو دہاں کی رعایا کی مرضی کے مطابق اور ملحقہ ریاستوں کے لئے از روئے انصاف مائل بہ صلح ہو اور ہماری اس فتح سے دوسرے جو لوگ متاثر ہونے والے ہوں ان کا بھی لحاظ اس میں شامل ہو۔ اگر کل علاقہ کمپنی اور نظام دکن میں برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا تو مرہٹوں کو حسد کرنے کا بہت بڑا سبب مل جاتا اور حیدر آباد کی قوت میں کئی گونہ اضافہ ہو جاتا جو کسی لحاظ سے بھی مناسب نہ تھا۔ جس طور سے بھی یہ تقسیم کی جاتی میسور کی شمالی سرحد کے متعدد قلعے نظام دکن کے قبضے میں چلے جاتے اور اس سمت سے ہماری سرحد پر بہ آسانی حملہ ہو سکتا تھا۔ ایسی تقسیم سے محض مرہٹوں اور حیدر آباد کے درمیان ہی نہیں بلکہ ان دونوں طاقتوں اور کمپنی کے درمیان بھی ہمیشہ کے لئے مخالفت کی بنیاد پڑ جاتی ہے

(۲۳۳)

اگر اسے تین مساوی حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مرہٹوں کو (جنھوں نے جنگ کے مصارف یا مصائب میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا) دے دیا جاتا اور اس طور سے انھیں اتحادِ ثلاثہ کے دوسرے دو حلیفوں کے ساتھ صلح کے فوائد میں شریک کر لیا جاتا تو وہ فرماؤ گے دکن کے ساتھ سخت نا انصافی ہوئی اور یہ طریقہ کمپنی کے لئے بھی خلافِ معصحت ہوتا اور ہندوستان میں ہمارے حلیفوں کے واسطے ایک بری مثال قائم ہو جاتی اور مرہٹوں کی سلطنت میں جو اصناف ہوتا وہ کمپنی اور حیدر آباد دونوں کے لئے سخت مضرت ثابت ہوتا۔ اس تقسیم سے چٹل دروگ (Chittledroog) اور اُس کے ساتھ چند اور اہم شمالی قلعے مرہٹوں کے ہاتھ میں چلے جاتے اور اسی سمت کے باقی قلعے حیدر آباد کے قبضے میں ہوتے اور اس طرف سے ہماری ٹھکی ہوئی غیر محفوظ سرحد کو ہمیشہ ان دونوں طاقتوں کی بے قاعدہ فوجوں کی دست درازیوں کا خدشہ لگتا رہتا۔

مرہٹوں کا دراصل مفتوحہ علاقے کے کسی حصے پر کوئی حق نہ تھا اور ان کی سلطنت میں جو اضافہ بھی ہوتا (اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہمارے سرحدی قلعے اُن کے قبضے میں چلے جاتے) وہ قابلِ اعتراض سمجھا جاتا لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ کسی طرح انھیں اپنے موافق کر لیا جائے اور ایک ایسا علاقہ دیا جائے جس سے اس جدید انتظام میں کچھ ہی بوجھ آئے اور نواب نظام علی خاں بہادر کو نہ یہ بات ناگوار گزرے اور نہ اس سے انھیں کچھ نقصان پہنچے اور ساتھ ہی کمپنی کے مقبوضات کی سرحد کے لئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ علاوہ ازیں جو علاقے کمپنی اور نظام دکن کے حوالے کئے جائیں انھیں بہ لحاظِ اعتدال اس قدر محدود کر دینا چاہیے کہ ان دونوں کے جنگ میں جو مصارف ہوئے ہیں اُن کی تلافی ہو سکے اور آئینہ کے لئے ان کی سلطنتوں کی حفاظت کا معقول انتظام ہو جائے۔“

(۲۳۴)

ان خیالات کے اظہار کے بعد لارڈ ولزلی اس موضوع کو اپنے اس بیان پر ختم کرتا ہے کہ ”ان اہم امور کے ہر پہلو پر نظر غائر ڈالنے اور تحقیق کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میسور میں ایک جد اسد طنت کھپنی کی نگرانی میں قائم کر دیا جائے اور سر زمینوں کو مفتوحہ علاقے کی تقسیم میں شریک کر لیا جائے تو نہایت مناسب ہوگا اور اس ترکیب سے فریقین کے مفاد میں تصادم بھی نہ ہوگا اور کمپنی کو ایک ایسا حصہ مل جائے گا جس سے دوسروں کو حسد بھی کم ہوگا اور جو آمدنی۔ وسائل آمد و رفت تجارت اور فوجی قوت نیز دیگر فوائد کے لحاظ سے اسکے لئے نہایت معقول ہوگا۔ یہ بات کمپنی کو دوسری تقسیم سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہندوستان میں متقل طور پر امن امان قائم کر نیکا اس سے بہتر کوئی طریقہ ہو سکتا ہے“

بعد ازاں اسی تحریر میں وہ ان اصولوں کو بیان کرتا ہے جن کی بنیاد پر مفتوحہ ملک کی تقسیم کی گئی تھی اضلاع کنارا مع سہاگل پور اور سال میسور کے ان علاقوں کے جو کمپنی کے مقبوضات سے ملحق تھے۔ انگریزی حکومت کو دے دیے گئے۔ کرناٹک تو بلاشبہ کمپنی کے قبضے میں رہنا ہی چاہئے تھا۔ اس کے ساتھ وہ تمام قلعے اور چوکیاں جو میسور کے مختلف راستوں پر واقع تھیں کمپنی کو دی گئیں۔ علاوہ ازیں سرنگاپٹیم اور اس کا قلعہ بھی کمپنی کو دیا گیا۔ کیونکہ سہاگل کار و منڈل اور سہاگل ملا بار کمپنی کے جو مقبوضات تھے ان کے درمیان وسائل آمد و رفت برقرار رکھنے اور حفاظت کے خیال سے مختلف راستوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے ان مقامات کا اس کے تحت رہنا ضروری تھا۔

اضلاع گورم کندہ۔ گوئی اور دیگر علاقے جو سلطنت حیدر آباد سے ملحق تھے اعلیٰ حضرت نظام دکن کو دے دیے گئے۔ متحدین کے فوجی کارناموں اور مصارف میں حیدر آباد کا جو حصہ رہا تھا معاہدے کے مطابق اسی کی مناسبت سے دو تین جنگ کے فوائد میں حصہ ملنا چاہئے تھا تاہم لارڈ ولزلی نے یہ مناسب سمجھا کہ جو علاقہ کمپنی کے قبضے میں رہا اس کی آمدنی مصارف نہا کر نیکے بعد اس علاقے کی آمدنی کے مساوی ہو جو حیدر آباد کو دیا جائے لیکن اسکے ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جنگ اور اسکے مصارف میں کمپنی کا جو حصہ زیادہ رہا ہے اس کی از روئے انصاف تلافی یوں ہونا چاہئے کہ میسور کی جدید

سلطنت سے جو معاہدہ ہوا اور اس سے جو فوائد حاصل ہوں وہ سب کمپنی کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں۔

(۲۳۶) تقسیم ملک میں حکومت ہونے کے لئے جو حصہ رکھا جائے اس کی آمدنی (لارڈ ویلزلی کے فیصلے کے مطابق کمپنی کے حصے کی آمدنی کے پانچواں حصے سے نہ زائد ہو اور نہ نصف سے کم) اس میں برہمنوں کی (Harponelly) سوندھا (Soendah) (Amagoondy) اور دیگر علاقے جو اسی سلسلے میں تبتو کے مقبوضات سے حق تھ شامل کئے گئے جو کہ حکومت ہونے سے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا اس لئے اسے ایک رعایت سمجھنا چاہئے لارڈ ویلزلی نے اس خیال سے یہ طے کیا کہ حصہ بلا کسی شرط کے نہیں دینا چاہئے بلکہ اسے ایک جدید معاہدے کی بنا پر قرار دینا چاہئے۔

لارڈ ویلزلی نے جن وجوہ کی بنا پر میسور کے قدیم ہندو حکمران خاندان کو گدی نشین کرنے کا فیصلہ کیا تھا انھیں اس نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خاندان ٹیپو کو برقرار رکھنا قطعاً مصلحت کے خلاف تھا۔ دولت برطانیہ کی مخالفت

ٹیپو کے خاندان کو

محروم کر نیکے وجوہ

ان کے خیر میں بڑی تھی جو ان کے آباد اجداد سے چلی آتی تھی۔ خواہ ان کے ساتھ کیسا ہی معاہدہ کیا جاتا وہ اپنی سابقہ عظیم نشان طاقت و قوت اور آزادی و خود مختاری کو ہرگز نہیں بھول سکتے تھے۔ ویلزلی نے اس مسئلے کے متعلق اپنے خیالات حسب ذیل پر زور الفاظ میں ادا کئے ہیں:-

ٹیپو سلطان کے ولیعہد کو انھیں اصول کی تعلیم دی گئی ہوگی وہی تعصبات و جذبات ہیں جو ہمیں ہوں گے سلطنت میسور کے تخت و تاج کی شان اور شان بان کے متعلق اس کے، کیسے ہی خیالات ہوں گے۔ اس جنگ کے نتائج کا اس پر لازمی اثر پڑے گا اور اس سے یہ جذبات اور بھی زیادہ زور پکڑیں گے اس لیے نظیر فتح سے

علاقہ اس علاقے کی آمدنی ۶۳ ہزار روپے کی بجائے (Central Pagoda) تھی۔ جدید ریاست میسور کا علاقہ ۳ لاکھ ۶۰ ہزار کی آمدنی کا تھا۔ جدید علاقے کے غنیمت سے ہمیں جو میسور کا علاقہ تھا اس سے یہ بڑا تھا۔

اس کے باپ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور ہمیں تمام دیوانی و فوجی اختیارات حاصل ہو گئے ہیں اب ہمارے ہی لطف و کرم اور ہماری ہی نگرانی میں ان کا تخت نشین ہونا اس کے لئے اس قدر سخت کمزوری اور ذلت و توہین کا باعث ہو گا کہ کوئی غیرت مند تاجدار اسے گوارا نہیں کر سکتا۔ اس انتظام میں بھی ہمیں اپنی حفاظت کی خاطر کم از کم اس علاقے پر ضرور قبضہ رکھنا پڑے گا جو ہمیں میسور کی تقسیم کے معاہدے سے ملا ہے۔ اس طور سے جو علاقہ بھی ہم اپنے قبضے میں رکھیں گے۔ اسے وہ اپنے شاہی ورثے کا منصوبہ حصہ تصور کرے گا اور یہ اس کی ذلت و توہین کا مزید ثبوت ہو گا۔ اس کے ملک اور اسکے اقتدار میں جو کمی ہوگی اس کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی موقع پر وہ اپنے باپ کی سلطنت واپس لینے کے لئے جنگ کرے گا تو اس کا کچھ زیادہ نقصان ہو گا اسکی گلوں میں حیدر علی اور تپو سلطان کا خون ہے۔ اس کے سامنے اس کے باپ دادا کے کارنامے نمایاں اور مہمت و جرات و شجاعت کی مثال موجود ہے۔ اسے اب تک اپنی غلط نشان خود مختار سلطنت پر جس کے ساتھ فوجی عظمت و اہمیت ہے حکومت کرنے کا خیال رہا ہے۔ ان سب باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ بات بعینہ امکان نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اپنی ایک ایسی شاندار آبائی سلطنت کو واپس لینے کے قابل فخر مقصد کے لئے جس کے نام سے سارا کرناٹک سا لہا سال تک لڑتا رہا ہو اور جس سے تمام جنوبی ہند کا علاقہ خوف کھاتا رہا ہو اس باقی ماندہ حقیر حصے کو نشانہ کرنے کے لئے یہ آسانی آمادہ نہ ہو جائے گا۔ اگر محدود نقطہ نظر سے بھی اس معاملے پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ تپو سلطان کا بیٹا اس انتظام کو جس سے اس کی باپ کی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور اس کی آزادی مفقود ہو گئی ہے) درہم برہم کرنا اپنا فرض سمجھے گا لہذا اس خاندان کے شہزادے کو تخت نشین کرانے ہی سے جدید انتظام کے خاکے کی ابتدا ہو جاتی ہے ایسے فرمانروا سے نہ کوئی معاہدہ صحیح معنوں میں ہو سکتا تھا اور نہ کبھی اتفاق رائے یا باہمی اخلاص و اتحاد قائم ہو سکتا ہے اس کے ظاہری اخلاص و تعلقات سے برابر دھوکہ رہتا اور اس کی اطاعت و وفاداری فریب پر مبنی نہ ہوتی تو کم از کم بادل ناخواستہ ضرور ہوتی۔ اسکے ذاتی مفاد و عادات و خصائل تعصبات و جذبات و خیالات حتیٰ کہ خود اس کی خوبیاں اسے بالاتفاق اس بات پر مجبور کرتی کہ وہ ہماری قوت اور ہمارے نام سے ہمیشہ دلی نفرت رکھے اور ہماری بیخ کنی کی فکر میں مشغول

رہے اور برطانوی قوم کے ہر ضمیمہ ہمارے خلاف ابھارنے اس کا ساتھ دینے اور خود اس سے اعانت حاصل کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے حکومت میسور کو کچھ طاقت و قوت دی جاتی یا اقتدار حاصل ہوتا وہ ایسے فرمانروا کے دور میں ہمیشہ ہمارے خلاف استعمال ہوتا میسور کی مختصمانہ قوت کمزور ضرور ہو جاتی لیکن تباہ نہ ہوئی اور ہمارے جنوبی مقبوضات کے وسط میں ایک ایسی طاقت کا وجود باقی رہ جاتا جو اپنے خاندان کی نجبت و فلاح کے دور کرنے کے مواقع کی ناک میں رہتی اور ہندوستان کی ہر باغی جماعت اور فرانس کے ہر ایک جاسوس سے ہمیشہ سازش کرنے کی فکر میں لگی رہتی تھی

(۲۳۹)

ان خیالات کی بنا پر اس نے میسور کے خاندان کو قطعاً محروم کرنے اور میسور کے قدیم حکمران ہندو خاندان کو گدی نشین کرانے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے نزدیک محنت علی - انسانی ہمدردی اور انصاف کا اقتضا بھی یہی تھا۔

لارڈ ویلزلے اس سلسلے میں یہ تحریر کرتا ہے کہ میسور کے اس خاندان نے انتہائی ذلتیں برداشت کی ہیں اور خصوصاً ٹیپو سلطان کے سفاکانہ رویوں مختلف مصیبتیں برداشت کی ہیں لہذا یہ خاندان ہمارا ضرور احسان مند ہوگا اور اس طاقت کے ساتھ اسے حقیقی اخلاص ہوگا جس نے اسے محض قعر ذلت

قدیم حکمران ہندو خاندان
گدی نشین کرانے کے وجہ

ہی سے نہیں نکالا۔ بلکہ اعلیٰ درج پر پہنچا کر ممتاز کیا ہے۔ اس کے برطانوی حکومت سے ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے ہیں۔ اپنی انتہائی مصیبت کے زمانے میں بھی اس خاندان نے ہمارے دشمنوں سے کسی قسم کے تعلقات نہیں رکھے لہذا انہیں برسر حکومت کرنا عین فیاضی کا کام ہوگا اور وہ محض جاری اعانت ہی سے ٹیپو کے خاندان والوں اور دیگر دعویٰ داروں کے مقابلے میں اپنے تخت و تاج کو برقرار رکھنے کی توقع کر سکتے ہیں انہیں فطرتاً سابق غاصب خاندان کے تمام یہی خواہوں سے عداوت ہوگی لہذا وہ فرانسیزیوں نیز ان تمام طاقتوں کے خلاف ہو گئی جنہیں ٹیپو کے خاندان سے ہمدردی ہوئی ہوگی

(۲۴۰)

سے برطانوی حکومت سے مخالفت ہوگی۔ راجہ میسور کا وارث اگر مذہبن ہوا تو اسے ہمیشہ اس بات کا احساس رہے گا کہ اس کے شاہی وقار کا انحصار اس جدید انتظام کے قیام ہی پر ہے لہذا اس کے استحکام اور استقلال کے لئے جس قدر کوشش بھی درکار ہوگی اس میں نہایت جوش و خروش اور اخلاص کے ساتھ وہ ہم سے متفق و متحد ہونے میں اپنا فائدہ محسوس کرے گا۔ میسور کے معاملات کا اس طرح انتظام ہو جانے سے اس مخالف طاقت کا جو ہمارے درپے آزار تھی محض خاتمہ ہی نہیں ہو جائے گا بلکہ اس کی جگہ ایک ایسی سلطنت قائم ہو جائے گی جس کے مفاد و اغراض اور وسائل و وسائل ہمارے ہی ہوں گے اور میسور کی وہ سلطنت جسکے نام سے سارا کرناٹک تھرا تا تھا اب ہماری پشت پناہ ہوگی اور وہ ہماری اور اس کی رعایا اور اس کے حلیفوں کے لئے دولت و قوت کا سرچشمہ ہوگی۔

اس طور سے ان معاملات کا فیصلہ ہوتا ہے ہی ان کی تکمیل کے لئے احکام جاری کر دیئے گئے سلطان کی اولاد کو ویکور پنچا دیا گیا جہاں اس کے آرام و آسائش و قیام کا معقول انتظام کر دیا گیا تھا۔ ان کے لئے وظائف مقرر کر دیئے گئے۔ ان کے منصب و مرتبہ کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کیا گیا البتہ صرف اس بات کی نگرانی رکھی گئی کہ وہ قلعے سے باہر نہ نکل سکیں سلطان کے خاص خاص مسلمان سرداروں کے بھی وظائف مقرر کئے گئے اور حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی کہ سلطان مرحوم کے خاندان والے اور اس کے ملازمین و متعلقین اس جدید انتظام سے مانوس ہو جائیں۔

سلطان کے بیٹے جب سرنگاپٹم سے روانہ ہوئے گئے تو قدیم حکمران مندو خاندان کے وارث گرفتار لایے اور پور کو گدی نشین کر دیا گیا اس کی عمر اس وقت صرف تین سال تھی اسکے مورث کو حیدر علی خاں نے لایا۔ میں مغزول کیا تھا میں سلطان کے دیوان پورنیا برہمن کو جو قابلیت و شہرت میں یکساں تھا اس کو سن فرارنو کا دیوان مقرر کیا گیا راجہ سے دو عہدے کئے گئے جن میں سے ایک تقسیمی محاسبہ کے کہلاتا ہے اور دوسرا انتظامی محاسبہ کے نام سے مشہور ہے۔

عہدہ - یعنی خاص خاص عہدے دار

عہدہ - مورخہ ۲۲ جون ۱۷۹۹ء

عہدہ - مورخہ ۲۲ جولائی ۱۷۹۹ء

بہاؤ الدین احمد انگریزی حکومت اور دربار حیدرآباد اور دربار میسور کے درمیان تھا اس میں حیدرآباد اور ممبئی کے علاقوں کا فیصلہ درج تھا۔ سلطان کی اولاد اور اس کے خاص خاص عہدہ داروں کے وظائف کے رقوم اور ان کے ادا کئے جانے کے طریقے بھی اس میں تحریر تھے اور اسی معاہدے کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ جو علاقہ حکومت ہونے کے لئے تجویز کیا گیا ہے اگر اسے وہ ایک مہینے کے اندر تسلیم کر لے اور چند فیصلہ طلب امور کو ممبئی اور حکومت حیدرآباد کے اطمینان کے قابل طے کر دے تو وہ اس کے حوالے کر دیا جائے اور اگر وہ ان شرائط کو تسلیم نہ کرے تو مجوزہ علاقہ ممبئی اور حیدرآباد میں تقسیم کر دیا جائے جس کا حصہ اعلیٰ حضرت نظام دکن کو ملے گا۔

(۲۳۲)

میسور کی جدید سلطنت

سے

معاہدہ ۱۷۹۹ء

بن لیا۔

امانتی معاہدے میں فرمانروائے دکن کی شرکت تھی یہ معاہدہ میسور کی جدید سلطنت اور برطانوی حکومت کے باہمی تعلقات طے کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا۔ اس کی شرائط کے بموجب میسور کا جدید راجہ سیاسی معاملات میں ممبئی کا ماتحت

سلطہ۔ اس معاہدے کی رو سے یہ قرار پایا کہ ریاست میسور کی حفاظت کے لئے ممبئی ایک فوج تیار کرے گی جس کے مصارف کے واسطے راجہ ساتھ لاکھ چوڑا سا لاکھ ادا کرے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ جب بھی فریقین کے علاقوں کی حفاظت یا انجم کے خلاف جنگی تیاری میں غیر معمولی مصارف ممبئی کو برداشت کرنے پڑیں تو گورنر جنرل ریاست کی آمدنی اور اس کی مالی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد ان مصارف کا ایک حصہ راجہ کے ذمہ ماند کرے گا۔

اس خیال سے کہ میسور کی حفاظت کے لئے ممبئی جو فوج رکھے گی اس کی وجہ سے کسی موقع پر اسے کوئی نقصان نہ پہنچے یہ طے کر لیا گیا کہ جب بھی اس بات کا اندیشہ ہوگا تو ممبئی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ میسور کی حکومت میں مناسب اصلاحات کرے یا کسی خاص علاقے کا انتظام جس سے فوج کے مصارف بہ آسانی و معمول ہو سکیں اپنے ذمہ لے لے۔ اس سلسلے میں برطانوی حکومت نے وعدہ کیا کہ اس طور سے جس علاقے کا انتظام وہ اپنے ذمہ لے گی اس کی آمدنی و مصارف کا باقاعدہ حساب (بقیہ طیشہ صفحہ آئندہ)

حیدرآباد

جدید

معاہدہ ۱۸۵۸ء

(۲۳۳) مرہٹوں کی فحاشانہ و حاسدانہ روشوں جو انھوں نے ٹیپو کی جنگ کے بعد سے اختیار کی تھی نیز حکومت ہونہ کی کمزوری کے باعث اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مہینی اور حیدرآباد کے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے ہیں انھیں سرکاری طریقے سے منظم کیا جائے تاکہ جنوبی مہاراشٹر کی کسی قسم کی بد امنی کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے حیدرآباد کی اعلیٰ فوج میں اضافہ کرنا ضروری خیال کیا گیا اور دربار حیدرآباد کی توں مزاجی اور کمزوری کی وجہ سے انگریزی حکومت کو جن خطرات کا اندیشہ ہو سکتا تھا ان کی مدافعت کی تدابیر پر غور کرنا لازم سمجھا گیا۔

(۲۳۴) اس اہم کام کی تکمیل کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری ترکیب نہیں ہو سکتی تھی کہ محاذی فوج کے علاوہ کی ماہانہ ادائیگی کے بجائے مہینی سلطنت حیدرآباد کا ایک علاقہ مستقل طور پر حاصل کر لے۔ اس انتظام سے جو متعدد فوائد حاصل ہو سکتے تھے وہ مصافحہ نظام میں سب سے پہلے تو اس بد امنی کی گنجائش نہیں رہتی جو تھم کی ادائیگی کے بہتوقع پر ایک کمزور و فوضول خرچ دربار سے ہونا ضروری ہے۔ علاوہ انہیں آمدنی کے جن ذرائع پر انگریزی فوج کا انحصار تھا وہ ان غیر آدمیوں کے ہاتھ میں ہونے کے بجائے چوہانہی نا غائب اندیشی بے وفائی یا کمزوری سے کسی نازک وقت میں دھوکہ دے کر انگریزی حکومت کو ہرگز خطر میں ڈال سکتے تھے اب برطانوی حکومت کے ہاتھ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ راجہ کو پیش کرے گی یہ بھی طے پایا کہ کسی حالت میں راجہ کے ذاتی مصافحہ کی قسم ایک لاکھ چھوڑا سالانہ اور اس کے مقبوضہ علاقے آمدنی کے $\frac{1}{4}$ حصے سے ہرگز کم نہ ہوگی۔

اس معاہدے میں راجہ نے اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ نہ تو وہ کسی غیر سلطنت سے کسی قسم کے تعلقات قائم کرے گا اور نہ اپنی یورپینوں کو اپنی ملازمتیں دہل کرے گا اور برطانوی حکومت کو اختیار ہوگا کہ ریاست کی حفاظت کے لئے وہ جس قلعہ میں چاہے اپنی فوج رکھے۔

ہوں گے اور آئندہ سے کوئی فرمانروائے دکن انگریزوں سے تعلقات منقطع کرنے کا خیال بھی نہ کر سکے گا کیوں کہ سلطنت اپنا علاقہ دے کر برطانوی حکومت کی اعانت کا معاوضہ چھٹے کے لئے پیشگی ادائیگی ہوگی۔

لارڈ ڈولہرتی نے جدید معاہدے کے لئے حیدرآباد سے مراسلت شروع کی جو ۱۲ اکتوبر ۱۷۹۷ء کو طے ہو گیا۔

(۲۳۵)

عہدہ - اس معاہدہ کی رو سے برطانوی حکومت نے اس بات کا بیڑہ اٹھایا کہ آئندہ سے وہ کسی طاقت کو بے باک اور علانیہ طور سے سلطنت حیدرآباد پر فوج کشی نہ کرنے دیگی اور نہ اس کے خلاف کسی قسم کی مداخلت یا جہد و جدوجہد کو روا رکھے گی لہذا اس فوجداری کو فوجی سے انجام دینے کے لئے سابق معاہدہ فوج میں ہندوستانی سپاہیوں کے دو ہتالین اور ایک توپ خانہ کا منتقل طور پر اضافہ کیا گیا جس کے مصارف حیدرآباد کے ذمہ قرار پائے۔ فوج میں اس طرح اضافہ ہو جانے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت نظام دکن نے اپنا تمام علاقہ جو انھیں ۱۷۹۲ء کے معاہدہ سرنگاپٹم اور ۱۷۹۹ء کے عہد نامہ میسور میں ملا تھا منتقل طور پر کمپنی کے حوالے کر دیا تاکہ اس فوج کی تنخواہ بروقت اور باضابطہ طور پر ادا ہوتی رہے اس علاقے کی حد بندی کرنے کی غرض سے اس میں کسی قدر تبدیلی کر دی گئی اعلیٰ حضرت نظام دکن نے گیل - گو جندر گڈہ وغیرہ اپنے قبضے میں لے کر ادونی کا علاقہ کمپنی کو دے دیا جو درائے مسجد دراکے جنوب میں واقع ہے۔ اور ازروئے معاہدہ یہی دونوں سلطنتوں کی حد قرار پائی۔

اسی سلسلے میں یہ بھی طے پایا کہ اگر زمیندار کو کسی موقع پر کسی غیر طاقت سے جنگ کرنی پڑے تو اعلیٰ حضرت نظام دکن کے پاس مذکورہ بالا فوج کے دو ہتالین چھوڑ دیئے جائیں گے اور باقی تمام فوج سے تیار کیا گیا تمام لیا جائے گا اور ایسے مواقع پر سلطنت کی چھ ہزار پیادہ اور نو ہزار سوار فوج بھی معاہدہ فوج کے تحت شرکت کرے گی۔ فرمانروائے دکن سے یہ بھی طے پایا کہ وہ بغیر کمپنی کے مشورے کے کسی طاقت سے کسی قسم کی مراسلت نہیں کریں گے اس کے ساتھ ہی کمپنی نے وعدہ کیا کہ وہ ان کی اولاد - ان کے اعزہ و دربار کی رعایا کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی اور ان امور میں ہندوگان عالی کو کامل اختیارات حاصل ہوں گے۔

اعلیٰ حضرت نظام دکن سے یہ بھی قرار پایا کہ وہ کسی ریاست کے خلاف اعلان جنگ نہیں کریں گے اور اگر کسی طاقت سے ان کا کوئی تنازعہ پیش آئے گا تو کمپنی کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ (بقیہ مآشیہ برصغیر آئندہ)

(۲۳۶) اس معاہدے سے کمپنی کو جو علاقہ ملا اس کی سالانہ آمدنی تقریباً سالانہ ستر لاکھ اٹھاون تھوڑا بڑا تھی لیکن سیاسی و فوجی نقطہ نظر سے اس علاقے کی اہمیت کہیں زیادہ تھی اس سے کمپنی کے مقبوضات کا وسیع تر دائرہ وسیع تر ہو گیا اور زیادہ حفاظت ہو گئی اور فوجی نقطہ نظر سے ان دونوں کی معقول اور محفوظ سرحد بھی قائم ہو گئی۔

برطانوی حکومت نے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے) ائیکو سلطان کے مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ مینپورا کے لئے اس شرط پر منہ خصوم کر دیا تھا کہ اس کے عوض میں وہ امن و امان برقرار رکھنے کے لئے ایک جدید معاہدہ کرے مینپور نے دولت راؤ سندھیا کے اثر میں آکر (جو اپنی ایک کثیر اور تقریباً مل فیملی فوج کے ساتھ پونا میں مقیم تھا) ان مناسب تجارتی کوستروں کو دیا لہذا مخصوص شدہ علاقہ تقسیمی معاہدے کے بموجب انگریزی حکومت اور سلطنت حیدرآباد میں تقسیم ہو گیا۔

(۲۳۷) ۱۸۰۷ء کے اوائل میں جنٹ راؤ ہولکر اور سندھیا میں جنگ چھڑ گئی اور سندھیا کو پونا چھوڑنا پڑا۔ مرنہوں کی سلطنتوں کا یہ رنگ دیکھ کر لارڈ ویلنگٹن نے یہ خیال کیا کہ دربار پونا سے اپنا کام نکالنے اور وہاں برطانوی اثر قائم کرنے کا یہ اچھا موقع ہے اس کی خواہش تھی کہ مینپورا سے ایک ایسا معاہدہ ہو جائے جس کی بدولت ایک طرف تو مینپورا کا دوبارہ اقتدار قائم ہو جائے اور دوسری طرف اس کے باغدار سرداروں کے مقبوضات اور اجبی حقوق میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہو اس کا خیال تھا کہ اگر مرنہوں نے اس معاہدے کی مخالفت کی تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد ان کی ملک گیری اور دست درازوں کے لئے گنجائش باقی نہ رہے گی لیکن برطانوی حکومت نے مجبوراً اپنی اور اپنے حلیفوں کی بقا کے لئے جو طرز عمل اختیار

ہولکر اور سندھیا
کے
بہتر نتائج

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) اسے بطور ثالث کے طے کرے اور وہ اس کے فیصلے سے اتفاق کریں گے۔

اس معاہدے میں یہ بھی قرار پایا کہ اگر مینپورا دولت راؤ سندھیا یا رگھو موہن اس اتحاد میں شریک ہونا چاہیں تو انھیں شریک کر لیا جائے۔

کیا ہے اس کا اقتدار بھی یہی ہے کہ وہ اس قسم کی زیادتیوں کا سد باب کرنا اپنا فرض اولین سمجھے۔

ایک موقع پر نرویشیوں نے دفاعی معاہدے کے لئے اپنی تجاویز پیش کی تھیں لیکن ان شرائط کی نوعیت اور پونہ کی اس وقت کی حالت کا لحاظ کر کے گورنر جنرل نے انہیں مسترد کر دیا تھا اس وقت پیشوا کا یہ قصہ معلوم ہوتا تھا کہ اس طرح وہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے انگریزوں کی بددعا عمل کرے لیکن انہیں اپنی اور اپنے حلیفوں کی حفاظت کے لئے اس کے دربار میں جس قسم کے اثر کی ضرورت تھی وہ نہیں چاہتا تھا نہ ہو سکے۔

یونے میں اس وقت جو گھٹ و شنید مورتی تھی اس کے نتیجے کا گورنر جنرل کو اطلاع بھی نہ ملنے پائی تھی کہ صلح امیئین (Peace of Amiens) کی خبر پہنچی لہذا اب فرانسیسوں کے لئے سازش کا میدان کھلا ہوا تھا۔ سندھیا کو ہو کر سے جو شکست ہوئی تھی اگر اس سے وہ سنبھل جاتا جس کا کہ واقعات کے لحاظ سے امکان نظر آتا تھا تو وہ پیشوا انرل سرٹھ سلطنت پر جو دریائے گنگا سے سال ملا بازگ پھیلی ہوئی تھی اپنا سکہ یہ آسانی جالینا سندھیا کی فوجوں کی حالت اور اس کے فرانسیسی افسروں کے اثر و اقتدار سے جو شخص ذرا بھی واقف تھا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات میں شبہ نہیں کر سکتا تھا کہ فرانسیسی قوم اپنے ماہرے کی کسی شہرہ کے خلاف درزی کیے بغیر سندھیا کی فوجی طاقت و قوت کو اس قدر زبردست بنا دیتی کہ اس کی وجہ سے برطانوی حکومت ہند کا وجود تک معرض خطر میں آجائے۔ فرانسیسی جو چالیں چل رہے تھے ان سے سندھیا واقف ہو گیا تھا اور ان سے اسے کسی قدر حد بھی ہو گیا تھا لیکن باوجود اس کے اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا کہ فرانسیسیوں کو اپنے تدابیر پر عمل کرنے میں کوئی دقت ہوگی۔ خود سندھیا اور اس کے پیشرو کو انہیں لوگوں کی بدولت یہ ترسہ حاصل ہوا تھا لہذا وہ ہر موقع پر ان کے کہنے پر چلتا تھا۔

ماہور او کی موت کے بعد سے پیشوا کی سلطنت تو باہمی تنازعات کا کھاڑا بن گئی تھی اور اس کی حالت اس قدر خراب و خستہ ہو گئی تھی کہ سر ہرہ سلطنت کی

سرکاری کا بڑا مشیر فیصلہ کرنے کے لئے لٹیروں کے جو جھٹھے سرور والوے اور شمالی ہند سے پونہ میں وارد ہوتے رہتے تھے انھیں چند ماہ کے لئے کبھی یہاں سے سامان رسد نہیں لی سکتا تھا۔

اس واقعے کی وجہ سے جس کی تردید ہمیں کی جاسکتی یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اگر سندھیا جو لکڑیوں اور گھوڑوں کے لئے ایک اچھا گھاڑہ جالیا تو انہی فوجیں اگر ارادہ نہیں تو رسد کی قلت کی وجہ سے (مجبوراً) انگریزوں یا ان کے حلیفوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوگی لہذا لارڈ ویلنگٹن نے اس موقع پر جو تداہیر اختیار کیں وہ محض مصلحت وقت کے لحاظ سے مناسب ہی نہ تھیں بلکہ ان حالات کے لحاظ سے اشد ضروری تھیں۔

سنہ ۱۸۱۷ء میں دولت راؤ سندھیا اور ہو لکر میں جو جنگ ہوئی اس میں پیشوا نے سندھیا کا ساتھ دیا۔ اس کی فوجوں کو پونا کے قریب ۲۵ اکتوبر کو شکست فاش ہوئی۔ اس لڑائی کے شروع ہونے سے قبل ہی باجے راؤ اپنے دادا حکومت سر سال کی طرف فرار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دیوان کے ہاتھ

پیشوا کا کمپنی سے

معاہدہ ۱۸۱۷ء

(۲۵۰) ایک مسلسل اپنی تہرنگا کر برطانوی ریڈینٹ کے پاس روانہ کیا اور اپنی سلطنت میں معاونتی فوج رکھنے اور اس کے مصارف کے لئے گجرات یا سلطنت کے جنوبی علاقے میں چھبیس لاکھ سالانہ آمدنی کا ایک علاقہ مخصوص کرنے کا وعدہ کیا۔ ان تجاویز کو پیش کرتے وقت دیوان مذکور نے ریڈینٹ کو یقین دلایا کہ اس کے آقا کا صبر ارادہ ہے کہ جن اصولوں پر حیدرآباد سے کمپنی کا معاہدہ ہوا ہے انہی کے مطابق وہ بھی کمپنی سے ایک دفاعی معاہدہ کرے گورنر جنرل کے پاس جب پیشوا کی تجاویز بطوری کی غرض سے پہنچیں تو اس نے فوراً ان کی توثیق کر دی اور پیشوا کو یقین دلایا کہ برطانوی حکومت اس کا اقتدار و جلال قائم کرانے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کرے گی۔ ریڈینٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان شرائط کو ایک دفاعی معاہدے کی صورت میں مرتب کرے اور برطانوی معاہدے کے

لئے جو مزید شرائط ضروری ہوں ان کی پیشوا سے منظوری حاصل کرے۔

پیشوائے سال پر پہنچ کر حکومت بمبئی سے ایک جہاز طلب کیا اور پناہ چاہی ان سب باتوں کو منظور کر لیا گیا اور وہ انگریزی جہاز ہرکولین (Herculian) پر سوار ہو کر ۱۶ دسمبر کو بسین پہونچا۔ یہاں برطانوی رزٹنٹ نے اس سے ملاقات کی اور برطانوی حکومت اور اس کے درمیان ایک وفا کی معاہدہ باضابطہ طور پر طے ہو گیا۔

۳۱ دسمبر ۱۸۵۷ء کو اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ انگریزی حکومت

عہد نامہ بسین

۱۸۵۷ء

(۲۵۱)

نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی ہندوستانی پیادہ فوج کے چھ ہٹالین اور ایک توپ خانہ جس میں بوری توپچی ہوں گے پیشوا کو دے گی۔ پیشوائے اس امر کی فوج کے مصارف کے لئے چھ بیس لاکھ سالانہ آمدنی کا ایک علاقہ بمبئی کے حوالے کیا سورت اور گجرات کے

انگریزی مقبوضات کے متعلق حکومت پونہ اور بمبئی کے درمیان جوتنا زعات تھے وہ بھی طے ہو گئے۔ بمبئی نے سیکوآڑ سے جو معاہدے کئے تھے انھیں بھی پیشوائے تسلیم کر لیا۔ جید راباد اور پونہ کے درمیان جوتنا زعات تھے ان میں بمبئی کو ثالث مان کر اس کے فیصلے پر عمل کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ علاوہ ازیں پیشوائے اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ وہ تمام ایسے اٹھ خاص کو جن کا تعلق انگریزوں کی مخالف یورپی اقوام سے ہو یا جو برطانوی قوم کے مفاد کو نقصان پہونچانے میں یا اس کے خلاف کسی سازش میں مشغول ہوں اپنی ملازمت سے خارج کر دے گا۔

اس عہد نامے کے یہ خاص شرائط تھے اس کی تعمیل میں سہولت بہم پہونچانے اور برطانوی حکومت کے لئے تمام متوقع فوائد حاصل کرنے کے لئے جو تداہیر اس وقت اختیار کی گئیں انھیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فلٹسینٹ جارج میں جو فوج جنرل اسٹوارٹ کی کمان میں موجود تھی وہ اس معاہدے کی تعمیل میں مدد دینے کے خیال سے جس میں پیشوا کو پونہ کی گدی پر دوبارہ بٹھانا بھی شامل تھا سال تمبھدر اپر پہنچ گئی۔

اس مقصد کے لئے جنرل ویلنٹی کو ایک چیدہ فوج کی کمان دے کر روانہ کیا گیا جو پیشوا کی سلطنت کے جنوبی علاقے سے گزر کر اور دکن کی اعانتی فوج سے مل کر

(۲۵۲) جو کرنل اسٹیونس (Stevenson) کی کمان میں تھی ۲۰ اپریل کو پونہ پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ہی پولکر کی فوج فرار ہو گئی اور باجے راؤ جو برطانوی فوج کی آمد کی خبر شکرستین سے روانہ ہو چکا تھا پونہ پہنچا اور ۱۳ مئی کو اسے مسند نشین کر دیا گیا۔

اس معاہدہ کا پہلا شرطہ تو یہ ملا کہ پولکر فرار ہو گیا اور اکثر باجند اہلکاروں نے پیشوا کی اطاعت بہ خوشی قبول کر لی۔ اس سے پیشوا کو اطمینان ہوا اور انگریزی حکومت کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ اہم مسئلہ بغیر جنگ کے طے ہو گیا۔ لیکن یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی اور جب دولت راؤ سندھیا اور بھونسلے اس کے حلیف نظام دکن کی سرحد کا رخ کیا اور برطانوی ریڈینٹ کی پیش کردہ مختلف تجاویز کے جواب میں تاخیر کی اور انھیں ٹالنا شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

(۲۵۳) دولت راؤ سندھیا نے ریڈینٹ سے کئی مرتبہ مراسلت کرنے کے بعد تسلیم کر لیا تھا کہ عہد نامہ سلطانی کے ضامن ہونے کی حیثیت سے اسے پیشوا اور برطانوی حکومت کے کسی معاہدے کی مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے نیز اس نے اس بات کا بھی اقبال کیا کہ جو تہ راؤ پولکر کے اخراج اور باجے راؤ کی مسند نشینی سے اسے فائدہ پہنچا ہے۔ اس نے صاف الفاظ میں تحریر کر دیا کہ ”پیشوا اور برطانوی حکومت کے درمیان جو جدید معاہدہ ہوا ہے اس کی تعمیل میں رکاوٹ پیدا کرنے کا میں قطعی کوئی ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میری ٹوینہ خواہش ہے کہ پیشوا اور برطانوی حکومت کے جملہ تعلقات اس وقت میری سلطنت سے قائم ہیں وہ اور بھی زیادہ محکم ہو جائیں“ اس اعلان کے پانچ دن بعد ہی سندھیا کے وزیر نے ریڈینٹ سے دریافت کیا کہ برطانوی افواج پونہ کی طرف کیوں بڑھ رہی ہیں۔ اس کے جواب میں اسے مطلع کر دیا گیا

دولت راؤ سندھیا
کا
موقع پطرز عمل
۱۸۰۳ء

علہ۔ جب جنرل دیلزی پیشوا کے جنوبی علاقے میں پہنچا تو وہاں کے بڑے مالگرداروں نے جو پیشوا کے پڑائے باجندہ اتھے اطاعت قبول کر لی اور اس کے ہمراہ پونہ پہنچے۔ برسوں سے انہیں مات قبول کرنے کا بھی خیال ہی نہیں ہوا تھا۔

کہ پیشوا اسے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی یہ ایک شرط ہے لہذا ان نوجوں کو نہیں روکا جاسکتا اس کے ساتھ ہی اسے یاد دلایا گیا کہ وہ خود بھی اس معاہدے سے پورا اتفاق کر چکا ہے۔ ۲۷ فروری کو رزیدنٹ سندھیا کے مستقر برہان پور پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اسے خفیہ طور پر اطلاع ملی کہ سرچیف سردار برطانوی حکومت کے خلاف آپس میں ایک اتحاد قائم کرنے میں سرگرم ہیں جب راجہ برار کی فوجیں سندھیا کی افواج سے شرکت کرنے کے لئے جھیں اور ساتھ ہی یہ بت چلا کہ ہولکر سے بھی سرسخت ہو رہی ہے تو ایک حد تک اس خبر کی تصدیق ہو گئی لیکن جب دوسرے پہلو پر غور کیا گیا اور ان سلطنتوں کی نوعیت کا اندازہ کیا گیا تو صاف ظاہر ہو گیا کہ چند ایسے اسباب اس وقت موجود ہیں جن کی وجہ سے ان کا آپس میں متحد ہونا مشتبہ ہے اور اگر یہ فرض محال ان میں اتحاد ہو بھی گیا تو ان کی باہمی فضا صمت اور ایک دوسرے کے مفاد کے تضادم کی وجہ سے کوئی خاص خطرہ اس سے نہیں ہو سکتا۔

(۲۵۴)

حقیقت حال یہ ہے کہ جب تک سندھیا کو اس بات کا خوف رہا کہ جس وقت رائڈ ہولکر پونہ میں اپنا تسلط قائم کر سکتا ہے اس وقت تک وہ پیشوا کی سندھ نشینی کے مسئلے میں برطانوی حکومت کی مداخلت پر معترض نہیں ہوا بلکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ انگریزوں کے اس مسلک کے باعث اسے اپنے اس حریف کا خاتمہ کرنے میں مدد ملے گی جس نے پونہ میں فتح حاصل کر کے اپنی شہرت و قوت میں مقبول اضافہ کر لیا تھا لیکن جیسے ہی اس نے یہ دیکھا کہ برطانوی حکومت نے اپنی قوت اور فراست سے کام لے کر بغیر اس کی اعانت کے ہولکر کو پونہ سے نکال باہر کیا اور پیشوا کو سندھ نشین کر دیا تو اس نے فوراً اپنی تمام تدبیریں بدل دیں اور جس عہد نامے کو اس نے بلا کسی شرط کے تسلیم کر لیا تھا اس کی مخالفت پر تل گیا۔

اس مقصد کے حصول کی غرض سے اس نے پہلے پونہ پہنچا ضروری سمجھا۔ اگرچہ اس کے وہاں پہنچنے سے پیشوا کا جدید معاہدہ منسوخ نہیں ہو سکتا تھا تاہم بدھنی کا اندیشہ ضرور تھا لہذا گورنر جنرل نے اسے روکنے کا فیصلہ کیا اور اس کے دربار کے رزیدنٹ کو ہدایت کی کہ وہ سندھیا سے اس بات کا مطالبہ کرے کہ حیدر آباد وکن کی سرحد پر جو خطرناک صورت اس نے پیدا کر دی ہے اس سے باز آئے اور زبردستی عہد کر کے وہاں

(۲۵۵)

سے واپس ہو جائے یا اس بات کا کال ثبوت پیش کرے کہ اس کی نیت قطعی مخاصانہ نہیں ہے۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ سندھیا بغیر جنگ کے اپنے ارادوں سے ہرگز باز نہ آئے گا لہذا ایچ جنرل ویلر کی کوہر موہن کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا اور وہ حیدر آباد کی اعانتی فوج سے شرکت کرنے کی غرض سے پوتہ سے چند میل شمال میں بڑھ گیا اور دولت رائے سندھیا کے پڑاؤ پر اس وقت جو برطانوی ریزیڈنٹ مقیم تھا اس سے قریب قریب روزانہ مراسلت کرنے کا وہاں سے انتظام کر لیا گیا۔

۲۷ مئی کو ریزیڈنٹ نے سندھیا سے ملاقات کی اور عہد نامہ بین کی تفصیلی شرائط اس کے سامنے پیش کیں۔ سندھیا اور اس کے دیوان نے ایک دفعہ پر غور کرنے کے بعد کہا کہ ”اس میں تو ہمارے جائز حقوق کے خلاف ایک بات بھی نہیں“ لیکن اس بیان کے بعد بھی اس نے ریزیڈنٹ کو اپنے ارادوں سے قطع نہ کیا اور جب دوران ملاقات ہی میں اس نے اصرار کیا تو وہ یہ لکھ کر بھاگ گیا کہ ”راجہ برار سے ملاقات کرنے کے بعد میں تمہیں اطلاع دوں گا کہ ہم صلح چاہتے ہیں یا جنگ“

اس ایجنٹ معمولی دھمکی کے بعد کہ راجہ برار سے ملاقات کرنے کے بعد صلح یا جنگ کا فیصلہ کیا جائے گا معاملات کو مصالحت کے ذریعہ سے طے کرنے کی توقع اور بھی کم ہوئی (۲۵۵) بھونسلہ جس کی مرضی پر اب فیصلے کا انحصار تھا اب تک کبھی انگریزی حکومت کے موافق نہیں رہا تھا۔ اس خیال کے لئے بھی وجہ ہو جو تھی کہ جس کام سے بھی پیشوا کی قوت میں اضافہ ہوگا اس سے اسے حد ہوگا۔ کیونکہ چند حقوق کے لحاظ سے سربراہ سلطنت کی سرداری کا وہ بھی دعویدار تھا اور اس وقت وہ اس کا خواب بھی دیکھ رہا تھا۔ گورنر جنرل اس کے ان تمام خیالات و جذبات سے واقف تھا اور وہ اسے اپنا ہم خیال بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا اور پوتہ میں جو کارروائی ہوئی تھی اس کی تفصیل اور اس سلسلے میں اس کے جو مقاصد اور ارادے تھے ان سب کی اطلاع وہ اپنے ایک خط میں اسے دے چکا تھا لیکن جس طریقے سے اس نے اس سحر کو وصول کیا اس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ صلح کا حامی نہیں بن سکتا۔ برخلاف اس کے اس بات کے تعین کے لئے محقق وجہ ہو جو دھمکی کہ بھونسلہ اس موقع پر سندھیا اور ہر ایک سردار کو جو اس کے زیر اثر تھا جنگ پر آمادہ کرے گا۔ اگرچہ وہ خود باطلع جنگجو نہ تھا لیکن

دوسرے مرحلہ سرداروں کی طرح اسے بھی سر لڑائی میں کامیابی نظر آتی تھی۔ ان سبب کی تحریروں اور بیانیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سابق موقع پر ان کی جولائی انگریزوں سے ہوئی تھی اسی کے واقعات سے وہ اس وقت بھی تاجی اخذ کر رہے تھے۔ گزشتہ بائیس سال کی مدت میں جو انقلابات ہو چکے تھے انھیں وہ فراموش کئے ہوئے تھے انکے جیسے کو گزشتہ موقع پر جا رہا ہے خلاف جو کامیابی ہوئی تھی اس کا وہ برابر حوالہ دیتے تھے اور اپنی جہالت و تکبر کی وجہ سے اس بات کے سمجھنے سے قاصر تھے کہ اس کے بعد سے ہماری قوت میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے لہذا انھیں بھی اس وقت کی مہارت سے واقف تھا وہ بدیہی طور پر سمجھ سکتا تھا کہ باوجود ان تمام کوششوں کے جو اس غرض سے کی جا رہی تھیں کہ معاملات حد سے تجاوز نہ کرنے پائیں یہ سردار اپنے ارادوں سے باز نہ آئیں گے اور جنگ کرنے پر تلے رہیں گے۔

(۲۵)

سندھیا سے جو گفت و شنید ہو رہی تھی اس کی بابت غیر متنبی بخش اطلاع ملنے کے بعد ہی لارڈ ویلزلی نے شمال ہند اور دکن کی فوجوں کے سپہ سالاروں کو ان کے علاقوں میں کامل دیوانی و فوجی سیاسی اختیارات عطا کر دئے اور میجر جنرل ویلزلی کو خاص طور پر اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ اس ابتدائی حالت ہی میں سندھیا اور مولکر اور راہبرار سے خود ذاتی طور پر یا وہاں کے مقامی انگریزی ریڈنٹ اور کارندوں کی معرفت مہارت کرے اور اپنے انتظامات یا معاہدوں کے ذریعہ سے انھیں اس بات پر آمادہ کرے کہ یا تو وہ اپنے اپنے علاقوں کو واپس ہو جائیں یا اس بات کی معقول ضمانت پیش کریں کہ وہ برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں کے ساتھ امن سے رہیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ سندھیا سے اس کے ارادے معلوم کرے اور ایک معینہ مدت کے اندر جواب حاصل کرنے پر اصرار کرے۔ مدت کا تعین جنرل ویلزلی کے اختیار میں رہی پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن یہ ہدایت تھی کہ اس کا تعین کرتے وقت موسمی حالت کا لحاظ رکھا جائے تاکہ اگر حملہ کرنے کی نوبت آئے تو برطانوی حکومت کو موقعیت حاصل ہو سکے اور اگر تشفی بخش جواب نہ ملے تو ریڈنٹ کو سندھیا کے متفر سے واپس بلا لیا جائے اور اگر جنگ اہل ہو جائے تو نہایت مستعدی سے اسے جاری رکھا جائے اور جب تک کہ مخالف سردار کی طاقت کو اچھے طور سے نہ کچل دیا جائے صلح کے کسی پیغام کا

کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔ جنرل ویلزلی کو یہ اختیار بھی دیدیا گیا تھا کہ وہ مصلحت وقت کے لحاظ سے اپنی مرضی کے موافق سندھیا اور راجہ برار سے خواہ دو جدا جدا معاہدے کرے یا ایک ہی مشترک معاہدہ۔

شمالی ہند میں ایک کثیر فروج لارڈ لیک (Lord Lake) کی کمان میں تھی اسے بھی ہدایات روانہ کی گئیں اور جنگ چھڑنے کے بعد جن جن مقاصد کا حاصل کرنا ضروری تھا انکی تفصیل بھی اسے تحریر کر دیجی۔ وہ مقاصد یہ تھے۔ شمالی ہند میں فرانسیسیوں کو جو زبردست اختیارات حاصل ہو گئے ہیں اور وہاں جو آزادی انھیں حاصل ہے اسکا پورے طور پر فائدہ کر دیا جائے۔ پورے دو آبیہ لینے گنگا اور جمنا کے درمیان کماریوں پہاڑ تک جو علاقہ واقع ہے اس پر قبضہ کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی دہلی و آگرہ اور دریائے جمنا کے دائیں کنارے پر کماریوں پہاڑ سے علاقہ پٹنہ تک تعلقوں کا جو سلسلہ قائم ہے ان پر بھی قبضہ حاصل کیا جائے۔

(۲۵۹) گو رنر جنرل نے اپنی ان ہدایات میں اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ نام نہاد مغل بادشاہ اور اس کے اقتدار کو فطرتی جہالت کے اثر سے آزاد کرایا جائے اور پٹنہ لکھنؤ پر ہاتھ مارنے کا بھی اشارہ کیا کیونکہ بنارس کا علاقہ اور کمپنی کے دیگر چند اہم مقبوضات اس کے قریب میں واقع ہیں۔ اس خیال سے اس کا دشمنوں کے ہاتھ میں چھوڑنا خطرناک ہوگا۔

۱۵۔ ان ہدایات کے سلسلہ میں گو رنر جنرل نے لارڈ لیک کو لکھا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ کمپنی کے مقبوضات کے حدود دریائے جمنا و شہر آگرہ و دہلی اور ان تعلقوں کے سلسلہ سے آگے نہ بڑھیں جو اس دریا میں جہاز رانی کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ جمنا کے جنوب یا مغرب میں ان حدود سے آگے جو کھلیات بھی قائم ہوں اور وہ دفاعی اصول پر ہوں اور معاہدہ کرنے والوں کی حیثیت باجگزاروں کی ہو تاکہ برطانوی حکومت اور مرہٹہ سلطنت کے درمیان ادنیٰ ریاستوں کی ایک حد فاصل قائم ہو جائے اور ان ریاستوں کو اپنے اپنے علاقہ میں آزاد حکومت کے اختیار حاصل رہیں لیکن وہ کمپنی کی طاعت دیں اور اسی کی حفاظت کی محتاج ہوں۔

ان ہدایات کو عمل میں لانے کے لیے گورنر جنرل کے نزدیک جو تدبیریں ضروری تھیں ان کی تفصیل بھی لارڈ لیک کو لکھ دی گئی تھی لیکن حالات و واقعات کے لحاظ سے ان میں مناسب ترمیم یا تبدیلی کرنے کا اسے پورا اختیار دے دیا گیا تھا۔ بہر حال جنرل ویلز کی اور دولت راؤ سندھیا کے درمیان جو مراسلت ہو رہی تھی اس کے انجام پر جنگ شروع کرنے کا اعتماد تھا۔

میجر جنرل ویلز کی کو جو ہدایات ملے تھے ان کے بموجب اس نے دولت راؤ سندھیا کو ایک مراسلہ روانہ کیا اور عہد نامہ بستین کے صلح آمیز مقاصد بیان کئے اور اس عہد نامہ کے بعد سے مرہٹوں سے واروں نے جو مخالفانہ روش اختیار کی تھی ان کا ذکر کر کے بعد اس بات کا مطالبہ کیا کہ سندھیا اور راجہ برار کی فوجیں ایک دوسرے سے جدا ہو کر زبدا عبور کریں۔ اس کے ساتھ ہی اپنی طرف سے اس نے یہ یقین دلایا کہ اگر مرہٹہ سردار اس تجویز پر عمل کریں گے تو برطانوی فوجیں بھی اپنے اپنے مقصد پر واپس ہو جائیں گی۔ (۲۶)

جب جنرل ویلز کی کو گورنر جنرل کی مزید ہدایات موصول ہوئیں تو اس نے سندھیا کو دوسرا خط ۲۶ جون موصول ہوئی تو اس نے سندھیا کو دوسرا خط لکھا اور جو وسیع اختیارات اسے حاصل تھے ان کی اسے اطلاع دی اور ساتھ ہی ساتھ ریڈینٹ کو ہدایت کی کہ وہ اس بات پر اصرار کرے کہ سندھیا راجہ برار سے علیحدگی اختیار کرے اور ان دونوں کی فوجیں اپنے اپنے قدیم مقصد کو

سندھیا سے
بحث و مباحثہ
۱۸۵۳ء

واپس ہوں اور اگر اس کی تعمیل نہ ہو تو وہ فوراً مرہٹوں کے پڑاؤ سے واپس ہو جائے۔ دولت راؤ سندھیا نے شروع میں تو جنرل ویلز کی کی سخاوت قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن راجہ برار سے صلاح کرنے کے بعد ۲ جولائی کو ریڈینٹ کو مطلع کیا کہ ”ہماری فوجیں اپنے اپنے علاقوں ہی میں ہیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ نہ ہم اپنی پہاڑوں سے آگے بڑھیں گے اور نہ پوتہ کا رخ کریں گے۔ ہم نے گورنر جنرل کو بھی اپنی طرف سے اس بات کا اطمینان دلانے کے لیے تحریر روانہ کر دی ہے کہ عہد نامہ بستین کی منسوخی کے لیے ہم کوئی کوشش نہیں کریں گے۔“

ان باتوں کے جواب میں ریڈینٹ نے میجر جنرل ویلز کی کے مطالبات کو دہرایا

اور انہیہ خیال ظاہر کیا کہ جب تک آپ اس پڑاؤ پر تقسیم نہیں گئے آپ کی ان باتوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہاں آپ کا قیام آپ کی حفاظت کے لیے ضروری نہیں رہتا۔ برخلاف اس کے وہاں سے ہمارے حلیف حضور نظام الدین کی سرحد پر چڑھ کا خوف ہے۔ ان دلائل کے سننے کے بعد ان سرداروں نے قطعی جواب دینے کیلئے ۲۸ جولائی تک مہلت مانگی چونکہ ریڈینٹ کو ذاتی طور سے اس بات کا علم تھا کہ گورنر جنرل حتی الوسع جنگ سے بچنا چاہتے ہیں۔ اسلئے اس نے جنرل ویلز کی ہدایات کے خلاف انھیں مزید مہلت دیدی۔ ۲۸ ستمبر کو ریڈینٹ نے ان کے وعدہ کے بموجب آخری جواب کا مطالبہ کیا اسکے جواب میں یہ پیغام ملا کہ آج دولت راؤ سندھیا اور راجہ آپس میں بات چیت کرنے والے ہیں اس پر اچھی شرکت ضروری نہیں اسکے بعد آپ سے ملاقات کر نیکیے لیے وقت مقرر کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں ریڈینٹ نے دولت راؤ سندھیا پر وعدہ خلائی کا اہم لگایا۔ اور اسے آگاہ کیا کہ اگر کل دوپہر تک تشفی بخش جواب نہ ملا تو میں اپنے خیمے اور گناہ روانہ کر دوں گا۔ اور دوسرے دن خود بھی حمل دوں گا۔

ان سرداروں کی طرف سے ٹال مٹول ہوتی رہی لیکن باوجود اس کے ریڈینٹ سندھیا اور بھونسلہ سے ۲۹ جولائی کو ایک مرتبہ اور ملاقات کرنے کے لیے رہنی ہو گیا ان دونوں کی طرف سے معاملات طے کرنے کے لیے اس کے سامنے متعدد سختی اور پیش کئے گئے اور آخر میں انھوں نے کہا کہ وہ برہان پور واپس ہونے کے لیے اس سفر پر آمادہ ہیں کہ جنرل ویلز پہلے اپنی فوجیں اپنے قدیم پڑاؤ پر لے جائے۔ اس کا ریڈینٹ نے یہہہ جواب دیا کہ ”یہ تجویز ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ آپ کو اس کے بعد بھی اپنی مرضی کے موافق اپنے تدابیر پر عمل کرنے کا موقع رہے گا۔ اور کمپنی کو اس وقت آپ کو روکنے کے جو مواقع حاصل ہیں ان سے وہ محروم ہو جائے گی۔“ اس جواب کے بعد انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کی فوجوں کی واپسی کے لیے ریڈینٹ خود ایک دن مقرر کر دے اور برطانوی حکومت کی طرف سے اس بات کا وعدہ کرے کہ اسی روز جنرل ویلز کی فوجیں بھی اپنے قدیم مستقر کی طرف کوچ شروع کر دیں گی۔ اگرچہ ان تجاویز کو جنرل ویلز کی ہدایات کے بموجب قبول نہیں کیا جاسکتا تھا تاہم اس کی خواہش سمجھی کہ ایک جنگ جو گفت و شنید وہ نہایت خوش اسلوبی اور قابلیت سے کرتا رہا ہے وہ صلح پر ختم

ہو جائے اس لیے وہ اس بات پر راہی ہو گیا کہ سمجھوتے کے لیے جو تجاویز پیش ہوئے تھے وہ اپنے خط کے ساتھ جنرل ویلزی کے پاس روانہ کر دے گا اور اس کا جواب آنے تک خود ہی مقیم رہے گا۔ اس گفت و شنید میں ان سرداروں نے ہر موقع پر ٹال مٹول جھوٹ اور فریب سے کام لیا تھا۔ آخر میں یہ سب باتیں صاف ظاہر ہو گئیں سندھیا اور جھولنڈا نے جنرل ویلزی کو جو خطوط روانہ کئے تھے وہ ریڈیو ٹی کے پاس بھیج دئے گئے ان میں بجائے اس تجویز کے جو انھوں نے اس سے طے کی تھی صرف یہ درج تھا کہ اگر جنرل ویلزی اپنے مستقر کو واپس ہو جائے گا تو ان کی متحدہ فوجیں بھی برہان پور واپس چلی جائیں گی چونکہ ریڈیو ٹی اس تجویز کو قطعی طور پر مسترد کر چکا تھا۔ لہذا ان کی اس کارروائی کو اس نے اپنی توہین اور ان کی بیوفائی پر محمول کیا اور جس بات کے بارے میں اسے اب تک تامل ہو رہا تھا اس کا اب اسے کامل یقین ہو گیا یعنی یہ کہ ان سرداروں کا یہ مقصد ارادہ ہے کہ اگر وہ برطانوی حکومت کا خاتمہ نہ کر سکیں تو اس کی سلطنت پر اور اس کے حلیفوں پر حملہ کر کے اس کی قوت کم کرنے کی انتہائی کوشش کریں اور یہ سب ٹال مٹول محض اس غرض سے ہے کہ اس مدت میں وہ اپنے تمام وسائل یکجا کر لیں اور مرسلت و سازش کے ذریعہ سے اپنے اتحاد کو جو برطانوی قوت کے خلاف وہ قائم کرنا چاہتے ہیں مستحکم کر لیں۔

(۲۶۳)

کرنل کالنس (Colonel collins) ۳ اگست کو سندھیا کے

ٹپو سے روانہ ہو گیا اور ۸ اگست کو جنرل ویلزی نے احمد نگر پر حملہ کر کے جنگ شروع کر دی۔

جنگ سے قبل ہی قسم کی گفت و شنید جاری

رہی اس جنگ کے اوقات اور اس کی حقیقی ضرورت

سے صرف وہی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو اس حکمت عملی

کی دانستہ ہی کے منکرموں جس کے ذریعہ سے ٹپو سلطان جیسے غنیم کا جسے انگریزوں کے

نام سے عداوت تھی خاتمہ کیا گیا۔ لاڈ ویلزی نے اپنی حکمت عملی کے خاص مقصد میں

فرما کر دئے دکن کی اعانت حاصل کرنے کی غرض سے جو معاہدے میں درآباد

سے کئے گئے ان کی تکمیل ریاست پونہ کے دربار میں مقبول اثر قائم کئے بغیر ہرگز

(۲۶۴)

نہیں چکسکتی تھی۔ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اگر انگریز جنگ کے برائے نتائج سے عارضی نجات حاصل کرنے کی غرض سے اس سلطنت کے مفاد یا استحکام کو کسی خطے میں ڈال دیتے تو ان کی یہ ایک نہایت ذلیل حرکت ہوتی۔

سندھیا اور راجہ برار سے برطانوی حکومت کی جو جنگ ہوئی اس کے واقعات تفصیل سے بیان کرنا اس کتاب کے موضوع کے خلاف ہو گا۔ یہ جنگ صرف پانچ مہینے جاری رہی لیکن یہیں کہنی کو متعدد نمایاں اور فیصلہ کن فتوح حاصل ہوئے۔ دہلی۔ سوآڑی۔ آسامی۔ ارگالو کی لڑائیاں اس فیل مدت میں فتح ہوئیں۔ علیگر گڑھ۔ اگرہ۔ گوالیار۔ احمد نگر۔ اسیر گڑھ۔ گوال گڑھ اور ٹنگ کے

سندھیا اور اس کے حلیف

کی

ناکامی ۱۸۰۳ء

مستحکم قلعے اور دیگر متعدد معمولی قلعے بھی اسی زمانہ میں فتح ہوئے۔ جب ان سرداروں کی پیادہ فوجوں اور توپ خانوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کے بہترین قلعے ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور جن قلعوں پر انھیں ناز تھا وہ تسخیر ہو گئے تو مجبوراً انھوں نے علیحدہ علیحدہ صلح کی درخواست کی۔ سندھیا کی باقاعدہ فوج کی تباہی دراصل اس جنگ کا ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔ اس میں تقریباً چالیس ہزار قواعداں سپاہی تھے جن کے پاس ایک زبردست توپ خانہ تھا۔ فرانسیسی سپہ سالار کے پاس ان کی کمان تھی ان کے مصارف کے لیے ہندوستان کے درخیز ترین علاقوں کی آمدنی مخصوص تھی اس فوج کی شکست کے بعد ہی سندھیا نے جنگ جاری رکھنے کا خیال ترک کیا اور وہ برطانوی حکومت کے فیض و کرم پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہوا۔

(۲۶۵)

راجہ برار نے اس معاملہ میں مشقید کی اور گوال گڑھ کے اہم قلعے کی تسخیر کے بعد ہی جنرل دیزلی سے معاہدہ کر لیا۔ اس کے بعد ہی جنرل دیزلی نے سندھیا سے بھی اسی اصول پر صلح کی بات چیت شروع کی کہ پہلے وہ اپنی مکمل شکست تسلیم کر لے۔ سندھیا کو جو

سندھیا اور راجہ برار

معاہدے ۱۸۰۳ء

۱۸۰۳ء کے معاہدہ کے پایا جس میں رگھو جی مہونڈلا نے ٹنگ کا علاقہ دیا (بقیہ مآخذ مینو آئندہ)

(۲۶۶)

شرائط پیش کی گئیں وہ اس کے حالات کے لحاظ سے نہایت معقول تھیں۔ ان سے بہتر کی وہ ہرگز توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے دیوان نے اس بات کو تسلیم بھی کیا۔ چند چھوٹے صوبے مع چند دیہات کے جو اس کے خاندان کے موروثی مقبوضات تھے اسے واپس دیدیئے گئے اور ان کی وجہ سے ایک حد تک دیگر نقصانات کا غم غلط ہو گیا۔

سندھیا کے جن باجگزار راجاؤں اور رئیسوں سے کمپنی نے معاہدے کر لئے تھے ان سب سے اس نے اس عہد نامہ کی ایک دفعہ کے مطابق بحر خیز امتیازات کے دست برداری دیدی۔ اسی سلسلہ میں تلچگوں الیار اور علاقہ گوڈ کے مستقل تنازعہ

(۲۶۷)

(بقیہ ناشیہ صفحہ گزشتہ) اور وارڈہا کے مغرب میں صوبہ برار کے علاقہ سے دست برداری دی۔ اس علاقہ کا ادنیٰ میں وہ منور نظام دکن کے ساتھ شریک تھا۔ فرمانروائے دکن کے لئے مالی فائدے کے مقابل میں سرحد کی حفاظت کے خیال سے اس کی فوجی اہمیت بہت زیادہ تھی علاوہ ازیں ایک علاقہ میں دوسرے کے دخل و اختیار سے الگ ذریعہ وصول کرنے میں جو تنازعات رہتے تھے ان سے بھی نجات مل گئی۔

کمپنی نے راجہ برار صوبہ وار دکن اور پٹنہ کے باہمی تنازعات کو آئندہ بحیثیت ثالث طے کرنے کی ذمہ داری لی اور راجہ نے وعدہ کیا کہ وہ کسی فرانسیسی اور یورپ و امریکا کی کسی ایسی قوم کی رعایا کو جو حکومت کے خلاف جنگ میں مصروف ہو اپنے یہاں ملازم نہیں رکھے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ فریقین کے درمیان ایک دوسرے کا وزیر مقیم رہے گا۔

علاقہ سندھیا کے عہد نامہ پر ہم دسمبر ۱۷۸۵ء کو دستخط ہوئے جس کی رو سے اس نے شمالی ہند میں اپنے تمام مقبوضات جو بھو پور، جوہ پور اور گجرات کے شمال میں واقع تھے کمپنی کے حوالے کئے۔ بھڑوچ کا علاقہ اور ہنگا تلچگوں دیدیا۔ انہیں کے جنوب کی تمام اراضی بھی دیدیں اور برطانوی حکومت۔ اس کے حلیف صوبہ وار دکن، چٹوا، اور گیکر اڑ پر اس کے جو مطالبات تھے۔ ان سب سے بھی دست برداری دے دی۔

اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر آئندہ سندھیا برطانوی حکومت سے کوئی وفاعی معاہدہ کرے تو انگریزی فوج کے مصارف جو اس کی خدمت کے لیے رکھی جائے اس علاقہ سے وصول کئے جائیں گے جو عہد نامہ ہذا سے اس نے کمپنی کو دیا ہے۔

سندھیا کے دبار اور فوج کے خاص خاص عہدہ داروں کو شمالی ہند کا علاقہ محل جانے سے جو نقصان پہنچا تھا اس کا لحاظ کرتے ہوئے کمپنی نے وعدہ کیا کہ وہ سندھیا کی جنگیہ فہر کے مطابق انہیں چند لاکھ سالانہ کا وظیفہ دیگی۔

ہو گیا اور صلح کے بعد فریقین میں جو یگانگت ہوئی چاہتے تھے اس میں اس کی وجہ سے عارضی طور پر خلل آگیا۔ برطانوی حکومت بلاشبہ حق بہ جانب تھی لیکن باوجود اس کے سندھیا اور اس کے وزراء اس سلسلہ پر برابر شور مچاتے رہے۔ انھیں مجبوراً اس وقت خاموش ہونا پڑا۔ لیکن برطانوی حکومت نے فتح کے بعد جو صلح آمیز رکشش اختیار کی تھی اس کی وجہ سے وہ برابر کامیابی کی توقع کرتے رہے۔ اگرچہ ان کے اس دعوے کو قطعی طور پر رد کر دیا گیا تھا تاہم جب بھی انھیں موقع ملتا تھا اور وہ حالات اپنے موافق دیکھتے تھے اپنا مطالبہ پیش کر دیتے تھے۔

اس عہد نامہ پر ۳۰ دسمبر ۱۸۱۷ء کو دستخط ہوئے اور ۲۷ فروری ۱۸۱۸ء کو سندھیا کے دربار والے برطانوی سرٹیفکیٹ نے اس سے ایک دفاعی معاہدہ طے کیا جس کی وجہ سے اتحاد اور بھی مستحکم ہو گیا۔

(۲۶۸)

سندھیا اور راجہ برار کی جنگ کے دوران میں جنرل ہولکر نے جو رکشش اختیار کی وہ مرہٹہ سرداروں کی طبائع اور خصوصیات کے مطابق تھی۔ اس نے انگریزوں کے خلاف اتحاد میں محض شرکت ہی کا وعدہ نہیں کیا تھا بلکہ راجہ برار کے توسط سے سندھیا کے ساتھ ایک عظیمہ معاہدہ

ہولکر کا طرز عمل

۱۸۰۳ء

بھی کیا تھا اور اس معاہدے میں سندھیا نے اسے ملالینے کی غرض سے ترغیب کے طور پر اسے منقول مراعات دے تھے اس طور سے شروع میں تو اس نے سربازت کا وعدہ کر لیا لیکن جب جنگ چھڑ گئی تو اپنے ساتھیوں کو مدد دینے کا نام تک نہ لیا۔ اس بات کے یقین کرانے کے لیے بھی وجہ موجود ہے کہ ابتدا میں اس کے حریف سندھیا کو جو کچھ میسر ہوئی

۱۔ لفٹننٹ کرنل میک گام۔

۲۔ اس معاہدہ کے مطابق سندھیا کی مدد کے لیے چند دستاویزی سپاہیوں کے چھ ہتھیار تیار کئے گئے۔ سندھیا کو اختیار دیا گیا کہ انھیں وہ خواہ اپنے مقصد سے ملائے میں رکھے یا کمپنی کے کسی محکمہ مناسب ہمدردی علاقے میں تعینات کرے۔ کمپنی کو جو علاقہ اس نے دیا تھا اس کی آمدنی میں سے ایک ہزار روپے فی مقررہاتی اس دفاعی معاہدہ کی باقی تمام شرائط وہی تھیں جو کمپنی نے حیدر آباد اور پونہ سے طے کی تھیں۔

ان سے وہ بہت خوش ہوا اور اگر اس کے خیالات میں کچھ تبدیلی ہوئی (جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہوئی) تو اس وقت جبکہ اس نے سندھیا کو بالکل تباہ ہوتے دیکھا لیکن انگریزوں کی فتوحات کچھ ایسی تیزی سے اور اس قدر عسید کن ہوئیں کہ اسے مداخلت کا قطعی موقع نہ مل سکا۔ تاہم صلح ہونے سے قبل ہی اس نے شمالی ہند کا رخ کیا اور راجہ جے پور کی سرحد پر جو اس وقت سکپنی کی حفاظت میں تھا جا پہنچا۔

یاد جو اس کے کہ جہنوت راؤ ہو کر ہمیشہ انگریزوں کی دوستی کا دم بھرتا رہا تھا۔ اس وقت اس کا کچھ اور ہی رنگ تھا۔ لہذا گورنر جنرل نے لارڈ لیک کو ہدایت کی کہ وہ اس سے مرسلت کرے اور اس کے ارادوں کا ٹھیک اندازہ لگائے تاکہ سکپنی کو اس کی فوج کے لیڈروں سے نجات ملے جو اس کی یا اس کے حلیفوں کی سرحد پر اس کی کمان میں جمع ہو گئے ہیں اور ان کی وجہ سے اسے مصارف برداشت نہ کرنے پڑیں۔

(۲۶۹)

لارڈ لیک نے ۲۹ جنوری ۱۸۱۷ء کو ہو لکر کے نام ایک خط روانہ کیا اور اس میں چند شرائط تحریر کیں جن کی تعمیل کی صورت میں برطانوی حکومت اسے آزاد و خود مختار چھوڑ سکتی ہے۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ اپنی وفاداری اور صداقت کے بانی وعدوں کی تائید کے لحاظ سے وہ اپنی فوج کو اپنی موجودہ قیام گاہ سے ہٹا کر جہاں اس نے خطرناک صورت پیدا کر دی ہے اپنے علاقے کو واپس ہو جائے اور اس بات کا وعدہ کرے کہ آئندہ کبھی برطانوی حکومت کے حلیفوں سے خراج وصول نہیں کرے گا۔

چند روز بعد ہو لکر نے برطانوی سپہ سالار کے پاس اپنے وکیل بھیجے جنہوں نے اپنے آقا کی طرف سے مندرجہ ذیل شرائط پیش کیں۔

اول۔ ہو لکر کو اپنے اسلاف کے رواج کے مطابق چوتھ مہول کرنے کا حق دیا جائے۔

دوم۔ جو علاقے اس کے بزرگوں کے قبضے میں تھے وہ اسے واپس دے جائیں (ان میں دو آبے اور بندھیلکھنڈ کے نہایت زرخیز بارہ ضلع شامل تھے)

سوم۔ علاقہ ہورنیا جو پہلے اس کے خاندان کے قبضے میں تھا اسے

واپس دیا جائے۔

چہارم۔ ان سب علاقوں پر اس کی حکومت تسلیم کر لی جائے اور نہ دھیا کی مشرطیٰ پر اس سے بھی ایک معاہدہ کر لیا جائے۔

(۲۷۰) ان بیجا مطالبات کو فوراً مسترد کر دیا گیا۔ ان کی نوعیت اور ان کے پیش کرنے کے طریقے سے لارڈ لیک کو جو منت راکو کے ارادوں کا صحیح اندازہ ہو گیا اور تبذیں اس نے جو غلط و شہابی ہند میں برطانوی حکومت کے باجگزار اور مانت سرداروں کو ابھارنے اور بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے روانہ کئے ان سے ان ارادوں کا اور بھی زیادہ پتہ چل گیا اس نے اس معاملہ میں سرگن کوشش کی اور ہر قسم کے دلائل پیش کئے اور ان سرداروں کو مطلع کیا کہ وہ بہت جلد کمپنی پر حملہ کر کے اس کے مقبوضات کو تاراج کرنے والا ہے۔ اسی عرصہ میں جنرل دیلزلی نے ہوکر کی ایک تحریر جو غالباً فردوسی میں لکھی گئی تھی (لارڈ لیک کے پاس روانہ کی۔ اس میں ہوکر نے دکن کے چند علاقے اس بنا پر طلب کئے تھے کہ وہ پہلے اس کے خاندان کے مقبضے میں تھے اور اس تحریر کو اس نے مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم کیا تھا۔

”کمپنی کے ملک کو تو انھوں کو اس تک لوٹ کر تباہ کر دیا جائیگا لارڈ لیک کو ایک لمحہ کے لیے دم لینے تک کی مہلت نہ ملے گی۔ میری فوج مثل سمندر کی موجوں کے بے شمار ہے۔ جب وہ لوٹ پڑی تو لاکھوں انسانوں پر آفت و بلا نازل ہو جائے گی“

اس توہین اور دھمکی کے ساتھ ہی اس نے اقدامی حملے کی علانیہ کارروائی بھی شروع کر دی۔ اپنا ایک ڈیل سندھیا کے دربار میں بھیجا اور برطانوی حکومت پر حملہ کرنے میں اس سے مدد چاہی اور راجہ جے پور کی ریاست پر دھاوے بھی شروع کر دیے۔

(۲۷۱) برطانوی سپہ سالار اس کی ان تمام حرکات کو بجز اعلان جنگ کے اور کسی بات پر محمول نہیں کر سکتا تھا لہذا اس نے ہوکر کی طرف رخ کیا ہوکر فوراً اپنے پٹے اوڑھے پیچھے ہٹ گیا۔ اور برطانوی فوج نے کچھ دور تک اس کا تعاقب کیا۔

ہوکر سے جنگ

۱۸۰۲ء

اس طور سے جنگ چھڑ گئی۔ اس میں جو نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں وہ چند ناکامیوں کی وجہ سے چھپکی پڑ گئیں۔ اگرچہ کرنل مالٹن کی مراجعت اور محاصرہ بھرت پور سے جس میں سپاہیوں اور افسروں کی بہت جانیں تلف ہوئیں کمپنی کو بہت سخت زک پہنچی تاہم لارڈ ویلزلی کے دور کے ختم سے قبل ہی ہو لکر کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ دیک کی لڑائی میں تو اس کی باقاعدہ پیادہ فوج اور توپ خانے کو نقصان پہنچا اور فتح گرہ کی لڑائی میں اس کی سوار فوج کی ہمت لپٹ ہو گئی۔ اس کے خاندان کے دو متحکم قلعے چندور (Chandour) اور گولناہ (Guelnah) بھی لیئے گئے۔ اپریل ۱۸۱۷ء میں اس معرور قزاق نے دریائے جمبل کے طیر مراجعت کی۔ اس وقت اسکی سوارہ فوج چالیس ہزار سے گھٹ کر آٹھ یا دس ہزار اور پیادہ فوج بیس ہزار میں سے چار یا پانچ ہزار رہ گئی تھی اور سو توپوں میں سے صرف بیس تھیں تو میں اس کے پاس باقی رہ گئی تھیں۔ اگرچہ ان واقعات کے بعد اس سے فوری صلح نہ ہوئی تاہم اس کی بعد کی کوششوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کس قدر مغلوب ہو چکا تھا۔

۱۷۹۹ء و ۱۸۰۱ء میں شاہ کے حملے کا خوف رہا اس خطرے کی نجات

(۲۰۲)

ایران میں

برطانوی سفیر

کی کامیابی

۱۸۰۱ء

کے لیئے لارڈ ویلزلی نے جو مختلف تدابیر اختیار کیں ان کے ساتھ ہی اس نے اپنا ایک سفیر ایران بھی روانہ کیا۔ اس سے قبل ہی اس نے ایک ہندوستانی سفیر وہاں روانہ کیا تھا جس کا وہاں اچھی طرح استقبال ہوا تھا۔ اور ایک حد تک اسے کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی۔ اب جو سفیر دوبارہ ایران کو روانہ کئے گئے ان کی نشان دہی شکست ایران اور اسکی رعایا کے رسم و رواج اور خصوصیات کے مطابق اور جس سلطنت کی طرف سے وہ بھیجے گئے تھے اس کی دولت و اقتدار کے نشان نشان تھی۔ اس وفد کو اپنے ہر مقصد میں پوری پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ برطانوی وفد کی کوششوں سے شاہ ایران نے خراسان پر حملہ کرنے کی آمادگی ظاہر کی جس کی وجہ سے زمان شاہ کو ہندوستان کا خیال ترک کرنا پڑا خرید برال ایران سے سیاسی

۱۸۰۱ء میں کرنل میلکام۔

و تجارتی تعلقات قائم ہوئے جس کی بہ دولت فرہنگی ایران سے خارج کر دئے گئے اور انگریزوں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچا اس بات میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں کہ جس دور اندیشی اور خوش اسلوبی سے یہ تعلقات قائم کئے گئے تھے اگر اسی طرح انھیں بڑھانے اور برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی تو اس علاقہ میں انگریزوں کا معقول اثر قائم ہو جاتا۔ اور وہ ان تمام خطرات سے محفوظ ہو جاتے جن کا کہ ہمیشہ انھیں اس سمت میں کھٹکا لگا رہتا ہے۔

۱۸۴۱ء میں لارڈ ویلیزلی ایک مہم مصر کے لیے تیار کی اور سر ڈیوڈ بیرڈ

Sir David Bird ہندوستان سے ایک کثیر التعداد

فوج لے کر سوئز کے راستے سے اسکندریہ روانہ ہوا۔ بحیرہ روم

(۲۰۳)

(Mediterranean sea) پر اس برطانوی فوج کا جس میں

مصر کیلئے مہم
۱۸۴۱ء

زیادہ تر ہندوستانی سپاہی شامل تھے کچھ عجیب ہی سماں تھا۔

مارکوئس ویلیزلی کے زمانہ میں چند مستعد و مہمولى کام اور انجام پائے۔ ان سب کا بھی وہی رنگ تھا اور وہی آغاز اور وہی اختتام تھا۔ اور ان میں بھی ایسی ہی کامیابی حاصل ہوئی جیسی کہ مذکورہ بالا واقعات میں ہوئی تھی۔ یہ سب معاملات کتنے ہی دیکھ چکیوں نہ ہوں اس جگہ ان کا بیان کرنا اس کتاب کی ضخامت بڑھائے بغیر ممکن نہیں لہذا اب ہم صرف وہ انقلابات بیان کریں گے جو برطانوی حکومت اور اودھ و کرناٹک کی دشمنانی ریاستوں کے تعلقات میں واقع ہوئے۔

اودھ کے معاملہ
۱۷۹۹ء

لے جب وزیر علی انگریزی رزیدنٹ مرٹچر کے دریا قتل کے بعد جو اس سے دوستانہ ملاقات کرنے کے لیے گیا تھا بنارس سے فرار ہوا تو لارڈ ویلیزلی کو اس معاملہ میں اپنی پوری طاقت و قوت صرف کرنی پڑی۔ قاتل نے راجہ بے پور کے بیٹا پناہ لی۔ ویلیزلی نے راجہ مذکور کو معذور کیا کہ وہ اسے برطانوی حکومت کے حوالے کرے تاکہ خون کا بدلہ لیا جائے اس کے بعد قاتل کو اسیر کی حیثیت سے نوٹ دہیم میں رکھا گیا۔

یہ تھا کہ نواب وزیر اودھ کی فوج کے سرکش اور بیکار سپاہیوں کو غلطہ کیا جائے اور اس کی سلطنت کی حفاظت کے لیے لکھنؤ کی باقاعدہ فوج میں اضافہ کیا جائے۔ گورنر جنرل کے نزدیک سلطنت اودھ کو اندرونی بد امنی اور بیرونی حملے کا جو خوف لگا ہوا تھا اس کی وجہ سے اسے اس کام کی طرف توجہ کرنے اور جن اصولوں پر کہ نواب وزیر سے اتحاد قائم تھا انہیں بہتر بنانے کی فکر ہوئی۔

ان فوجوں کے متعلق جو انتظامات نواب وزیر کے سامنے پیش کئے گئے انہیں اس نے پہلے تو تسلیم کر لیا لیکن جب اسے یہ محسوس ہوا کہ اس طور سے اس کا اثر خود اس کے ماتحتوں پر بھی کم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی رضامندی ظاہر کرنے پر بچتا یا اور ان انتظامات کی تکمیل کو ٹالنے کی کوشش کی۔

(۲۶۶)

۱۷۹۹ء میں نواب مرصوف نے مسند سے دست بردار ہونے کا ارادہ ظاہر کیا برطانوی ریڈنٹ نے اس کے خلاف ہر ممکن دلیل پیش کی لیکن وہ اپنی اس الزامی تجویز پر اصرار کرتا رہا۔ نواب وزیر نے اس سلسلہ میں جو وجوہ پیش کئے تھے وہ یہ تھے کہ ریاست کی حالت خراب ہے۔ حکومت کے افسران اہل ہیں رعایا سے میرے تعلقات اچھے نہیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے سخت نفرت ہے اور میں ان سب حالات سے بیزار ہوں یہ سب باتیں پہلے سے مشہور تھیں۔ لہذا ان کی صداقت کی وجہ سے لارڈ ویلیزلی کو یقین ہو گیا کہ نواب وزیر اپنے ارادہ میں لپکا ہے اور اسے جب یہ اطلاع ملی کہ جو کچھ روپیہ اس نے جمع کیا ہے اسے لیکوہ روانہ ہونا چاہتا ہے تو ان سب باتوں کی مزید تائید ہو گئی کیونکہ نواب کی یہ خواہش اس کی کمزوری اور حرص و طمع کے مطابق تھی۔

بعد میں یہ پتہ چلا کہ یہ سب دھوکہ تھا اور اصل وہ اس طریقے سے فوجی تنظیم کی اصلاح میں تاخیر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ اصلاحات اس قدر ضروری تھیں اور برطانوی حکومت ہند کے عام سفاد اور استحکام سے ان کا اس قدر قریبی تعلق تھا کہ لارڈ ویلیزلی ان کمزور دلائل اور طفلانہ حیلوں کی وجہ سے ان کی تعمیل میں تاخیر روا نہیں رکھ سکتا تھا۔ بلکہ اسے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ نواب نے اس اہم موقع پر جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کی وجہ سے اس انتظام کی تکمیل اور بھی زیادہ ضروری

(۲۶۷)

سرطان شورش نے اس کی سند نشینی کے وقت جو معاہدہ اس سے کیا تھا اسکی دفعہ سات کی رو سے کمپنی کو حق حاصل تھا۔ کہ اگر دونوں سلطنتوں کی حفاظت کے لیے اودھ والی انگریزی فوج میں امناذ ضروری ہو تو وہ کر سکتی ہے اور گزشتہ دو سال میں اس قسم کی ضرورت کے لیے متعدد ناقابل تردید ثبوت مل چکے تھے۔

ان حالات کا لحاظ کرتے ہوئے لارڈ ویلزلے نے ایک زاید فوج روانہ کرنے کا فیصلہ کر دیا اور یکس لاکھ سالانہ اس کے مصارف مقرر کئے سابق چہتر لاکھ لاکر اب جلد رنم ایک کروڑ چھس لاکھ سالانہ ہو گیا۔

(۲۷۶) گورنر جنرل کی خواہش تھی کہ کمپنی کی جو فوج اودھ میں مقیم ہے اسیں تو امناذ کریا جائے اور نواب وزیر کی بے کار بلکہ خطرناک فوج میں کمی کی جائے تاکہ اس انتظام جو ریاست کی حفاظت کے لیے نہایت ضروری ہے اودھ پر زاید بار نہ پڑے۔ لیکن سعادت علی خاں نے خواہ اپنی کمزوری یا خود غرض فتنہ پر داری کی سازشوں کی وجہ سے اسکی تکمیل میں سخت دقتیں پیدا کر دیں۔ اس کے سابق طرز عمل اور اس موقع کی علانیہ مخالفت اور ریاست کی روز افزوں ابتری اور بد انتظامی کا لحاظ کرتے ہوئے لارڈ ویلزلے نے اس انتظام کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس کی تاکہ اس ذریعہ سے کمپنی کو اودھ کی سرحد پر جو

اے معاونتی فوج کے مصارف کے علاوہ نواب وزیر سے دیگر مصارف کے لیے علیحدہ رقم ملی جاتی تھی۔ نواب نصف الدولہ کے زمانہ میں جلد مقررہ رقم یکس لاکھ تھی لیکن لارڈ کا رنولس کے بیان کے مطابق اس رقم کے علاوہ سالانہ ایک تقریباً چھتر لاکھ سالانہ روپیہ دیگر غیر معمولی مصارف کے نام سے زاید وصول کیا گیا تھا۔ لارڈ ویلزلے نے اس کے معاہدہ کے مطابق کمپنی کو اودھ کی اس فوج میں امناذ کرنا حق حاصل تھا اس سلاطین کی بحث مجبوری کہ انصاف کرتے وقت نواب کی ضمانتی حاصل کرنی ضروری ہے اور معاہدہ کے الفاظ کا بھی یہی منشا معلوم ہوتا ہے اسکا جواب دیا گیا کہ جس قابل غرض نے معاہدہ کیا تھا اگر اسے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی تو اسکی محض یہ وجہ ہوگی کہ یہ ایک نہایت ہی سہل دعویٰ ہے۔ کیونکہ انصاف کے لیے بیرونی فطر کے کی شرط مستوری قرار دی گئی ہے۔ جس کے فیصلہ کا صرف ایک ہی فریق مجباز ہو سکتا ہے۔ اس معاہدہ کی ایک دوسری دفعہ کی رو سے نواب وزیر کو فیصد ریاستوں سے مراسلت کرنے یا تعلقات قائم کرنے کی مخالفت کی گئی ہے۔

فوجیں رکھنی پڑیں۔ ان کے مصارف کا نواب وزیر سے کچھ قفلت نہ رہے اور آئندہ کیلئے کمپنی نیز نواب وزیر کو ان تمام وقتوں سے نجات مل جائے جو ایک بڑی رقم کے ماہانہ ادا کرنے کی وجہ سے پیش آتی رہتی ہیں۔

لارڈ ویلزلے نے یہ بھی خیال کیا کہ نواب وزیر کے مجموعی طرز عمل سے (یعنی ہند سے دست بردار ہونے کا خیال ظاہر کرنا۔ اپنی نااہلی کا اقبال۔ بیرونی حملہ کی صورت میں اپنی فوج کی طرف سے خوف ظاہر کرنا۔ اور اس میں کمی گرتے پھرتے اصل راضی ہونا بعد میں نہایت نامناسب طریقوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کرنا اور ریاست کی تباہ حالت جو اس کی بد انتظامی کی یہ دولت ہو رہی تھی) اس بات کی ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ وہ اب لازمی طور سے ایک ایسے معاہدے پر اصرار کرے جس سے آئندہ کے لئے تمام جھگڑے طے ہو جائیں اور امکان کی حد تک ریاست کی حفاظت کا حصول انتظام اور اس کے لئے جو فوج درکار ہو اس کے مصارف کا باقاعدہ اور مستقل انصرام ہو جائے۔ لہذا ان خیالات کے بموجب اس نے اپنے بھائی نہرہی دیلزی کو اودھ میں تعینات کر کے ہدایت کی کہ نواب وزیر سے معاہدہ طے کیا جائے اور ریاست کا ایک ایسا علاقہ حاصل کر لیا جائے جس کی آمدنی اودھ کی امانہ شدہ معادنتی فوج کے مصارف کے لیے کافی ہو۔

(۲۷۷)

نواب وزیر نے بالآخر اور بدقت تمام معاہدہ منظور کر لیا۔ غالباً یہ سب باتیں ظاہر داری کے لیے ہتھیں تاکہ یہ خوشی آمادگی ظاہر کروانے سے اس کے ماتحت و متعلقین جو اس علاقے سے اب تک فائدہ اٹھاتے رہے تھے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

۱۔ نواب وزیر نے ایک موقع پر خود یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ فوجیں محض دشمن کے لیے کارآمد ہوسکتی ہیں اور اسی خیال سے خاص اپنی حفاظت کے لیے یہ رطلانی فوج کا ایک دستہ طلب کیا تھا سر اے۔ کلارک Clarke اور سر جیمز کریگ Sir James Craig فوج کے خطوط سے بھی اس بیان کی تائید ہوئی۔ انھوں نے لکھا کہ ”یہ تو ایک باقاعدہ فوج ہے ضرورت کے وقت بجائے کسی مدد کی توقع کے خود اس کی نگرانی اور اسے موعوب کرنے کے لیے ایک علیحدہ فوج درکار ہوگی۔“

۲۔ یہ خیال نواب کے خیال کا مخالف کرتا ہے صحیح معلوم ہوتا ہے اور بعد میں اس کا جطر عمل ہمارے بھی کئی ائینہ بنی

سرحد سے دونوں سلطنتوں کو کسی قسم کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس پر بجائے نواب وزیر کی فوجوں کے کمپنی کی فوجیں متعین ہو گئیں اور ان کے مصارف کا انتظام بھی کمپنی کے ہاتھ میں آ گیا۔

بعد میں نسبتاً چند غیر اہم اور معمولی شرائط اور ملے پائیں۔ نواب وزیر کو ابتدا میں جو کچھ رکنج ہوا تھا وہ بہت جلد رفع ہو گیا۔ اور اس معاہدہ کی یہ دولت خود انہیں اور ان کی رعایا کو خاطر خواہ آرام و اطمینان میسر ہو گیا اور اس کے بعد انھوں نے ہر موقع پر اور اپنے قول و فعل دونوں سے برطانوی حکومت کے ساتھ اہل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ (۲۸۰)

جب مرہٹوں سے لڑائی شروع ہوئی تو نواب نے از خود مدد دینے کی خواہش ظاہر کی اس سے لارڈ ولزلی کو بہت مسرت ہوئی۔ نواب نے خاص اپنے اہل بل سے توپ خانہ کے لئے اعلیٰ قسم کے گھوڑے دیئے اور مصارف جنگ کے لئے اپنے خزانے سے ایک کثیر نقد رقم بھی جس سے جنگ کی کامیابی میں معقول مدد ملی جو لوگ نواب وزیر کی طبیعت سے ذرا بھی واقف تھے انھیں اس کے ظاہر و باطن دونوں سے اس امر کا یقین ہو گیا کہ گد ز جنرل نے جو کچھ بھی انتظام کیا ہے اس سے اب وہ مطمئن ہے اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ اس آخری انتظام کی بدولت اس کی ذات اور اس کی رعایا دونوں کو آرام و اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان جو ناگوار مسائل پیش آتے تھے ان کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور وہ کی حفاظت کے لئے جو برطانوی افواج متعین کی گئی تھیں ان کے مصارف کا بھی مستقل انصرام ہو گیا تھا اور ہر قسم کی غیر معمولی ضروریات بھی اسی سے پوری ہو سکتی تھیں۔

نواب وزیر کی فوج میں جو کمی کی گئی تھی اس سے مجلس نظام کی رازدار کمیٹی نے پورا اتفاق کیا اور اپنے مراسلہ مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۱۷ء میں تحریر کیا کہ ہم گورنر جنرل کی ان خدمات کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک ان اصلاحات کی بدولت محض نواب وزیر کی سلطنت ہی کا معقول انتظام نہیں ہوا بلکہ پچاس لاکھ سالانہ کی مقررہ رقم میں اس طرح کثیر اضافہ ہو جائے گا کہ کمپنی کو ان افواج کے مصارف کی ادائیگی میں بھی معقول مدد ملے گی جو اس سمت میں زماں شاہ اور برطانوی مفدا و

کی دیگر مخالف طاقتوں سے اپنے مقبوضات کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ضرور تھا
 بڑھانی پڑتیں۔“

نواب وزیر سے جو معاہدہ بعد میں ۱۱۱۱ سے بھی اس مجلس نے لینا کیا لیکن
 جب تک کہ نطام کو اس معاہدہ کی گفت و شنید کے تمام متعلقہ واقعات سے آگاہ ہی
 نہ ہوئی اس وقت تک انہوں نے اس کی منظوری نہ دی۔ اس طور سے اس میں پورے
 دو سال لگ گئے جن اسباب کی بناء پر اس انتظام کو خاص اہمیت حاصل تھی
 ان کا راز دار مجلس نے نہایت صحیح اندازہ کیا اس لیے انہوں نے جو تعریف کی اسکی
 قدر بہت بڑھ گئی۔

انہوں نے لکھا کہ حال میں گورنر جنرل نے نواب وزیر سے جو معاہدہ کیا ہے
 اور جس کی توثیق اس نے ۱۰ نومبر ۱۸۵۷ء کو کی ہے اس پر ہم نے غور کیا اور ہم انکی
 جلد شرائط کو منظور کرتے ہیں۔“

(۱۲۰۲) ہمارے نزدیک نواب وزیر اور کمپنی دونوں کے مفاد کی ان شرائط سے
 حفاظت ہوگئی ہے اور اس کی ترقی کے اسباب بھی مہیا ہو گئے ہیں اور آدوہ کی ترقی
 حکومت و نطام کا بھی انتظام ہو گیا ہے جس سے وہاں کی رعایا بھی
 لازمی طور پر خوشحال ہو جائے گی کمپنی نے اس معاہدہ سے جو علاقہ حاصل کیا
 ہے اگرچہ اس کی آمدنی جو نواب کو اب تک وصول ہوتی رہی ہے اس فوج کے
 سقرہ معاوضے اور دیگر متعلقہ ضروری مصارف کی رقم سے زائد نہیں ہے جو
 ضرورت کے لحاظ سے مستقل طور پر اود میں رکھی گئی تھی تاہم گورنر جنرل کی اس
 تنجویر سے ہم اختلاف نہیں کرتے کہ اودہ کی اندرونی و بیرونی حفاظت کی غرض سے
 کمپنی کو جو غیر معمولی مصارف داشت کرنے پڑیں اور جن کی ادائیگی ۱۸۵۷ء کے
 معاہدے کے مطابق نواب وزیر کے ذمہ ہوتی ہے آئندہ وہ اس پر عائد نہ کئے
 جائیں اور ان مصارف کے مساوی ہم اس اضافہ آمدنی سے مطمئن ہیں

۱۸۵۷ء نومبر ۱۸ء

سکرتہ عبداللہ مراد علی مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۵۷ء بنام گورنر جنرل۔

جس کی توقع بجا طور پر اس علاقہ میں کپڑی کی بہتر حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے کی جاسکتی ہے۔ یہم اس قسم کے معاوضے کو زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کا مدار تنہا وہاں کی خوش حالی اور ترقی پر ہوگا اور نواب وزیر کو اس سلسلے میں کوئی اختیار نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس کی تباہ کن اور ظالم حکومت اور طریقہ مالگزاری سے تو اس علاقہ کی آمدنی میں کمی ہوئے ہی کی توقع تھی جیسا کہ اب تک ہوتا رہا تھا۔

چونکہ نواب وزیر کو اب مختلف قسم کی پریشانیوں اور اپنی بیکار اور بدکردار فوج کے بے جا مصارف سے نجات حاصل ہوگئی ہے اور اس سرکشی اور بے وفائی فوج کا ایک بڑا حصہ برخاست بھی ہو گیا ہے جو ہمیشہ رعایا کے ایک سربراہ اور دہ طبع کے تابع رہتی تھی اور جس کی وجہ انھیں نہایت معیوب طریقے سے ہر کام میں رہنا پڑتا تھا۔ لہذا ہمیں پوری توقع ہے کہ وہ ہماری باقاعدہ اور تنظیم یافتہ فوج کی حفاظت میں رہ کر اندرونی حکومت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں گے۔

لکھنؤ کے معاہدے کے بعد گورنر جنرل کے بھائی سنری ویلیزلی نے یہ حیثیت لکھنؤ گورنر کے اس جدید علاقے کی مالگزاری کا اختتام کیا تھا اور جس خوبی سے اس نے یہ اہم اور دشوار کام انجام دیا تھا وہ ہر لحاظ سے اس کی خصوصیات کے شایان شان اور عوام کے مفاد کے موافق تھا لہذا اس مراسلے میں اس کی خدمات کا بھی نہایت جائزہ پر اعتراض کیا گیا تھا۔

لکھنؤ کے یہ تمام واقعات اس قدر تفصیل کے ساتھ معض اس محوری سے بیان کئے گئے ہیں کہ اہم اور ضروری واقعات فروگزاشت کئے بغیر اختصار کن نہ تھا۔ لہذا اگر ناٹک میں جو واقعات لارڈ ویلیزلی کے زمانہ میں پیش آئے انھیں بھی اسی وجہ سے کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ ان مقاصد اور اصول کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ جو ان ماتحت ریاستوں کے ساتھ گورنر جنرل کے مسلک کے محرک تھے۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو نواب محمد الامیر مسند نشین ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں مارکوس کارنوالس نے ان کے باپ سے جو معاہدہ کیا تھا اسی کی شرائط کے مطابق انھوں نے مسند قبول کی۔ چونکہ وہ نواب محمد علی خاں کے برے فرزند

اور ولی عہد تھے ہند اس حیثیت سے انھیں بھی بطور فریق کے اس معاہدے میں شریک کر لیا گیا تھا۔ اور اس کے سزا میں بھی انکا نام خاص طور پر درج تھا۔ حکومت ہند اور وکام انگلستان کو ۱۹۱۷ء کے معاہدے سے جو فوائد تھے وہ بہت کم پوری ہو سکیں۔ نواب محمد علی خاں نے معاہدے کے بعد جو طرز عمل اختیار کیا وہ نہ صرف کمپنی اور اس کے مفاد کے لیے مضر تھا بلکہ ان کی رعایا اور ریاست کی خوشحالی کے لیے بھی تباہ کن تھا۔

اس بات کا اد پر ذکر ہو چکا ہے کہ جب لارڈ ہارٹ فورٹ - سینٹ جارج کا گورنر مقرر ہوا تھا تو مجلس نظام نے اسے ہدایت کی تھی کہ لارڈ کا تو اس والے معاہدے کی ترمیم ایک ایسے اصول پر کی جائے جو کمپنی کے مفاد کے موافق ہو اور جس سے کرناٹک کی رعایا کی حالت بہتر ہو سکے یا یہ الفاظ دیگر ریاست تیار ہی سے بچ جائے اور ان تکلیف وہ تنازعات کا خاتمہ ہو جائے جو نواب اور ان کے اعلیٰ عہدے داروں کے فضائل کی وجہ سے ۱۹۱۷ء کے معاہدے کی اہم ترین شرائط کی تکمیل میں پیش آتے رہتے ہیں۔

(۲۸۵) گورنر نے معاہدہ میں ترمیم کرانے کے لیے جو کوشش کی اس کی نواب نے سختی سے مخالفت کی اور اس معاملہ میں اس قدر سخت جدو جہد کی کہ اس کے حل کی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکی۔ کم طرف اور خود غرض مشیروں کے اثر پر اسے مجبور کیا گیا لیکن ان لوگوں کا نواب پر اس قدر زیا وہ اثر نہ تھا کہ وہ باوجود دشمنی ذرا اور مجلس نظام و حکومت فورٹ سینٹ جارج کے اصرار کے ان تبادلات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے جو کسی لحاظ سے بھی ان کے ذاتی مفاد یا اقتدار کے لیے مضر نہیں ہو سکتی تھیں۔ علاوہ ازیں جب تک کہ ان کے تعلقات کمپنی سے قائم تھے ان باتوں کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

جب مارچ ۱۹۱۷ء میں مدراس پریچینا تو اس نے کلکتہ واپس

کرناٹک کی حالت اور اس معاہدہ کی تکمیل کے فاقات لارڈ ہارٹ کے مراسلہ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

ہونے سے قبل چند دن اسی کوشش میں صرف کئے لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا ان
سجاء ویز کے سلسلے میں نواب نے جو طرز عمل اختیار کیا اس سے گورنر جنرل کو اس بات
کا اندازہ ہو گیا کہ اس سمیت پر مزید گفتگو بالکل بے سود ہے لیکن اس کے ساتھ ہی
ہر لمحہ اسے اس امر کا بھی یقین ہوتا گیا کہ ایک ایسے جدید انتظام کی سخت ضرورت
ہے جس کے ذریعہ سے کمپنی نقصان سے نواب تباہی سے اور اس کی رعایا مصیبت
سے بچ سکے اور اس نے اپنی یہ رائے بھی ظاہر کی کہ زیر بحث معاہدے سے
جو حالات پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

۱۷۹۶ء میں دوبارہ مدراس پہنچا تو اسے اس سجادے کی کمزوریوں اور وقتوں کا
جن میں نواب کی طرز عمل کی وجہ سے مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اور بھی زیادہ احساس
ہو گیا۔ اس اہم اور نازک موقع پر نواب بجائے دوست کے دشمن کی طرح
کام کر رہا تھا۔

ایسی حالت میں جبکہ جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور سامان رسد
مہیا کیا جا رہا تھا نواب کے لازم تساہل سے کام لے رہے تھے اور اکثر موقعوں
پر وقتیں بھی پیدا کرتے تھے۔ ان سب باتوں سے گورنر جنرل کے دل میں مختلف
شک کے شہات پیدا ہوئے اور جب نواب نے اپنی ایک حرکت سے جنگ کی
پہلی لہر میں رکاوٹ پیدا کی تو ان شہات کی تائید بھی ہو گئی میور پر جو فوج کوچ
کرنے والی تھی اس کی فوری ضروریات کے لیے نواب نے تین لاکھ گھوڑا دینے کا
وعدہ کیا تھا اور اس کی تکمیل کے لیے اس نے جو سجاء ویز پیش کی تھیں گورنر جنرل نے
ان سب کو منظور بھی کر لیا تھا۔ علاوہ ازیں نواب نے اس اہم معاملہ میں اپنے
اخلاص کا اس قدر زبردست ثبوت دیا تھا کہ گورنر جنرل کو اس رقم کی وصول یا پی
کا کمال یقین ہو گیا تھا اور خزانہ میں جو دہ پیہ موجود تھا وہ اس نے دوسرے کاموں
پر صرف کر دیا لیکن جس دن فوج نے کوچ شروع کیا تو اس نے روپیہ دینے سے
قطعاً انکار کر دیا اگر منگال سے روپیہ نہ آجائے تو اس نازک وقت میں اس
وعدہ خلافی سے کمپنی کو جو نقصان پہنچتا اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لارڈ کلایون نے اس

بدنکار روانی کے متعلق جو مراسلہ لکھا ہے اسے وہ ان الفاظ پر ختم کرتا ہے "جویت نہیں
کہہ سکتا کہ نواب نے ارادہ کیا ہے وفائی کی لیکن اس کے ساتھ ہی اس غیر معمولی طرز عمل کے اگلے
میں کوئی دوسری وہ معلوم بھی نہیں کر سکا"
سرگاپنٹم پر قبضہ ہونے کے بعد سلطان کے صیغہ راز کے دفتر میں چند
کاغذات ملے۔

اس ان کاغذات کی جانچ کی گئی اور گورنر جنرل کے احکام کے بموجب فارسی کے
مترجم ایڈمنسٹرن Edmonstone نے اس کی مفصل کیفیت لکھی جس سے سب فریل
باتوں کا ثبوت ملا۔

۱۔ ۱۹۶۷ء کے معاہدے کے خلاف نواب محمد علی خان نے اپنے بڑے بیٹے محمد علی
کی رائے اور صلاح سے غلام علی اور علی رضا و کیلوں کی معرفت شیو سلطان سے صیغہ راز ملت
کی۔ اور یہ کارروائی کپنی کے مفاد کے خلاف تھی ہندوہ معاہدے کے بنیادی اصولوں کے
بھی خلاف تھی۔

۲۔ نواب محمد علی خاں اور عہد الامار نے شیو سلطان سے سیاسی معاملات پر مرا
کی جس کا مقصد اپنے مفاد کو ترقی دینا اور کپنی کو زک پہنچانا تھا۔

۳۔ نواب محمد علی خاں نے غلام علی اور علی رضا سے خود بھی مراسلت کی اور عہد الامار
کی معرفت بھی کی اور اتحادِ تلامذہ کے خلاف (جو نظام دکن۔ مرہٹوں اور انگریزوں کے مابین ہوا
تھا) اپنی رائے ظاہر کی کہ اس اتحاد ہی سے سلطان کی طاقت کو زک پہنچی ہے۔

اس سلسلے میں انھوں نے حضور نظام دکن پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے اس موقع
پر احکامِ شریعت کے خلاف کام کیا حالانکہ ہر دین دارِ مسلم کا فرض ہے کہ جس
کام کا بیڑا سلطان نے اٹھایا ہے اس میں وہ شرکت کرے۔

۴۔ والا جاہ اور عہد الامار نے شیو سلطان سے جو مراسلت کی تھی اس کی ساری
جویت کا پتہ ایک صفحے سے چلا جو سلطان کے صیغہ راز کے کاغذات میں ملا۔ ان مراسلوں کا خط
اُن تحریروں کے خط سے مشابہ تھا جو والا جاہ اور عہد الامار اور برطانوی حکومت کو لکھا کرتے تھے
علاوہ ازیں ان کے حاشیوں پر خاص ٹیپو کے منشی کے ہاتھ سے یہ لکھا ہوا تھا کہ رعیتِ حاشیہ بخیر اند

ان کا مذاق سے اس بات کا قطعی ثبوت مل گیا کہ نواب والا جاہ اور عمدۃ الامراء (۲۸۹/۱۱۵) دو نواب نے ملکہ سلطان سے کپہنی کے مفاد کے خلاف مراسلت کی۔

ان واقعات سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی کہ اس طریقے سے محض ۶۷۲ کے معاہدے کے منشاء کے خلاف ہی کام نہیں کیا گیا بلکہ اس کی ایک اہم دفعہ کی بھی خلاف ورزی ہوئی جس میں یہ بات صاف الفاظ میں درج ہے کہ ”نواب کپہنی کی منظوری حاصل کئے بغیر کسی یورپی یا دیسی طاقت سے سیاسی یا کسی اور قسم کی مراسلت ہرگز نہیں کرے گا“۔ بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ اگر معاہدے کی کسی ایک شرط کی بھی خلاف ورزی کی جائے اور خصوصاً ایک ایسی دفعہ کی جس پر کہ دیگر تمام شرائط کا انحصار ہو تو کل معاہدہ فسخ ہو جاتا ہے لہذا ۱۸۵۷ء کے معاہدے کو منسوخ سمجھنا چاہئے اور اس وقت کے خلاف یہ کارروائی کی گئی ہے اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مخالفت اور اپنے مفاد و استحوا کی نوعیت کے لحاظ سے جو طرز عمل مناسب سمجھے اختیار کرے۔ نواب کے برطانوی حکومت سے جو تعلقات تھے ان کی رو سے ان کی حیثیت ایک شخانی حلیف کی سی تھی۔ اس کی حکومت اور اس کے اقتدار کو اب تک جو برقرار رکھا گیا تھا وہ کسی خاص حکمت عملی یا مصلحت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض

(بقیہ حاشیہ مندرجہ ذیل) یہ مراسلے عمدۃ الامراء کے ہیں اور جن معنوں کا۔ پتہ لگا تھا وہ اکثر تحریروں کی عبارت میں بھی پائے گئے۔ اگر محض معنوں کا ایجاد کرنا اور شیوہ سے مراسلت کرنا عمدۃ الامراء کی بے وفائی ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے تو اس بات کا بھی ثبوت مل گیا کہ ان معنوں سے اگر نواب اور ان کے حلیف ہی مراد تھے۔ انگریزوں کے لئے تازہ وارد نظام و کن کے لئے بیچ، اور مرہٹوں کے لئے ’پونج‘ (کم ظرف) لکھا جاتا تھا۔

۵۔ سلطان کے کاغذات میں ایک خط ملا جس سے یہ ثابت ہے کہ عمدۃ الامراء نے ۱۸۵۷ء تک اس قسم کی خط و کتابت جاری رکھی۔ اگرچہ اس خط پر نہ کسی کے دستخط تھے اور نہ کوئی ہر تہی اور آخر میں غلام حسین لکھا ہوا تھا تاہم ناقابل تردید تحریری مواد سے یہ بات ثابت ہے کہ جب نواب مذکور اپنے ہاتھ سے کوئی خط لکھتا تھا تو اس میں بھی فرضی نام ذوالا لیا جاتا تھا۔ علاوہ ان میں دو سرے ثبوت یہ ہے کہ یہ خط بھی نواب کے دیگر خطوں کے ساتھ ملکہ کے دفتر میں ملا اور اس کا مضمون بھی اسی ہے لکھا۔

(۲۹۰) انصاف کی خاطر تھا۔ انگریزی قوم نے ہمیشہ اپنے معاہدوں کی نہایت قابل فخر طریقے پر پابندی کی اگرچہ اکثر موقعوں پر وہ اس کے مفاد کے منافی ثابت ہوئے۔ ایسی فادہ فادہ کی بدولت نواب عہدہ الامراء مسند نشین ہو سکے اور اسی کے طغیان میں ان کے باپ اس مسند پر برقرار رہے تھے۔

نواب مذکور نے اپنی مسند نشینی کے بعد جو طرز عمل اختیار کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ برطانوی حکومت نے کس قدر ایشیاء سے کام لیا ہے اور اس نے کبھی کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہمیشہ اپنی بات کی پابندی کی اور اس کی خاطر اکثر موقعوں پر اپنے مفاد تک کو اس نے معرض خطر میں ڈال دیا۔ برخلاف اس کے نواب اپنے وسائل کو جن پر نہ صرف ان کے بلکہ کمپنی کے وجود کا بھی انحصار تھا بریا کرتے رہے اور اپنی بدانتظامی سے اپنی رعایا کو مغلل بنادیا اور اپنی ریاست تباہ کر دی۔

(۲۹۱) اس سازش کی گرفت سے قبل بھی نواب کا طرز عمل کئی موقعوں پر ٹھیک نہیں رہا تھا اگرچہ کمپنی اس کی وجہ سے معاہدے کی ان ذمہ داریوں سے بری نہیں ہو سکتی تھی جو خود اس نے اپنے اوپر لی تھیں تاہم نواب عہدہ الامراء اپنی بے وفائی کے بعد اس اعتماد و فیاضی کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا جس سے وہ اب تک بے جا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ رازدار کمپنی کے ایک حکم سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان میں حکام کمپنی کے نزدیک نواب کا رویہ اس گرفت سے قبل ہی ایسا رہا تھا کہ کمپنی بجا طور پر سلسلہ کے معاہدے کے خلاف عمل کر سکتی تھی کیونکہ اس معاہدے کی ایک خاص شرط یہ تھی کہ بجز چند صورتوں کے (جن کا متعاقب ذکر کیا جائے گا) اختتام جنگ پر نواب کی ریاست اُسے واپس دے دی جائے گی اور مجلس مذکور نے جس وقت یہ تحریر لکھی تھی اس وقت تک ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس وقت گورنر جنرل کے زیر غور جو معاملہ تھا اس پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا تاہم لارڈ ویلزلے کو اس تحریر سے

ملنے میں سلطان سے جنگ ہونے کی صورت میں نواب کرنا تک اور راہہ تجور کے علاقے بلاشبہ کمپنی کے انتظام میں آئے اور جب تک کہ ہم سے مجلس نظام ہے اجازت حاصل نہ کر لی جاوے اور ان فرمانرواؤں کے وسائل مبنی پر جو ہمارے ایک اور ایسی کامیابی کا منتظر تھا نظام نہ ہو سکا ان کے علاقے انھیں واپس نہ دیئے جائیں اور سلسلہ بنام لارڈ ویلزلے کی طرف سے ۱۷۹۹ء

یہ اندازہ ہو گیا کہ نواب کے ساتھ کس اصول پر کام کرنا چاہتے ہیں۔

اس اہم اور نازک معاملے میں تاخیر کرنے سے جن نقصانات کا اندیشہ ہو سکتا تھا لاڈ ویلز کی ان سب سے بخوبی واقف تھا اور فورٹ سینٹ جارج کے گرد و نواح کے علاقوں کی منتشر حالت کی وجہ سے خطرات اور بھی بڑھ گئے تھے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں برطانیہ کی عزت و شہرت کا سوال ہے لہذا جلت سے کام کرے جس کے بجائے اس قسم کے خطرات کا مقابلہ کرنا بھی زیادہ مناسب ہے۔ اس اصول پر کاربند ہو کر اس نے حکومت مدراس کو صرف یہ حکم دیا کہ غلام علی اور رضا خان وکیل اور مرحوم ٹیپو سلطان کے دیگر ملازمین کی ٹھکانہ دینا جائے اور ان سے جرح کر کے نواب کے فرض عمل کی بابت تحقیقات کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تمام کاغذات جو سرنگاپٹم میں برآمد ہوئے تھے مع فارسی مترجم کی رائے کے انگلستان روانہ کر دیئے اور اس سلسلے میں اپنی رائے ظاہر کی کہ زیر بحث معاملہ میں جو ثبوت ہم پہنچا ہے اس سے ہمیں اس بات کا پورا حق حاصل ہے کہ ہم نواب کو آئندہ کمپنی کی حفاظت اس قسم کا بیجا فائدہ نہ اٹھانے دیں تاہم میں نے یہ فرض احتیاط ایک اور اعتدال پسند راستہ اختیار کیا ہے جو میرے نزدیک برطانوی حکومت کی خصوصیات اور اس کے نیک نامی کے شایان شان ہو گا۔

(۲۹۲)

لاڈ ویلز نے اپنے مراسلے مورخہ ۲۸ مارچ ۱۷۸۲ء میں حکومت مدراس کو ہدایت دی کہ نواب کے انتقال تک اس معاملے میں کوئی فیصلہ کن کارروائی نہ کی جائے۔ نواب کی صحت نہایت خراب تھی اور موت یقینی معلوم ہوئی تھی ان کے انتقال کے بعد عہدۂ الامراء کے بیٹے علی حسین کو یا عظیم الامراء کے بیٹے عظیم الدولہ کو اس شہر سے مسند نشین کرایا جائے کہ وہ ریاست کا تمام دیوانی و قوجی انتظام کمپنی کے حوالے کر دے اور اپنے واسطے سالانہ وظیفہ قبول کرے۔ انور نہ جزل کی ان ہدایات سے ظاہر ہے کہ ان صاحبزادوں کو مسند نشین کرنا محض مصلحت کی خاطر تھا نہ کہ ان کے حقوق کی بنا پر گورنر جزل کے نزدیک

کرناٹاک کی سندہ
نشینی کا مسئلہ

(۲۹۳) عہدہ الامراء کے طرز عمل کی وجہ سے اس کے خاندان کے تمام حقوق تلف ہو چکے تھے لارڈ ویلیزلی کی ہدایت یہ تھی کہ اول عہدہ الامراء کے بیٹے سے معاملہ کیا جائے اور اگر وہ یہ شرط قبول نہ کرے تو عظیم الدولہ سے گفتگو کی جائے اور اگر وہ بھی رضی نہ ہو تو حکومت ہر اس گورنر جنرل سے کمزید ہدایات حاصل کرے۔

اس مراسلہ سے ایک اور عجیب بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسند نشینی کا سوال پیدا ہونے سے قبل ہی گورنر جنرل کی رائے یہ تھی کہ اگر اس خاندان کا حق وراثت باقی رکھا جائے تو وہ عظیم الدولہ کو ملنا چاہئے۔ کیونکہ عہدہ الامراء کے نام نہاد بیٹے علی حسین کی مسند نشینی سے مسلمان برکتہ ہو جائیں گے اور اسے معزول کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

گورنر جنرل نے اپنے اس مراسلے میں علی حسین کو ترجیح دینے کی جو وجہ تحریر کئے ہیں ان کا مسند نشینی کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گورنر جنرل کے احکام کے بموجب لارڈ کلائیو نے جو تحقیقات کی اس سے واضح ہوا اور عہدہ الامراء دونوں کی بے وفائی ثابت ہو گئی۔ غلام علی اور علی رضا کی شہادتیں لی گئیں۔ اگرچہ ان کے بیانات سے چند باتیں غلط بھی ثابت ہوئیں تاہم جن واقعات سے سلاطین کے معاہدہ کی خلاف ورزی ثابت ہوتی تھی ان کی مسند نشین تصدیق و تائید ہو گئی۔

(۲۹۴)

لارڈ کلائیو نے ان بیانات اور شہادتوں کے تمام ضخیم کاغذات مع کرنل کلوز (Colonel Close) اور سٹریٹ (Mr. Webb) کی رائے کے انجمنوں نے تحقیقات کی تھی (گورنر جنرل کے پاس روانہ کر دیئے) اور ان کے ساتھ ہی اپنا مراسلہ نمبر ۲۳ بھی روانہ کیا۔ اس مزید تحقیقات کا لارڈ کلائیو پر جو اثر ہوا تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے بخوبی ہو جائے گا جس پر اس نے اپنی تحریر کو ختم کیا تھا۔

کرناٹک میں ہمارے جو افرامن و معاہدہ نامے کے ذریعے سے قائم ہیں ان کے خلاف خفیہ سازشی اور ملامتہ مخالفت کا ہمیں نہایت زبردست ثبوت مل چکا ہے۔ مزید برآں نواب احمد کپڑی کے درمیان جو اتحاد قائم ہے اس کے

منشا نیز اس کی خاص خاص شرائط کی نواب نہایت بیوفائی کے ساتھ خلاف دوزی کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کر رہا ہے۔ لہذا ایسی حالت میں میرے نزدیک تو ۱۷۹۷ء کے معاہدہ کی حرف بہ حرف پابندی کرنا وفاداری کے عام اصول کے خلاف اور ہمارے جائز حقوق و مفاد دونوں کے لیے بدھی طور پر مضر ہو گا۔

ان وجوہ کی بنا پر مجھے آپ کے سامنے اس تجویز کے پیش کرنے میں مصلحت شامل نہیں کہ آپ کرناٹک کا تمام دیوانی و فوجی انتظام اپنی حکومت کی ماتحتی میں لے لیں اور نواب اور اس کے خاندان اور اس کی ریاست کے خاص خاص عہدہ داروں کے لیے اپنی مرضی کے موافق انتظام فرمادیں۔

(۲۹۵)

اس مراسلے کے موصول ہونے کے بعد گورنر جنرل نے خیال کیا کہ ان معاملات کو طے کرنے اور کرناٹک میں کمپنی کے مفاد کی حفاظت کرنے کے لیے اسے خود جلد از جلد مدرس پھینچا جائے اور اسی وجہ سے اس نے مارچ ۱۸۰۱ء تک لارڈ کلایو کو اس مسئلہ کے متعلق کوئی مزید ہدایت روانہ نہیں کی لیکن جب اودھ کے معاملات اور شمالی ہند کے عام حالت کی وجہ سے بنگال چھوڑنا تقریباً ناممکن ہو گیا تو اس نے لارڈ کلایو کو ہدایت کی کہ وہ سرسرب کو جو حکومت مدراس کا ایک اعلیٰ عہدہ دار تھا بنگال روانہ کرے تاکہ کرناٹک کے انتظامات اور دیگر متعلقہ امور کی بابت احکام نافذ کرنے سے قبل تمام واقعات پر اس سے مفصل گفتگو کر لی جائے۔

سرسرب کی عدم موجودگی میں جو مذکورہ بالا حکم کے یہ موجب بنگال ہو چکا تھا نواب کی حالت نازک ہو گئی۔ اور لارڈ کلایو نے پریشان ہو کر گورنر جنرل سے دریافت کیا کہ اگر اس عرصے میں نواب کا انتقال ہو جائے تو وہ کیا طرز عمل اختیار کرے۔

(۲۹۶)

لارڈ کلایو اپنے مراسلہ مورخہ ۲۱ مئی ۱۸۰۱ء میں تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ گورنر جنرل نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۰۱ء میں مجھے ہدایت لکھی تھی کہ اگر مزید احکام موصول ہونے سے قبل یہ واقعہ پیش آجائے تو مجھے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ تاہم میرے نزدیک اس تحریر کے لکھے جانے کے بعد سے جو واقعات پیش آئے ہیں ان سے سامنے کی نوعیت اس قدر زیادہ بدل گئی ہے کہ

ان سے پوری واقفیت ہونے کے بعد گورنر جنرل کے پیش نظر جو مقاصد لازمی طور پر ہوں گے ان کی تکمیل ان ہدایات سے نہ ہو سکے گی بلکہ مجبوراً اندیشہ ہے کہ یہ اس نئے خلاف ہی پڑیں گی لہذا اب یہ میری رائے ہے کہ مزید احکام موصول ہونے سے قبل ہی نواب کا انتقال ہو جائے تو میں گورنر جنرل کی مذکورہ بالا ہدایات پر عمل نہ کروں بلکہ کرنا تک کے تمام دیوانی و فوجی انتظامات کو کمپنی کی جانب سے اپنی نگرانی میں لے لوں اور جب تک کہ ان کی بابت کوئی باضابطہ فیصلہ نہ ہو وہاں کی حکومت پر اپنا قبضہ برقرار رکھوں۔“

لارڈ کلائیو کے اس مراسلے کے پیشینہ کے بعد ہی لارڈ ویلیزلی کے پاس مجلس نگراں کے صدر کا بھی ایک خط پہنچا۔ مجلس مذکور نے سرنگا میٹم کے کاغذات سے نتائج اخذ کر کے جو اسے قائم کی تھی وہ مجنبہ لارڈ کلائیو کے خیالات اور فیصلے کے مطابق تھی جس پر اس نے عمل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اسی عرصے میں مجلس نظاماء کی رازدار (۱۹۷) کمیٹی کا بھی ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں نظامائے گورنر جنرل کی اس تجویز سے پورا اتفاق کیا تھا کہ کمپنی اپنے اطمینان کے موافق نواب عمدة الامرا کی وفاداری کے متعلق اس سے منقول ضمانت طلب کرے۔ اس مراسلہ میں انھوں نے یہ بات بھی صاف الفاظ میں تحریر کر دی تھی کہ لارڈ ویلیزلی نے جو واقعات پیش کئے ہیں اس کے علاوہ اور واقعات بھی پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے ہمارے نزدیک اس ہفتہ کی کافی گنجائش موجود ہے کہ نواب نے کمپنی کے سپاہیوں کے خاص خاص شرابوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم خاص طور پر چاند نگر کی والے قلعے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ ۱۷۹۷ء میں جس طریقے سے نواب نے اس قلعے کو خالی کیا تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ اس واقعہ کے بعد کمپنی کے خلاف اس کی بیوفائی ثابت کرنے کے لیے ہمارے نزدیک کسی مزید شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“

گورنر جنرل کو اب ہر قسم کی اطلاع مل چکی تھی جس جس کی واسطے اس کا اس اہم اور نازک معاملے میں اثر پڑ سکتا تھا وہ حاصل ہو چکی تھی لہذا اس نے وہاں نواب کے ساتھ ان حالات میں جو سلوک ہونا چاہئے تھا اس کی بابت اس نے آخری احکام نافذ کر دیئے۔

جملہ امور پر غور کرنے کے بعد وہ اس بات کے ثبوت میں ناقابل تردید دلائل پیش کرتا ہے کہ نواب نے خود اپنی حرکات سے اپنی حیثیت ایک غنیم کی بنالی ہے اور اب کمپنی اس پر کسی قسم کا اعتبار نہیں کر سکتی لہذا انجام جی دو انٹیمند کی آتقنا یہ ہے اور انصاف و عدالت بھی اسی کی موئید ہے کہ اب نواب کو صرف اس قدر سبیل حاصل ہوں جن کی بدولت وہ کرناٹک میں محض اپنا ذاتی وقار برقرار رکھ سکے۔ اسی قسم کی ہدایات اس نے لارڈ کلایو کو روانہ کیں اور اسے حکم دیا کہ وہ نواب کے سامنے یہ تجویز پیش کرے کہ وہ دیوانی و فوجی حکومت سے دست برداری دیں اور (اگر وہ یہ خاص تجویز اور اس کے ساتھ چند اور شرائط بھی منظور کر لیں تو) اپنے لیے سالانہ وظیفہ قبول کر لیں جو نہ تو دو لاکھ چھوڑا سالانہ سے کم ہو گا اور تین لاکھ سے زائد لیکن اس میں ان کے دوسرے رشتہ داروں اور ریاست کے اعلیٰ عہدہ داروں کے وظائف شامل نہ ہوں گے ان کا انتظام ریاست کی آمدنی سے ملجودہ کیا جائے گا۔

لارڈ کلایو کو یہ بھی ہدایت تھی کہ اس اصول پر نواب سے جدید معاہدہ کیا جائے اور مجوزہ شرائط کی ان سے منظوری حاصل کی جائے اور ان کی بے وفائی کا جو ثبوت برطانوی حکومت کے پاس موجود ہے اس سے بھی انہیں آگاہ کر دیا جائے لارڈ ولزلی نے یہ بات صاف طور پر تحریر کر دی تھی کہ ”اس موقع پر معاہدے کی جو تجاویز پیش کی جا رہی ہیں، وہ محض برطانوی حکومت کا وقار برقرار رکھنے کی خواہش سے ہیں۔ ان سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ کمپنی نواب محمد علی خاں اور نواب عہدۃ الامراء کو کسی رعایت یا فیاضی کا مستحق تصور کرتی ہے۔ ان پر دماغ نوابوں نے جس بے وفائی اور احسان فرموشی کا کمپنی کے ساتھ سلوک کیا ہے جو ہمیشہ انکی محافظہ و معاون رہی ہے اور جو شرمناک ثبوت اس کے متعلق ہم پہنچے ہیں ہمیں تو ان کے اظہار کرنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے“

لارڈ کلایو کو اس بات کا بھی اختیار دے دیا گیا تھا کہ اگر نواب اس عہد نامے کو منظور نہ کریں تو ایک اعلان کے ذریعے سے (جو ان ہدایات کے ساتھ روانہ کر دیا گیا تھا اور جس میں تمام واقعات و ضامحت سے (رج تھے) وہ

ریاست پر قبضہ کر لے لیکن اگر یہ انتہائی صورت پیش آئے اور اگر اس کے بعد نواب مجلس
نظا کے سامنے مراجعہ پیش کرنے کی خواہش ظاہر کریں تو اس کی قطعی پروا نہ کیجائے
کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ رازدار کیٹی کی رائے معلوم ہو چکی ہے جو نواب کی بیوفائی
کا ثبوت ملنے کے بعد قائم کی گئی ہے۔ اس کا محاذ کرنا نہ صرف بیکار بلکہ خلاف
مصلحت بھی ہو گا۔ فرید بال نواب کو مراعہ کرنے کی اجازت دینے کے یہ معنی ہونگے کہ
اس پر باضابطہ طور پر مقدمہ چلایا جائے لیکن اس وقت معاملہ کی نوعیت۔ اس سے
بالکل جدا ہے یہ موقع تو ان تمام حقوق و اختیارات کے استعمال کا ہے جو بین الاقوامی
قوانین کے مطابق ہر حکومت کو اپنے بے وفا حلیف کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے
لیے حاصل ہوتے ہیں۔ بہر حال لارڈ کلائیو کو اس کے ساتھ یہ بھی ہدایت تھی
کہ اگر ریاست کے دیوانی و فوجی انتظامات پر قبضہ کرنے کی نوبت آئے تو وہ
نواب اور ان کے خاندان اور خاص خاص عہدہ داروں کے وظائف بھی مقرر
کردے اور اس میں فیامنی سے کام لے۔

(۳۰۰)

جب یہ ہدایات مدراس پہنچیں تو نواب کی حالت نہایت نازک تھی
اور لارڈ کلائیو ان پر فوری عمل نہ کر سکا۔ جب نواب کے مرض نے ترقی کی اور جان ہی
کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو اس کے خاندان والوں میں سازش کا بازار گرم ہو گیا اور
محل میں اتری برپا ہو گئی۔ نواب کے بھائی حاتم الملک نے ہفتہ طور سے اپنے چند ساتھی
محل کے اندر بیجا دیئے اور سب سے زیادہ اپنی منہ نشینی کا قتل مچایا۔ ان حالات سے
مجبور ہو کر لارڈ کلائیو نے کمپنی کی فوج کا ایک دستہ محل کے خاص دروازے پر جمادیا
تاکہ اس کی چار دیواری میں اس قائم رہ سکے اور محل کے خزانہ اور مال پر کوئی ہاتھ
نہ ڈال سکے۔ لارڈ کلائیو کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ نواب کے انتقال کے وقت اس
متم کی حرکت ضرور کی جائے گی۔

یہ سب کام ایسی خوبی اور کس قدر احتیاط کے ساتھ انجام پایا کہ نواب
کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ جو کچھ مقصد ان کا بتایا گیا ہے اس کے علاوہ کمپنی
کا اور کچھ ارادہ نہیں ہے۔ لارڈ کلائیو کے جان اور اس کے سپاہیوں کے طرز عمل سے
اسے مزید اطمینان بھی ہو گیا۔ البتہ جن لوگوں کی ناپاک کوششوں پر اس انتظام سے

پانی پھر گیا تھا۔ ان کے لیے تو اس کی ضرورت اور مصیبت پر اعتراض کرنا لازمی تھا۔
 ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو ذاب نے انتقال کیا۔ محل میں خطرناک سازشیں جاری
 تھیں حکومت فورٹ سینٹ جارج کے چند نشتانی صوبوں کی حالت خراب کھنچی اور دیگر
 معقول وجوہ بھی ایسے موجود تھے جن سے متاثر ہو کر لارڈ کلائیو نے خیال کیا کہ ریاست
 کے انتظام میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہونی چاہئے لہذا اس نے ذاب کے انتقال کی
 خبر ملنے کے چند ساعت کے بعد ہی مسٹر ویب (Mr. Webb) اور کرنل کلوز
 (Colonel close) کو ریاست کے خاص خاص عہدہ داروں سے کرناٹک کے
 فوری اغماط کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے متعین کر دیا۔

(۳۰۱)

ان دونوں اصحاب نے فوہر شہر ادوے علی حسین کے اتالیقوں سے گفتگو شروع
 کی جس کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جب ان اتالیقوں نے
 پچیس اصول پر گفتگو کرنے سے قطعاً انکار کر دیا کہ کرناٹک کا تمام سول و فوجی
 انتظام کہنی کے ہاتھ میں رہے تو انھوں نے مجبوراً اس بات کی خواہش ظاہر کی وہ
 راست علی حسین سے گفتگو کر کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس معاملہ کا
 اس کے مفاد سے گہرا تعلق ہے۔

(۳۰۲)

اس قسم کی ملاقات پر اتالیقوں نے چند اعتراضات پیش کئے منجملہ ان کے
 ایک خاص اعتراض یہ تھا کہ ولیم ہدکم سن اور ناتجربہ کار ہے لیکن یہ سب مسترد
 کر دیئے گئے اور انھیں مجبوراً اس کی اجازت دینی پڑی۔
 ۱۶ جولائی کو کرنل کلوز اور مسٹر ویب نے شہر ادوے علی حسین سے ملاقات
 کی اتالیقوں سے ان کی جو گفتگو ہوئی تھی اسے انھوں نے اختصار سے بیان
 کیا اور کہا کہ قبل اس کے کہ ہم اس معاملہ میں گفت و شنید بند کریں جس کے بعد آپکی

۱۷ فورٹ سینٹ کے جنوبی علاقے میں اس وقت خانہ جنگی برپا تھی۔
 ۱۸ ذاب کی وصیت کے بموجب ریاست کے دو خان صاحبان سیدی امیر محمد نجیب اور محمد علی
 ولیم ہدکم کے اتالیق معز کئے گئے تھے۔
 ۱۹ ذاب کے فرزند بنایا جاتا تھا اور اس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔

مسند نشینی کی تمام توقعات ختم ہو جائیں گی ہماری خواہش ہے کہ آپ ان تمام امور کے متعلق جن پر آپ کے تمام ذاتی مفاد کا انحصار ہے اپنی رائے ظاہر کریں اور اپنے ارادوں سے ہمیں آگاہ کریں۔ شہزادے نے جواب دیا کہ ”آپ میرے اتالیقوں سے گفتگو کریں میرے والد مرحوم نے انھیں اس قسم کے معاملات میں مشورہ دینے کے لیے مقرر کیا تھا۔ کسی معاملے میں میری اور ان کی دوائیں نہیں ہو سکتیں“

اس جواب کے ملنے کے بعد کرنل کلوز اور سٹرویب نے خان صاحبان کو مطلع کیا کہ لارڈ کلائیو کا خیال ہے کہ اس معاملہ میں قطعی فیصلہ کرنے سے قبل وہ خود علی حسین سے ملاقات کریں۔ لہذا اس کام کی غرض سے وہ قطعہ دہلی فوج کے سپہ سالار کے خیمے میں تشریف لائیں گے۔ یہ تجویز بالکل اخلاص و موقع تھی اور خان صاحبان نے اسے مختلف قسم کے اعتراضات سے جو وہ پیشتر علی حسین کے کمسن اور نا تجربہ کار ہونے کے متعلق پیش کر چکے تھے ماننا چاہا لیکن جب انھیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ ان کے سب دلائل بے سود ہیں تو وہ مجبوراً راضی ہو گئے اور فوراً علی حسین کے ساز و سامان کی تیاری کے لیے روانہ ہو گئے اس طور سے نوعمر و لیبیدہ کو موقع مل گیا اور اس نے اپنے اتالیقوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سٹرویب اور کرنل کلوز سے چپکے سے کہہ دیا کہ ”مجھے تو ان لوگوں نے سراسر دھوکے میں ڈال رکھا ہے“ اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہوتی تھی اور اٹنا کھ کر وہ اتالیقوں کی پروا کئے بغیر اس خیمے میں جا بیٹھا جو لارڈ کلائیو سے ملاقات کرنے کی غرض سے تیار کیا گیا تھا۔

جب تعارف کی رسم ادا ہو چکی تو شہزادے کے مصاحبوں اور اتالیقوں کو وہاں سے ٹھان دیا گیا اور لارڈ کلائیو نے تمام گفت و شنید کا جواب تک ہو چکی تھی ذکر کرنے کے بعد علی حسین سے کہا کہ ”آپ فیصلہ کرنے سے قبل اس معاملہ کے اہم نتائج پر غور کر لیں۔ میری خواہش اور کوشش یہ ہے کہ آپ تمام واقعات سے واقف ہو جائیں تاکہ ان امور کی بابت جن پر آپ کے ذاتی مفاد نیز آپ کی اور آپ کے خاندان کی شہرت کا انحصار ہے آپ امتیاط سے رائے قائم کر سکیں۔“ اس کے جواب میں علی حسین نے بلا تامل صاف صاف کہہ دیا کہ ”یہ تمام گفتگو میرے اتالیقوں سے ہوئی ہے۔ میں اس میں شریک نہیں تھا اور جو صورت پیدا ہو گئی ہے

اس سے مجھے قطعاً اختلاف ہے اور میں اسے ہرگز پسند نہیں کروں گا۔
جب یہ امکشاف ہوا تو گفت و شنید کے ہر حصے کو دوبارہ واضح طور سے بیان کرنا ضروری سمجھا گیا۔ نو عمر شہزادے نے تمام معاملات پر کامل غور کرنے کے بعد کمپنی کے پیش کردہ اصول پر کہ ریاست کا تمام سیول و فوجی انتظام کمپنی کے قبضہ میں رہے گا معاہدہ کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی۔

علی حسین کو شانوسی اغظامات کے متعلق خاص طور پر فکر تھی یعنی یہ کہ اس کے ذاتی مصارف کے لیے کتنی رقم مقرر کی جائے گی اور نواب مرحوم کے خزانے میں جو اس کے نزدیک بہت بڑا تھا اس کا کس قدر حصہ رہے گا۔

اس گفتگو کے دوران میں نجیب خاں نے کئی مرتبہ گستاخانہ طور سے مداخلت کی لہذا یہ اجلاس برخاست کر دیا گیا اور ولی عہد نے خواہش کی کہ عہد نامہ کا مسودہ تیار کر لیا جائے جس کی خاص شرط یہ ہوگی کہ ریاست کا تمام سیول و فوجی انتظام کمپنی کے ماتحت رہے گا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ ”مجھے اس امر کا یقین و اطمینان ہے کہ یہ معاہدہ میرے فیضانہ ان کے مفاد کے لیے مفید ہو گا اور میرے اتالیق خواہ اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں میں اس کی ضرورت محسوس کروں گا۔“

۲۰۔ جو لانی کو کرنل کلوز اور سٹروویب دوبارہ محل پر پہنچے اور وہاں ولیمید اور اسکے دونوں اتالیقوں سے ملاقات کی۔ علی حسین نے لارڈ کلایو سے جو باتیں طے کی تھیں ان سب سے اس نے اس وقت انکار کر دیا اور اپنے اتالیقوں کی رائے اور فیصلے پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ ظاہر کیا۔

اس غیر معمولی تبدیلی کو اتالیقوں کے خوف و رعب پر محمول کیا گیا۔ لہذا اجلاس برخاست کیا گیا اور یہ تجویز پیش ہوئی کہ لارڈ کلایو سے ملاقات کی جائے اس کی فوراً تعمیل ہوئی اور ضمیمے میں پہنچنے کے بعد ولیمید کے مصاحبہ و اتالیق پھر مٹا دیئے گئے اور لارڈ کلایو نے تنہا علی حسین سے گفتگو کی۔ شہزادے نے یہاں بھی اپنے وہی الفاظ دہرائے اور آخر وقت تک اپنے اتالیقوں کے فیصلے پر قائم رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں کسی ایسے معاہدے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جس کی یہ شرط ہو کہ نواب ملک کا سیول و فوجی انتظام

(۲۰۴)

(۳۰۵) کہنی کے تخت میں رہے گا۔ جو کچھ میں نے آپ سے اس روز کہا تھا وہ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا تھا۔ بعد میں مجھے تمام واقعات کا علم ہوا اور اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی میری حقیقی رائے ہے اور میرے تمام خاندان کو اے جن سے اس معاملہ میں مشورہ لیا گیا اس فیصلہ پر متفق ہیں۔ گورنر جنرل کے اس بارے میں جو کچھ احکام ہیں ان سے بھی میں واقف ہوں اور جو اطلاع مجھ ملی ہے اس کی صداقت میں بھی مجھے شبہ نہیں اور میں خوب سمجھ رہا ہوں کہ اپنے اس فیصلہ سے میں کن کن خطرات کو مول لے رہا ہوں۔ لیکن مجبور ہوں۔ ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کروں گا اور مجوزہ شدہ طریقہ ہرگز قبول نہ کروں گا۔

لارڈ کلائیو نے اسے ہر خفیہ سمجھایا اور اس بات کا یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ اسے دھوکہ دیا جا رہا ہے اور سب لوگ اسے تباہ کر رہے ہیں اکی بہتری اسی میں ہے کہ وہ حکومت کہنی کے مطالبات کی تعمیل کرے صاحب موصوف نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ ”آپ اپنی حالت پر غور کیجئے۔ آپ کے ساتھی آپ کو جو مشورہ دے رہے ہیں وہ آپ کے مفاد کے خلاف ہے۔ ان کے جو اغراض ہیں انہیں سمجھئے۔ اگر آپ مجوزہ شرائط کے انکار پر ہی قائم رہے تو آپ بلاشبہ اپنے ساتھ اپنے تمام متعلقین کو بھی مصیبت میں پھنسا دیں گے، لیکن یہ سب دلائل۔ بے سود اور یہ تمام کوششیں۔ بے کار ہیں۔

علی حسین اپنی بات پر قائم رہا۔ اور لارڈ کلائیو نے بالآخر بادل ناخواستہ اسے آگاہ کیا کہ اب آپ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ آپ سخت سے سخت احکام کا انتظار کریں جو آپ کے رویہ کی وجہ سے اب لازم ہو گئے ہیں۔

(۳۰۶) نواب عہدہ الامرا کے اس نام نہاد صابزادے سے اب کسی قسم کے معاہدہ کی توقع باقی نہیں رہی۔ اس سے جو گفت و شنید ہوئی اس میں کہنی کے نمائندوں نے جن کے تقویض یہ تمام کام کیا گیا تھا نہایت صبر و تحمل اور اعتدال سے کام لیا اور خاص خاص موقعوں پر لارڈ کلائیو نے کمال شفقت اور انتہائی انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا لیکن اس نوع شخص نے اس بری طرح اسے ختم کر دیا۔ اور مجوزہ معاہدے پر دستخط کرنے سے قطعاً انکار کر دیا حالانکہ ابتدا ہی میں اسے بتا دیا گیا تھا

کہ معاہدے کی پہلی اور اٹل شرط یہ ہوگی کہ حکومت کرناٹک کا تمام سول و فوجی انتظام کمپنی کے ماتحت رہے گا۔

اگرچہ انصاف کا اقتدار یہ تھا کہ نواب محمد علی خاں کے پورے خاندان ہی کو نوابی کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ تاہم حکومت فورٹ سینٹ جارج کے علاقے کی حالت اس قسم کے فیصلے کی تقصیر نہ تھی۔ اس کے ایک حصہ میں اس وقت بنادت برپا تھی لہذا گورنر مذکور نے عظیم الدولہ کو مسند نشین کرانے کا فیصلہ کیا۔

اگر نواب کے پورے خاندان کو غیر مستحق قرار نہ دیا جائے تو غالباً اس شہزادے کے حقوق علیٰ زمین سے زیادہ تھے لیکن اس امر سے متعلق کوئی تحقیقات نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس وقت کسی کے حق کا کچھ سوال ہی نہیں تھا۔ جو کچھ بھی لیا جا رہا تھا وہ محض مصلحت اور رعایت پر مبنی تھا۔ شہزادے کے حقوق کا اگر کوئی لحاظ ہو سکتا تھا تو محض اس خیال سے کہ یہاں جو انتظام کیا جائے وہ انگریزی مقبوضات کے مسلمان باشندوں اور ہمسایہ ریاستوں کے مسلمان فرماں رواؤں کے احساسات کے مطابق ہو۔ (۳۰۵)

جب لارڈ کلائیو نے اس امر کا فیصلہ کر لیا تو کرل کلوز اور سٹروپ کو متعین کیا گیا کہ جو شرائط علیٰ حسین کو پیش کی گئی تھیں انہی کی بنا پر وہ عظیم الدولہ سے معاہدے کے لیے گفت و شنید کریں۔ ان کی عظیم الدولہ تک رسائی ہی مشکل تھی کیونکہ اسے تخت نگرانی میں رکھا گیا تھا علاوہ ازیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ اگر محل میں یہ خبر پہنچ گئی کہ اسے مسند نشین کرانے کا خیال ہے تو وہ زندہ بھی نہ چھوڑا جائیگا یہ وقت محض ایک اتفاق سے رفع ہو گئی لیکن اس واقعہ سے کمپنی کی اس قدر سخت توہین ہوئی کہ اسکا فوری تدارک ضروری سمجھا گیا۔ علیٰ حسین کے اتالیقوں نے تاخیر سے تنگ آکر اپنے آپ اسے پوشیدہ طور پر مسند نشین کر دیا۔ لارڈ کلائیو کو اطلاع ملی کہ کل دربار عام ہو گا اور اس میں مسند نشینی کی رسم ادا ہوگی۔ اس حرکت سے جو فتنہ برپا ہوتا وہ ظاہر ہے اس کے سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لہذا لارڈ کلائیو نے فوراً احکام جاری کر دئے کہ کمپنی کی فوجیں محل پر قبضہ کر لیں اور نواب کے تمام درباریان اہلاد سے جائیں۔

اس مداخلت کا ایک اثر تو یہ ہو اگر عظیم الدولہ کپنی کی حفاظت میں آگیا۔
 ۲۳ و ۲۴ جولائی کو کرنل کلوز اور مسٹر ویب نے اس سے ملاقات کی عہد نامے کے
 اصول طے کئے اور ۲۵ کو معاہدے پر دستخط ہو گئے ۲۶ کو عظیم الدولہ کی لارڈ کلارک کو
 سے ملاقات ہوئی اور اسی روز وہ امیر باغ کے محل میں پہنچا دیا گیا جو اس کے والد کا
 قدیم محل تھا۔ دوران ملاقات میں عظیم الدولہ نے دیگر خردی شرائط پر کرنل کلوز اور
 مسٹر ویب سے خوب بحث کی جس سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اس میں معاملہ فہمی
 اور ذہانت کافی ہے اور وہ محض کو دن نہیں ہے بلکہ جو رتبہ اسے عطا کیا گیا ہے
 اس کا وہ اہل ہے۔

اس معاہدہ کی رو سے ریاست کے تمام سیول و فوجی اشتغالات کپنی کے قبضے
 میں آ گئے۔ نواب کے ذاتی مصارف کے لیے دو ملین لاکھ سالانہ چھڑا مقرر ہوئے
 اس رقم پر اور کسی قسم کا بار نہیں ڈالا گیا۔ نواب محمد علی خاں کے دیگر مختلف
 رشتہ داروں کے لیے بھی مناسب وظائف مقرر ہوئے علاوہ ازیں سابق قرضوں
 کی واجب الادا رقم کی تہذیب ادا کی کا بھی معقول انتظام کیا گیا ایک خرچے سے
 اس قسم کے لین دین اور فضول خرچ اور ظلم و تشدد کی وجہ سے ریاست کی آمدنی
 پر سخت بار پڑ رہا تھا اور کرناٹک مہیا زر خیر خطہ تباہ ہو رہا تھا۔

(۳۰۹)

لارڈ ویلزلی ۲۰ اگست ۱۸۰۵ء کو

ہندوستان سے واپس ہو گیا اور تھوٹے
 ہی عرصے کے بعد اس کا جانشین مارکوئس
 کارنوالس فورٹ ولیم پہنچ گیا۔

مارکوئس ویلزلی کی ہندوستان سے
 واپسی ۱۸۰۵ء

اگر ہم ان عام سیاسی مسائل پر جو
 اس نامور شخص نے طے کئے ایک نظر ڈالیں
 یا ان خیالات کو نظر انداز کر دیں جو اس نے

لارڈ ویلزلی کی حکمت عملی اور
 اس کے دور پر ایک نظر

لے نواب کے ذاتی مصارف کے لیے ریاست کی آمدنی کا $\frac{1}{4}$ حصہ مقرر ہو لیکن کپنی نے
 اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ ہر حالت میں نواب کے ذاتی مصارف کے لئے ہر مہینہ بارہ ہزار چھوڑا دیگی اور اگر سے گی۔

اس ملک میں پیدا کئے یا ان عام فوائد پر غور نہ کریں جو اس کے دور میں کمپنی کو حاصل ہوئے تو اس کے عہد حکومت کا بیان قطعاً نامکمل رہ جائے گا۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لارڈ ویلزلی کی آمد کے وقت ہندوستان کی جو عام حالت تھی اسی کی وجہ سے اسے اپنی حکومت کی تمام فو توں سے فوراً کام لینے کی ضرورت پڑی حیدرآباد سے دوبارہ تعلقات قائم کرنا اور دہلی کے دہار میں زبردست فرانسیسی اثر کا خاتمہ کرنا ہی ایک ایسا کارنامہ ہے جس کے مقصد اور جس کی مصلحت کے متعلق آج تک کبھی شبہ نہیں کیا گیا اس کا منشاء محض شیخ سلطان کے خلاف مدد حاصل کرنا ہی نہ تھا بلکہ ایک ایسے اسٹیم اور رفرانزوں خطرے کی مدافعت کرنا تھا جو غالباً اب تک کبھی برطانوی حکومت کو ہندوستان میں پیش نہیں آیا تھا۔

اس زمانہ میں عام خیال یہ تھا کہ فرانسیسی انگریزوں کے مشرقی مقبوضات کے خلاف کچھ خاص ارادے رکھتے ہیں اور انھوں نے مصر پر حملہ کیا تھا اس کا تعلق بھی ہندوستان سے بتایا جاتا تھا اور اس میں کسی کو شک بھی نہ تھا۔ ان خبروں سے انگلستان سخت بے چینی پیدا ہو گئی حتیٰ کہ بونا پارٹ نے سلطان کو جو خط روانہ کیا تھا اس سے

(۳۱۰)

علیہ یہ خط قاہرہ سے لکھا گیا تھا اور اس پر بے پلویہ رسالہ ہتھم جمہوریہ کی تاریخ بڑی تھی اور اس کا متنون جب ذیل تھا۔

”محترم میرے پہنچنے کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ یہاں میرے پاس بے شمار جہاز موجود ہیں جس کی حقیقی خواہش اور دلی تمنا یہ ہے کہ وہ آپ کو انگلستان کے پہنچنے سے نجات دلائے۔“

میں اس موقع پر اپنی خواہش کے اظہار کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ مسقط اور موچہ کے راستے سے اپنے یہاں کی سیاسی حالت سے مجھے آگاہ کریں۔ نیز میری یہ بھی خواہش ہے کہ آپ اپنے ایک مستبر اور ہوشیار سفیر کو سوئٹزرلینڈ یا قاہرہ بھیج دیں تاکہ میں خود اس سے گفتگو کروں میری دعا ہے کہ خدا کے تعالیٰ آپ کی قوت کو ترقی دے اور دشمنوں کا خاتمہ کرے۔“

آپ کا غرض : بونا پارٹ

ان سب باتوں کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اور یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ویزلی کے ابتدائی دور میں فرانسیسیوں کے پاس ایسے ذرائع بھی موجود تھے جن سے وہ بکا طور پر برطانوی حکومت کے خلاف اپنی سازشوں میں کامیابی کی توقع کر سکتے تھے۔ نیپو سلطان کے دربار میں فرانسیسی چھائے ہوئے تھے ان کے اس اتحاد کی مستحکم بنیاد یہ تھی کہ ان دونوں کو انگریزوں کے نام سے نفرت تھی۔ سندھیا سلطان سے بھی زیادہ بربریت تھا اور اس کے دربار میں فرانسیسیوں کا محض اثر ہی غالب نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے وہاں ایک خاص قوت حاصل کر لی تھی یا یوں کہئے کہ اس کی قلمرو میں انھوں نے اپنی ایک جد سلطنت قائم کر لی تھی دو یا تیس سال سے تلچ سے لیکر نواب وزیر اودھ کی ریاست تک (جو خود ابتر مالت میں تھی) شمالی ہند کا تمام علاقہ ایک زبردست فوجی جماعت کے قبضے میں تھا جس کے پاس تقریباً چالیس ہزار پیدل اور ایک معقول توپ خانہ تھا اور اسے ہر قسم کے فوجی ذرائع پر قدرت حاصل تھی۔ اس فوج کی کمان آفیسر بیاتین سویلورڈی افسروں کے ہاتھ میں تھی۔ جن میں انگریز چالیس سے زیادہ نہ تھے (اور یہ سب غیر اہم چھاؤنیوں پر مامور تھے) اور فرانسیسی حکام کا خاص مقصد یہ تھا کہ ان سب کو پریشان کر کے بھگا دیا جائے تاکہ وہ ان کی جگہ دوسرے اشخاص رکھ سکیں اور جب کبھی کوئی خطرہ پیش آئے جس کا انھیں ہمہ وقت خیال لگا رہتا تھا تو ان پر اعتماد کیا جاسکے۔

حیدرآباد میں بھی ان کی معقول قوت تھی وہاں کی چودہ ہزار باقاعدہ فوج کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس فوج کے ساتھ ایک معقول توپ خانہ بھی تھا لیکن دربار میں وہ اب تک انگریزوں پر حاوی نہیں آ سکے تھے۔ فرمائندائے دکن کو ہندو مرٹوں اور نیپو سلطان کا خوف لگا رہتا تھا اور یہ خوف اس قدر زیادہ اور بکا تھا کہ وہ کبھی کسی ایسے مشورے پر عمل نہیں کرتے تھے جس کی بدولت ان کا اس تنہا طاقت سے بگاڑ ہو جائے جو مزدورت کے وقت انھیں ان دشمنوں سے بچا سکتی تھی اگرچہ وہ اپنی دانشمندی کی وجہ سے اپنی حفاظت کے ان ذرائع کو جو انھیں برطانوی حکومت کے عدم مداخلت کے مسلک کی وجہ سے اختیار کرنے پڑے تھے اس وقت تک چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں تھے جب تک کہ ان خطرات کی مدافعت کا معقول

انتظام نہ ہو جائے تاہم جب ان سے اس بات کا قطعی وعدہ کر لیا گیا کہ مرہٹوں کے خلاف ان کی حفاظت کی جائے گی تو وہ ہر قسم کے اشیاء کے لیے جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا، مادہ ہو گئے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ لارڈ ویلزلی صاحب مرہٹوں کے آئندہ اقدامی حملوں کے خلاف سلطنت آصفیہ کی حفاظت کا وعدہ نہ کرتے تو نہ تو وہ ٹیپو کے خلاف جنگ کر سکتے تھے جو اس وقت اٹل تھی اور نہ فرانسیزیوں کو دکن سے خارج کر سکتے تھے دیہ کام بھی اگر نسبتاً پہلے کام سے زیادہ ضروری نہیں تو کم از کم اس کے برابر اہم ضرورت تھا، انگریزوں سے ۱۸۱۷ء میں معاہدہ کرنے کے بعد ہی سے فرما کر دے دکن اس قسم کے عہد نامے کے خواہاں تھے لیکن لارڈ کارلٹون نے محض اس وجہ سے انکار کیا تھا کہ اس وقت مرہٹے بھی حضور نظام دکن کی طرح ٹیپو کے خلاف انگریزی حکومت سے ملے ہوئے تھے۔ اور اس قسم کے معاہدے سے وہ لازمی طور پر براہِ نتیجہ نہ ہوتا ہے یہ خاص وجہ جس کا لارڈ کارلٹون اس پر اس وقت اثر تھا۔ اب باقی نہیں رہی تھی۔ ٹیپو کی جس حکومت نے اتحادِ ثلاثہ میں شرکت کی تھی۔ اس کا اب کہیں وجہ بھی نہ تھا۔ اس کے دسالیہ اس وقت دولت راؤ سندھیا حامی تھا۔ اور اس کے رویے سے مجموعی طور پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی حکومت کے غنیمتوں کی تدبیروں کے جال کوڑا نایان کے طعنے کی مدافعت کرنا تو درکنار اس کے خلاف جو اتحاد بھی قائم ہو گا اس میں وہ ضرور شرکت کرے گا۔

ایسی حالت میں لارڈ ویلزلی شہر یارکن کے بجائے مطالبات کو ٹال کر نہ اہم خطرات مول لے سکتا تھا اور نہ اس سلطنت کو اس کے تفویض کی گئی تھی ٹیپو سلطان کے خلاف ایک ایسی جنگ میں پھنسا سکتا تھا جہاں اس کے بغیر کسی حلیف کے لڑنا پڑتا اور جس میں فرانسیسی سلطان سے مل کر انگریزی طاقت کے خلاف اپنے پورے دسالیہ صرف کر دیتے لہذا برطانوی علاقے کی سلامتی کے خیال سے اسے مجبوراً حیدرآباد سے اس قسم کا معاہدہ کرنا پڑا۔

اس نیک مسئلہ کی بدولت کچھ ایسے پند درپند اقعات پیش آئے جن سے برطانوی حکومت ہند کی حالت بالکل بدل گئی اس کا پورا اثر تو یہ ہوا کہ ٹیپو سلطان کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ حیدرآباد ریاست بیسورسایم ہو گئی۔ دوسرا

نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹوں کی سلطنت سے انگریزوں کے سیاسی تعلقات قطعی بدل گئے اور بعد ازاں بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو انگریز اپنے جدید معاہدوں سے علحدگی اختیار کریں اور جدید فتوح سے دست بردار ہو جائیں یا مرہٹوں کے خاص خاص سرداروں کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اپنے الوداد و مسلک میں اس قسم کی تبدیلی اور مناسب ترسیم کریں جو ملک کی تبدیل شدہ سیاسی حالت کے مطابق ہو۔ یہ تو سچ ہے کہ صلح سیلیائی کے بعد سے مرہٹوں نے انگریزوں اور ان کے حلیفوں نے ان مقبوضات کی طرف جن کی حفاظت کمپنی کے ذمے تھی کبھی رخ نہیں کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے اندر انگریزوں کے حدود صرف ایک جگہ آدھ سے ملتے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ماحو راؤ اور دولت راؤ سندھیا دونوں شمالی ہند میں اپنی طاقت بڑھانے اور مرہٹوں کی سلطنت کے حقیقی مالک بننے کی فکر میں اس قدر زیادہ منہمک تھے کہ آدھ پر حملہ کرنے اور انگریزوں کو چھڑنے کا انھیں خیال تک نہیں ہو سکتا تھا لیکن ان کی اس مصروفیت کی وجہ سے انگریزوں کے لیے مصیبت کا ایک جال پھیل رہا تھا اور اگرچہ وہ ان کے اس غیر جانبدارانہ مسلک کی بدولت اپنے آپ کو کم از کم عارضی طور پر ان کے حملوں سے محفوظ سمجھتے تھے لیکن اس کی وجہ سے وہ ایک ایسے اہم خطرے میں پھنس رہے تھے جس سے ان کی فوجوں کا اب تک ہندوستان میں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

(۳۱۴) دوسرے علاقوں میں انگریزوں کی سلطنت کے حدود مرہٹوں کی سرحدوں سے دور تھے اور ان قزاقوں کے علاقوں اور انگریزوں کے مقبوضات میں حضور نظام دکن اور میسور سلطان کی سلطنتیں حاویل تھیں لیکن جب ایک ایسے مسلک کی وجہ سے جس کی مصلحت اور جس کے انصاف میں اب تک کبھی شبہ نہیں کیا گیا۔ انھیں شہر یار دکن سے اپنے تعلقات مستحکم بنانے کی غرض سے مثل اپنی سلطنت کے حیدرآباد کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لینی پڑی اور ان کی راست نگرانی اور پناہ میں میسور کی جدید ریاست قائم ہوئی تو درحقیقت وہ ان تمام مقامی اور سیاسی تعلقات کے وارث بن گئے جو ان سلطنتوں کے مرہٹوں سے قائم تھے۔

ان ریاستوں کی تاریخ سے ظاہر ہوگا کہ مشکل سے کوئی مال ایسا کرنا ہوگا جس میں ان کامرہٹوں سے کچھ نہ کچھ تنازعہ پیش نہ آتا ہو اور اسی حالت میں جبکہ ان تنازعات کی بنا بر مرہٹوں کے طرز حکومت میں متاثر ہوتی انگریزوں کو ان جھگڑوں اور لڑائیوں سے نجات ملنے کی توقع صرف اسی وقت ہو سکتی تھی جب کہ وہ مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی ایک پر عمل کریں۔ پہلا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ حیدرآباد و میسور کے اپنے تعلقات منقطع کر لیں اور جدید فتوحات سے دست بردار ہو جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مصلحت کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی جائے کہ مرہٹے اپنے طرز حکومت میں ایسی تبدیلی کریں جس سے عام امن قائم رہ سکے۔

پہلے طریقہ پر عمل کرنے میں نوسخت تو ہیں اور تباہی بھی اور کسی ترمیم کے ساتھ بھی اس کا خیال نہیں کیا جاسکتا تھا دوسرا طریقہ نہایت سہل اور اعتدال پسند تھا اور مرہٹوں کے باہمی نفاق سے یہ توقع بھی کی جاسکتی تھی کہ جنگ کے بغیر یہ مطلب حاصل ہو جائے گا۔ جب گفت و شنید کی کامیابی مستحکم نظر آنے لگی اور یہ ظاہر ہو گیا کہ مرہٹے اس وقت صرف خوف ہی سے جنگ چھڑنے سے باز آسکتے ہیں تو یہ مناسب سمجھا گیا کہ ہر سیاسی معاملے سے فائدہ اٹھا کر انھیں جنگ ملتوی رکھنے کی طرف راغب کیا جائے لیکن ساتھ ہی خود تیار رہنا چاہئے تاکہ جنگ اٹل ہونے کی صورت میں اپنی بات سے پیچھے نہ ہٹنا پڑے۔ دربار پونہ سے جو گفت و شنید شروع ہوئی اس کا یہی مقصد تھا کہ ملکہ کی عام حالت کا اندازہ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا تھا کہ انگریز دربار حیدرآباد اور حکومت میسور سے اپنے جدید تعلقات محض اس وقت برقرار رکھ سکتے ہیں جبکہ یا تو دربار پونہ سے بھی ان کے تعلقات قائم ہو جائیں یا وہ اپنے غیر جانبدارانہ مسلک کی حفاظت کے لیے ان کی سرحد پر ایک مستقل فوج رکھیں چونکہ مرہٹوں پر کبھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے جب کبھی مرہٹے میدان میں آتے تو یہی عمل کیا جاتا۔ یا یوں کہتے کہ محض احتیاط کی خاطر ہر سال اسی قسم کے معارف برداشت کرنے پڑتے۔ بہر حال جب تک مرہٹے باہمی جنگ و جدل میں مصروف تھے انگریزوں کو اپنی عدم مداخلت کی پالیسی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ مسلح بھی رہنا پڑتا اور جب ان کے باہمی تنازعات

(۳۱۵)

(۳۱۶)

کسی باہمی اتحاد یا کسی خاص مرکزی حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد تسلیم ہو جاتے تو ان خطرات کی مداخلت کے لیے انہیں خرید تیاریاں کرنی پڑیں اور انگریزوں کا اسی میں دیوالہ نکل جاتا اور چونکہ مرہٹوں کی اور ان کی رائے میں سخت تصادم تھا اس لیے اس سلسلے کے خاتمے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ مرہٹے تو محض اپنے تشدد اور دست درازیوں کے لیے طاقت و قوت چاہتے تھے اور انگریز ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے لہذا انگریزوں کو اپنی اور اپنے حلیفوں کی خاطر اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ پیشوا سے ایک ایسا معاہدہ کر جس کی بدولت اسے محض اپنے اپنی مقبوضات پر آزادی حاصل نہ ہو بلکہ دکن میں امن برقرار رکھنے کی ضرورت بھی لاحق ہو جائے۔

ان خیالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ویلنگٹن کو دربار پونہ سے اتحاد قائم کرنے کی جو فکر تھی وہ ضرورتاً تھی نہ کہ اراداً اس کا مقصد جنگ سے بچنا تھا نہ کہ اسے چھڑنا مثل سابق کے اس موقع پر بھی اس کا مسلک اپنی سلطنت میں امن قائم کرنا تھا اور اسی دھن میں جہاں کہیں بھی اسے مداخلت کرنے کا موقع ملا اس نے ہمیشہ صلح آمیز طریقہ سے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن کبھی کسی ایسے سمجھوتے کو قابل تسلیم تصور نہیں کیا جس کی بدولت اسے عارضی نجات حاصل ہو جائے اور آئندہ کے لیے برطانوی حکومت کے امن و امان یا نام و ناموس کو کسی قسم کا خطرہ باقی رہ جائے۔

(۳۱۷) پیشوا سے اتحاد قائم کرنے میں جو کامیابی ہوئی اور مرہٹوں کے خلاف جنگ میں جو شاندار فتح حاصل ہوئی اس کے اسباب بیان ہو چکے ہیں۔ ان کارناموں کے نتائج نے ان تمام لوگوں کی پیشیں گونیوں کو باطل کر دکھایا جو متعصبانہ طریقے اور محدود نقطہ نظر سے ان پر تبصرہ کرتے تھے۔ اور لارڈ ویلنگٹن کو اس بات کا فخر حاصل ہوا کہ اس نے اپنے دوران قیام ہی میں اپنی تمام اسیدوں

سے صفحہ ۹۷ میں انھوں نے سلطنت آصفیہ پر جو حملہ کیا تھا اسی سے اس بات کا سنجہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ انھیں جب کسی لوٹ مار کا موقع ملتا تھا تو وہ کس طرح مستعد ہوجاتے تھے۔

کو جو اس دانشمند کارنامے سے وابستہ تھیں پورا ہوتا ہوا دیکھ لیا۔

لارڈ ولزلی کی واپسی کے | اس کی واپسی کے وقت ہندوستان کی جو حالت تھی اگر اس پر ہم ایک نظر ڈالیں تو یہ وقت ہندوستان کی عام حالت

فرانسیسیوں کی سازش کا | برطانوی حکومت کے خلاف فرانسیسیوں کی ان تمام سازشوں کا خاتمہ ہو گیا جن کی کامیابی کے لئے وہ برطانیہ کی رعایا سے مدد کی توقع رکھتے تھے۔

شہنشاہ دہلی کی رہائی | ضعیف اور قابل تعظیم شہنشاہ دہلی جو ایک عرصے سے مرہٹوں کا اسیر تھا اور بعد میں فرانسیسی جماعت کے پنجے میں پھنس گیا تھا اسکی مصیبت کے

دن بھی ختم ہوئے اور برطانوی حکومت کے زیر سایہ اسے خاطر خواہ امن نصیب ہوا۔ | نواب میر اکبر علی خاں بہادر سکندر جاہ نے جو ۱۸۰۳ء میں اپنے والد کے جانشین ہوئے تھے کمپنی سے قدیم تعلقات برقرار رکھے اور

اخلاص و اتحاد۔

(۳۱۸)

۱۔ ان سازشوں کا مقصد اب سب پریشان ہو گیا تھا، جنرل ٹوی کین کیساتھ جو فوج پانڈیچری روانہ کی گئی تھی اسکی تعداد اور اسکے سامان ہی سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ فرانسیسی اس قسم کی فوج سے اس طاقت کو مدد دے کر جو انگریزوں پر حملہ کرنے والی تھی فتح حاصل کرنے کی توقع رکھتے تھے۔

۲۔ حیدرآباد کے رزیڈنٹ کو ہدایت تھی کہ عہدہ میں سکندر جاہ کو وہ پوری مدد دے اسکے عوض میں اسلحہ سکندر جاہ نے مہی کو سات لاکھ سالانہ رقم جو شمالی سرکار کی دیوانی کے معاوضہ میں ادا کی جاتی تھی بخشی لیکن لارڈ ولزلی نے اس عطیہ کو اس خیال سے قبول نہیں کیا کہ انکی منہ بنی میں مدد دینا کمپنی کا خاص فرض تھا اور محض ایک فرماں بردار کی حیثیت سے اس نے اس موقع پر اپنا فرض انجام دیا تھا۔

اپنی ریاست میں ایک بڑی امدادی فوج بدستور برقرار رکھی۔ اسکے مصارف ایک خاص علاقہ سے ادا کئے جاتے تھے جس میں میسور کا وہ حصہ شامل تھا جو ٹیپو سلطان سے فتح کر کے حیدر آباد میں شامل کیا گیا تھا۔ برار کی جد پیتھی سے اس میں بیش بہا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور راجہ برار کے جو کچھ حقوق اس علاقہ میں تھے ان سے اس نے دست برداری دیدہ سی تھی۔

(۳۱۶) مرہٹوں کے سردار رگھو جی بھونسلہ اور بلکر کی تسخیر کی وجہ سے حضور تاجدار دکن کو آئندہ ہر قسم کے خطرات سے امن ملا اور ان کی رعایا کو ایسا چین نصیب ہوا جو اب تک کبھی میسر نہیں ہوا تھا۔

ٹیپو سلطان کی سلطنت کا خاتمہ اور ہندو راجہ کے قدیم خاندان نے اس کی جگہ لی اور جس گدی سے سید علی اور اس کے فرزند نے اس خاندان کو اڑتالیس سال تک محروم رکھا تھا اس پر انگریزوں نے غیاضی و ہمدردی سے اسے جلوہ افروز کرنا جن خیالات کی بنیاد پر لارڈ ویلزلی نے یہ اعظام کیا تھا ان کا ذکر تو ہو چکا ہے لیکن اگر اس کے عملی پہلو کو چند الفاظ میں ظاہر کر دیا جائے تو منہا سب ہو گا۔

میسور کی جدید حکومت کی تمام نظریے پر قائم ہے یعنی اسکے فرمانروا کو اپنی ریاست میں مکمل آزادی حاصل رہے۔ امن برقرار رکھنے کے لئے اس کے پاس معقول فوج بھی ہو اور اسکے ساتھ ہی وہ اپنے عیقہ کی جس نے اسکی

میسور کی جدید حکومت ایک نوعیت پر ایک نظر۔

اس کے پاس معقول فوج بھی ہو اور اسکے ساتھ ہی وہ اپنے عیقہ کی جس نے اسکی

لہ۔ اس فوج میں یورپی سپاہیوں کا ایک رسالہ تھا، دودسے ہندوستانی سوار و کچے اور چھ ہندوستانی سپاہیوں کے تھے، اس فوج کیساتھ ایک معقول توپخانہ بھی رہتا تھا۔

ریاست کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے مدد کرے۔ لہذا اس حلیف کو اختیار حاصل ہو گا کہ امدادی فوج کو وہ ریاست کے اندر جس مقام پر چاہے رکھے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اس بنیاد پر تمام بیرونی تعلقات کا تنہا اسی سے تعلق ہو گا۔

ان تعلقات کے ابتدائی مدارج میں سخت احتیاط درکار تھی اور اس احتیاط پر بھی اس نظریے کی علمی کامیابی کا انحصار تھا لہذا لارڈ ویلزی نے اس کی اہمیت کے لحاظ سے اس پر پوری توجہ صرف کی۔ دہلیار لکھنؤ کو ناٹک و تنہا کی مثالیں سبق سکھا چکی تھیں اور ان سے اب اس بات کا کافی تجربہ ہو گیا تھا کہ موقع پر کن کن خطرناک راستوں سے گزرنے کی جائے (۳۲۰) اگرچہ دربار میسور اور مذکورہ بالا ریاستوں کے فرمانرواؤں کے تعلقات کے آغاز میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ان سے انگریزوں کو تعلقات قائم کرنے پڑے تھے۔ اور میسور میں انھیں اصلاح کرنی تھی۔ تاہم اس امر کا اندیشہ تھا کہ اگر احتیاط و ہوشیاری سے کام نہ لیا گیا تو میسور کا نوعمر راجہ اور اس کے وزیر سازش اور رشوت ستانی کے راستے پر لگ جائیں گے جو ملک در عیا کی تباہی کا موجب ہو گا اور اس جدید ریاست کے قیام سے جو کچھ امیدیں ہو سکتی ہیں ان سب پر پانی بھیر جائے گا۔

ریاست میسور برطانوی حکومت کی کچھ اس قدر زیادہ محکوم تھی کہ اس کی مجالس وغیرہ میں جس قدر اثر و متحرانی رکھنی ضروری تھی اس کے ساتھ وہاں کے کارکن افراد کو وہ عزت و رتبہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو ان کے اہم فرائض کی انجام دہی کے لیے ضروری تھا۔ ریاست کی ابتدائی حالت کی وجہ سے یہ امر نہایت ضروری تھا کہ وہاں کے حکام اپنے سخت اور دشوار اور نازک کاموں کو بہ خوبی انجام دیں لیکن جو اختیارات وہ استعمال کریں ان کا انھیں احساس نہ ہوئے پائے اور وہ ہمیشہ اپنا یہ فرض منصبی سمجھیں کہ نہایت علانیہ اور نمایاں طور سے وہ ریاست کی حمایت کریں۔ اور اپنے ہر کام سے اس کی شہرت کو دو بالا کریں تاکہ اسے ایک جدا اور منظم ریاست کی حیثیت حاصل ہو جائے (۳۲۱)

میجر وکسل Major Wilkes نے میور کے حالات پر جو واضح اور قابلہ یادداشت لکھی ہے اس میں وہ تحریر کرتا ہے کہ ان تمام مقاصد کی کامیابی کا سہرا جو اس ریاست کے وجود میں نہیں تھے ان اصول کے علاوہ جن کے تحت ابتدائی انتظامات عمل میں آئے ان اشخاص کے سر ہے جنہوں نے اپنی غیر معمولی قابلیت و داعی قوت اور اپنے اخلاص و اتحاد سے اپنی اپنی دیوانی و فوجی خدمات انجام دیں اور اس شخصیت کا بھی اس میں کچھ کم اثر نہیں جسے انگریزوں نے اپنی خوش قسمتی سے ریاست کا دیوان مقرر کیا تھا۔ اس شخص میں غیر معمولی قابلیت تو تھی ہی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ملک کے حالات سے خوب واقف تھا اور مردم شناسی میں تو اسے کمال حاصل تھا۔ لہذا ان اوصاف کے حصے سے وہ قدیم اور جدید طرز کو بہ خوبی متحد کر سکا اور سابق حکومت میں جو خوبیاں تھیں انہیں بھی اس نے چھڑ لیا۔

انگریزوں کے تعلقات ریاست میور سے قابل رشک ہیں لیکن ساتھ ہی انکی نوعیت اس قدر نازک ہے کہ انگریزوں کو ہمیشہ اس کی سختی سے نگرانی کرنی پڑتی ہے اگر بنیادی اصول میں جن پر کہ ان تعلقات کا انحصار ہے ذرہ برابر بھی فرق آجائے تو بلاشبہ فوراً سارا کھیل بگڑ جائے گا لیکن برخلاف اسکے جب تک یہ تعلقات قائم ہیں اس وقت تک وہ جنوبی ہند میں انگریزوں کی طاقت کی پشت پناہ بنے رہیں گے۔ آگے چل کر انگریزوں کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس ریاست کی دولت اور وسعت کو کم کرنے کی بجائے اس میں اضافہ کریں کیونکہ ایک طرف تو انہیں اپنی سلطنت کی طرح اس کے تمام وسائل پر پورے اختیارات حاصل ہیں اور دوسری طرف یہ سلطنت ان تمام اعتراضات سے پاک ہے جو خود انکی حکومت

سے یادداشت کے قابل مصنف کا نام ہیشاں متاثر ہونے کی مثال بہت کم جنہوں نے اپنے ذاتی اوصاف اور اپنی ذہانت اور قابلیت سے اہم معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کر لیا ہے۔

اس شخص کا نام اور کیا تھا وہ ذات کا برہمن تھا اور میسرطان کا وزیر مال تھا۔ لارڈ وکسل نے میور کے کس راجہ کے لیے اسے بہترین وزیر نام سمجھا۔

پر عاید ہوتے ہیں اور خاص کر اس عام اور ایک حد تک بجا اعتراض سے تو وہ قطعی طور پر بری ہے کہ ہندوستانی رعایا کو بڑے عہد سے معقول تعداد میں نہیں ملتے۔

جن لوگوں نے محض سطحی واقعات پر غور کیا ہے وہ اکثر انگریزوں کے ان تعلقات کا دربار اودھ اور بنجور اور اراکٹ کے تعلقات سے مقابلہ کرتے ہیں اور ایک عام اصول بنا کر یہ غلط نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ ان تعلقات کا بھی وہی حشر ہو گا کیونکہ انہیں بھی ایسی کمزوریاں موجود ہیں جو خود ان کا خاتمہ کر دیں گی اور انہیں کبھی دیر پا نہ ہونے دیں گی لیکن ذرا سے غور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے اراکٹ اور اودھ اور بنجور سے انگریزوں کے تعلقات رفتہ رفتہ اور

تدیر کج قائم ہونے اور ابتدا ہی سے ان میں سازش کی بنیاد پڑی۔ ان سلطنتوں کی آمدنی (۳۲۳) کا انحصار قرض پر تھا اور مختلف افراد جن میں حکومت انگلستان کے بعض باوقار اشخاص بھی شامل تھے اس ترکیب سے اس قدر بجا فائدہ اٹھاتے تھے کہ انہیں کبھی اس بات کا احساس تک نہ ہوتا تھا کہ ان کی یہ روش ان ریاستوں کو معین مفید حلیف بنتے ہی سے نہ روکے گی بلکہ ان کی تباہی کی بھی موجب ہوگی۔ جب انگریزی حکومت کو اس کے نتائج نظر آنے لگے تو معاملات اس قدر زور پکڑ چکے تھے کہ ان کا علاج ناممکن ثابت ہوا اور اس موزی مرض کی بیخ کنی نہ ہو سکی اور مختلف قسم کی مجبور یوں کی وجہ سے یہ ریاستیں قدرتی طور پر برطانوی حکومت کے پنجے میں گئیں اور اس کی محکوم بن کر رہ گئیں۔ علاوہ ازیں ان کے دستور کے اصول کی نوعیت کی وجہ سے بھی ان کا وجود باقی نہ رہ سکا اور ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اپنی وجہ کی بنا پر ان ریاستوں کی شان و شوکت۔ طاقت و قوت اور آں بان رفتہ رفتہ غائب ہو گئی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اگر برطانوی حکومت سے ان کے تعلقات قائم نہ ہوتے تو ان کے زبردست ہمسائے انہیں کبھی کا منہم کر چکے ہوتے۔ اس بات کا امکان ان کے دماغ میں تو کبھی نہ آیا ہو گا اور انسانی فطرت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ اراکٹ و اودھ و بنجور کے تو اب اور ان کے ماتحت اپنے سابق جاہ و جلال کو یاد کریں اور اپنی سابق شان و شوکت کا موجودہ حیثیت سے مقابلہ کریں اور انگریزوں سے

(۳۲۴) حکومت سے ان کے تعلقات کی جو نوعیت رہی ہے اس کا خیال کر کے وہ تنہا اسی کو اس انقلاب کا ذمہ دار قرار دیں لیکن جتنا یہ خیال ان پر غالب ہے اتنا ہی غلط بھی ہے۔ میسور کی جدید حکومت کا خاکہ کچھ اور ہی ہے وہ بالکل اس کے متضاد ہے اسکا وجود تو برطانوی حکومت کی فیاضی سے عمل میں آیا ہے اور اس حقیقی احسان کا گراں بار ہمیشہ اس کی گردن پر رہے گا اور وہ کبھی اسے فراخوش نہیں کر سکے گی۔ اسی وجہ سے عوام الناس کی تکابھی کبھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ یہی حقیقی طور پر انگریزی حکومت کو از روئے انصاف اس بات کا حق حاصل ہے (اور معاہدے سے بھی وہ اس بات کی مجاز ہے کہ اس کے حالات و معاملات کی نگرانی کرے اور ریاست کے وسائل کے استعمال اور آمدنی و خرچ اور فوج کی ترتیب و تنظیم پر نگاہ رکھے جس طریقہ سے اس حق کو اب تک استعمال کیا گیا ہے اس سے میسور کی دولت و آبادی اور خوش حالی میں امتیاز ہی ہوتا رہا ہے۔ سر میسور کی لڑائی کے دوران میں گپتی کے مقبوضات میں سے کسی علاقے نے میسور کے برابر نہ تو اپنی استعداد سے زیادہ اتنی فوج دی اور اتنا غلہ اور روپیہ فراہم کیا۔ مزید برآں یہ سب چیزیں نہایت مستعدی اور جوش و خروش کے ساتھ پیش کی گئی تھیں۔ یہی ایک واقعہ عملی طور پر اور بلاشبہ ان تعلقات کو خوش گوار ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۳۲۵) اس حکومت میں کمزوریان بھی ہیں لیکن ایک ہندوستانی ریاست میں جن جن خوبیوں کا ہونا ممکن ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اور جہاں تک برطانیہ کا اس سے تعلق ہے وہ پاکدامن بھی ہے۔ اب تک راجہ کے دربار میں سازش کا بازار گرم نہیں ہوا۔ حکام و عہدہ داروں میں باہمی نااتفاقی پیدا نہیں ہوئی۔

۱۔ دیو لک بھاوت میں اگرچہ بیجو کے خاندان کا نام نہ ہاں نہ درغلط تھا تاہم نہ تو میسور کی دس ہزار فوج کا کوئی ایسا سیاسی تھا اور نہ ریاست کی رعایا میں کوئی ایسا فرد تھا جسے بھاوت کے سلسلہ میں غداری کی سزا دی جی پڑی ہو۔ یہ وہاں کی حکومت کی نگرانی اس کی قوت اور خوبی کی زبردست دلیل اور ہتھیار کی محبت کی نمایاں مثال ہے۔

ان میں رشتہ ستانی کی کوئی مثال نہیں ملی ریاست کی آمدنی دہن نہیں رکھی گئی سخت شرح سود پر قرض لینے کا سلسلہ جو آخر میں ریاست کی بربادی اور حکومت کے جو نقصان کا ذریعہ بن جاتا ہے اب تک شروع نہیں ہوا یہ وہ عظیم الشان فرق ہے جو ان کاٹ اور حدہ تجور اور دیگر ادنیٰ ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات سے حکومت میور کے تعلقات کو ممتاز کرتا ہے اور اگر انگریزوں میں اتنی عقل اور ہمت ہے کہ وہ ان پاک اصول کو ہر قسم کے حلوں سے محفوظ رکھ سکیں تو یقیناً میور کے تعلقات سے انھیں روز افزوں فائدہ پہونچے گا لیکن ان کی بدتمتی سے باوجود ان تمام خوبیوں کے یہ رشتہ کچھ اس قدر ناؤک ہے کہ اسے آتنا نقصان کسی بے باک اور خطرناک حملے سے بھی نہیں پہونچ سکتا جتنا کہ ذرا سی بے پردائی یا اعانت کی کمی سے پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ میور کی ریاست درحقیقت برطانوی حکومت کی اس قدر محکوم ہے اور اس کی محکومیت برطانوی افواج کے قیام سے کچھ اس قدر زیادہ بڑھ چکی ہے کہ جب تک انگریز متوازن اس بات کا خیال نہ رکھیں کہ اس رشتہ اتحاد سے ان کا سر اسر فائدہ ہے اس وقت تک اس ریاست کو وہ اعزاز و وقار حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کی بقا کے لیے نہایت ضروری ہے۔

(۳۲۸)

میور کے جدید انتظام کی خوبی اور اندرونی امن کی وجہ سے ریاست کی آمدنی میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے اس کا اندازہ محض اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ کمپنی کی امدادی فوج اور ریاست کی دیگر فوجوں اور حکومت کے ہر قسم کے مصارف نکال دینے کے بعد ہر سال ایک معقول رقم بچ رہتی ہے جو دیگر مفید کاموں میں صرف کی جاتی ہے۔ ہندوستان کا کوئی اور علاقہ یہاں کی نہروں سڑکوں اور پلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو یہ ریاست یورپ کی اکثر ترقی و تہذیب یافتہ سلطنتوں کا یہ آسانی مقابلہ کر سکے گی۔

یہ نہیں وہ خیالات جن کا لارڈ ولیمزلی نے انگلستان واپس جوتے وقت اس ریاست کی بابت اظہار کیا تھا جو اس کے ہندوستان پہونچنے کے وقت ایک سخت گیر انسان کے پیچھے تھی اور جس کی زندگی کا تنہا مقصد برطانوی حکومت کی تباہی اور بچ کر رہنے کے لیے سامان ہتھیانا تھا۔

کرناٹک کی ترقی

اس بات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کرناٹک میں کمپنی کا خوب سکھ جہ گیا تھا اور یہ زر خیز علاقہ بھی اب چور و تشدد اور قرض کے تباہ کن سلسلہ سے نجات پا کر

سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ جن احباب کو جدید انتظامات اور معاہدوں سے اختلاف تھا اور جنہیں وہ انصاف کے خلاف سمجھتے تھے وہی اب اس بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے کہ رعایا اور ریاست کی حالت بہت کچھ سنبھل گئی ہے۔

کرناٹک کی فتح اور اسحاق سے مدرس اور بنگال کے صوبوں کی حدود دل گئی تھیں اور گجرات، ملابار اور کناڈا میں جو مقامات پہلے حاصل ہو چکے تھے ان کی وجہ سے دریائے

فتح کرناٹک اور بحری ساحل کمپنی کا تسلط

گنگا سے لیکر دریائے سندھ تک تمام بحری ساحل برطانویوں ہی کا تسلط تھا۔

انجمن کی ماتحت حکومت نے بھی لارڈ ویلزلے کی دور میں اس کے احکام کے بموجب پیشوا - سندھیا اور گیکو آرسے معاہدتی معاہدے کر کے گجرات میں نہایت اہم اور مفید علاقے

حکومت برٹش کے وسائل میں اضافہ

حاصل کر لیے تھے اور اس جدید اضافے سے احاطہ برٹش کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ضرورت کے وقت وہ بہت بڑی فوجی امداد سے بیکتا تھا۔ یورپ کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے اس پر اس قسم کے مطالبات بہت جلد خارج ہوتے نظر آتے تھے۔

پیشوا جو اپنی کمزوری کی وجہ سے معاہدتی معاہدہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔

اب برطانوی حکومت کا ایک صادق اور مفید حلیف تھا۔ ان جدید تعلقات سے جو فواید اس کی رعایا اور ریاست کو حاصل ہوئے ان کا اندازہ ہوتا ہے ہی۔ اس نے اپنے معاہدوں پر قائم رہنے کی سرگرمی کو کشش کی وہ ریاست جسے اس فرمانروا کی مسند نشینی کے بعد سے عہد نامہ بین ملک سرکشوں کے غلبہ کی وجہ سے کبھی چین نصیب

نہیں ہوا تھا اب اس کے غریب اثر ہی تھی ریاست کی امدادی فوج پونہ سے چالیس میل شمال میں تقسیم تھی جو ہر بیونی حملے کے وقت فوراً حیدر آباد

(۳۲۷)

(۳۲۸)

کی امدادی فوج سے مل سکتی تھی۔ اس طور سے پیشوا اور راجا شہزاد نظام دکن کی سرحدوں پر کی حفاظت نہیں ہوتی تھی اور بعض ان ریاستوں میں اس قایم نہ تھا بلکہ ان کی بدولت جنوبی ہند کے تمام علاقوں کو مستقل طور پر اس نصیب ہو گیا تھا۔

دوست راؤ ہندو صحیا کی قوت میں پورے طور پر تخفیف ہو چکی تھی اور اگرچہ گوڈا اور گوالیار کے علاقے محل جانے سے لارڈ ویلز کی واپسی تک دولت راؤ ہندو صحیا ناخوش رہا تھا اور جس طاقت نے اسے مغلوب کیا تھا اسکی فیاضی سے ان علاقوں کی واپسی کی اسے امید تھی تاہم دوبارہ جنگ چھیڑنے کا اسے قطعی خیال نہیں تھا۔ یہی نہیں بلکہ جب اس کے دیوان اور

ہندو صحیا کی قوت کا خاتمہ

اس کے خسر سرجی راؤ گنڈیا نے ہر ممکن طریقہ سے اسے برطانوی حکومت سے بھڑانے کی کوشش کی اور دوسروں کے ساتھ مل کر ہندو صحیا کے مستقر پر نگرانکار برطانوی ریٹائرڈ اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے اور ان کا مال اسباب لوٹنے کی فکر کی تو اس نے ان سے اشتعال انگیز گفتگو پر سختی سے اظہار نفرت کیا۔

جون راؤ ہلکر کی بھی اب وہ شان باقی نہیں رہی تھی اور وہ ایک سلطنت کے سردار کے رتبے سے گھر کر ایک قزاق کی حیثیت پر آ گیا تھا اور بجائے زیر دست اور باقاعدہ فوج کے اس کے پاس اب بہت سہمت فوج کی ایک

ہولکر کی قوت میں کمی

جماعت باقی رہ گئی تھی جس کے لیے بجز قزاقی کے کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہیں رہ گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اس فوج کو برطانوی فوجوں کے مقابلے پر کھلے میدان میں لانا تو درکنار انگریزی ٹیراؤ کے قریب یک پاس میں تک بھی آنے کی سہمت نہیں کر سکتا تھا۔

ملہ اس سردار نے آخری حکم دیا جس میں اس نے مراجعت کا ایک ملہ حجاجو دہلی کے مغربی علاقے میں داخل ہونے کے بعد سے پنجاب کے علاقے امرتسر پہنچنے تک جاری رہا۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے لارڈ لیک سے معاہدہ کر لیا۔

شمالی ہند کی حالت میں انقلاب کمپنی کا غلبہ

(۳۲۹) جنگ شروع کرتے وقت لارڈ ویلزی کی جوتہ قبضات شمالی ہند میں تھیں وہ سب پوری ہو گئیں۔ فرانسسی جماعت کا خاتمہ ہو گیا۔ مرہٹوں کا زور ٹوٹ گیا۔ دوآبہ کے علاقے میں اور دریا کے جہان کے درمیان ساحل پر برطانوی حکومت کا تسلط قائم ہو گیا۔ کمپنی کے لئے کر بندھلیکھٹ ٹیک کمپنی کی ادنی باعظما

ریاستوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا اور اس طور سے اسے مرہٹوں کے حملوں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ بندھلیکھٹ کا زرخیز علاقہ تسخیر ہوا۔ برطانوی فوجیں اس پر قبضہ ہو گئیں۔ اس علاقہ سے جو علاقہ حاصل ہوا تھا اس میں بھی امن قائم ہو گیا۔ اس کی آمدنی میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ توآب وزیر اورہ کو اس انتظام سے اب محض اتفاق ہی نہ تھا بلکہ وہ اس سے خوش تھے۔ کیونکہ اسکی یہ دولت انھیں بلا خوف و خطر عیش و عشرت کے مزے اڑانے اور دوست جمع کر دینا موقع مل گیا تھا۔

(۳۳۰) لارڈ ویلزی کے ہر کام کا یہاں ذکر کرنا قطعی ناممکن ہے۔ معمولی کاموں کی بابت محض اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ بھی سب اسی اصول پر مبنی تھے اور ان سب کی بھی اسی نہری سے تشکیل ہوئی جیسی کہ مذکورہ بالا امور کی ہوئی تھی اور ان سے بھی ایسے ہی مستقل فوائد حاصل ہوئے۔ اس کی حکومت کا ایک عام اثر یہ ہوا کہ کل خندوستان کی کابلیٹ ہو گئی اور ان اہم اور غیر معمولی واقعات سے اس ملک کے اندر برطانوی حکومت کی نوعیت قطعاً بدل گئی اور وہ اس والا مرتبہ شخص سے قبل ہی طوق الفان بن گئی۔ اب اسے پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے جدید مرتبے کے لحاظ سے اور اپنی عقل و دین سے کام لیکر جو مسلک مناسب سمجھے اختیار کرے۔ واقعات کی جو روشنی رہی اور جس طرز پر یہ حکومت قائم ہوئی اس کی وجہ سے اب اسے کسی ریاست یا کسی قسم کے اتحاد کا خوف باقی نہیں رہا۔ سندھیا کی بے چینی یا مولکر کی مخالفت اب ان حالات کو نہیں بدل سکتی تھی جو کچھ اور پریان ہو چکا ہے اس سے یہ بات عیاں ہے کہ ان سرداروں کی اب ایسی حیثیت ہو گئی تھی کہ ان

کے حملے سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ محض مالی وقتوں اور فوجی مصارف کی ان سے فکر لاحق ہو سکتی تھی۔ اور یہ فکر بھی اس زمانے کی متواتر جنگ اور مختلف قسم کی جدوجہد کی وجہ سے تھی لہذا یہ کبھی ماضی تھی۔ وسائل آمدنی کی ترقی جدید فتوحات کے محاسن اور مصارف کی تخفیف سے (جو لارڈ ویلزی نے شروع کر دی تھی) مالی وقتوں سے آئندہ محض نجات حاصل ہونے ہی کی توقع نہ تھی بلکہ معقول بچت کی امید بھی تھی۔

لارڈ ویلزی کو برطانوی ہند کی حکومت میں جو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی وہ دراصل حیرت انگیز ہے۔ اس وسیع سلطنت کے کاموں میں انکی حکومت کا جو طرز رہا اگر اس کا بھی ہم لحاظ رکھیں تو بھی اس حیرت میں کمی نہیں ہو سکتی۔ یہ اعلیٰ دماغ شخص پر حیرت پر حاوی تھا اور اس کے جوش کا اثر اس کے ہر مددگار میں پایا جاتا تھا۔ برطانوی ہند کے دور دراز مقامات پر کبھی اسکی وہی رعب تھا۔ جو فورٹ ولیم میں پایا جاتا تھا۔ اس نے جن ملازموں کو خود نوکر رکھا ان پر ہمیشہ حد درجے اعتبار کیا وہ ہر ایسی قوت مسخر کرنے کا مہتمم تھا جو ایک راست باز اور حوصلہ مند شخص کو کام پر آمادہ کر سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر ایسے ملازم کی تعریف کے لیے آمادہ رہتا تھا جو انصاف پسند اور پابند اوقات ہوتا تھا۔ وہ حتیٰ الامکان کبھی کسی کی برائی نہیں کرتا تھا۔ اس کی طبیعت میں ایک خاص بات یہ تھی کہ رائے دینے میں وہ ہمیشہ پس و پیش کرتا تھا۔ اور اکثر تساہل بھی کر جاتا تھا لیکن جب کام کا وقت آتا تو نہایت تیزی سے ہندی اور بھرتی سے اسے انجام دیتا۔ اپنے ہر کام میں اپنے ماتحتوں سے حد درجہ کی کوشش کی توقع رکھتا تھا۔ اس نے نہ کبھی اپنے حکام بالاک کی مداخلت کی پروا کی اور نہ ان دفتری کارروائیوں کا لحاظ کیا جن کی وجہ سے کام میں تاخیر اور مختلف قسم کی دقتیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور نہ کبھی اپنے ماتحتوں کے بے جا مداخلتوں کو برداشت کیا۔ اس کا دراصل یہ ایک خاص اصول تھا کہ جب کسی شخص کے سپرد کوئی کام کیا جائے تو اسے وہ تمام اختیارات بھی دے

لارڈ ویلزی کی

کامیابی کا راز

(۳۳۲) دسے جاؤں جو اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہوں۔ اس کے دور میں برطانوی فوجوں کی کمان تین عہدہ داروں کے ہاتھوں میں رہی ان کی غیر معمولی قابلیت اور ان کے اوصاف میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم ان کی غیر معمولی اور لاثانی فہمندیوں کا راز اس ہول میں پنہاں ہے کہ لارڈ ویلزلے نے ان پر غیر معمولی طور پر بھروسہ کیا اور ان میں یہ احساس پیدا کیا کہ انھیں پورے اختیارات اور اپنی تمام قوتوں سے کام لینے کے مواقع حاصل ہیں۔

جو لوگ ان اختلافات سے واقف ہیں جو اس زمانہ میں برطانوی حکومت میں کے متعلق ہندوستان میں پیدا ہو گئے تھے انھیں یہ بات معلوم کر کے ہرگز تعجب نہ ہو گا کہ وہاں لارڈ ویلزلے کے خلاف ایک زبردست نقیب پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے کارناموں کے متعلق جو ایک طرف پریشانی کن اور مبالغہ آمیز خبریں وہاں پہنچیں ان سے عام خیال یہ ہو گیا کہ وہ سب کے سب برطانوی مفاد کے خلاف ہیں لاکھ حقیقی واقعات قطعی اس کے برعکس تھے۔ سچ کب چھپ سکتا ہے حقیقت بالآخر ظاہر ہو گئی اور اب لارڈ ویلزلے کو وہ اقتدار و عزت حاصل ہے جو کوئی قوم کسی ایک فرد کو کسی نمایاں ملکی خدمت کے صلے میں دے سکتی ہے۔

پانچواں باب

لارڈ کارنوالس کا دوسرا دور حکومت

اور
سرجارج بارلو کے دور کے واقعات

(مسموت رائڈنگر سے صلیح ہونے تک)

لارڈ ویلزلی کی حکومت

کے متعلق

انگلستان کی سبک کے خیالات

(۲۶۳)

لارڈ ویلزلی نے جس مسلک پر ہندوستان میں عمل کیا تھا اس کے برے نتائج پر کچھ اس قدر مبالغہ آمیز اور مبہم طریقہ سے خوف کا اظہار کیا گیا کہ اس سے انگلستان میں ایک عام بے چینی پیدا ہو گئی۔ ہندوستان کے قریب میں اضافہ ہو جانے سے متعلقین کمپنی کی پریشانی دو چہند ہو گئی اور ان پر اس عام خیال کا نہایت گہرا

اثر پڑا۔ گوداموں میں جہاں بھرا ہوا تھا اس کی فروخت کی کمی اور سودی قرضے کی زیادتی کی وجہ سے کمپنی کا دیوالہ نکلنے کی نوبت آ گئی۔ کمپنی کی اس حالت سے ان لوگوں کی اور بھی بڑھتی تھی جن کی یہ خواہش تھی کہ ان سب باتوں کا الزام گورنر جنرل ہند کی سیاسی کارروائیوں پر محمول کیا جائے۔

(۲۳۴)

انگلستان کے بڑے بڑے باخبر اشخاص بھی یہاں کے سیاسی معاملات کی تفصیل سے واقف نہ تھے۔ لہذا جن لوگوں کا منشاء عوام کو لارڈ ویلیزلی کے دور کے خلاف بدظن کرنا تھا۔ انھیں فاصلے کی دوری اور ہندوستان کی خبروں کی نوعیت کی وجہ سے قاطر خواہ مواقع حاصل ہو گئے لیکن اردوئے انصاف اس بات کا اقبال کرنا چاہئے کہ جن لوگوں نے لارڈ ویلیزلی کے اعمال کی سختی سے مخالفت کی وہ درحقیقت ذہنی تناس لوگ تھے اور امور متعلقہ کی بابت انھوں نے جن خیالات اور جذبات کا اظہار کیا ان پر وہ یقین بھی رکھتے تھے لارڈ ویلیزلی نے برطانوی مقبوضات کی مشرق میں چند سال ہی صدارت کی تھی لیکن اس قلیل مدت میں نہایت اہم تبدیلیاں واقع ہوئی تھیں لہذا اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ان کے متعلق پورا مواد ہم پہنچا جاسکے اور تفصیلی حالات سے پوری پوری واقفیت حاصل ہو تاکہ کم از کم انصاف پسند اور وسیع النظر اشخاص ان اہم اور غیر معمولی انقلابات کی بابت جو مسلمہ خیالات اور قدیم تعصبات کے سخت خلاف تھے اپنی صحیح رائے کا اظہار کر سکیں۔

بہر حال جن لوگوں پر ان خیالات کا اثر تھا انھیں لازمی طور پر ان خرابیوں کے رنج کرنے کی فکر ہوئی۔ اسی حالت میں یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں کہ اس موقع پر انھوں نے لارڈ کارلوس کو لارڈ ویلیزلی کا جانشین منتخب کیا اور اس انتخاب کو انگلستان میں عام طور پر پسند کیا گیا جو لوگ بھی اس قابل قدر بزرگ ہستی کے خصائل سے واقف

(۳۳۵)

لارڈ کارلوس
کا
دوسری مرتبہ تقریر

ہیں انھیں یہ معلوم کر کے ہرگز تعجب نہ ہو گا کہ اس نے باوجود اپنی ضعیفی اور اپنے سن کے اپنا فرض محسوس کیا اور ان کی درخواست رد نہ کی اگرچہ اس کی صحت اس وقت رو بہ انحطاط تھی تاہم ان بزرگ ہستیوں کی مانند جو مرنے سے قبل اپنے ملک کی خدمت کرنے کا فریضہ پیش پا کر خوش ہو جاتی ہیں اس نے ان اشخاص کی باتوں کو جو اپنے کاموں میں اس بڑے آدمی کی حمایت و تائید چاہتے تھے نہایت جوش و مسعدی سے سنا۔ انھوں نے کہا کہ جس سلطنت پر آپ ایک مرتبہ نہایت شاندار کامیابی کے ساتھ حکومت کر چکے ہیں اسے اس نازک وقت میں آپ ہی

ناگزیر تباہی سے بچا سکتے ہیں لارڈ کارنوالس نے اپنے آخری مختصر دور میں جو چند سیاسی کام انجام دئے ان کی نوعیت ان کارناموں سے بہت مختلف تھی جن کی وجہ سے اس کا پہلا دور برطانوی ہند میں ممتاز رہا تھا۔ اس فرق کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس کی روانگی کے وقت جو خیالات اس کے سامنے پیش کئے گئے ان کا اس پر بہت اثر تھا۔ علاوہ انہیں ضعیفی اور صحت کی خرابی کا بھی اثر تھا جس کی وجہ سے اس کے دماغ میں اب پہلی سہی قوت نہیں ہو سکتی تھی۔

جولائی ۱۸۵۵ء میں مارکوئس کارنوالس فرسٹ ولیم ہینچا۔ ہندوستان کی مختلف سلطنتوں کی اس دقت جو حالت تھی وہ بیان ہو چکی ہے یہاں صرف اتنا اور اضافہ کر دینا ضروری ہے کہ برطانوی ریڈنٹ اب تک سندھیا کے دربار میں مقید تھا۔ لارڈ لیک سندھیا کو

دربار سندھیا سے مراسلت

برطانوی ریڈنٹ اور ہانی کا مسئلہ

(۳۳۶)

لکھ چکا تھا کہ ریڈنٹ کو فوراً رہا کر دیا جائے اور اگر اس کی منتیل نہ کی گئی تو لازمی طور پر جنگ چھڑ جائے گی۔ جب اس مراسلہ کا بھی کچھ اثر نہ ہوا تو لیک نے دوسرے خط میں لکھ دیا کہ آپ کی اس حرکت سے تمام صلح نامے اور امدادی معاہدے کا عدم ہو گئے کیونکہ آپ نے اس موقع پر محض معاہدہ کی خلاف ورزی ہی نہیں کی ہے بلکہ بین الاقوامی قانون کی بھی سخت توہین کی ہے لہذا برطانوی حکومت کو اب اس بات کی پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ آپ کے ساتھ جو طرز عمل بھی اپنے مفاد اور اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے مناسب سمجھے اختیار کرے اس تحریک کے آخر میں ایک جتنا ہوا فقرہ یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ جب تک ریڈنٹ کو رہا کر کے برطانوی خیمہ تک نہ پہنچایا جائے گا، دونوں سلطنتوں کے مابین کسی قسم کی صلح یا مراسلت کی تجاویز نہ ہوگی۔

لارڈ ویلنگٹن نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۵ء میں لارڈ لیک کی جلد کارروائی کی توثیق کر دی تھی اور اس کے ساتھ ہی، سندھیا کو اطلاع دیدی

گئی تھی کہ اس معاملہ میں لارڈ لیک جو کچھ کر رہے ہیں اس سے گورنر جنرل کو پورا اتفاق ہے اور اسی بنا پر انھیں پورے فوجی و سیاسی اختیارات عطا کر دیے گئے ہیں لہذا اس سلسلہ میں آئندہ جو کام وہ کریں گے اس کی وہی وقعت ہوگی جو حکومت اعلیٰ کے کسی بلا واسطہ حکم کی ہوتی چاہئے۔

لارڈ کارنوالس کے ہندوستان پہنچنے تک اس معاملہ میں اس حد تک کارروائی ہو چکی تھی اس نے یہاں پہنچنے کے بعد ہی سندھیا کو ایک خط لکھا کہ میرا ارادہ اس وقت تک آپ کو کھینچنے کا نہ تھا جب تک کہ میں ریڈنٹ کی رہائی کی خبر نہ سن لوں لیکن محض اس بات کے اظہار کے لیے کہ میں صلح و دوستی کا خواہاں ہوں اور اس خبر کے ملنے کے بعد کہ آپ نے ریڈنٹ کو رہا کرنے اور اسے دو مجبور و کلاریکساتھ لارڈ لیک کے خیمے تک پہنچانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے میں اسکو مطلع کرتا ہوں کہ لارڈ لیک کو آپ کے ان دیکھوں سے ان تمام معاملات پر گفتگو کرنے کا حق حاصل ہے جن کا تعلق دونوں سلطنتوں کے مفاد سے ہو سکتا ہے۔

اس عرصہ میں جنکسن (Jenkins) کا ایک خط ملا جس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ سندھیا کو لارڈ کارنوالس کا خط مل چکا ہے لیکن اسے اب بھی میرے رہا کرنے میں ملال ہے اس کے بعد ہی لارڈ کارنوالس کے خط کے جواب میں سندھیا کا خط موصول ہوا۔ اس میں اس نے اخلاص و اتحاد کے اظہار کے بعد یہ تحریر کیا تھا کہ قدیم رواج کے مطابق ریڈنٹ کو دربار سے روانہ ہونے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی جاسکتی جب تک کہ اس کا جانشین یہاں نہ پہنچ جائے۔

لارڈ کارنوالس کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ ریڈنٹ کے لٹ جانے اور ریڈنٹ کے گرفتار ہونے سے برطانیہ کی جو توہین ہوئی ہے اس کا تو اقتضاء یہ ہے کہ جب تک ریڈنٹ رہا نہ ہو سندھیا سے کسی قسم کی صلح نہ کی جائے لیکن رفتہ رفتہ امن و صلح کی فکر سے اس خیال میں کسی قدر تبدیلی ہوئی اور ہالآخر وہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا اور اس نے

سندھیا کو دوسرا مراسلہ لکھا اگرچہ اس میں بھی رزٹرنٹ کی رہائی پر زور دیا گیا تھا تاہم اس کے ساتھ ہی اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ”لارڈ لیک کو اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ علاقہ گوڈ اور گو الیا رکی والی کی بابت آپ سے گفتگو کریں“ سندھیا کے مراسلے کے ساتھ لارڈ لیک کو جو خط روانہ کیا گیا اس میں اس نے صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ ”مجھے ان تمام نقصانات کا پورا احساس ہے جو رزٹرنٹ کی رہائی کے مطالبے کو چھوڑنے یا اس میں کمی کرنے سے پیدا ہوں گے لیکن اگر مجھے اس بات کا احساس ہو جائے کہ سندھیا سے خاطر خواہ نفعیہ ہونے میں صرف یہی ایک رکاوٹ ہے تو میں اس میں بھی کمی کرنے کے لیے تیار ہوں کیونکہ میں اسے صرف قومی شان کی بات سمجھتا ہوں“

ان ہدایات کے پہنچنے سے قبل ہی لارڈ لیک رزٹرنٹ کو رہا کر چکا تھا لہذا صلح کی اس قدر خوشی کا ہندھیا پر جو اثر پڑتا اس کا اندازہ کرنے کا کوئی موقع نہ رہا گو رزجنرل کا پولیٹیکل ایجنٹ لارڈ لیک کے پڑاؤ پر موجود تھا۔ لارڈ کارنوالس نے اسے اس بات کا اختیار دیدیا کہ مشی کیول ٹائٹی (Kewl Nyne) کو دہلی سے بلالیا جائے یہ شخص ایک معزز ہندوستانی تھا اور دولت راؤ سندھیا کے خاص خدمت دار معتبر ملازمین میں سے تھا۔ اس زمانہ میں سندھیا کے خسر سرجی راؤ گنگا کے تشدد سے پریشان ہو کر وہ فرار ہو گیا تھا جب یہ پہنچا تو اسے ہدایت کی گئی کہ وہ کسی عورت کی معرفت سندھیا کو سمجھائے کہ وہ برطانوی حکومت سے تعلقات برقرار رکھنے اور باہمی اختلافات کو طے کرنے کے لیے مناسب طریقہ اختیار کرے۔ حسب توقع سندھیا نے اس غیر متوقع طریقہ مراسلت کو غنیمت سمجھا اور نفعیہ کے لیے اپنے شریاٹ مشی کیول کے پاس روانہ کر دیئے تاکہ وہ انھیں برطانوی سپہ سالار کے سامنے پیش کر دے۔

اس پیغام کا لارڈ لیک نے یہ جواب دیا کہ جب تک رزٹرنٹ کے علاقے سے قبضہ نہ اٹھا یا جائے گا کسی منہم کی تجویز پر غور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی فوراً تعمیل کر دی گئی لارڈ کارنوالس کا آخری خط انگلینڈ کی کیمپ پر پہنچنے سے قبل ہی ٹیکس برطانوی علاقے کی طرف روانہ ہو لیا تھا۔ لہذا سندھیا کو یہ خط نہیں بھیجا گیا۔

سندھ کا سیاسی مصالحت کریک کی تجویز اور شریلیٹ

لارڈ کارنوالس جن شرائط پر سندھ یا سے معاہدہ کرنا چاہتا تھا ان کے متعلق اس نے لارڈ لیک کو مکمل ہدایات روانہ کیں اور تحریر کیا کہ میری فطری رائے یہ ہے کہ گوالیار اور گوڈ کے علاقہ سندھ یا کو واپس کر دئے جائیں اور انکا دیگر

اختلافات کے تعلق سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے لہذا اگر سندھ یا رانا کو ڈ کے لیے کوئی مقبول انتظام کر دے تو مجھے ان علاقوں پر سندھ یا کا قبضہ بحال کرنے میں فطری تامل نہیں ہوگا اس کے ساتھ ہی گورنر جنرل نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اس تجویز سے میرا ہرگز یہ نشاء

(۳۴۰)

نہیں ہے کہ ان علاقوں کو بلا معاوضے کے دیدیا جائے بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ ان کے صلے میں کمپنی کو کم از کم ان وظائف و جاگیرات کے بارے میں نجات مل جاتی جائے جو سندھ یا سے معاہدہ کرنے کے بعد سے اس پر پڑ گیا ہے علاوہ ازیں سندھ یا رانا کو ڈ کے مصارف کے لیے مقبول انتظام کرے اور علاقہ زرنڈیسی کے لوٹ جانے سے جو فانی

دوسر کاری نقصان ہو اسے اس کی بھی تلافی ہو جائے۔ گورنر جنرل نے اس تحریر میں یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے کہ دہلی کے مغربی و جنوبی مقبوضات میں سے بھی انتضیا

کو کچھ علاقہ عطا کر دیا جائے لارڈ کارنوالس کی رائے تھی کہ اس معاملہ کو سیاسی مصلحت کے لحاظ سے طے کرنا چاہئے کیونکہ اگر واقعات اجازت دیں اور ہم راجہ جے پور سے اپنے تعلقات منقطع کر سکیں تو سندھ یا کو اس سے خسراج و موصول کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور اس طرح اس سمجھوتے سے اسے ایک اور نائدہ حاصل ہو جائے گا

لارڈ کارنوالس ابتدا ہی سے اس بات پر تامل ہو انتضا کر دیا سے جبنا کمپنی کے مقبوضات کی سرحد قرار دی جائے لہذا اس نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ اگر دہلی کا جنوبی و مغربی علاقہ مرہٹوں کے علاوہ کسی اور طاقت کو دے دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا تاہم زرخیز علاقہ سے تعلقات برقرار رکھنے کے بجائے اسے مرہٹوں کے حوالے کر دینا ہی بہتر ہے

۱۔ ملاحظہ ہو مراسلہ لارڈ کارنوالس مورخہ ۱۹ اکتوبر

۲۔ چونکہ لارڈ کارنوالس کا نشاء یہ تھا کہ بغیر شہنشاہ کو اس کے پایہ تخت سے ہٹا دیا جائے، لہذا اس نے اس موقع پر شہنشاہ پر دلی سے بھی دست بردار ہونے کا (بقیہ طاشیہ صفحہ ۲۷۰ آئندہ)

(۳۴۱)

لارڈ کارنوالس سندھیا سے حب ذیل شرائط پر معاہدہ کرنا چاہتا تھا:-

اول۔ علاقہ گوڈوگوالیار سندھیا کو واپس دیا جائے۔
دوم۔ صلح کی شرائط کے بموجب دھولپور باری اور راجہ کھیراکے علاقے بھی اس کے حوالے کئے جائیں گے اور صلح کے بعد سے جو روپیہ ان علاقوں سے وصول کیا گیا ہے اس کا حساب بھی اسے دیا جائے۔

سوم۔ جے ٹک کے علاقے سے جو تقریباً تین لاکھ سالانہ تراج وصول ہوتا ہے وہ بھی اسے دے دیا جائے۔

چہارم۔ سیکڑے کی رو سے کمپنی نے جو وظائف مقرر کئے ہیں اور دو آب میں جاگیر عطا کی ہیں انہیں سندھیا کی مرضی سے منسوخ کرایا جائے۔
پنجم۔ ان وظائف کے سلسلہ میں کمپنی کے فرائض جو فرائض واجب ہے وہ سندھیا سے سہا کرائی جائے۔

(۳۴۲)

دبئی طائفہ منگورتنہ) خیال کر لیا تھا۔ اسے ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی کہ دریا سے جہنا بذات خود ایک زبردست حد فاصل کا کام دے سکتی ہے لارڈ لیک نے اپنی ایک تحریکے ذریعہ سے اس غلط فہمی کو رفع کر دیا اس موضوع پر اس نے کافی اسلومات ہم پیش کیا گئے اور آخر میں یہ بات نہایت کی کہ دریا سے جہنا صرف بارش کے موسم میں حد فاصل کا کام دے سکتی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں گرد و نوح کے علاقے کی عام حالت کی وجہ سے فوجی کارروائی عملنا ممکن ہو جاتی ہے لیکن با اس ہبہ کیم اکتوبر سے قبل ہی اسے آگرہ کے قریب سے عبور کیا جاسکتا ہے اور جب آگے بڑھ کر وہ دریا سے چھل میں مل جاتی ہے تو وہ بارش کے چند ہفتوں کے علاوہ کسی وقت بھی حد فاصل نہیں بن سکتی۔
۱۔ لارڈ کارنوالس لکھتا ہے کہ میں اس امر سے سمجھتی ہوں کہ ان علاقوں کی واپسی کوئی خاص رعایت نہیں ہے۔ صلح نامے کی حسب دفعہ کی رو سے سندھیا ان علاقوں میں اپنی فوج نہیں رکھ سکتا میں اسے بھی خارج کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

مشتمل۔ علاقہ رڑڈیسی کے لٹ جانے سے کمپنی اور اس کے لازموں کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کرائی جائے۔

کھفتہ۔ سندھیا سے رانا گوہڑ کے مصارف کے لیے دو ڈھائی یا تین لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کرایا جائے۔

لارڈ کارنوالس ان شرائط پر صلح کی بات چیت شروع کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ صلح دہن میں تاخیر کرنے کے بجائے میں ان مطالبات میں بھی کمی کرنے کے لئے آمادہ ہوں فرید پور اگر دونوں سلطنتوں کے باہمی تعلقات کو طے کرنے کی غرض سے سندھیا کو کچھ اور علاقہ دینا پڑے تو میں اپنے مقصد کی خاطر اس پر بھی راضی ہوں؟

اسی مراسلے میں وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ اگرچہ میں سندھیا سے دوبارہ دفاہی معاہدہ نہیں کرنا چاہتا تاہم جب تک کہ ہلکر سے خاطر خواہ صلح نہ ہو جائے سندھیا کو بحیثیت علیف کے اپنے ساتھ رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جن اسباب کی بناء پر وہ رانا گوہڑ سے کمپنی کا رشتہ اتحاد منقطع کرنا چاہتا تھا۔ انھیں بھی وہ اس مراسلہ میں واضح کرتا ہے اس کے نزدیک رانا میں نہ تو حکومت کرنے کی صلاحیت تھی اور نہ اس نے کمپنی کے معاہدہ کی تعمیل کی تھی لیکن از روئے العفاف اس نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اس نا اہل رانا کی پردہ کش کے لیے کچھ مقول انتظام کر دیا جائے۔

(۳۳۳)

دہلی کے مغرب و جنوب میں کمپنی نے جو علاقہ فتح کیا تھا اس کے انتظام کی بات بھی اس نے اپنی بنیادیں سے لارڈ لیک کو آگاہ کیا۔ اس کی رائے تھی کہ اس علاقہ کا ایک حصہ تو اس مختلف سر داروں میں تقسیم کر دیا جائے جن کی حفاظت کمپنی اپنے ذمے لے چکی ہے بشرطیکہ وہ اس بات کو منظور کریں کہ آئندہ وہ کمپنی کی حفاظت طلب نہیں کریں گے۔ باقی حصہ راجہ مچھیری اور بھرت پور کو دیا جائے

لے ان سے دو ہندوستانی سپہ سالار اور سوار مراد ہیں جو کمپنی کے غیموں کے ساتھ غداری کرنے یا اپنی دیگر خدمات کی بدولت اس صلح کے متقی ہو گئے تھے۔

بشرطیکہ وہ برطانوی حکومت سے اپنے تمام سابق معاہدے منسوخ کر دیں۔
 گورنر جنرل کا خیال تھا کہ جب اس طرح ان رئیسوں کی ریاستوں میں اضافہ
 ہو جائے گا تو ان کے مقبوضات خود بخود سندھیا اور کپڑی کی سلطنتوں کے درمیان
 جد فاصل بن جائیں گے اور سندھیا کی کمزوری کو غور نظر رکھتے ہوئے یہ بات بھی بعید
 نہیں معلوم ہوتی کہ اگر ان رئیسوں کو خود مختار جاگیرداروں کی اعانت حاصل ہو گئی
 تو وہ سندھیا کا مقابلہ کر لیں گے۔ لارڈ کارنوالس نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ بہرحال
 ان علاقوں پر دیکھنی کا قبضہ برقرار رکھا جائے اور نہ ان سے اس کو کچھ سروکار ہے۔
 ایسی حالت میں اگر یہ علاقے دولت راؤ سندھیا کی ماتحتی میں چلے جائیں تو بھی میں اس
 انتظام کو از روئے معلومت قابل اطمینان تصور کر دوں گا لیکن اگر یہ علاقے راجہ چھپری
 اور بھرت پور کو دے دیئے جائیں تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ سندھیا ہمیشہ انھیں ان سے
 چھین لینے کی کوشش کرے گا اور اس طور سے ان میں ایک لائق تباہی تنازع کی بنا
 پڑ جائے گی اور سندھیا کے لئے ایک معقول مشغلہ نکل آئے گا اور اس کی مصروفیت
 کے لئے مستقل انتظام ہو جائے گا۔ میں اس بات کا تو کبھی خیال ہی نہیں کر سکتا کہ سندھیا
 دو آہ میں برطانوی مقبوضات پر حملہ کرے گا اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ وہ
 پنجاب کی اور بھرت پور کے سرداروں کو ہمیشہ کے لئے اپنا دشمن بنائے گا اس قسم
 کے حملے کا امکان اور بھی کم ہو جاتا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جب ان سرداروں
 کو اچھے مقبوضات کے ایک خاص علاقے سے محروم کرنے کی کوشش کی جائے گی
 تو اس کا لازمی طور پر یہی نتیجہ ہوگا۔

(۳۴۴)

ان ہدایات کے جواب میں لارڈ لیک نے گورنر
 جنرل کو لکھا کہ میں نے اپنے ایک مراسلے میں اس موضوع پر بحث
 کی ہے کہ سریشوں کو شمالی ہند سے پورے طور پر خارج کر دینے
 سے کپڑی کو کس قسم کے فوائد حاصل ہوں گے۔ آپ اسے ملاحظہ
 فرمائیں۔ مجھے اپنے ذاتی تجربہ اور مقامی حالات کی واقفیت
 کی بناء پر اس بات کا یقین ہے کہ اگر ہم اپنی موجودہ مستحکم سرحد
 برقرار رکھیں گے تو مرہٹے ہمارے اس علاقے پر حملہ کرنے کا

لارڈ کارنوالس
 کے
 مسکات لارڈ لیک
 کا
 تبصرہ

کبھی خیال بھی نہیں کریں گے برخلاف اس کے اگر انھیں اس علاقہ میں برقرار رکھا گیا یا انھیں جینا کے مغربی علاقے کے جاگیرداروں یا چھوٹے سرداروں پر فوج کشی کرنے کا موقع دیا گیا تو ان سے کبھی بھی نجات حاصل نہ ہو سکے گی۔

(۳۴۵) لارڈ لیک نے اپنی اس رائے کے ثبوت میں مستند دلائل پیش کئے کہ اگر ان جاگیرداروں کو برطانوی حفاقت سے محروم کر دیا گیا تو سندھیا ان پر غالب آجائے گا یا کوئی اور سردار انھیں مغلوب کر لے گا اور انھیں تباہ کر کے اپنے لیے ایک مستقل قوت حاصل کر لے گا جو جغرافیائی نقطہ نظر اور مقامی حالات کے لحاظ سے برطانوی حکومت کے لیے سخت مضر ہوگی۔

لارڈ لیک کا بیان ہے کہ سندھیا اور بلکر کی فوجوں میں سرٹوں کی تعداد نہایت قلیل ہے ان میں زیادہ تر راجپوت اور مسلمان شامل ہیں جو زیادہ اپنے وطن واپس ہو گئے ہیں یا برطانوی فوجوں میں بھرتی ہو گئے ہیں لہذا مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر ان کے ساتھ ذرا بھی نرمی کا برتاؤ کیا گیا اور ترکیب سے کام نہ لیا گیا تو وہ بہت جلد اپنی عادتوں کو ترک کر کے مفید رعایا بن جائیں گے لیکن اگر جینا کے مغربی علاقے کو ہمیشہ کے لیے میدان کا زار بنادیا گیا اور اسے کسی

سے مرہٹہ سرداروں کی فوجوں کا اس طرح پیکسل ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا ان کی قوت کے متعلق ابتدا سے ایک بڑی غلط فہمی رہی ہے ان کی تباہی اور اتفاقی کی دراصل یہ ایک خاص بنا رہے۔ مرہٹے ہندوستان کے ایک خاص علاقے کے باشندے ہیں جنھوں نے سلطنت منلیک کی زوری سے فائدہ اٹھا کر اپنا مکہ جلالپور اور کل ملک میں چھا گئے تھے لیکن دیگر نیم وحشی و غیر مہذب قوموں کی طرح جن کی فتوحات میں بجز فوجی قوت کے اور کوئی جزو شامل نہیں ہوتا۔ یہ بھی درست سلطنت کے بعد بہت جلد کمزور پڑ گئے جن مرہٹہ سرداروں نے دور دراز مقامات پر فوج کشی کی تھی آج ان کی اولاد اپنے آبادیوں کی مشقتوں ولایتیں میں غیر قوموں کے جھڑپوں کو اپنے ساتھ لیے ہوئے لوٹ مار کرتی پھرتی ہے اور دوسروں کے علاقوں پر جو مظالم انھوں نے کئے تھے ان کے بدلے چند سال ہی کے عرصہ میں ان راجپوتوں اور مسلمانوں کے احوال ان سے خوب گن گن کر لے لیے ہیں اور ظفر کا شہ تو یہ ہے کہ مرہٹہ سرداری وہ جنوں کے سردار بنے ہوئے ہیں۔

(۳۴۶)

ایسے ہندوستانی رئیس کے حوالہ کر دیا گیا جس کا رجحان فتوح اور لوٹ مار کی طرف ہو۔ تو اس قسم کی ترکیبیں ہرگز نہیں چلی سکیں گی ان دونوں حالتوں میں اس جماعت کے عادات متقل ہو جائیں گے۔ قزاقوں کے جتنے قایم ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ ایسے سرداروں کے پیرو بنے رہیں گے جو انھیں ان دیران علاقوں سے نکال کر جھپٹیں انھیں کے تشدد نے اُجاڑ دیا ہے کمپنی کے متمول اور زرخیز ہمسایہ دلائیوں میں ساتھ لے جانے پر آمادہ ہوں۔“

اسی سلسلے میں لارڈ لیک نے یہ بھی لکھا کہ ”سیاسی نقطہ نظر سے تو اس مسئلہ میں میری یہ رائے ہے۔ اب اس کے عملی پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ سابق معاہدوں کی خلاف ورزی کئے بغیر اور انگریزوں کی عزت و شہرت کو نقصان پہونچائے بغیر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں“ جن دلائل کی بناء پر لارڈ لیک نے اپنی رائے قایم کی تھی انھیں وضاحت سے بیان کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ لارڈ کارنوالس کے دماغ میں جو تجاویز ہیں وہ محض اس وجہ سے ناقابل عمل نہیں ہیں کہ ان سرداروں کو جھپٹیں حکومت مصلحت کی بناء پر اپنی خطاوت سے محروم کر رہی ہے۔ معقول معاوضہ دینا پڑے گا اور اس کا کمپنی کی آمدنی پر بار پڑے گا بلکہ اس کے لیے دیگر وجوہ بھی موجود ہیں۔

(۳۴۷)

اسی سلسلے میں وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ کوئی ترغیب ان سرداروں کو اس امر پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ وہ برطانوی حکومت کی پناہ کے فوائد کو خود اپنے ہاتھ سے کھودیں اس قسم کی ترکیب ہی سے انھیں سخت پریشانی ہوگی بلکہ مجھے تو اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ یہ خیال کریں گے کہ مرٹروں سے صلح کرنے کی غرض سے انھیں بھینٹ چڑھا دیا جا رہا ہے۔ ان کے اس خیال سے برطانوی حکومت کی عزت و شہرت کو جو نقصان پہونچے گا وہ کسی قسم کے اعلان یا بیان سے مٹائے نہ سکتے گے گا۔“

جن سرداروں کو برطانوی حکومت پر کچھ حق حاصل ہے اور جنہیں آپ جتنا کا مغربی علاقہ دینا چاہتے ہیں وہ کسی راہ کی زمین کا ایک چمچ بھی اس وقت تک لینے کے لیے آمادہ نہ ہوں گے جب تک کہ انھیں اس بات کا یقین نہ ملایا

جائے گا کہ خود برطانوی حکومت اس جدید انتظام کی محافظ ہوگی اور صاف ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری
زیر غور انتظام سے ہزار گنا زیادہ دشوار ثابت ہوگی۔ اگر برطانوی حکومت ان سرداروں
کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے گی تو یہ بیچارے جدید علاقوں کی قدیم مقامی حکومتوں
کے مقابلے میں تین دن بھی نہ ٹھہر سکیں گے۔

اس سلسلے میں سندھ یا سہ جو مراست ہوئی تھی اس کے متعلق لارڈ لیک نے گورنر
جنرل کو اطلاع دی اور اس بات پر افسوس پڑا کہ ہر کیا کہ رانا گوہڑ کی ذاتی کمزوری اور
نااہلی کی وجہ سے وہ تمام توقعات جو اس سے معاہدہ کرتے وقت قائم ہوئے
تھے منقطع ہو گئے۔ اُس نے مارکوئس کارنوالس کی اس رائے سے پورا اتفاق کیا کہ اگرچہ
رانا سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے معقول وجوہ موجود ہیں تاہم یہ زیادہ مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ اسے اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ حین اختیارات سے وہ فائدہ نہیں
اٹھا سکتا اُن سے دست بردار ہو کر وہ اس حیثیت کو قبول کرے جو اُس کی کمزور طبیعت
اور نااہلی کے لئے موزوں ہے۔

راجہ جے پور سے کمپنی کے جو تعلقات قائم تھے اُن کی بابت اس زمانے میں
ایک خاص بحث چھڑ گئی تھی۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن تعلقات کی
ابتداء اور ان کی نوعیت یہاں بیان کر دی جائے۔

راجہ جے پور سے راجہ جے پور اور ان سرداروں میں سے ایک ممتاز فرمانروا ہے جو شمالی ہند اور مکر
کمپنی کے تعلقات کے درمیانی علاقے پر قابض تھے۔ سندھیا سے جنگ چھڑنے
کے بعد ہی اس نے انگریزی حکومت سے اتحاد قائم کر لیا تھا۔ اس اتحاد کے شرائط پہلے
بیان ہو چکے ہیں۔ راجہ مذکور نے اکثر موقعوں پر اس معاہدے کے منشاء اور شرائط
دونوں کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ جب کمپنی سندھیا اور ہولکر دونوں کے خلاف
جنگ آزمائشی اور ان دونوں کی فوجیں جے پور کی سرحد پر پڑی ہوئی تھیں تو یہی
کی ایک فوج ٹونک رامپورہ کو روانہ ہوئی۔ یہ مقام راجہ کے دارالحکومت کے سوا میں
واقع تھا اور راجہ کے علاقے ہی سے بمبئی والی فوج کی ضروریات کا انتظام کیا گیا تھا۔
راجہ کا ایک سفیر اس وقت لارڈ لیک کے مستقر پر موجود تھا۔ ان حالات میں
لارڈ لیک نے اذروئے مصلحت یہ مناسب سمجھا کہ اس سفیر کی معرفت اُس کے آقا کو

(۳۴۹) آگاہ کیا جائے کہ جو طرز عمل اُس نے اختیار کر رکھا ہے آخر اس کا کیا خشر ہونے والا ہے علامہ ازیں اس نے راجہ کے سفیر کو ہدایت کی کہ وہ اپنے آقا کو مطلع کر دے کہ اس وقت آپ کو ایک موقع مل جائے گا کہ آپ اپنے کو برطانوی حکومت کی دوستی اور اہل کا اہل ثابت کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اس موقع کو آپ ضائع نہیں کریں گے۔

لارڈ لیک جب اس طرح راجہ کے سفیر کو آگاہ کر چکا تو لارڈ کارڈنوالس کا مراسلہ اسے موصول ہوا جس میں اُس نے تحریر کیا تھا کہ راجہ جے پور نے اس کے نزدیک کمپنی کے معاملے کی تعمیل کرنے کے بجائے دشمنوں کا ساتھ دیا ہے لہذا وہ ان تعلقات کو منقطع تصور کرتا ہے اور چونکہ اس اتحاد سے بجز دشواریوں اور پریشانیوں کے کچھ حاصل نہیں ہے اس لئے حکومت نے لے کر دیا ہے کہ اگر تھیا یا ہو لکر جے پور پر حملہ کرے تو اُس کی مداخلت کی کچھ فکر نہ کی جائے۔

لارڈ لیک کو اس بات کی بھی ہدایت تھی کہ بمبئی والی فوج کے سپہ سالار میجر جنرل جونز کو جو اس وقت جے پور کی سرحد پر مقیم تھا اس فیصلے کی اطلاع کرے کہ اگر تمہارے جے پور پر حملہ کریں تو وہ راجہ کو کسی قسم کی مدد دے کیونکہ گورنر جنرل نے اس سے تعینات منقطع کرنے کی بابت فیصلہ کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی تھی کہ سرحدت راجہ جے پور کو اس کی اطلاع نہ کی جائے۔ موجودہ تعلقات کے خاتمے کی اطلاع کرنا خلاف مصلحت ہوگا۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالات میں اس اعلان سے برطانوی حکومت کے مفاد کو نقصان پہنچ جائے لہذا گورنر جنرل باجلاس کونسل نے اس بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اُس کی اطلاع جے پور کے ریزیڈنٹ کو کر دی جائے لیکن اسے بھی یہ ہدایت کر دینی چاہئے کہ وہ راجہ سے اس کا کچھ ذکر نہ کرے اور اگر تھیا یا ہو لکر یا کوئی دوسرا سردار اس کے علاقے پر حملہ کرے تو برطانوی فوجوں کی امداد کا بھی اس سے کوئی وعدہ نہ کرے۔

لارڈ لیک اپنی کارروائی علیحدہ کر رہا تھا۔ ان احکام کے لئے پر اُسے سخت کوفت ہوئی۔ اُس نے فوراً گورنر جنرل کو لکھا کہ ”میں واقعات سے مجبور ہو کر راجہ کو کمپنی کی اعانت اور دوستی کا یقین دلا چکا ہوں لیکن اس کے ساتھ میں نے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ آئندہ اپنے طرز عمل سے خود کو برطانوی اعانت کا اہل

ثابت کرے؟

اس مراسلے کے روانہ کرنے کے بعد لارڈ لیک کو جے پور کے ریڈیٹ کے پاس سے اطلاع ملی کہ ہوکر جے پور کی سمت سے کمپنی کی سرحد کی طرف بڑھ رہا ہے اور راجہ کا ارادہ اُسے روکنے کا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ رانا اودے کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اسی کوشش میں لگا ہوا ہے اور اپنے اس ادنیٰ مقصد کے حصول ہی میں اس نے اپنی ساری فوج مصروف کر رکھی ہے۔ اس اطلاع کے ملنے کے بعد لارڈ لیک نے راجہ کو ایک خط لکھا اور جن جن موقعوں پر اُسے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی انہیں گنا کر اُسے آگاہ کیا کہ ”اُن بے کارویہ سود اور تکلیف دہ تعلقات کے خاتمے کی بابت عنقریب تجو رنر جنرل کے احکام جاری ہو جائیں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُس نے یہ بھی تحریر کیا کہ غالباً جنرل جوش کی فوج بہت جلد ہوکر کے خلاف کارروائی شروع کرے گی لہذا آپ کو اب بھی اس بات کا موقع حاصل ہے کہ آپ نہایت فراخ دلی سے اُس کی مدد کریں اور فوج کی رسد کا معمول انتظام کریں تاکہ آپ کا دوبارہ اعتماد قائم ہو جائے۔“

(۳۵۱)

لارڈ لیک نے راجہ کے ساتھ جو طرہ عمل اختیار کیا تھا نہ صرف اُسی کے لحاظ سے یہ کارروائی مناسب تھی بلکہ غنیم اور کمپنی دونوں کی فوجی حالت اور ان کے ٹراؤ کے لحاظ سے پہلے حملے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی وہ ضروری تھی۔ یہ ترکیب کامیاب بھی رہی۔ جے پور کے ریڈیٹ نے بعد میں مطلع کیا کہ ”آپ کا خط ملنے کے بعد راجہ نے اودے پور پر فوج کشی کرنے کا خیال (جو اُس کے نزدیک نہایت اہم تھا) ترک کر دیا اور جنرل جوش کی امداد کے لئے فوج کا ایک دستہ مہیا کیا اور ہوکر سے لڑائی ختم ہونے تک نہایت شوق و ذوق سے جنرل کو رکھ کر ساتھ دیا۔“

لارڈ لیک کا مراسلہ موصول ہونے کے بعد لارڈ کارنوالس نے جے پور سے تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ مردست ملٹری کر دیا اور لارڈ لیک نے ان واقعات کے بعد یہ رائے قائم کی کہ راجہ کے سامنے جو شرائط پیش کئے گئے تھے ان کی تعمیل اور تعمیل کرنے کے بعد اُس نے اپنا حق قائم کر لیا ہے کہ اب اُسے برطانوی حکومت کا ایک مخلص و وفادار حلیف سمجھا جائے۔

(۳۵۱) د یار حیدر آباد۔ پونہ و برار کے
تام لارڈ کارنوالس کے خطوط

لارڈ کارنوالس نے اپنے اس دور میں حیدر آباد۔ پونہ اور برار کے درباروں سے کوئی مراسلت نہیں کی۔ اس نے فورٹ ولیم یونیورسٹی کے بعد ان سب کو اپنے سابق دور کے اصول یاد دلانے اور انہیں اس بات کا یقین دلایا کہ اب بھی

میں برٹش میں نہایت اعتدال سے کام لوں گا اور میری خواہش ہے کہ حال کے واقعات سے آپ نے جو کچھ خیالات قائم کئے ہوں انہیں آپ دل سے نکال ڈالیں یہ ان خطوط کا مدعا یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک یہ سمجھ جائے کہ لارڈ ولزلی کے اصول مسترد ہو چکے ہیں اور اب نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ برار کے دربار میں برٹش فوجی رزروٹ سے اس مسئلے کے متعلق ایک موقع پر سخت بحث بھی ہوئی۔ راجہ برار لارڈ کارنوالس کے خط سے یہ سمجھا تھا کہ اس کی روانگی کے وقت ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی جو حالت تھی وہی اب پھر قائم کی جائے گی لہذا برار۔ کنگ و دیگر مقامات جو اس وقت راجہ کے مقبوضات میں شامل تھے اسے واپس مل جائیں گے۔

(۳۵۲) جو لوگ اسے مصالحت کا خیال لارڈ ولزلی کی رائے سے کہ وہ جوہت لارڈ ولزلی سے مصالحت کے لئے گفتگو شروع کرے اور اگر وہ اپنے متعلق آمندہ کے لئے برطانوی حکومت کو اطمینان دلائے تو ہو کر خاندان کے قدیم مقبوضات اس کے حوالے کر دیے جائیں۔ لارڈ کارنوالس کی زندگی میں ان تجاویز کو ہو کر کے سامنے پیش کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ اس زمانے میں وہ اپنی قلیل شکست خوردہ اور پست ہمت فوج کے ساتھ دہلی کے دربارن شامل مغربی علاقے سے گزر کر پنجاب میں داخل ہو رہا تھا کہ لارڈ کارنوالس کا انتقال ہو گیا۔ گورنر جنرل نے جو مراسلے مجلس نظارہ کو روانہ کئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کمپنی کی مالی حالت سنبھالنے کا ابتدائی خیال تھا جو متواتر لڑائیوں سے

اس وسیع اور زرخیز خطے میں سکھ آباد ہیں۔ یہ ایک عجیب قوم ہے اس کے پورے حالات ایشیائی تحقیقات (Asahi Research) کی گلیا جویں جلدیں تفصیل سے درج ہیں۔

خراب ہو گئی تھی لیکن جب تک کہ جنگ قطعاً طور پر ختم نہ ہو جائے فوجی مصارف میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ جنگ کی خاطر خواہ کامیابی اور فائدہ کا انحصار فوج کی قوت اور اس کے ساز و سامان کا متعلق تباہی پر ہی تھا۔

لارڈ کارنوالس کا انتقال | لارڈ کارنوالس کی صحت انگلستان سے روانہ ہونے کے وقت ہی اچھی نہ تھی فوراً ہی یہو چننے کے بعد جب وہ شمالی ہند کی فوج سے ملنے کے لئے روانہ ہوا تو اسکی صحت روز بروز بدتر ہوئی گئی اور وہ مراکتوبر ۱۸۰۶ء

(۱۸۰۶ء)

موت کے لئے کو بنارس کے قریب غازی پور میں اس نے انتقال کیا۔

۱۔ لارڈ ٹینک کی بے قاعدہ سوار فوج کے غیر معمولی مصارف کی بابت بہت کچھ چھوڑ گیا ہوتا تھا لیکن لارڈ کارنوالس کی بھی نگاہ پڑی اور اس نے اس کی طرف فوری توجہ کی لیکن ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس فوج کے مصارف میں کثیر اضافہ اس وقت ہوا جب کہ ہو لکر نے شمالی ہند سے مراجعت کی اور اس کے تمام سپاہی جو اس علاقے کے باشندے تھے اُس کا ساتھ چھوڑ کر بنگال کی فوج سے آئے تاہم اُس عارضی فوج کے مصارف کبھی پانچ لاکھ تر اسی ہزار روپے سوائے پانچ سو روپے چار سو روپے لاکھ سے زیادہ نہیں ہوئے اور یہ خرچ بھی صرف تین بیسے رہا تھا۔ لارڈ کارنوالس کی آمد کے وقت تحفیف کا مسئلہ پیش تھا۔ ستمبر ۱۸۰۶ء میں اس کے مصارف تین لاکھ نوے سو چار سو پچیس روپے نو آئے رہ گئے۔ دسمبر میں دو لاکھ انیس ہزار روپے چھ سو پچیس روپے دس لاکھ اور فردری ۱۸۰۷ء میں ایک لاکھ سے کم ہو گئے۔

۲۔ اس کی زندگی کے آخری بیسے میں اس کی صحت کی جو حالت تھی اس کا محاذ کرنے کے بعد یہ تعجب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قدر اہم اور سخت کام کس طرح انجام دیتا تھا۔ باوجود کمزوری کے وہ ہر روز صبح لاکھوں کام کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ غشی کی نوبت آ جاتی تھی۔ شام میں سیکرٹریٹ سنبھل جاتی تھی اور کپڑے پہنکر وہ موصول مراسلے سننے کے لئے بیٹھ جاتا تھا اور جو خط لکھوانے ہوتے تھے ان کے متعلق ہدایات دیتا تھا۔ جو لوگ اس کی پیٹی میں رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ اس حالت میں بھی اس کی دماغی قوت قائم تھی۔

(۳۵۵)

اسکی خوب لوکا اعتراف

اس عظیم الشان زندگی کا یوں خاتمہ ہوا جب تک کہ دنیا میں انسان کے ناک جہر۔ اوصاف حمیدہ اور جب وطن کی قدر باقی ہے اس وقت تک اس شخص کا نام زندہ رہے گا۔ طبیعت کی قابل وقت سازگی کے ساتھ ہی اس میں حد درجے کی معاملہ فہمی اور انتہائی قوت فیصلہ تھی۔ ان دونوں خوبیوں نے ملکر اسے سیول اور فوجی دونوں کاموں کے لئے نہایت موزوں بنا دیا تھا۔ اس کی حکومت کا پہلا دور برطانوی حکومت ہند میں ہمیشہ مدح و ستائش کا مستحق رہے گا۔ اس کا دوسرا دور جس میں اس کا مسلک کچھ اور ہی نظر آتا ہے اس قدر مختصر رہا کہ اس کی بابت قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو کس قسم کے نتائج ظور میں ہوتے تاہم اس بات کا تو یقین ہے کہ جماعات وہ کرنا چاہتا تھا ان کی خرابیوں کو وہ اپنے ذاتی اثر و اقتدار سے ضرور رفع کر دیتا۔ ہر ہندوستانی سلطنت اس کے فضائل و خصوصیات سے واقف تھی اور ان سب کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اس نے اپنے سابق دور میں برطانوی حکومت کے مفاد اور وقار کو کس خوبی اور مستعدی سے برقرار رکھا تھا۔ بہر حال اس کی زندگی کے آخر کاموں کی مسامتہ پر لوگ کتنا ہی شبہ کیوں نہ کریں اور اپنے سابق دور کے اعلیٰ اور مستحکم اصول سے اس قدر زبردست انحراف کرنے کے وجوہ کی بابت ان کے جو کچھ بھی خیالات ہیں کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس ملک میں دوبارہ آنے سے اس کے انتہائی اخلاص کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسی عمر تھی ویسی ہی عزت تھی۔ اس کی تمنائی کہ جس طرح زندگی شروع کی تھی اسی طرح وہ ختم بھی ہو اور ایسا ہی ہوا۔ ملک کی خدمت میں تمام عمر بسر ہوئی تھی اور اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہوا۔

(۲۵۶)

سر جارج بارلو کا دور

اور

لارڈ کارنوالس کے اصول پر عمل

لارڈ کارنوالس کے انتقال کے بعد سر جارج بارلو منصفانہ طور سے برطانوی حکومت ہند کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔
اس نے اپنے پیشرو کے اصول کے مطابق

سر جارج بارلو کوپنی کا ایک سیول عہدے دار تھا۔ گورنر جنرل کے عہدے (بقیہ صفحہ ۲۷۹)

لارڈ لیک کو سندھیا سے مصالحت کرنے کے متعلق ہدایت دیں۔ سپہ سالار افواج کو جو پہلا مراسلہ لکھا اُسی سے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ وہ لارڈ کارنوالس کے قدم بہ قدم ہی چلنا چاہتا ہے اور اس کی طرح اُسے بھی اس امر کا یقین ہے کہ کمپنی کے حقیقی مفاد کی خاطر دریا سے جتنا اس کے مقبوضات کی سرحد قرار دی جائے جن میں صرف دائیں ساحل پر آٹھ دس میل عرض کا علاقہ شامل ہو۔ مغربی ساحل کی تمام ادنی ریاستوں سے یہ تجارت ممکنہ تعلقات منقطع کئے جائیں اور ان زمینوں کے باہمی تنازعات ہی پر کمپنی کی آئندہ حفاظت کا انحصار سمجھا جائے۔ اسی اصول کی بناء پر وہ سندھیا کے دفاعی معاہدے سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور اسی خیال سے اس کی خواہش تھی کہ ہو کر گری طاقت کا ہرگز خاتمہ نہ کیا جائے بلکہ اس سے بھی صلح ہو جائے۔

(۳۵۷)

۱۲ نومبر ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل کے پوٹیکل نمٹنے (جولارڈ لیک کی نگرانی میں کام کر رہا تھا) اور فوجی تینوں کے مابین جسے سندھیا نے اپنا وکیل مقرر کیا تھا اور اپنے پورے اختیارات دے دیئے تھے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے ہو گئی۔

سندھیا سے صلح

اور

اس کی شرائط ۱۸۵۷ء

بجز ان امور کے جن میں اس معاہدے کی رو سے ترمیم کی جائے باقی تمام شرائط جو سرحدی آذینگاؤں کی صلح میں طے پائی تھیں برسرِ قائم رہیں گی۔

عہدے پر پہنچنے سے قبل اس نے ماتحت افرو کی حیثیت سے جو مختلف خدمات انجام دیں تھیں ان میں ہمیشہ اپنی قابلیت اور دیانت کا ثبوت دیا تھا جس کی وجہ سے حکام بالاک ہمیشہ اس پر توجہ و عنایت رہی۔ لارڈ کارنوالس کی ماتحتی میں اس نے جنگل کی سہول حکومت کے قواعد و ضوابط کی تیاری میں خاص طور پر کام انجام دیا۔ لارڈ مین ماؤنٹ اور لارڈ ویلزن کی زمانے میں متعدد خاص کے عہدے پر مامور رہا اور بعد ازاں لارڈ ویلزن کے دور کے آخر چار سال میں مجلس اعلیٰ کا رکن رہا۔

۱۷ لفظ طے کر کے مکالمہ

اگرچہ مذکورہ بالا معاہدے کے بموجب کمپنی کو الیاز اور گوڈا پور سندھیا کا حق تسلیم نہیں کرتی ہے تاہم بعض دوستی کی خاطر وہ گوڈا پور نیز گوڈا پور کے چند علاقے جو فٹکلاؤنٹس میں درج ہیں اسے دینے پر راضی ہے۔

سندھیا کے دربار کے خاص خاص عہدے داروں کے لئے پندرہ لاکھ سالانہ کے جو وظائف سابق صلح نامے کی رو سے طے پائے تھے ان سے سندھیا نے دست برداری دی۔

۱۲۔ ستمبر ۱۸۱۷ء تک ان وظائف کی جو قسم باقی تھی اس کی ادائیگی کمپنی نے وعدہ کیا اور اس بات پر بھی رضامندی ظاہر کی کہ تاریخ مذکور تک دھولپور باری اور راجپھیر اسکے علاقے کی آمدنی میں سے جو رقم باقی ہوگی وہ بھی ادا کر دی جائے گی۔ البتہ مندرجہ ذیل مدت کی بابت اس میں سے رقم مہنا ہوگی۔
اول۔ پاپو سندھیا اور سودیش راؤ کے وظائف کی رقم جیسے برطانوی حکومت کی علانیہ مخالفت کی بنا پر تاریخ مخالفت سے بندھتے ہوئے رہے۔

(۳۵۸)

دوم۔ برطانوی ریڈیسی کے علاقے کی لوٹ مار۔
سوم۔ سر جیکسن نے جو نقد رقم ہمارا جہ کے سواروں کو ادا کی۔
چہارم۔ دھولپور۔ باری اور راجپھیر کے علاقوں کی انگریزی وصول کرنے کے مصارف۔

دریا کے چیمبل مشرق میں علاقہ گوڈا پور تک اور مغرب میں شہر کوٹا تک دونوں سلطنتوں کی سرحد ہوگی۔ اس دریا کے شمالی علاقے پر سندھیا کو کوئی دعوے نہیں ہوگا اور اسی طرح اس کے جنوب میں کمپنی اپنے تمام دعووں سے دست بردار ہو جائے گی البتہ ساحل جتنا پر بھدک اور سوس پڑا کے جو علاقے واقع ہیں ان پر کمپنی کا قبضہ بدستور بحال

۱۳۔ دریا کے چیمبل اس خیال سے سرحد نہیں قرار دی گئی کہ وہ حد فاصل کا لام دے سکتی ہے بلکہ اس سے محض دونوں سلطنتوں کی حدود کا تعین کرنا مقصود تھا تاکہ سرحد کے متعلق آئندہ اس قسم کے تنازعات جن میں ہم بے مشاق ہیں پیش نہ آئیں۔ لارڈ لیک

رہے گا۔

(۳۵۹)

سندھ صیانتے نو ندی۔ سدھی۔ دھو پور۔ باری اور راجہ کبیر کے علاقے سے بعد میں دست برداری دے دی اور وہ اپنے تمام حقوق اور دعووں سے دست کش ہو گیا۔ کمپنی نے ہمارا جس کی ذات کے لئے چار لاکھ سالانہ روپے مقرر کئے اور دولت راؤ سندھیا کی رانی وجے بائی کے لئے شمالی ہند میں دو لاکھ سالانہ اور اس کی بیٹی چننا بائی کے لئے ایک لاکھ سالانہ کی جاگیر دے دی۔ علاوہ ازیں کمپنی نے اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ وہ راجہ ادوئے پور۔ جو دھپور۔ کوٹا اور سندھیا کے دیگر باج گزار رومائے مالوہ اور میوار سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کرے گی اور ان سے جو معاہدے سندھیا کرے گا ان میں بھی مداخلت نہیں کرے گی۔ کمپنی نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر جو نت راؤ ہو کر سے صلح ہو گئی تو نہ وہ اس امر کی خواہش کرے گی کہ ہو کر کے جو متقبضات تاجپتی اور چیل کے درمیان مالوہ میں واقع ہیں اور جن پر اب سندھیا قابض ہے وہ اُسے واپس کر دیے جائیں اور نہ ان علاقوں کے انتظام میں کسی قسم کی مداخلت کرے گی۔ علاوہ ازیں سندھیا کو آزادی حاصل ہوگی کہ دریائے تاجپتی شمالی اور دریائے چیل کے جنوبی علاقوں کے قبضے یا خراج کی بابت وہ جو نت راؤ ہو کر یا اس کے خاندان کے کسی اور شخص سے جو انتظام مناسب سمجھے کرے۔ اس کے ساتھ ایک شرط یہ بھی تھی جسے صاف طور پر بیان کر دیا گیا تھا کہ اگر اس انتظام کے سلسلے میں جنگ یا کوئی تنازعہ پیش آئے گا تو اس میں بھی کمپنی کوئی حصہ نہیں لے گی۔

(۳۶۰)

بقیہ ماضیہ صفحہ (۲۸۰) نے معاہدہ کرتے وقت اس دفعہ کی وضاحت اس لحاظ سے اور بھی ضروری سمجھی کہ وہ راجہ جے پور کے طرز عمل کی بابت معلوم ہونے کے بعد اس سے کمپنی کا استیصال برقرار رکھنا ضروری خیال کرتا تھا۔

لئے بعد یک اور سو سو پڑاؤں چھوٹے اور غیر زرخیز علاقے تھے اور اگرچہ وہ چیل کے شمال میں واقع تھے تاہم دریائے جمنہ کے ساحل پر ہونے کی وجہ سے ادراگرہ اور بندھلکھٹیس سلسلہ نام رکھنے کی غرض سے کمپنی نے ان پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

۱۔ اس عہد نامے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سندھیا آئندہ سے نہ تو سرجی راؤ گنگا کو اپنے مشوروں میں شریک کرے گا اور نہ اسے کبھی اپنی حکومت کے کسی عہدے پر مامور کرے گا۔

اس معاہدے کے بموجب سندھیا اور اس کے خاندان والوں کے علاوہ اس کے دربار کے خاص خاص عہدے داروں کو بھی تقریباً تین لاکھ سالانہ کی جاگیریں عطا ہوئیں لیکن اگر چمپل کے شمالی علاقے کی آمدنی جس سے سندھیا نے دست برداری دی تھی سات لاکھ کے قریب قرار دی جائے اور اس میں رانا گوہڈ کا تین لاکھ سالانہ منصب بھی شامل کیا جائے تو اس حساب سے کمپنی فائدے میں رہی۔ کیوں کہ یہ سب انتظامات گوالیار اور گوہڈ کے معاوضے میں کئے گئے تھے جن کی آمدنی تقریباً آٹھ لاکھ سالانہ تھی اور معاہدے کی رو سے اتنی ہی رقم رانا گوہڈ کے لئے مقرر رہی تھی۔ (۳۶۱)

۲۔ اس سفاک شخص کو کمپنی اپنا دشمن قرار دے چکی تھی معاہدے میں اس قسم کی شرط طے کر آ کر کمپنی نے اپنی دولت کا اس سے خوب بدلہ لے لیا۔ اس قسم کی ایک شرط ہو کر سے معاہدہ کرتے وقت بھی طے کر لی گئی لیکن جب چند ماہ بعد ہی یہ خبر ملی کہ سرجی راؤ ہو کر سے ملنے والا ہے تو ان شرائط کی منوخی کا حکم دے دیا گیا تھا تاکہ ان کی بدولت کمپنی کو کوئی دقت یا پریشانی پیش نہ آئے۔ حالات مزید کے لحاظ سے اس قسم کے جھگڑوں سے غلجہ رہنا نہایت ضروری تھا۔ جو لوگ سندھیا جیسے سرداروں کی حکومت کے حالات سے واقف ہیں وہ اس شرط کی ضرورت اور اس کی منوخی کی غلطی کو محسوس کر سکتے ہیں۔ جہاں طاقت و قوت و اختیار اور آمدنی کے تقسیم ہوتے ہیں وہاں ملازم بعض اوقات خود مختار ہو جاتے ہیں اور ایک حد تک وہی ان تمام کاموں کے ذمہ دار بن جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ اندرونی حالات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

سر جارج بارو نے اس صلح نامے سے کلیتاً اتفاق نہیں کیا۔ اگرچہ اس نے اس امر پر اظہارِ اطمینان کیا کہ دولتِ رائے سندھیا نے اس بات پر بخوشی رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ دریائے چمپل کے شمالی علاقے سے آئندہ اپنا کچھ سر و کار نہیں رکھے گا تاہم نہایت وثوق کے ساتھ اس نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ دریائے جمنا کے مغربی علاقوں اور وہاں کے سرداروں کے متعلق جو انتظامات وہ خود کرنا چاہتا ہے وہ حالاتِ زمانہ اور مصمتِ وقت دونوں کے لحاظ سے صحیح اصول پر مبنی ہیں اور لارڈ لیک کو لکھا کہ ”مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ جب ان انتظامات پر عمل کیا جائے گا تو اس علاقے میں ہمیں تمام غاصبانہ حملوں سے ایک حد تک نجات مل جائے گی۔ اس سے زیادہ معقول انتظام ممکن نہیں ہے اور اگر جمنا کے مغربی علاقے کی ادنیٰ ریاستوں سے ہمارے تعلقات قائم رہے تو اس قسم کی حفاظت بالکل ممکن نہ ہوگی۔“

سر جارج بارو کا خیال تھا کہ ہندوستان کی صرف بڑی بڑی طاقتوں سے دفاعی معاہدے قائم رہیں اور کمپنی کے مفاد اور استحکام کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ گرد و نواح کی دوسری ریاستوں سے ہمارے تعلقات صرف صلح و امن تک محدود رہیں اور اپنے مقبوضات کی حفاظت کے خیال سے ہم محض اپنا سیاسی اقتدار برقرار رکھیں۔ کمپنی کی سرحد کی حفاظت کا نہایت معقول اور باقاعدہ انتظام کریں اور اس کے ساتھ ہی اس بات کی کوشش کریں کہ شمالی ہند کی ریاستوں میں مثلِ سابق کے دوبارہ ابتری و بد امنی و باہمی جنگ و جدال جاری ہو جائے۔

ان خیالات کی وجہ سے گورنر جنرل کو فکر ہوئی کہ معاہدے کی پانچویں اور چھٹی دفعہ اس صلح میں خارج ہوگی کیوں کہ ان دفعات کی رو سے چمپل کے شمالی علاقے میں مقام کوٹا سے لے کر دریائے جمنا تک جتنے چھوٹے چھوٹے رئیس و سردار آباد ہیں ان سب کو سندھیا کے تشدد سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری کمپنی پر عائد ہو جاتی ہے۔

ان دفعوں کے رافع کرنے کے لئے سر جارج بارو نے چند امتناعی

وفات معاہدے میں شامل کر دیں۔

دریائے چمبل کا شمالی علاقہ جو سندھیا کو صلح نامہ سرحدی اذ جن گاؤں کی دفعہ سات کے مطابق دیا گیا تھا وہ سندھیا کمپنی کو واپس کرتا ہے۔ (اس میں دھولپور۔ باری اور راجہ کھیرا کے علاقے شامل ہیں) اور کمپنی اس دریا کے تمام جنوبی علاقے سے اپنی حکومت کے خراج اور قبضے سے دست بردار ہوتی ہے لیکن بمعدک اور سوس پڑا کے علاقے ہستور کمپنی کے قبضے میں رہیں گے۔

کمپنی محض اجناس و دروغتی کے اظہار کی خاطر سندھیا کی ذات کے لئے چار لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کرتی ہے اور شمالی ہند میں دو لاکھ سالانہ کی جاگیر سندھیا کی بیوی وجے بانی کو اور ایک لاکھ سالانہ کی اس کی بیٹی چننا بانی کو عطا کرتی ہے۔ (۳۶۳)

ان وفات کا مقصد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے محض معاہدے کی وفات پانچ۔ چھ اور سات کے اثرات کو زائل کرنا تھا۔ توثیق شدہ عہدہ کے ساتھ مندرجہ بالا شراٹھ منشی کیول کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ گورنر جنرل کو بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سندھیا کو چار لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنے کے بجائے ٹونک رامپورہ کی جاگیر دے دی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ اس سے ایک خاص فائدہ یہ بھی ہوگا کہ سندھیا اور ہولکر میں اس کی وجہ سے دائمی مخالفت پیدا ہو جائے گی اور ان دونوں کے مقاصد میں ایک قسم کا تضاد مہم ہو جائے گا۔

عہد نامے کی باقی شراٹھ سے گورنر جنرل نے پورا اتفاق کیا اور اپنے مراسلے میں تحریر کیا کہ نہایت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حکمت عملی اور مصمت وقت دونوں کا اقتضار یہ ہے کہ ریاست جے پور سے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں لیکن اس کام کو عمل میں لانے کے لئے جو تہذیبی ضروری ہیں ان کی تفصیل دوسرے مراسلے میں تحریر کی جائے گی۔ لارڈ ولک نے اقناعی دفعات منشی کیول کے پاس رواد کر دیئے اور

(۳۶۴)

ساتھ ہی ساتھ یہ تجویز بھی پیش کر دی کہ سالانہ رقم کے معاوضہ میں ٹونک راہپور کی جاگیر قبول کر لی جائے۔ منشی کیول نے جواب میں تحریر کیا کہ سندھیا اس تجویز کو قبول نہیں کرے گا بلکہ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ اگر یہ جاگیر مفت اور بلا معاوضہ بھی دی گئی تو بھی میرا آقا اسے لینے پر راضی نہیں ہوگا اس کی وجہ صاف ہے۔ اس کی بدولت ہو کر سے مصالحت کرنے میں اسے سخت دقتیں پیش آجائیں گے۔ منشی کیول نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جب تک برطانوی رزیدنٹ سندھیا کے دربار میں نہ پہنچ جائے یہ سلسلہ اٹھ اس کے سامنے پیش نہ کی جائیں۔ رزیدنٹ اسے سب باتیں اچھی طرح سمجھا دے گا اور مزید برآں جس اصول اور ملک کے تحت میں یہ تجاویز پیش کی جا رہی ہیں اس کی بابت بھی سندھیا کو اطمینان ہو جائے گا۔ لارڈ لیک کو یہ بات بہت معقول معلوم ہوئی اور اس نے گورنر جنرل کو مطلع کر دیا کہ اس معاملے کو سر دست ملتوی کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس موقع سے فائدہ اٹھا لارڈ لیک نے گورنر جنرل کو دوبارہ تحریر کیا کہ جن اصول پر عمل کرنے کی مجھے ہدایت کی گئی ہے ان میں اگر کچھ ترمیم کر دی جائے تو مناسب ہوگا۔ جن وجوہ کی بنا پر اس نے دریاے جمپ کو دونوں سلطنتوں کی سرحد قرار دیا تھا ان پر دوبارہ زور دیا اور سمجھایا کہ جمپ کے شمال (اور کوٹا کے مقابلے) میں راجہ بوندی کا علاقہ اگرچہ آمدنی اور وسعت دونوں کے لحاظ سے نہایت معمولی ہے لیکن شمالی ہند میں داخل ہونے کیلئے ادھر سے گئی راستے ہیں۔ اس لحاظ سے اس علاقے بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کے راجہ کا کمپنی کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ سلوک رہا ہے جسکی وجہ سے میرے نزدیک کمپنی کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ پھر برآں ایک خاص واقعہ کی وجہ سے وہ اس حفاظت کا اور بھی زیادہ مستحق ہے کرنل ہانس نے جب مراجعت شروع کی تھی تو یہی وہ شخص تھا جس نے ہوکر کی قدیم مخالفت اور اپنی ادنیٰ حیثیت کے باوجود نہایت بہت کے ساتھ کرنل مذکور کی مدد کی اور اپنے کو ہوکر کے انتقام کا نشانہ بنالیا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں لارڈ موصوف نے یہ بھی تحریر کیا کہ مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا ہے

(۳۶۵) کہ جب کبھی بھی جہنم راؤ ہو لکر سے کوئی معاملہ کیا جائے گا۔ ہم برطانوی حکومت کی عزت و شہرت کا لحاظ کرنے کے بعد ہندی کے راجہ کو اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکیں گے لہذا میری رائے ہے کہ اسی موقع پر اسے مرہٹوں کی طاقت اور اثر سے پورے طور پر آزاد کرادیا جائے۔

اس رائے میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ دشمنی ہند میں درپائے ہیں کے خیالاً علاقے سے سندھیا کا بلاچون وچرا دست بردار ہونا اس بات کے مراد ہے کہ اس نے ہماری جدید طاقت اور اقتدار کو صاف طود پر اور بلا کسی شرط کے تسلیم کر لیا ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ جب تک ہو لکر سے بھی اسی قسم کی کوئی شرط نہ کی جائے اس سے کوئی باعزت معاہدہ نہیں ہو سکتا اور نہ معاہدے کو بغیر اس کے محفوظ کہا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کہ مرہٹوں کے خاص خاص سرداروں کے تنازعات سے کمپنی کو ایک عرصہ دراز کے لئے نجات مل جائے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر سندھیا اور ہو لکر کو جتنا کے مغربی علاقوں کی ریاستوں میں اپنا اپنا اثر قائم کرنے اور اپنے تنازعات میں انھیں شریک کرنے کا موقع دے دیا گیا تو ان سب کے حوصلے جو اب ختم ہو چکے ہیں دوبارہ بلند ہو جائیں گے اور کمپنی کے اقتدار کو جو اب ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے بربتدار رکھنے کے لئے دوسری جنگ کرنی پڑے گی۔

(۳۶۶) ان باتوں کا گورنر جنرل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے ارادے پر قائم رہا اور اپنی تجاویز میں اس نے کسی قسم کی کمی نہ کی۔ وہ لکھتا ہے کہ "لارڈ لیک کو جو معافی تجویز حاصل ہے اس کا ضرور لحاظ کرنا چاہئے لیکن میں مجبور ہوں اس معاملے میں جس اصول پر چل رہا ہوں اس کا بربتدار رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔" سر جارج بارلو نے امتناعی دفاتر راست دولت راؤ سندھیا کے پاس روانہ کر دیں اور ان کی نوعیت اور اپنے مقصد کو ایک علیحدہ خط میں واضح کر دیا۔

اس عرصے میں جب یہ بحث و مباحثہ ہو رہے تھے لارڈ لیک جہنم راؤ

ہو لکر سے صلح اور معاہدہ ۱۸۰۶ء

ہو کر کا تقاضا کر رہا تھا۔ ہو کر اپنے آخری حلقے میں برطانوی فوج کا کہیں مقابلہ نہ کر سکا۔ ہر موقع پر اسے بھاگنا پڑا۔ لارڈ لیک نے دریائے بیاس تک اس کا پیچھا کیا اور بالآخر ہو کر نے تنگ آ کر اپنے وکیل لارڈ لیک کے پاس روانہ کئے اور صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ حسب ذیل شرائط اسے پیش کی گئیں۔

لوئیک رامپورہ۔ بوندی وغیرہ اور جمیل کے شمالی علاقے کے دیگر مقامات میں اسے جو حقوق حاصل ہیں ان سے دست برداری کی جائے۔ کمپنی وعدہ کرتی ہے کہ دریائے جمیل کے جنوبی علاقے کے کسی راجہ یا خاندان یا ہو کر کے کسی باجگزار کے معاملہ میں وہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی اور عہد نامہ کے آٹھ ماہ بعد چند درگاہوں اور تاپتی و گوداوری کے جنوبی علاقے کے تمام قلعے اور مقامات جو ہو کر کے قبضے میں تھے اور جن پر فتح کے بعد سے کمپنی کا قبضہ ہے واپس دے دیے جائیں گے بشرطیکہ انگریزی حکومت کو اس دوران میں جو منت راؤ ہو کر کے طرہ زعل سے اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ وہ کمپنی اور اس کے حلیفوں کے ساتھ در صلح کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ ہو کر کوچ اور بیٹھلکھنڈ کے علاقوں سے اپنے تمام (۳۶۷) دعوے اٹھالے اور برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں سے آمندہ کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہ کرے۔

برطانوی حکومت کی بلا اجازت کسی یورپین کو اپنے یہاں ملازم نہ رکھے۔

سر جی راؤ لگا کو نہ اپنے یہاں کسی عہدے پر مامور کرے اور نہ اپنے مشوروں میں اسے شریک کرے۔ اگر یہ شرائط تسلیم کر لئے گئے تو جو منت راؤ ہو کر کو شمالی ہند

اس میں اس ان پانچ دریاؤں میں سے ایک ہے جو پنجاب کو سیراب کرتی ہیں یونانی اسی کو ہی نے لیس (Lyphases) کہتے ہیں۔

میں واپس ہونے کی اجازت دے دی جائے گی لیکن واپسی کے لئے ایک خاص راستہ مقرر کر دیا جائے گا تاکہ برطانوی حکومت اور اس کے حلیوں کے علاقے کو اس کے گزرنے سے کچھ نقصان نہ پہنچ سکے۔ گورنر جنرل کے ایجنٹ ملے اور ہوکر کے وکیلوں میں تھوڑی گفت و شنید کے بعد جلد ستمبر ۱۸۵۷ء میں غیر اہم ترمیموں کے ساتھ قبول کر لی گئیں اور انہیں عہد نامے کی شکل میں مرتب کر لیا گیا۔ ہرجوزی کو ان کی توثیق ہو گئی۔ اگرچہ یہ ستمبر ۱۸۵۷ء کی مرتب کی ہوئی تھیں تاہم گورنر جنرل کی عام ہدایات اور اصول کے مطابق تھیں۔ سر جارج بارلے نے اس عہد نامے کو کمپنی کے شایان شان اور برطانوی حکومت کے نہایت مفید خیال کیا۔

گورنر جنرل نے لارڈ لیک کو ہدایت کر دی تھی کہ ٹونک راجپورہ کی تجویز پر بہت زور دیا جائے تاکہ اس نئے متعلق سندھیا سے معاملہ کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے لیکن اس کا کوئی امکان نظر نہ آیا اور اسے محسوس ہو گیا کہ جب تک خود کمپنی اس کی نگراں اور محافظ نہ بنے گی کوئی سردار یا والی ریاست اسے لینے پر ہرگز آمادہ نہ ہو گا لہذا سب سے اب کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو کمپنی اس علاقے کو اپنے قبضے میں رکھے یا کسی دوسرے کو دے کر اس کی محافظ بن جائے لیکن حکمت عملی کے جن اصول پر وہ عمل کرنا چاہتا تھا ان کی رو سے ان میں سے کسی ایک بات کو بھی روا نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس لئے گورنر جنرل نے یہ فیصلہ کیا کہ عہد نامے کی دفعہ ۷ کو نسخ کر کے یہ علاقہ ہوکر کے حوالے کر دیا جائے۔ عہد نامے کے مواد کے کو واپس کرتے وقت اس میں ایک اتفاقی دفعہ شامل کر دی گئی جس کی رو سے یہ زرخیز علاقہ اسے دوبارہ واپس کر دیا گیا۔ اسی سلسلے میں راجہ راجہ راجہ کو بھی کمپنی کی مخالفت سے محروم کر دیا گیا۔ ہوکر اور

(۳۶۸)

سنجھا کے علاقے واپس کرنے کی بابت جو اصول قائم کئے گئے تھے ان میں ترمیم کرانا۔ اور گورنر جنرل کے خیالات بدلنے کی لارڈ لیک نے ہر ممکن کوشش کی اور اسے ہر چند سمجھا یا کہ ان زمینوں نے اپنے سابق طرز عمل اور سلوک سے اس بات کا حق قائم کر لیا ہے کہ کچھ بھی انھیں اپنی حفاظت سے محروم نہ کرے لیکن سب کوششیں بے سود ہیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ لارڈ لیک کو مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر راجہ بوندی کا بہت لحاظ تھا اور کم از کم اسے وہ کچھنی کی حفاظت میں رکھنا چاہتا تھا لیکن سرسراج بارکو آخر تک اپنی بات پداڑا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس شخصیت سے محض اس کے اصول اور ملک ہی کی خلافت و ریزی نہ ہوگی جس پر وہ قائم رہنا اپنا فرض سمجھتا تھا بلکہ اوس کی وجہ سے سخت سیاسی و فتنی پیشیں آنے کا بھی اندیشہ رہے گا۔

(۳۶۹)

لارڈ لیک کو جب یہ اطلاع ملی کہ گورنر جنرل کا ارادہ راجہ جے پور سے سبھی تعلقات منقطع کرنے کا ہے تو اس نے فوراً اسے لکھا کہ دو اگر راجہ جے پور کا سابق طرز عمل و فاداری کے بالکل خلاف تھا اور خصوصاً اس موقع پر جب کہ ہوکر نے شمالی ہند پر حملہ کیا تھا تاہم اس حملے کی ممانعت کے لئے اس کی اعانت اس قدر ضروری تھی کہ میں نے گوشتہ معاملات کو درگزر کرنے اور اس کے سابق طرز عمل کو نظر انداز کرنے کا وعدہ کر لیا اور آئندہ اخلاص و اتحاد اور کچھنی کی حفاظت برقرار رکھنے کا تعین دلا کہ سابق معاہدے کی تعمیل پر اسے آمادہ کر لیا۔ اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ راجہ نے نہایت مستعدی سے اپنی وعدہ داری پوری کی اور میجر جنرل جوئس کی فوج اس کی اعانت اور رسد کے انتظام کی بدولت ایک ایسے خاص مقام پر جی رہی جو جنگ کی کامیابی کے لئے نہایت اہم تھا۔ اس بارے میں جنرل جوئس کے پاس سے جو مراسلے وصول ہوئے تھے ان سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہوکر کو بڑا نوئی فوج کی امداد ملتی (جیسا کہ اس وقت خیال تھا) تو راجہ کی فوج جو بڑا نوئی مستقر پہنچ گئی تھی نہایت مستعدی سے ہوکر کے خلاف کام کر رہی۔ علاوہ ازیں راجہ نے جس اخلاص اور وفاداری سے اس نازک موقع پر ہمارا ساتھ دیا اس کا ثبوت

جنرل جونس کے بیان سے بھی قتا ہے۔ ان واقعات کی بنا پر میں نے راجہ کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ کیا ہے۔ مزید برآں مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ اب حالات اس قدر تبدیل ہو گئے ہیں کہ ہماری حکومت کو راجہ سے تعلقات منقطع کرنے کا خیال ترک کرنا پڑے گا، ورنہ میں ہرگز یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا۔

(۳۷۵)

لارڈ لیک نے یہ بھی لکھا کہ ”اگر راجہ سے جدید معاہدہ کرنے یا موجودہ تعلقات کو جو دونوں سلطنتوں میں قائم ہیں منقطع کرنے کے لئے مقبول وجوہ موجود بھی ہوں تو بھی یہ سوال غور طلب ہے کہ ہمیں اس طرح ایک سخت تعلقات ختم کرنے کا اس حد تک حق حاصل ہے کیونکہ ہمارے اس فعل سے سندھیا اور ہولوکرہ دونوں کو راجہ جے پور پر فوری حملہ کرنے کا موقع مل جائے گا لہذا جب تک کہ اس ضعیفے کے لئے زبردست اور ناقابل تردید دلائل ہمارے پاس موجود نہ ہوں ہمارا یہ فعل برطانوی حکومت کو ہندوستانی ریاستوں کی نگاہ میں گرا دے گا جو اس کے لئے نہایت مضر ہو گا۔“ اس مراسلے میں لارڈ لیک نے گورنر جنرل کے ایجنٹ اور ہولوکرہ کے وکیلوں کی گفتگو کا بھی حوالہ دیا اور اس امر کی اطلاع دی کہ ہولوکرہ راجہ بوندی اور راجہ جے پور سے خراج وصول کرنے کا حق بھی جانتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ (ان ملاقاتوں کی کیفیت کا مطالعہ کرنے کے بعد) آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ برطانوی حکومت کی وقعت قائم رکھ کر ان میں سے کسی مطالبہ کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپ نے جے پور سے تعلقات منقطع

(۳۷۶)

ملہ ہولوکرہ کے وکیلوں نے نہایت سختی اور بے باکی سے مطالبہ کیا کہ راجہ بوندی و جے پور سے خراج وصول کرنے کا سابق حق برقرار رکھا جائے۔ ان میں سے ایک نے راجہ جے پور کے متعلق یہ بھی لکھا کہ وہ گوانگریزوں کی اعانت کا ہمیشہ مستحق رہے گا کیونکہ محض ان کی خوشنودی کے لئے وہ بھجارسے وزیر علی کو اپنی پناہ سے نکال کر ان کے حوالے کر چکا ہے اور ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ پر کلنگ کا ٹیگ لگا چکا۔ گورنر جنرل کے ایجنٹ نے یہ بات گوارا نہ کی کہ برطانوی حکومت کے ایک حلیف کی بابت اس قسم کے الفاظ اس لئے سامنے رکھے جائیں اس نے سخت ناگہانی کا اظہار کیا اور کہا کہ راجہ جے پور نے ایک قابل کو کمپنی کے حوالے کیا جسے پناہ دینا اس کے لئے باعث ذلت تھا۔

کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں یہ درخواست کروں گا کہ جب تک ہو لو کہ راجہ ہمدان کے علاقے سے گزر کر اپنے مقبوضات مالوہ میں داخل نہ ہو جائے (جس کیلئے وہ معاہدے کی رو سے پابند ہے آپ اس فیصلے کی تعمیل لیتوی رکھیں۔

لارڈ لیک اس سے قبل بھی اپنے دلائل پیش کر چکا تھا لیکن سر جارج بارلو کو ان کے خلاف دیکھ کر اس نے اس وقت صرف عہدوں کی پابندی پر زور دیا۔ (۳۷۲)
گورنر جنرل پر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور لارڈ لیک کی تحریر کے بعد بھی وہ اپنے خیال پر قائم رہا کہ۔ اجماع کی سابقہ رائے کی وجہ سے کمپنی کو اس سے تعلقات منقطع کر لینے کا حق حاصل ہے اور بعد میں جو اتحاد پیرزور الفاظ ہیں اس کے سامنے پیش کی گئیں تھیں ان کی تعمیل سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ علاوہ انہیں اس موقع پر اس نے جو کچھ کیا وہ سب اپنی حفاظت اور سہولت کے لئے کیا نہ کہ عہد و پیمان کی پابندی کی خاطر لہذا زیر بحث مسئلہ پر اس نقطہ نظر سے غور کرنے کے بعد میں ایسے معاہدوں سے ملحدگی اختیار کرنے میں ہرگز تامل نہیں کر سکتا جن کی بدولت آئندہ مزید وقتوں کے پیش آنے کا اندیشہ ہو۔

انگریزی حکومت ریاست بے پور کو اپنی نیامنی کا ثبوت دے چکی ہے جس زمانے میں کہ سندھیا سے صلح کی بات چیت جاری تھی اگر اس وقت بے پور سے تعلقات ختم کر دیئے جاتے اور سندھیا کو راجہ سے خراج وصول کرنے کا حق دے دیا جاتا تو کمپنی کا بہت کچھ فائدہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اب جہاں تک کہ اس کی تعمیل کا تعلق ہے کمپنی کو پورا حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنی سہولت کے لحاظ سے جس وقت چاہے اس پر عمل کرے۔ مجھے یخوف ہے کہ اگر ہو لو کہ بے پور کے علاقے سے گزرتے وقت کہیں دست درازی کر دی تو پیشتر سے اتحاد کا خاتمہ نہ ہونے کی صورت میں ہیں اس کے حلیف کی حیثیت سے اس کا تدارک لازمی طور پر کرنا پڑے گا لہذا میں نے اپنے فیصلے کی فوری تعمیل کرانے کا فیصلہ کر لیا ہے ۴

سر جارج بارلو نے اپنے اس ارادے کے مطابق بے پور کے ریزیدنٹ کو مطلع کر دیا کہ وہ دفاعی معاہدے کی منسوخی کا عام اعلان کر دے۔ لیکن اس کے

ساتھ ہی راجہ کو اطمینان دلادے کہ انگریزی حکومت اس سے صلح و آشتی کے تعلقات بخوشی برقرار رکھے گی۔ گورنر جنرل نے خود بھی ایک خط راجہ کے پاس روانہ کیا اور جن اسباب کی بنا پر اس نے یہ فیصلہ کیا تھا انہیں واضح کیا لیکن دربار سے پورے ان دلائل پر سخت شک و شبہ کی بنیاد پر فیصلے کو غلط انصاف بتایا اور اس سے جو اہم خطرات ریاست کو پیش آنے والے تھے ان سے متاثر ہو کر اس کے دربار والے یہ تک بھول گئے کہ برطانوی حکومت کی نوعیت کے لحاظ سے انہیں اس کا کس حد تک ادب و احترام کرنا چاہئے۔ راجہ کے ایک وکیل نے دہلی میں لارڈ لیک سے ملاقات کی اور راجہ نے جو پیغام بھیجا تھا اس سے بیان کرنے کے بعد اس نے دوران گفتگو میں نہایت بے باکانہ طور سے یہ کہہ دیا کہ ”انگریزی حکومت کے ہندوستان میں قائم ہونے کے بعد سے یہ پہلا موقع ہے جبکہ اس نے عہد و پیمان کے ایذا کو اپنی سہولت کے تابع کیا ہے۔“

سر مارج بارلو جے پور کی طرح بھرت پور اور ممبئی سے بھی تعلقات ختم کرنے کی فکر میں تھا لیکن ان ریاستوں کے فرمانرواؤں نے کہنی کو اب تک شکایت کا کوئی ایسا موقع نہیں دیا تھا جس کی وجہ سے بلا ان کی مرضی کے تعلقات ختم کئے جاسکیں لہذا اس نے اس معاملے کے متعلق گفت و شنید شروع کرنے کی لارڈ لیک کو ہدایت کی اور اسے اختیار دیدیا کہ ان والیان ریاست کو کہنی کی حفاظت سے دست بردار ہونے

بھرت پور اور ممبئی کی
حفاظت کی ذمہ داری دستبردار
ہونے کا خیال

پر آمادہ کیا جائے اور بطور ترغیب کے معقول علاقے دینے کا وعدہ کیا جائے۔ لارڈ لیک نے متعدد وجوہ کی بناء پر ان تجاویز کو مذکورہ بالا راجاؤں کے سامنے پیش کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس نے نہایت پر زور الفاظ میں گورنر جنرل کو لکھا کہ ”مجھے اندیشہ ہے کہ محض اس نواہی سے کہ برطانوی حکومت

ان سے تعلقات ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ان علاقوں میں جہاں اس قائم کرنے کے لئے خوں بہا گیا ہے اور خزانے لٹائے گئے ہیں دوبارہ بد امنی پھیل جائے گی اور نو نر نری دغاوت گری کا دور از سر نو شروع ہو جائے گا۔

(۲۷۴) گورنر جنرل نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر قائم ہوں لیکن اس کی تعمیل کرانے میں سر دست عجلت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں مراسلت جاری رہی اور اس کی تعمیل کا مسئلہ اتوار میں پڑ گیا اور خوش قسمتی سے یہ سوال دوبارہ نہ اٹھا۔ سرکاری مفاد کے لئے یہ نہایت ہی اچھا ہوا۔ ہجرت پور اور پٹنہ کے راجہ اور اسکے علاقے کے جاگیردار اپنے اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے۔ جہاں کے مغربی علاقے میں کمپنی کو جو تقویت حاصل ہے وہ خاص طور پر انھیں کی وجہ سے قائم ہے۔

یہاں تک تو سر جارج بارٹون نے عدم مداخلت کے اصول پر جس کا لاٹھ کارنوا اس حامی تھا عمل کیا لیکن حیدر آباد میں چند ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے اسے مجبوراً اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑا۔

دربار حیدر آباد کے معاملات اور عدم مداخلت کے مسلک سے انحراف

میر عالم بہادر سلطنت آصفیہ کے ایک قابل وزیر اور انگریزوں کے حامی و معاون تھے کمپنی کئی سال سے انھیں مدد دے رہی تھی۔ اس لگاؤ کی وجہ سے شہر یارکن ان سے ناراض ہو گئے اور ان پر انھیں قطعی اعتماد نہ رکھنے کی متعدد کوششوں کے بعد انھوں نے ظاہری طور پر ان سے مصالحت کر لی اور اس بات پر بھی رضامندی ظاہر کی کہ راجہ سوہی پت رام کو دوبار سے مہاراجہ برار میسجیا جائیگا۔

(۲۷۵) یہ شخص ایک نہایت با اثر منہد و سردار تھا۔ اسی نے میر عالم کے خلاف سازش کی تھی ان سب باتوں کی تکمیل بھی ہو گئی لیکن بہت جلد یہ موس ہو گیا کہ میر عالم کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا وہ محض ظاہر داری کے لئے تھا اور منہد و سردار جیسے بلے سے خارج کیا گیا تھا برابر اپنی سازشوں میں مشغول ہے جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ میر عالم کو تباہ کر دیا جائے اور برطانوی حکومت کے اہتمام کا خاتمہ ہو جائے اور سکندر جاہ بہادر ان سب باتوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں

اس سازش کی نوعیت اور سازشوں کے خصائل کی وجہ سے جن میں بدظن
سپاہی بھی شامل تھے فوری کارروائی ضروری سمجھی گئی۔

سر جارج بائو کو اس موقع پر یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آیا اسے اپنے عدم مداخلت
کے اصول پر جس کا کہ وہ اعلان کر چکا ہے اور جس پر وہ اپنی خواہش کے مطابق
تاکم رہنا چاہتا ہے عمل کرنا چاہئے یا اس خاص معاملے میں اس سے گریز کرنا
چاہئے جن وجوہ کی بنا پر اس سے آخر الذکر بات کے لئے فیصلہ کرنا پڑا انہیں
وہ اپنے ایک تاملانہ مراسلے میں بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ دربار حیدرآباد
سے تعلقات برقرار رکھنے کا یہی تنها ذریعہ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”اس
غیر معمولی موقع پر اس بات کے بتلانے کے لئے دلائل پیش کرنے کی ضرورت
نہیں کہ سلطنت حیدرآباد سے اس قسم کے تعلقات برقرار رکھنے میں جو بظاہر
نہایت مستحکم لیکن درحقیقت نال بہ زوال ہیں کس قسم کے خطرات پیش آئیں گے
جنگ چھڑانے کی صورت میں یہی ایک خطرہ نہیں کہ اس سلطنت کے وسائل
اور افواج سے جن پر کہ معاہدے کی رو سے ہمیں حق حاصل ہے ہم مستفید
نہ ہو سکیں گے بلکہ صورت حال یہ ہوگی کہ ہماری امدادی فوج ایک دشمن
(۲۷۹) کے علاقے میں پھنس جائے گی اور ایسی حالت میں جس قسم کے خطرات
عام طور پر پیش آتے ہیں ان سب کا اسے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ اور خاص خاص
مقامات پر قبضہ کرنے اور سد گاہیں قائم کرنے اور کمپنی کے دوسرے علاقوں
سے بہ اسلحہ کا سلسلہ محفوظ رکھنے سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ان سب
تسہ ہم محروم ہو جائیں گے لہذا بجز اس کے اب کوئی چارہ باقی نہیں کہ یا تو
اتحاد قائم کر دیا جائے یا ہم براہ راست مداخلت کریں اور اپنے پورے اثر
اور زور اسے کام لے کر جو ان حالات میں ہمیں میسر ہو سکتے ہیں اس اتحاد کو صحیح
اور مستحکم بنیاد پر قائم کر دیں“

ابو ازاں سر جارج بائو نے اس مسئلہ پر غور کیا کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ
شہر یار دکن صحیح معنوں میں اتحاد پر تاکم رہنا نہیں چاہتے تو کیا کمپنی کو از روئے
انصاف ان سے تعلقات ختم کر دینے ضروری ہیں اس مسئلے میں وہ اپنے مندرجہ

ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے : اس اتحاد کا مقصد یہ تھا کہ دونوں سلطنتوں کے مفاد ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔ ان کی قوتیں ایک دوسرے کی حفاظت کریں اور عام امن کی نگرانی بھی رہیں جو لڑائیاں ٹالنے نہ ملیں ان کے نقصانات و فوائد دونوں یکساں شریک رہیں۔ اس اتحاد کی شرائط دیگر حالات کے تابع نہیں بلکہ وہ بذات خود مکمل ہیں اور یہ اتحاد دونوں سلطنتوں کی حکومتوں کی تنظیم میں سرایت کر گیا ہے۔ اور ان دونوں نے دوسری ریاستوں سے جو تعلقات جدا جدا یا مل کر قائم کئے ہیں ان میں بھی یہ پیچ در پیچ شامل ہے۔ ان کے تمام جدید تعلقات ذمہ داریاں اور عہد و پیمان اسی اتحاد کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں اور اسی کی بدولت وہ برقرار ہیں۔ ان حالات میں اگر ایک فریق اپنی مرضی کے مطابق اسے ختم کرنے کا مجاز ہو جائے تو دوسرے فریق کے مفاد و وقار اور استحکام کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہو جائے گا کیونکہ اس اتحاد ہی کی بدولت یہ سب انتظامات عمل میں آئے تھے اور اسی کی وجہ سے تمام ذمہ داریاں لی گئیں تھیں۔

دربار حیدر آباد سے رشتہ اتحاد ٹوٹنے سے جن نتائج کے ظہور پذیر ہونے کا اندیشہ تھا ان پر تبصرہ کرنے کے بعد سر جارج بارون نے تحریر کیا کہ اس سے ہماری سلطنت کی بنیاد ہل جائے گی اور نجد وستان کی سیاست میں جو برتری ہمیں حاصل ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے بعد ہمارے جو کچھ سیاسی تعلقات باقی رہ جائیں گے ان کے زوال کا پیش خیمہ اور خاتمہ کا یہ سبب بن جائے گا اور جس قوت اور جن وسائل پر آج ہمیں کامل اختیار حاصل ہے کل وہ ہمارے خلاف استعمال ہوں گے۔ اس طرح ہمارے اثر اور ہماری قوت میں جو کمی ہوگی اس سے سرکش اور بدظن طبقوں کے جو مسئلے بڑھ جائیں گے اور ان کے دلوں میں نئی نئی امنگیں پیدا ہو جائیں گی اس کمزوری اور بزدلی کے اظہار کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ معاہدے کی رو سے امدادی فوج کے مصارف کے لئے حیدر آباد کا جو علاقہ لیا گیا تھا وہ بھی امدادی فوج مہیا کرنے کی صورت میں واپس کرنا پڑے گا۔ اسی سلسلے میں وہ بھی لکھتا ہے کہ اگر قوت و اثر سے دست بردار ہونا ہر حال میں مضر ہوتا ہے تو اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ ہمارے

(۳۶۸) اعتدال پسند ملک کی بابت نہایت زور و شور سے غلط فہمی پھیلانی جا رہی ہے وہ ہمارے لئے کس قدر خطرناک ہوگا۔ علاوہ انہیں اس اتحاد کے خاتمے سے فرما کر دئے گئے دکن کے عیار و جیلہ ساز مشیروں کے ان لغویات کی زبردست تائید ہو جائے گی جن کے ذریعہ سے وہ انہیں کو چاری توت سے بدظن کرنے اور اس بات کو ان کے ذہن نشین کرانے کی کمینہ کو کشمیں کر رہے ہیں کہ ہم کمزور پر گئے ہیں اور اب ہم خوف زدہ ہیں۔

ان خیالات سے متاثر ہو کر سر جارج بارلو نے اس معاملے میں جو کاروائی کی وہ حکمت عملی اور دانشمندی دونوں کے مطابق تھی اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ کمپنی نے ہندوستان کی سلطنتوں میں اپنی جو حیثیت قائم کر لی ہے اس سے پیچھے ہٹنا بالکل ناممکن ہے۔ علاوہ انہیں یہ بات بھی روشن ہے کہ جو جگہ بھی ہم خالی کریں گے اور جس اثر سے ہم دست بردار ہوں گے اس پر ہمارے دشمن قابض ہو جائیں گے اور چونکہ ان لوگوں کو ہمارے مقاصد سمجھنے کی صلاحیت نہیں اس لئے وہ ہمارے اعتدال کو کمزوری اور ذاتی اعتماد کو خوف پر محمول کریں گے۔ اس قسم کی غلطی اور غلط فہمیوں کا صرف ایک نتیجہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہوگا کہ دونوں کو ہم پر حملہ کرنے اور چاری توہین کرنے کی جرات ہو جائے گی اور جنگ و فتوت کی مسئلہ خرابیاں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائیں گی سر جارج بارلو نے قتل سے کام لیکر اس موقع پر عدم مداخلت کے اصول سے انحراف کرنے کے لئے جو دلال پیش کئے ہیں ان پر غور کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک نہایت مستند اور باوقفت ذریعہ سے اس ملک کے محدود دائرہ کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳۶۹) وہ لکھتا ہے کہ میں اس امر سے بخوبی واقف ہوں کہ سلطنت آصفیہ کے اندرونی معاملات میں دخل دینے سے میں عدم مداخلت کے اصول سے انحراف کر رہا ہوں جو ایک دانشمند اور افاضانہ حکمت عملی پر مبنی ہے لیکن اس اصول کے قائم کرتے وقت یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ شہر یار دکن اس اتحاد کے اصولوں اور مسلمہ فوائد کا نتیجہ اندازہ کریں گے اور اس کے برقرار رکھنے کی صحت دل سے کوشش کریں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ وہ استقلال اور دور اندیشی

سے کام لے کر اور اپنے اقتدار کا لحاظ رکھ کر اپنے خود غرض اور کم ظرف مشیروں کے مشوروں کو مسترد کرتے رہیں گے جن کا ہمیشہ یہ شعار ہو گا کہ وہ اس بات کو ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کریں کہ دوسروں کا اثر قبول کر کے اپنے اوپر قیود عائد کرنا گویا اپنی ذلت کرنا ہے لہذا اس اتحاد کا خاتمہ کر دیا جائے اگر اس اصول میں یہ جائز اور مناسب مفروضات شامل نہ ہوں تو اس کی بنیاد ہی غائب ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس سے جو انحراف کیا جا رہا ہے وہ کسی خاص ارادے سے نہیں بلکہ محض ضرورت سے ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں کہ حکمت عملی کے عام اصول مسترد کر دیئے جائیں بلکہ جس قدر بھی امن سے انحراف کیا جا رہا ہے وہ اس مجبوری سے ہے کہ سلطنت آصفیہ کی اس وقت جو حالت ہے اسے مد نظر رکھتے ہوئے اصل اصولوں پر ان تمام فوائد سے محروم ہونے بغیر عمل نہیں ہو سکتا جن کی کہ ان سے توقع تھی لہذا ہمارا منشا یہ ہے کہ اس وقت جو زبردست خطرات درپیش ہیں ان کی مدافعت کا انتظام ہو جائے۔

عبداللہ بسین کی ترمیم کا مسئلہ
اور
سر جارج بارلو کی مخالفت

سر جارج بارلو نے سلطنت حیدر آباد کے ساتھ جو حکمت عملی اختیار کی تھی اسی کے مطابق اسے عبداللہ بسین کی ترمیم کے مسئلہ میں حکام انگلستان کی بھی مخالفت کرنی پڑی۔ ان لوگوں نے جس کو تاہ مینی سے ابتدا میں اس عبداللہ پر اعتراض کیا تھا وہی اب تک قائم تھی ان کا خیال تھا کہ اس کی بدولت گونا گوں مصیبتیں پیش آتی رہیں گی لہذا اس موقع پر ان کی تجویز یہ تھی کہ اگر اسے ختم نہ کیا جاسکے تو اس میں ترمیم ضرور کر دی جائے۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو عبداللہ کی مسوخی میں ایک اور اضافہ ہو جاتا اور مالی نقصان کے ساتھ کمپنی کی قوت میں بھی کمی ہو جاتی لہذا گورنر جنرل نے اسے خلاف مصلحت قرار دیا اور اس کے سفر اثرات نہایت پر زور الفاظ میں بیان کئے اور مجلس راجداز کو جو مراسلہ روانہ کیا اس میں وہ تحریر کرتا

ملہ مورخیم جون ۱۸۵۷ء

ہے کہ قبل اس کے کہ میں اس مراسلے کو ختم کروں آپ کی ان تجاویز پر اپنی رائے ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو آپ نے عہد نامہ لبسین کی شرائط میں ترمیم کرنے کی بابت اپنے سابق مراسلے میں پیش کی ہیں۔

”اس عہد نامہ کی شرائط میں جو ترمیم بھی کی جائے گی اس سے مرہٹوں کو دلی مسرت حاصل ہوگی کیونکہ ترمیم کی نوعیت کے لحاظ سے انھیں اس بات کی امید ہو جائے گی کہ وہ برطانوی حکومت کے اثر کو پوند میں کمزور کر کے بالآخر ختم کر سکیں گے لہذا یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان حالات میں مرہٹوں کے خاص خاص سردار اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے جو کوشش بھی کریں گے وہ طاقی حکومت کے لئے سخت تکلف و نابت ہوگی اور ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چاہہ باقی نہ رہ جائیگا کہ یا تو ہم ان کی کوششوں کو بار آور ہونے دیکھیں یا اپنے اصول کے خلاف جن کا ہم علائقہ طور پر دعویٰ کرتے رہتے ہیں دربار پوند کی سازشوں میں مداخلت کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرہٹوں کے بڑے بڑے سرداروں سے ہمارے تنازعات شروع ہو جائیں گے اور مصائب و تکالیف کے ایک لامتناہی سلسلے کی بنا پر چائے گی (۳۸۱)

اگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ پٹیوا سے ہمارے جو تعلقات قائم ہوئے ہیں ان سے دوسرے مرہٹہ سردار بھی مانوس ہو جائیں تو تیسرے نزدیک انھیں راضی کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ یا تو ہم اپنے اتحاد کو بحال برقرار رکھیں یا اس سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔ اگر اول الذکر تدبیر کے عملی پہلو کو دیانت داری کے مطابق بھی تصور کر لیا جائے تب بھی دقت باقی رہتی ہے اس کی وجہ سے مرہٹہ سرداروں کے حوصلے دوبارہ بڑھ جائیں گے اور انھیں برطانوی حکومت کے خلاف اپنی سازشیں جاری رکھنے کے مزید ذرائع حاصل ہو جائیں گے۔ ان حالات میں ان کا مقصد محض اپنے علاقے کو واپس لینا ہی ہوگا بلکہ وہ برطانوی حکومت کے خاتمے کی بھی کوشش کریں گے اور ان کوششوں کو عمل میں لانے کے لئے انھیں ہلاروک ٹوک فراہم فرامیسی فوجوں سے ملنے کے بھی زبردست ذرائع حاصل ہو جائیں گے۔ آپ کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ لبسین کی مجوزہ ترمیم کو پیٹوا پسند کرے گا لیکن اگر آپ پوند کے رائے پٹنٹ کے مراسلوں کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ

(۳۸۲)

ابتداء میں پیشوا کو ان شرائط کے منظور کرنے میں جو کچھ بھی تردد یا تامل رہا ہوا اب وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتا ہے کہ انھیں برقرار رکھا جائے۔ ہمیں اس بات کا اطمینان ہے کہ وہ عہد نامہ مذکور میں کسی قسم کی ترمیم نہیں چاہتا۔ آپ کی مجلس کے سامنے دو تجویزیں پیش ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک کا مقصد یہ ہے کہ جس دفعہ کی رو سے پیشوا برطانوی حکومت کی اطلاع اور رضامندی کے بغیر کسی غیر ریاست سے کسی قسم کے تعلقات قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے اسے منسوخ کر دیا جائے۔ اس کے نزدیک اس تجویز کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ امدادی فوج کو اس کی ریاست سے باہر کسی مقام پر منتقل کر دیا جائے یہ اس سے وہ بہت گھبرائے گا اور یقینی طور پر وہ اسے اپنا منظور کرے گا۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھ کر ہمیں اتحاد کو پورے طور سے ختم کرنے کے مسئلہ پر اس تجویز کو ترمیم دینا کے عملی پہلو پر غور کر لینا چاہیے۔

”دو جہاں تک کہ اتحاد ختم کرنے کا تعلق ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ پیشوا مسئلہ طور پر اسے برقرار رکھنے کا خواہشمند ہے تو برطانوی حکومت دیانت داری کے عام اصول کے مطابق اسے ختم کر دینے کی کس حد تک مجاز ہو سکتی ہے۔ عہد نامہ بسین اور بعد کی شرائط سے کمپنی کو جو حقوق اور علاقے حاصل ہوئے ہیں اگر ان سے بھی دست برداری دے دی جائے تو بھی مذکورہ بالا مسئلے پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا کیونکہ پیشوا کی رضامندی حاصل کئے بغیر تعلقات ختم کر دینے کے بعد یہ فرض کر لیا جائے گا کہ دیانت داری کے اصول کے مطابق ہمیں ان تمام حقوق اور علاقوں سے بھی دست بردار ہو جانا چاہیے۔“

(۳۸۳)

عہد نامہ بسین کی رو سے ہمیں جو حقوق اور علاقے تھے حاصل ہوئے ہیں ان کی اہمیت پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان سے دست بردار ہونے کی صورت میں کمپنی کا کتنا نقصان ہے اور ہمیں کس کس قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے صرت یہی نقصان نہیں ہوگا کہ ہمارے ہاتھ سے کچھ علاقہ نکل جائے گا اور ہمارے آمدنی کم ہو جائے گی یا ہمارے سیاسی مسائل میں کسی قدر کمی واقع ہو جائے گی بلکہ سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہے کہ جو سردار

ہمارے خلاف تلوار اٹھا چکے ہیں انھیں کے ہاتھ میں یہ سب طاقت چلی جائے گی کیونکہ مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ان سرداروں کے خیالات کے مطابق ہو گئی نہ کہ پیشوا کی مرضی کے موافق۔

دربار پونہ سے اتحاد ختم کرنے کے مسئلے میں محض پیشوا کے ساتھ ہی وفاداری کا سوال نہیں بلکہ اس کا تعلق حضرنظام دکن سے بھی ہے عہد نامہ میں چند شرطیں ان کے موافق تھیں جو وہ ہیں دراصل عہد نامہ حسین کی بنیاد حیدر آباد کے عہد نامہ مورخہ اکتوبر ۱۷۶۷ پر قائم ہے اور ان شرائط کو قبل از قبل ہی حیدر آباد کے عہد نامے میں غفیہ طور پر شامل کر دیا گیا تھا۔

دو جہاں تک کہ عہد نامہ حسین کی مجوزہ ترمیموں کا تعلق ہے (خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ پیشوا اصل شرائط کی کسی نہ کسی تبدیلی نہیں چاہتا) یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حضرنظام دکن کو ان تبدیلیوں کی وجہ سے جو اینثار کرنا پڑیگا ان کی جب تک خاطر خراب نہ لگتی نہ کہ وہی جائے گی وہ انھیں منظور نہیں کریں گے۔ ان ترمیموں سے پہلے ہی مزید ایک جو خوبیاں پیدا ہوں گی ان کے متعلق میں اپنی رائے کا پہلے ہی اظہار کر چکا ہوں۔

حکومت ہند کے حکام بالاکو انگلستان میں یہ فکر تھی کہ لارڈ ویلزلی کے کاموں کی ایک حد تک تلافی ہو جائے۔ لہذا انھوں نے لارڈ کارنوالس کو باوجود اس کی کمزوری۔ ضعیفی اور خراب صحت کے اس کام پر مامور کیا اور خواہش کی کہ لارڈ ویلزلی کے اصولوں کے خلاف وہ ایک مسلک جاری کرے۔ اس شخص نے ہندوستان پہنچنے کے بعد اپنی بقیہ زندگی اور اپنے قیام کی تھیں مدت میں اپنے ہر کام سے حکام بالاکو اس خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کمپنی نے خاص خاص ہندوستانی ریاستوں سے

عدم مداخلت کے

مسئلہ پر تبصرہ

(۳۸۴)

لے یہ ایک ناقابل تردید واقعہ ہے اور ان لوگوں کے اعتراضات کا معقول جواب ہے جو حیدر آباد کے معاہدے کو منظور کرنے کے بن عہد نامہ حسین مشاعر کو قبول نہیں کرتے۔

(۳۸۵)

جو قریبی تعلقات قائم کئے تھے ان سے حتی الوسع علاقہ دگی اختیار کرنے کے لئے مراسلت کی اور ادنیٰ رئیسوں کی حفاظت کی ذمہ داری سے بھی نجات حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ یہی نہیں بلکہ دریائے جہنا کے مغربی علاقے کے ایک بڑے حصے سے دست بردار ہونے کا بھی خیال ظاہر کیا۔ لارڈ کارنوالس کی رائے تھی کہ اس علاقے سے بجائے حفاظت اور فائدے کے کمینی کو دقت اور پریشانی اور مختلف قسم کے خطرات اور پیش آنے کا اندیشہ رہے گا۔ ان سب تجاویز کے عمل میں آجانے سے جو جو کچھ نتائج ظہور پذیر ہوئے ان کا صحیح اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے۔

راجپوت اور سکھ سرداروں سے جو تعلقات قائم ہوئے تھے ان کے ختم ہوتے ہی جو واقعات پیش آئے ان سے مسئلہ پر بہترین رائے قائم کرنے کے لئے

لے لارڈ کارنوالس اور اس کے جانشین نے جو سلاک اختیار کیا تھا اس پر ایک ممتاز سرکاری عہدے دار سر بری کلور (Sir Berrey closes) نے بہت سخت تبصرہ کیا ہے۔ وہ اپنی تحریر مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۴۱ء میں لکھتے ہیں کہ لارڈ کارنوالس کے پاس سے جو مراسلہ بھیجے ہو وہ اس کا مضمون اس تحریر سے ملتا ہوا ہے جو انھوں نے آپکو لکھی تھی لارڈ موصوف نے جو اصول بیان کئے ہیں ان سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہم ہر قسم کے معاہدوں سے گھرے اور بندھے ہوئے ہیں اور کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ محض ایک بارگزاراں ہے۔ ہم اپنی کامیابی سے خود خوف زدہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بالیکاروں کی مثال یاد آتی ہے۔ یہ لوگ قلعہ کی دیوار شق کر کے ہمیں شکست دیتے ہیں اور پھر خود خوف زدہ ہو کر اسی قلعہ کے دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ جاتے ہیں۔ اگر ہمارے یہی خیالات رہتے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک ہماری سرحدوں پر زبردست فوجیں غرائی رہیں گی ہم یہاں نہ محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ پہل بھول سکتے ہیں باوجود اس کے فرانسیسیوں کا نہ اب حیدر آباد میں اثر آتی ہے اور نہ سرنگاپٹم اور علی گڑھ میں ان کا وجود ہے لیکن جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر تمام بندرگاہ فرانسیسی فوجوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ یہ سب حالات ہمارے افسوسناک ہیں جب تک ان باتوں کا خیال آجائے تو طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ یہ سچ تو ہے کہ میں ان سب باتوں سے تنگ آ گیا ہوں۔

معقول سوا ملتا ہے۔ اگرچہ سر جارج بارلو اپنے پیشرو کے قدم بہ قدم چلنا چاہتا تھا اور خود بھی اسی طرف مائل تھا تاہم اس نے نہایت دانشمندی کا کام یہ کیا کہ جن اصولوں پر اس نے شمالی ہند میں عمل کیا تھا ان کا دربار حیدر آباد اور اور پورہ کے معاملات پر اطلاق نہیں کیا۔ ان سلطنتوں کے ساتھ اس نے جو طرز عمل اختیار کیا اور ان کے تعلقات کی نوعیت اور اہمیت اور ان میں ترمیم کرنے کے خطرناک نتائج کی بابت جن خیالات کا اظہار کیا وہ اس کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی برداشت کرتے ہیں سر جارج بارلو نے اس موضوع پر اپنے جو خیالات قلمبند کیے ہیں ان سے بہتر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ ہماری ہندوستانی سلطنت کی سیاسی حکومت کے اصول میں تبدیلی کرنے کے جو تجاویز اس وقت درپیش تھے وہ ہر لحاظ سے ناقابل عمل اور خلاف مصلحت تھے۔



چھٹا باب

لارڈ منٹو کا دور حکومت

(۳۸۹)

جولائی ۱۸۵۷ء میں لارڈ منٹو ہندوستان پہنچا اس کی آمد کے وقت یہاں کی ریاستوں کی جو حالت تھی اگر اس پر ہم ایک نظر ڈالیں تو اس کے دور کے سیاسی حالات سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ہندوستانی سلطنتوں
کی
حالت ۱۸۵۷ء

دربار حیدر آباد و پونہ کی حالت کا خاکہ پچھلے باب کے آخری حصے میں درج کیا جا چکا ہے۔

حیدر آباد و پونہ

اگرچہ سندھیا اور ہولکر سے معاہدے ہو کر صرف دو سال گزرے تھے تاہم جس مسلک پر ان کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کی نوعیت و کیفیت کا اندازہ اس قلیل مدت ہی میں بخوبی ہو گیا تھا۔ مالوے اور راجستھان کے علاقوں پر ان کا بہت برا اثر پڑا تھا۔ ہندوستانی سپاہیوں

سندھیا و ہولکر
اور
پٹاریوں کا زور

(۳۹۰)

کی ایک کینہ تعداد جو نہ کسی کے بس میں تھی اور نہ جس پر کسی کی نگرانی تھی پہلے ہی سے ان علاقوں کو تاخت و تاراج کر رہی تھی۔ اب اس کے ساتھ بے قاعدہ سواروں کی وہ جماعتیں بھی شریک ہو گئیں جنہیں کسبئی نے جنگ ختم ہونے کے بعد برخاست کر دیا تھا۔ یہ لوگ بھی جہین سے نہیں پیٹھ سکتے تھے فتح و ظفر بانی سے ان کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ جس جگہ بھی وہ چھاپہ مارتے تھے وہیں سے انہیں تازہ دم سپاہی لمجاتے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ ان سپاہیوں کا ان کا ایک خاص دائرے میں محدود رہنے کا اور وہیں انکی قوت ختم ہو جانے کی لیکن چند ہی سال کے عرصے میں اس بے قاعدہ جنگ کے شعلے کہیں سے کہیں پھیلنے لگے۔ سب سے پہلے راجہ ہزاران کے لشکر کا شکار بنا۔ ہونلکر کے پاگل پن سے اس کی فوج تو لیروں کی مختلف جماعتوں سے مل گئی تھی اور سندھیانے ان علاقوں میں جہاں اس وقت بدامنی۔ ابتری و غاگریری برپا تھی اپنی فوجوں کو مصروف کر رکھا تھا۔

جن سرداروں کے تحت یہ قزاق کام کرتے تھے ان کے تفصیلی حالات یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ محض اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ یہ قزاق خواہ برائے نام سندھیانے اور ہونلکر کے تابع ہوں یا امیر خاں کے علم کے نیچے کام کر رہے ہوں یا پینڈاریوں کے سردار چیتو دکریم خاں کے شاگرد ہوں ان سب کے حرکات یکساں تھے ان کے مقاصد سے کچھ ایسی کم بانگھی اور کم ظرفی شکیستی تھی کہ ان کی دست درازیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوئی توقع نہیں نظر آتی تھی۔ ذرا خدلی۔ بلند حوصلگی اور شان و شوکت کی ہوس ایک ایسی چیز ہے۔ جو انسان کو اگر ایک وقت کسی کی دل آزاری پر مجبور کرتی ہے تو دوسرے وقت رحم و کرم کے جذبے کو بھی ابھارتی ہے۔ اگر وہ بربادی کا باعث ہوتی ہے تو آبادی کے لئے سامان بھی ہبیا کرتی ہے مصیبت زدہ سرزمین کے مظلوم اور صلح جو باشندوں کو دلاسا دلاتی ہے اور ان کے دلوں میں امن و امان کی اسیدیں پیدا کر کے فوج کے عارضی تکالیف کو صبر سے برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے لیکن یہ صنعت ان قزاقوں میں بالکل مفقود تھی۔

راجپوتانہ | راجپوتانے کی قدیم ریاستیں۔ جودھ پور۔ اودے پور۔ جے پور۔

نیز دوسری باجگذار ریاستیں اس وقت نہایت المناک حالت میں تھیں۔ ان کے حالات اور جذبات کا صحیح خاکہ کھینچنے کے لئے دہلی کے ریڈنٹ کے مراسلے سے اقتباس درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کے پاس برطانوی حکومت کی امداد حاصل کرنے کے لئے جو درخواستیں متواتر آتی رہتی تھیں ان کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ جب میں ان درخواستوں کے جواب لکھتا ہوں تو مجھے اس بات کی تمنا رہتی ہے کہ کوئی شخص تو برطانوی حکومت کے اعتدال پسند مسلک کو اچھا سمجھے۔ یہ لوگ بلا تامل صاف صاف کہتے ہیں کہ انھیں برطانوی حکومت کی حفاظت کا پورا حق حاصل ہے ہندوستان میں ہمیشہ ایک اعلیٰ حکومت رہی ہے جس کی اطاعت صلح پسند ریاستیں قبول کر لیتی تھیں اور اس کے عوض میں وہ اس کی حفاظت کی مستحق بن جاتی تھیں۔ اس طور سے ان کی حکومت بھی قائم رہتی تھی اور ان کا اعزاز بھی برقرار رہتا تھا اور ساتھ ہی وہ نئے نئے سرداروں کے حلوں اور قانون شکن قزاقوں کی دست درازیوں سے بھی محفوظ ہو جاتے تھے۔ اس قسم کی اعلیٰ اور محافظ حکومت کی جگہ اب برطانوی حکومت نے لی ہے لہذا وہ لازمی قدرتی طور پر صلح پسند و کمزور طبقے کی محافظ و نگراں ہے۔ جب سے اس قسم کی حفاظت اس نے اپنے ذمہ لینے سے انکار کیا ہے تمام ریاستیں قزاقوں، لٹیروں، لٹسن پرستوں اور بدترین جنسالات کے جوہر و ستم کی شکار بنی ہوئی ہیں۔“

(۳۸۹)

اودھ، بڑودہ، میسور اور ٹرانکور کی تحفاتی ریاستوں میں امن قائم تھا اور ان کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ بندھیلکھنڈ کا علاقہ جس کی حالت ابتدا میں امید افزانہ تھی اب روز افزوں ترقی پذیر تھا۔ اور وہاں کے متعدد سردار برطانوی حکومت کی حفاظت سے مطمئن ہو کر اپنی پرانی عادت میں چھوڑتے جاتے تھے اور مطیع و صلح پسند رعایا بن رہے تھے۔	اودھ۔ بڑودہ میسور۔ ٹرانکور اور بندھیلکھنڈ
--	--

دو آبے اور جہنا کے مغربی علاقوں کے رکیوں اور سرداروں پر بھی ان باتوں کا معقول اثر پڑ رہا تھا۔ جن سرداروں کی قدیم جاگیریں واگداشت کر دی گئیں تھیں یا جنہیں نئی عطا ہوئی تھیں وہ سب نہایت امن میں تھے لیکن جب سے برطانوی حکومت نے سکھ سرداروں کے علاقے سے اپنا ہاتھ اٹھالیا تھا وہاں ابتری برپا ہو گئی تھی اور لوگ پریشان تھے۔

دو آبے اور جہنا
کا مغربی علاقہ

جب لارڈ منٹو ہندوستان پہنچا تو ان ریاستوں کی یہ حالت تھی۔ اس شخص میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اعتدال پسند تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں استقلال بھی تھا اور قابلیت بھی لہذا اس سے توقع کی جاتی تھی کہ ایک طرف تو وہ کمپنی کے مقبوضات کی حالت درست کر دے گا اور جہاں جہاں برطانوی حکومت اپنی زبان بارجی ہے وہاں اس کے عہد و ہوا کی پابندی کرے گا اور دوسری طرف بغیر کسی خاص ضرورت کے وہ کوئی ایسی روش ہرگز اختیار نہیں کرے گا جس کی بدولت برطانوی حکومت کو جنگ یا کسی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔

نظام کے خیالات
اور
لارڈ منٹو کا مسلک

یہاں اس بات کا اظہار کر دینا ضروری ہے کہ سر جارج بارونے ہلکر سے جنگ ختم ہونے کے بعد جو کام انجام دئے تھے ان سے کمپنی کے حکام اعلیٰ بالکل مطمئن نہیں تھے بے پورائے تعلقات منقطع کرنے کے متعلق سوال کیا جاتا تھا کہ یہ فیصل کس حد تک اصول و فاداری کے مطابق تھا۔ نظامانے حکومت بنگال کے نام جو مراسلہ روانہ کیا تھا اس میں انھوں نے تحریر کیا کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہلکر کے خلاف دوران جنگ میں راجہ بے پور نے اپنے معاہدوں کی پابندی نہیں کی لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ جنگ کے آخر حصے میں اس نے لارڈ لیک کی تحریک پر ہماری فوجوں کی مدد کی لہذا ہمارے نزدیک اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ لارڈ موصوف نے راجہ سے اس بات کا وعدہ کر لیا تھا کہ برطانوی حکومت کی

(۳۹۱) حفاظت برقرار رکھی جائے گی اس سے تعلقات ختم کرنا از روئے انصاف کس حد تک
حق بجانب ہے۔ مزید مذکور بجا طور پر یہ توقع کر سکتا تھا کہ کمپنی اپنے اس فیصلے کے ساتھ
کم از کم ان تنازعات اور بحث طلب امور کو جو اس کے اور سندھیا کے درمیان چلے
آئے تھے اپنے اثر سے طے کرادے گی۔ یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ کمپنی کے تعلقات کی
وجہ سے سندھیا کو راجہ سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ اسی سلسلے میں نظام یہ بھی لکھتے ہیں
کہ "ان باتوں سے ہمارا یہ منشا نہیں کہ جو تعلقات اب ختم ہو چکے ہیں انھیں دوبارہ قائم
کیا جائے اور نہ ہمارے نزدیک اسباب کسی کوئی حقیقت نہیں ہے جس سے اس وجہ سے
ہم شمالی ہند میں جنگ کے خطرات مول لیں۔ بلکہ راجہ کے مفاد کو کوئی فائدہ پہنچ سکیں
اور نہ اس قسم کے کسی خطرے کے مقابلے کے لئے ہم سرحدت تیار ہیں لیکن اس
موقع پر ہم اپنی اس توقع کا اظہار کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ حکومت ہند ہندوستانی
فرماں رواؤں کے تمام معاملات میں آئندہ اس بات کا ضرور خیال رکھے گی کہ اپنے
علیوں کے ساتھ وفاق و ادری جو ہمارا شعار رہا ہے اس میں فرق نہ آنے پائے اور
سیاسی نظریوں کو عمل میں لانے وقت انصاف اور فیاضی کے اصولوں کی سختی سے
پابندی کی جائے۔"

(۳۹۲) حکام بالانے اس بات کو بھی ظاہر کر دیا کہ لارڈ الیک نے سندھیا کے وزیر سر جی راؤ
گنگلیا کی بابت جو وعدہ عہد نامے میں طے کی تھی کہ برطانوی ریزیڈنسی پر نظامانہ
طریقے اور دغا بازی سے حملہ کرنے کی وجہ سے اسے کبھی کوئی ملازمت نہ دی جائے
اس کے منسوخ کر دینے سے جو مضرتائج اور بُرے خیالات پیدا ہوں گے انھیں
بھی وہ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔

نظمانے اس تمام کارروائی کو منظور کرتے ہوئے اس بات کی توقع ظاہر کی
کہ حکومت ہند نہ کوئی ایسا کام کرے گی اور نہ سندھیا سے اس قسم کی کوئی مراسلت
کرے گی جس سے مرہٹہ سرداروں کو یہ گمان کرنے کا موقع مل سکے کہ برطانوی حکومت
اپنے معاہدوں کی سختی سے پابندی کرتے ہوئے دُرتی ہے اور اس سے جو نتائج
ظہور پذیر ہوں گے ان سے گھبراتی ہے۔

ان الفاظ سے نظام کے خیالات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ ایک طرف تو انھیں

اس بات کا خیال تھا کہ کمپنی کا اعتبار نہ کرنے پائے اور انگریزوں کے متعلق یہ مشہور کسی طرح بھی پیدا نہ ہوئے پائے کہ وہ اپنے وعدوں میں سچے نہیں ہیں۔ دوسری طرف، ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ ہر ممکن طریقے سے اس بات کی کوشش کی جائے کہ برطانوی حکومت کے سیاسی تعلقات اور آگے نہ بڑھنے پائیں۔ اب تک اس قسم کے خیالات باقی تھے کہ ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کمپنی مقتدر اعلیٰ کے تمام اختیارات حاصل کرے۔ کمپنی کے ہاتھ جس قدر طاقت آتی جاتی تھی اتنے ہی انگلستان والے گھبراتے تھے اور میانڈ امینز بیاؤں پر اعتبار کرنے اس کے متعدد نقصانات پر دور پیٹھے بیٹھے بحث کرنے رہتے تھے ان کی خواہش تھی کہ اس بات کا تجربہ کیا جائے کہ کمپنی کی روز افزوں طاقت کو کس حد تک روکا جاسکتا ہے اور اگر ہندوستان میں شہنشاہی قائم کرنے کا خیال لکھا جائے تو وہاں اپنا اقتدار کس حد تک برقرار رکھنا ضروری ہو گا۔ اس بات کے تجربے اور اس کام کی تکمیل کے لئے لارڈ منٹو سے زیادہ بہتر اور محتاط کوئی دوسرا شخص نہیں مل سکتا تھا۔ اس شخص کی ہمیشہ ہی کوشش رہی اور اس میں کبھی اس نے فرق نہ آنے دیا کہ حکام بالاک کی خواہشات اور ہدایات کی سختی سے اطاعت کی جائے اور اس کے ساتھ ہی حکومت کا جو کام اس کے سپرد ہوا ہے اس کے مفاد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ ان دونوں باتوں کو یکجا کرنے کے لئے اس نے جو کوششیں کیں ان کے نتائج پر ہمیں خاص طور سے غور کرنا چاہیے کیونکہ ان کا اثر محض لارڈ منٹو کے دور کے کاموں ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے جانشین کے دور پر بھی ان کا اثر پڑا۔

(۳۹۳)

شہر بارہ دکن سے جو معاہدے ہوئے تھے ان میں تو لارڈ منٹو کے دور میں کچھ فرق نہ آیا لیکن ریاست کے اندرونی سیاسی معاملات میں چند ایسے اہم تغیرات پیدا ہو گئے جن کا کمپنی کے تعلقات کی نوعیت پر بہت کچھ اثر پڑا۔ میر عالم نے (جسے دوبارہ برسر حکومت کرا دیا گیا تھا) ۱۸۵۸ء کے آخر میں انتقال کیا۔ شہر بارہ دکن اور دربار حیدر آباد کے لئے یہ نہایت اہم ناک

حیدر آباد کے
معاملات

واقعہ تھا لیکن برطانوی حکومت کے لئے بھی یہ کچھ کم افسوس ناک نہ تھا۔ پورے تیس سال تک اس اعلیٰ دماغ شخص نے ریاست کا کام چلایا تھا اور اس طویل مدت میں وہ ہمیشہ انگریزوں اور ان کے تعلقات کا حامی رہا تھا۔ ایک ایسے قابل وزیر کی اعانت کی بدولت جس کے خیالات نہایت بلند تھے اور جو اپنے ہم وطنوں سے بہ درجہ اپنی غیر معمولی قابلیت کے بہت بڑھا ہوا تھا برطانوی قوم کی شہرت و عزت دو بالا ہو گئی تھی۔

تیس سال کے انتقال کے بعد اس کی جگہ کے انتظام کی بابت گورنر جنرل اور سکندر جاہ بہادر میں بہت کچھ مراسلت ہوئی۔ اس کے لئے کئی امیدوار تھے۔ بالآخر مسلمان امراء میں سے منیر الملک کو برائے نام مدار الملہام مقرر کیا گیا لیکن اس عہدے کا تمام کام چند دلال کے تفویض ہوا۔ اور وہ دیوان کہلایا۔

(۳۹۴)

انگریزی حکومت چند دلال کا تقرر کرنا چاہتی تھی اور سکندر جاہ بہادر منیر الملک کو چاہتے تھے لہذا ابھی سمجھوتے کے خیال سے مذکورہ بالا انتظام عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ یہ طے پایا تھا کہ منیر الملک تمام کام دیوان پر چھوڑ دینگے لیکن باوجود اس قرارداد کے وہ ان تمام اختیارات کے حامل کرنے کی کوشش سے باز نہ آئے جو ان کے عہدے کے نام کے ساتھ دالستھے منیر الملک کی سازشوں، سکندر جاہ بہادر کے طرز عمل اور دیوان مذکور کے ٹکے اور اچھے پن کی وجہ سے کمپنی کو حیدرآباد کے معاملات میں سخت دشواری پیش آتی رہی۔

اسی عرصے میں کمپنی کے حکام مقیم انگلستان کا ایک مراسلہ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۷۸۴ء کو حیدرآباد کے معاملے میں جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس سے انہوں نے اتفاق کیا لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی کہ آئندہ سے حیدرآباد کے اندرونی معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے اور اس کی فوج کی ترتیب کا جو مسئلہ چھڑ گیا ہے بجز اس کے اور کسی نہ مانے سے کچھ سروکار نہ رکھا جائے۔ آخر کار مسئلے کی نوعیت جدا ہے۔ اس کا سلطنتِ اقصیٰ ابدانگریزی حکومت دونوں کے مفاد سے تعلق ہے، علاوہ ازیں ہمارے نزدیک اس کی ایک بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس اتحاد کے جو لوگ دشمن ہیں ان کے خیالات اس سے بالکل بدل

ان کے تحکیم وہ نتائج کو اس نے بہت زیادہ محسوس کیا اور ان پر انہماک محسوس کیا لیکن جو حد اس کے لئے مقرر کر دی گئی تھی اس سے تجاوز کئے بغیر ان کی اصلاح وقت طلب تھی لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دور میں ان حالات کو سنبھالنے کے لئے کوئی خاص کوشش نہ ہو سکی۔

لارڈ مٹلو کے دور حکومت میں پونہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ پیشوا نے اکثر موقعوں پر مرہٹوں کے سابق اتحاد کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن گورنر جنرل نے ہر موقع پر اسے دبا دیا۔ البتہ ریاست کے باجگذار مرہٹوں کے معاملے میں (جو جنوبی سرحد پر کھڑے تھے) اسے کسی قدر سختی سے مداخلت کرنی پڑی۔ عہد نامہ بستین کے بعد سے ان جاگیرداروں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی بابت سخت بحث چھڑی ہوئی تھی۔ جنرل ویلزی نے اس خیال سے کہ یہ مسئلہ آئندہ کہیں کچھ رنگ نہ لائے مسئلہ کے حل کے بعد ہی اس کی تحقیقات کرنے اور قطعی طور پر اسے طے کرنے کا ارادہ کیا

پیشوا اور اس کے
باجگذار جاگیرداروں
کے معاملات میں
کمیٹی کی مداخلت
اور تصفیہ

تھا لیکن اس میں براہِ تاخیر ہوئی رہی اور لارڈ مٹلو بھی اپنی واپسی سے کچھ مدت قبل ہی اسے طے کر سکا۔

چونکہ اس معاملے کا تعلق صرف باجے راؤ سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بھی تھا اس لئے اس پر خاص طور سے توجہ کرنی چاہیئے۔ مسئلہ کی جنگ میں ان جاگیرداروں نے اپنے جو حقوق کمیٹی پر قائم کر لئے تھے ان کے بعد کمیٹی محض پیشوا کی خوشنودی کے لئے اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اپنی حکومت کے ذریعے ان کا خاتمہ کر ڈالے تاہم حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے وہ اس کے جائز حقوق منوانے میں اسے مدد دینے کے لئے آمادہ تھی۔ اس معاملے کی مداخلت کے سلسلے میں کمیٹی نے جو مراسلت کی اگر اس سے چند اقتباسات یہاں درج کر دئے جائیں تو یہ سب باتیں آسانی سمجھ میں آجائیں گی۔ سر اس مسئلے پر ان با اثر جاگیرداروں اور پیشوا کے درمیان ایک عرصہ دراز سے کش

جاری تھی۔ اگرچہ یہ جاگیردار خاندان پشتوا کی رعیت سمجھے جاتے تھے اور خود انھوں نے بھی اس سے کبھی انکار نہیں کیا تھا تاہم ان کی اطاعت کچھ عجیب ہی ڈھنگ کی تھی۔ پشتوائے وقت کی شخصیت اور توت کے لحاظ سے کبھی تو وہ مطیع بن جاتے تھے اور کبھی اس کے حقوق تک دبا بیٹھتے تھے۔ کئی پشتوں سے یہی سلسلہ جاری تھا۔

یو۔ کے رزیڈنٹ نے پشتوا اور جنوبی جاگیرداروں کے باہمی اختلافات حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

ہر فرقہ اپنی اپنی پراپیٹھکائیں بھول جائے۔ ہر ایک اپنے اپنے مالی مطالبات سے دست بردار ہو سکے۔ جب تک کہ جاگیردار و خاداری سے اپنے فرائض انجام دیتے رہیں وہ سرانجامی اراضی پر قابض نہیں لیکن سابق موقعوں پر انھوں نے جو علاقے غصب کر لئے ہیں ان سے دست بردار ہو جائیں۔

اپنی مقررہ فوج کا ایک تہائی حصہ ہمیشہ اپنے کسی رشتہ دار کی کمان میں تیار رکھیں اور جب بھی انھیں دوسری فوج کے ساتھ طلب کیا جائے تو لازمی طور پر حاضر ہوں۔ جب تک وہ ان شرائط کی پابندی کریں گے برطانوی حکومت ان کی نیرازان گئے عزیز واقارب کی محافظہ رہے گی۔

(۳۹۸)

رزیڈنٹ نے اپنی ان تجاویز کے ساتھ یہ رائے بھی پیش کی کہ اگر جاگیردار انھیں منظور نہ کریں تو انھیں چھ پر اضی کیا جائے اور اگر پشتوا رضی نہ ہو تو اسے جلا دیا جائے کہ اگر ان جاگیرداروں سے اس کی لڑائی ہوئی تو برطانوی فوج اس کی مدد نہیں کرے گی اور اس کے انکار کے بعد کبھی کو اپنی فوجوں کے ہٹا لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔

ان تجاویز کے موصول ہونے کے بعد لارڈ منٹو نے رزیڈنٹ کو لکھا کہ یہ بات صاف طور سے طے پا چکی ہے کہ ان جاگیرداروں پر پشتوا کی اطاعت لازم ہے اور

لے وہ افسانے جو جاگیرداروں کو ان مقررہ فوجوں سے معارف کے لئے عطا کی جاتی ہیں انہیں فرمانبرداری اور خدمت کے وقت ان سے طلب کر سکتا ہے۔

اسے ان کی خدمات پر حق حاصل ہے لہذا جب تک کہ پیشوا کے ان وعادہ کی باطل نہ ثابت کر دیا جائے برطانوی حکومت عہد نامہ بسین کے مطابق فوجی امداد دینے سے انکار نہیں کر سکتی۔ مجھے اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ اگر یہ اختلافات ایک عرصہ دراز تک جاری رہے تو ان سے بڑے نتائج پیدا ہوں گے۔ پونہ کی آج کل جو حالت ہے اس سے یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس زمانے میں کوئی جنگ پھڑک اٹھے تو پیشوا اپنے معاہدے کے مطابق برطانوی حکومت کو دس ہزار اور چھ ہزار پیادے ہرگز نہیں دے سکے گا۔

(۳۹۹)

اس مراسلے میں لارڈ مٹونے ریڈنٹ کی بانی تمام تجویزیں منظور کر لیں اور لکھا کہ ان میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے جاگیردار قبول نہ کر سکیں اور وہ برطانوی حکومت کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں لیکن اگر محض سرکاری اور بغاوت کے خیال سے وہ مخالفت کا اظہار کریں تو ان کی سرکوبی اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ متحد ہو کر کسی ایسے وقت حملہ کر بیٹھیں جب کہ کمپنی ان کے مقابلے کے لئے تیار نہ ہو۔ اگرچہ برطانوی فوجوں کو ان جاگیرداروں کے مقابلے میں نظام کوئی وقت پیش نہیں آئے گی تاہم اتنا اہتمام ضرور کر لینا چاہیے کہ اگر ان سے جنگ پھڑ جائے تو نہایت تیزی اور پکرتی سے اس میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ اسی خیال سے اس نے مدراس، میسور اور دکن کی جھاڈیوں کو بھی احکام جاری کر دیے کہ وہ اپنی اپنی فوجیں تیار کر لیں تاکہ اس مراسلت میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو جائے اور کمپنی کے حلیف پیشوا کے جائز حقوق کی مخالفت کو بہ آسانی دبا یا جاسکے۔

پونہ کے ریڈنٹ کو پیشوا کے راضی کرنے میں سخت دقت ہوئی۔ اول تو وہ اس بات کے لئے ہرگز آمادہ نہ تھا کہ کمپنی ٹائلٹ بن کر اس کے معاملات طے کرے۔ علاوہ ازیں اس کا یہ مطالبہ تھا کہ جب تک وہ خود ان جاگیرداروں کی تمام راضی ضبط نہ کر لے گا اور انھیں اپنی فوج کے غریبے سے وابہ نہ کرے گا اس

لے بعد میں ان کی تعداد کھانچ پانچ ہزار سوار اور تین ہزار پیادے کر دی گئی تھی۔

(۴۰۰)

وقت تک وہ کسی تجویز پر غور نہیں کرے گا۔ بالآخر یہ وقتیں رفع ہو گئیں اور ریڈنٹ نے جاگیرداروں کے نام گشتی چٹھیاں جاری کر دیں کہ وہ سب کے سب پندرہ روپے حاضر ہوں۔ اس کے بعد اس نے امدادی فوج کا ایک ہٹالین اپنے ساتھ لے لیا اور باجے راؤ کے ہمراہ خود بھی مقام مذکور پر پہنچ گیا۔ جاگیرداروں سے پہلا مطالبہ یہ کیا گیا کہ جن اراضیات پر وہ بلا سند یا پروانے کے قابض ہیں ان سے دست بردار ہو جائیں اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بتلا دیا گیا کہ اگر اس کی تعمیل سے انکار کیا گیا یا اسے ماننے کی کوشش کی گئی تو جہاں قبیل کرانی جائے گی اور فوجیں فوراً ان کے خلاف روانہ کر دی جائیں گی۔ باوجود اس دھمکی کے جاگیرداروں کی ایک کثیر تعداد نے جس میں آپا صاحب (بسی رام کا بیٹا) بھی شامل تھا اس کی تعمیل میں تامل کیا لیکن ایک کثیر تعداد فوج کے کوچ کے بعد انھیں محسوس ہو گیا کہ بجز تعمیل کے اور کوئی چارہ نہیں یہ سب مل کر بیٹھو اسکے ساتھ پندرہ روپے پونہ پہنچے اور وہاں سب معاملات قطعاً طور پر طے ہو گئے۔

اس معاملے میں فریقین کے طبائع اور ان کے مفاد کے تضاد کی وجہ سے بہت سخت و فتور کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر اس قدر سخت اور ناطق حکم نہ دیا جاتا تو یہ مسئلہ جس نے حکومت یوڈ کو ایک عرصہ سے بے چین کر رکھا تھا بغیر خون بہائے طے نہ ہوتا۔ باوجود اس کے بیٹھو کو کبھی سے یہ شکایت رہی کہ اس نے یہ تمام اراضی بلا کسی شرط کے واگراشت نہ کرائیں لیکن کمپنی انصاف کی وجہ سے مجبور تھی کیونکہ وہ اپنی قوت کو ظلم و تشدد کا آلہ بنائے بغیر اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

(۴۰۱)

اس دور میں سندھیا کے دربار سے جو مراسلت رہی وہ نہایت معمولی قسم کی تھی۔ سر ریا ر جگم (Serjeurgham) کے مسابہ کے بموجب جو معاملات فیصلہ طلب تھے ان میں سے چند متعلق کسی قدر اختلاف رائے واقع ہوا لیکن وہ سب نہایت خوش اسلوبی سے طے ہو گئے

یہ فوج آپا صاحب کے تلے کی طرف بڑھی اور قلعہ فتح ہو گیا لیکن جو مقابلہ یہاں ہوا اس کی ذمہ داری آپا صاحب پر نہیں عاید کی گئی بلکہ وہاں کے قلعہ دار کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

اور سندھیا کے تعلقات برطانوی حکومت سے خوشگوار رہے البتہ پنڈاریوں کے جن جتھوں نے دکن پر دھاوا سے شروع کر دیے تھے انھیں وہ ضرور دو تیار رہا۔
ہلکرا جس وقت رائو ہلکرا نے عرصہ میں مالوہ سے واپس ہونے کے بعد باگل ہو گیا اور اس کی ریاست میں کچھ ایسی ہی بنگالی بھیل گئی کہ دوسری ریاستوں سے اس کے تعلقات بھلے نام بن گئے۔

امیر خاں امیر خاں کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ جس وقت رائو کے باگل ہونے کے بعد اس مسلمان سردار نے اس کے دربار میں اپنا اثر جانے کی کوشش کی لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ کثیر تعداد فوج لے کر اپنی پوری کر نے کے لئے دوسری سمت میں روانہ ہو گیا۔ اولاً اس نے ہلکرا کی طرف سے راجہ برار سے ایک کثیر واجب الادا رقم کا مطالبہ کیا اور اس کی ریاست پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔

(۳۰۲) اگرچہ راجہ برار نے کمپنی سے مدد طلب نہیں کی تاہم گورنر جنرل نے یہ پسند کیا کہ امیر خاں کی کثیر تعداد فوج جس میں اب پنڈاری بھی شامل ہو گئے تھے ترقی کے ساحل پر ناگپور کے راجہ کو مغلوب کرنے کے لئے براؤڈ وال دے اور برطانوی حکومت اس کی طرف آنکھ اٹھا کے نہ دیکھے۔ لارڈ مٹو نے اپنی رائے میں اس موقع پر جو روش مناسب سمجھی اس کی بابت وہ لکھتا ہے کہ اگرچہ حکمت عملی کے لحاظ سے ہمیں ہر ایسے انقلاب میں جس کا مقصد دکن کی کسی خاص ریاست کا خاتمہ کرنا ہو تو دیکھنا کہ حق حاصل ہو تاہم اس وقت صورت یہ سوال درپیش نہیں ہے کہ آیا ہمیں اردو سے انصاف یا مصلحت راجہ برار کو اس کی ریاست کی حفاظت کرنے یا اس کے کسی علاقے کو اسے واپس دلانے میں مدد کرنی چاہیے یا نہیں بلکہ حقیقی مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ ایک بلند حوصلہ مسلمان سردار جس کے پاس اس قدر زبردست اور کثیر تعداد فوج موجود ہے کہ اس کا مقابلہ بجز کمپنی کے اور کوئی قوت نہیں کر سکتی راجہ مذکور کی ریاست کا خاتمہ کر کے اپنی ایک جدید سلطنت قائم کرے جو براہِ حلیف

اس واقعہ کا پروڈر کر ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت نظام دکن کے مقبوضات ملحق ہوا اور جس کے قیام سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ یہ سرداران کے ہم مذہب ہونے کے باعث اپنی جدید قوت اور اس کے وسائل پر حاوی ہونے کے بعد ایک ایسا اتحاد قائم کر لے گا جس کا خاص مقصد یہ ہوگا کہ حیدر آباد سے برطانوی حکومت کے تعلقات منقطع ہو جائیں اور جس کے ساتھ اس بات کا بھی امکان ہو کہ شہر بارہ کن خود بھی اسے پسند کریں گے اور ان کی سلطنت کی ایک با اثر جماعت اس کی خاص موید ہوگی۔ ایسے سوال کا میرے نزدیک صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔“

(۵۰۳)

مذکورہ بالا دلائل پیش کرنے کے بعد لارڈ مٹلے نے یہ فیصلہ کیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ امیر خاں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے لہذا اس نے فوراً کرنل کلوز کی کمان میں ایک معقول فوج برادر کی مشرقی سرحد پر روانہ کر دی اور بنگال کی فوج کا ایک دست لفٹنٹ کرنل ارنلڈ کی کمان میں بند بنگال کی جنوب مغربی سرحد پر متعین کر دیا تاکہ اس علاقے کی حفاظت کا بھی انتظام ہو جائے اور وہ دقیق ہمدردت دشمن کے خلاف حملہ کرنے میں شریک بھی ہو سکے۔

راجہ برار نے برطانوی حکومت سے درخواست نہیں کی تھی لیکن جب یہ فوج پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کا معاوضہ نہیں لیا جائیگا تو یہ خوشی اور بھی بڑھ گئی گورنر جنرل کا یہ فیصلہ کہ اس خدمت کے عوض میں راجہ سے مذکورہ نقد رقم وصول کی جائے اور زیارت کے کسی علاقے کا مطالبہ کیا جائے دو وجہ پر مبنی تھا۔ اول یہ کہ ہم راجہ کی اعانت محض اپنے مفاد کی خاطر کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ جنگ سے سندھیا اور ہلکر دونوں کے مقابلے میں راجہ مذکور کا بہت دیا و نقصان ہوا ہے اور اس کا بہت بڑا علاقہ ضبط ہو چکا ہے لہذا اس خدمت کو ان تمام مطالبات کا معاوضہ سمجھنا چاہیے جو وہ ہاری فیاضی پر بھر دیا کر کے ہم سے کر سکتا ہے۔

جب کرنل کلوز کی فوج ایک جگہ جمع ہو گئی تو لارڈ مٹلے نے امیر خاں کو لکھا کہ تاگپور کا علاقہ خالی کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ہلکر کو بھی ان واقعات کی اطلاع دی گئی اور اس سے دریافت کیا گیا کہ آیا امیر خاں اس کی حکومت کے

(۵۰۴)

احکام کے مطابق کام کر رہا ہے یا اپنے فعل کا وہ خود ذمہ دار ہے امیر خاں نے جواب دیا کہ کہنی کو اس کے معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ دھکی بھی دی کہ "انگریزی فوجیں میری طرف بڑھیں تو میں بڑا لڑی علا تھے پر حملہ کر دوں گا۔"

بلکہ کے وزیر نے سردار مذکور کی کارروائی سے اسے اپنی حکومت کی بے تعلقی ظاہر کی اور تحریر کیا کہ وہ خود اس کے خلاف ہے اس زمانے میں ہلکے دربار میں امیر خاں کے اثر کو ذائل کرنے کی جو تدبیریں ہو رہی تھیں ان کی مداخلت کے لئے اسے مجبوراً اپنی تمام فوجیں ناگپور کے سرحدی مقامات سے ہٹا لینی پڑیں۔

اس مدت میں لفٹنٹ کرنل مارٹنڈیل کرنل کلوز سے مل گیا تھا۔ ان دونوں نے مل کر اٹوہ کا رخ کیا اور امیر خاں کے دارالحکومت سرحد میںزاس کے دیگر مقبوضات پر اپنا قبضہ چالیا۔ ان واقعات کے بعد امیر خاں کی قوت کا خاتمہ یقینی معلوم ہوتا تھا لیکن صدر حکومت نے اپنے ارادے بدل دئے اور یہ سردار اس وقت بچ گیا۔

گورنر جنرل نے جب راجہ برار کی ریاست کے معاملے میں دخل دینے کا ارادہ کیا تھا تو اس کا خیال ہٹا کہ یا تو امیر خاں کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے یا (کسی ترکیب سے) اس کی فوج کو منتشر کر دیا جائے۔ انھیں خیالات کے مطابق کرنل کلوز کو ضروری ہدایات روانہ کئے گئے تھے لیکن اس مسئلے پر مزید غور کرنے کے بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ ان

(۴۰۵)

ارادوں کو عمل میں لانے سے تو سیاسی تعلقات میں سخت پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی ایک وسیع پیمانے پر فوجی کارروائی کرنی پڑے گی۔ متعدد لوگوں کے مناد پر اس کا اثر پڑیگا اور کہنی کے مالیات پر بھی بہت بار پڑے گا۔ ان خیالات سے متاثر ہو کر اس نے

ابتداءً عمل محدود کر دیا اور امیر خاں کو راجہ برار کے علاقہ سے نکال دینے ہی پر اکتفا کیا لیکن اس کے ساتھ ہی کرنل کلوز کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ اگر وہ یہ دیکھے کہ مذکورہ بالا خطرات کے اندیشے کے بغیر اصلی مقصد حاصل ہو سکتا ہے تو وہ

اپنی مرضی کے موافق مناسب کارروائی کر سکتا ہے۔ کرنل کلوز اگرچہ ایک قابل شخص اور بہادر سپاہی تھا تاہم وہ بہت محتاط تھا لہذا اگر ان حالات میں اس نے اپنی مرضی کے موافق کام کرنے اور اس قدر سخت ذمہ داری کو تنہا اپنے اوپر لینے سے

انکار کر دیا کہ کوئی شجب کی بات نہیں۔ اس نے بھی اپنی تمام کوششیں محدود کر دیں اور سر دست، راجہ مذکور کے علاقے کی حفاظت کا انتظام کر کے واپس ہو گیا۔ آسیر خان اپنی سالم فوج بچالے گیا اور جدید فوج اور ظلم و تشدد کی نئی کارروائیوں میں مشغول ہو گیا۔

گورنر جنرل نے اس کے بعد محسوس کیا کہ اگر راجہ ہراج کی ریاست اسی طرح غیر محفوظ رہی تو آئندہ سال پھر اسی قسم کا خطرہ پیش آسکے گا لہذا اس نے راجہ کے علاقے میں برطانوی فوج کا ایک دستہ مستقل طور سے رکھنے کی بات مراسلت شروع کر دی۔ راجہ نے شروع میں اس تجویز کی مخالفت کی لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کرنل کلپوز کی فوج کو اپنی چھاؤنی پر واپس ہونے کا حکم مل گیا ہے تو وہ بہت پریشان ہوا اور خود اس معاملے کو طے کرانے کا خواہشمند ہو گیا مگر شرط یہ لگائی کہ اس فوج کے مصارف اس پر قطعاً ڈالے جائیں۔ گورنر جنرل اس پر راضی نہیں ہوا اور اس سے مطالبہ کیا کہ اس فوج کے مستقل مصارف کے علاوہ جو رقم اس کی ریاست کے تحفظ کی غرض سے صرف ہوگی وہ اسے ادا کرنی ہوگی۔ راجہ نے بہت کچھ پس و پیش کے بعد اس تجویز کو قبول کر لیا لیکن اس کی رضا مندی کے اظہار سے قبل ہی فوجیں واپس بلا لی گئیں تھیں۔ اسی مدت میں لارڈ ملٹو جاوایر فوج کشی کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس طرح اس معاملے میں کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہ ہو سکا۔

جب ان واقعات کی اطلاع انگلستان پہنچی تو حکام بالائے ناگپور کے راجہ سے مجوزہ شدہ شرط پر معاہدہ کرنے کی تجویز سے اتفاق کیا۔ مجلس راز دار کے مراسلے میں یہ بات صاف الفاظ میں درج ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے راجہ ہراج کو بچالے کی غرض سے جو مداخلت کی وہ محض اپنے تحفظ کی غرض سے نہ تھی لہذا اسے نہ خلاف قانون کہا جاسکتا ہے اور نہ اس سے ان احکام کی خلاف ورزی

یعنی وہ زائد بھتہ ہو فوج کو میدان جنگ میں پٹاؤ ڈالنے کے وقتے دیا جاتا ہے

ہوتی ہے جن کی رو سے ہندوستانی ریاستوں کے باہمی تنازعات میں مداخلت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اسی سبب میں مجلس رازدار نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ جس وقت کے تشدد سے مجبور ہو کر نہیں آئندہ تلوار اٹھانے کا اندیشہ لگا رہے اسے مغلوب نہ کرنے کی مصالحت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ برطانوی مفاد کی مستقل حفاظت کا مسئلہ ہندوستانی ریاستوں کے کسی توازن پر (جو تھوڑے سے خیال میں ہو) ہرگز قائم نہیں ہے۔ کمپنی کی طاقت کا حال ہماری بھری فوج کا سا ہے۔ ہمیں اپنی فوج کو کبھی کسی نا انصافی یا جوہر دستہ کے کام میں استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس قدر زبردست اور اعلیٰ و برتر ہونی چاہئے کہ اگر تمام ہندوستانی ریاستیں اس کے خلاف متحد ہو جائیں تو بھی وہ اس پر حاوی نہ آسکیں ورنہ اغلب یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کا خاتمہ ہو کر رہ جائے گا۔

لارڈ ڈنلوپ اور کمپنی کے حکام بالآخر اس اہم موقع پر جو طور پر عمل اختیار کیا اس سے زیادہ کوئی زبردست ثبوت اس بات کا نہیں ہو سکتا کہ عدم مداخلت کے مسلک پر پورے طور سے بخورے سے عرصے تک بھی عمل نہیں کیا جاسکتا۔ گورنر جنرل نے اپنے مراسلے مورخ یکم دسمبر ۱۸۱۷ء میں اس بارے میں نہایت بجا طور پر لکھا ہے۔ کہ "شاید اس بات پر کافی غور نہیں کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی ہر ریاست ایک مطلق العنان فوجی قوت ہے اور یہاں کے ہر فرمانروا اور ہر سردار کا پہلا فرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ جنگ کے ذریعہ سے فتوحات حاصل کرے۔ اسی میں اسکی شان و عظمت ہے اور اسی پر اس کی نیک نامی اور شہرت کا انحصار ہے لہذا اگر یہ کہا جائے کہ ہندوستان کی فوجی طاقتوں اور یہاں کے سرداروں کی ہوس اور جھولوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور محض ان کی مجبوری ہی ان کے دائرہ عمل کو محدود کر سکتی ہے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ یہ خیال محض نقشب پر بنی نہیں ہے جو انسان کی فطرت ہے اور نہ صرف عام تجربے پر قائم ہے بلکہ ایک خاص طبقے کا ایمان ہے جو سلسلہ علی اصول اور صحیح خیالات کا نتیجہ ہے۔"

پنڈاریوں کے حملے | پنڈاریوں کی قوم جو ایک مدت دراز سے قنڑی کا پیشہ کرتی تھی اور مرہٹوں کی فوج کا ساتھ دیا

کرتی تھی اس زمانے میں یکایک ایک آزاد طاقت بن گئی۔ ان لوگوں نے ہلکار اور سندھیا کی جواطاعت قبول کر لی تھی وہ بھی اب محض برائے نام رہ گئی۔ وہ اپنے اپنے سرداروں کے تحت کام کرنے لگے اور ملک کے ہر حصے کو ماتحت و تاج کرتے پھرتے تھے۔ جس جگہ انھیں کامیابی و فتح مند می حاصل ہوتی تھی وہیں کے باشندے افلاس و مصیبت سے تنگ آکر ان کے ساتھ ہو لیتے تھے اور اس طرح ان کی تعداد دن دو دن رات چوگنی ہوتی جاتی تھی۔

جب بڑا قومی فوجوں نے کرنل کلوز کے تحت مالوے پر حملہ کیا تھا اس وقت ان قزاقوں میں بڑی ہی چل چل مچ گئی تھی لیکن کرنل مذکور کی واپسی کے بعد وہ پھر متحد ہو گئے اور اب پہلے سے بھی زیادہ دلیر بن گئے۔ راجہ ہراس کے اکثر علاقوں پر انھوں نے چھا پ مارا اور اس کے دارالحکومت کے ایک چوتھائی حصے کو آگ لگا دی۔ شہنشاہ میں ان کی ایک جماعت نے مرزا پور کے زرخیز ضلع میں سے گزر کر کپنی کے علاقے پر بھی دست دراز می کی اور وہاں سے مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔

گورنر جنرل نے اپنے مراسلے میں پنڈاریوں کے تشدد پر بحث کی اور ان سب کا تعلق امیر خاں کے ارادوں اور اس کی کارروائیوں سے منسوب کر کے حکام کو کہہ کر لکھا کہ اب اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ انہم سختی سے عدم مداخلت کے اصول کی پابندی کریں اور اپنی آنکھوں سے شمالی ہند میں بد امنی و ابتری اور جو روتھم کے مناظر دیکھتے رہیں یا مصیبت زدہ جنگلات کی فریادیں اور ان گزروں اور بے بس ریاستوں کی اعانت پر کمر بستہ ہو جائیں جو ایک جاہ طلب قزاق کے ظلم و ستم اور جو روتھم و سہ نجات حاصل کرنے کے لئے نہایت بڑے کے ساتھ ہماری مدد طلب کر رہی ہیں۔“

(۴۰۹)

لارڈ مٹھ نے اس کے بعد ایک اور مراسلہ صیخہ راز میں لکھا چنانچہ جن اسباب کی بنا پر وہ راجہ ناگپور سے معاہدہ کرنے کا خواہشمند تھا ان کا حوالہ دیتے ہوئے وہ پنڈاریوں کا بھی ذکر کرتا ہے۔ راجہ ناگپور کے علاقے کی سرحد پر ان قزاقوں کے قیام سے جو کیفیت پیدا ہو گئی ہے وہ قابل غور ہے یہ علاقہ ہمارے حلیف پیشوا اور علیحدہ نظام وکن دونوں کی سلطنتوں سے ملحق ہے اور ہمارے مقبوضات بھی یہاں سے

کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔ ان قزاقوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ انکی تنظیم بھی پہلے سے بہت بہتر ہے۔ انھیں اپنے بے باکانہ حملوں میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اس سے انکی ہمت بڑھ گئی ہے۔ فخمندی اور لوٹ مار کا ایک ایسا زبردست ذکر ان کے ہاتھ میں ہے جس سے ہر جاہ طلب اور فحشیت آزماسر دار متاثر ہو جاتا ہے یہی نہیں بلکہ بیرونی غنیمت کو بھی اس سے ترغیب ہو سکتی ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ بہت سی اور باتیں بھی ہیں ان سے زاپ حضرات ناواقف ہیں اور ان کے یہاں بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہے لہذا ہمارے لئے لازم ہے کہ ان سب حالات سے متاثر ہو کر ان قزاقوں کو دبانے کے لئے وسیع چارے پر کمرشیں کریں اس میں مستعدی درکار ہے اور محبت بھی ضروری ہے۔ اس مسئلے کی طرف ہمیں بہت خاص توجہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہمیں بہت جلد کچھ نہ کچھ تدابیر اختیار کرنا پڑیں گی (۴۱۰) اس قسم کے مسائل پر کمال غور و خوض ضروری ہوتا ہے اس سلسلے میں ہمیں سیاسی و فوجی دونوں انتظامات کرنے پڑیں گے اور جان ٹوڑ کوشش کرنی ہوگی۔ اسلئے سربدست علی کارروائی ملتوی کرنی ضروری ہے اور میرے نزدیک اس وقت اس پر تفصیلی بحث کرنا بھی قبل از وقت ہوگا۔ یہاں ان سب باتوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ دریائے نرہ کے ساحل پر برطانوی فوج رکھنے کی ضرورت کا صحیح اندازہ کر لیں۔

اگر یہ لارڈ متھو کبھی کسی ایسے کام کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا جسکی بدولت حکام بالاکئی قبل از قبل منظوری حاصل کیے بغیر حکومت ہند کو کسی جنگ میں مبتلا ہونا پڑے تاہم اس نے انکی موقعوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ جس سلطنت کا کام اسکے تفویض کیا گیا ہے اس کے وقار یا مفاد کی خاطر جب کبھی فوری علی کارروائی ضروری ہوگی تو اس کے نزدیک اس اصول کا لحاظ ختم ہو جائے گا۔

جب سر جانچ بارو نے جنوبی تلچ کے ادنی سرداروں کو کپتانی کی حفاظت سے محروم کر دیا تو راجہ رنجیت سنگھ والی لاہور نے جو ہمیشہ اپنی قوت بڑھانے کے لئے لگا رہتا تھا ان کی طرف توجہ کی اور ان کے باہمی تنازعات میں دو موقعوں پر مداخلت کر کے انھیں اپنی سرداری تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ اس قسم کی بے جا مداخلت

(۴۱۱) کی ابتدا میں کچھ پروا نہیں کی گئی لیکن جیب لارڈ منٹو نے یہ دیکھا کہ وہ باضابطہ طور پر اپنی سلطنت بڑھانے کی ترکیبیں کر رہا ہے اور برطانوی حکومت کا کچھ لحاظ بھی نہیں کرتا تو اس نے راجہ مذکور کی مزید ترقی کو روکنے کا تہیہ کر لیا اور کمپنی کے حکام بالاکو لکھا کہ ”مجھے اب اس امر کا یقین ہو گیا ہے کہ ایسے بلند حوصلہ والی ریاست کو جس کا تنہا مقصد ملک گیری ہو کمپنی کے مقبوضات تک پہنچنے کی اجازت دینے سے جنوبی ستلج کے سرداروں کی حفاظت اپنے ذمہ لے لینا زیادہ مناسب اور باعث سہولت ہے۔ یہ ایک نہایت ہی مناسب رائے تھی لہذا اسی پر عمل ہوا اور دریائے جہنا اور ستلج کے درمیانی علاقے میں جو سکھ سردار آباد تھے ان سب پر کمپنی کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب کمپنی کی سرحد پر ایک زبردست فوج جمع کی گئی تو بریت سنگھ کو سخت تعجب ہوا اور وہ کسی قدر پریشان بھی ہوا اور شروع میں اس نے مقابلے کا بھی خیال کیا لیکن مزید غور کے بعد اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا اور جس قلعے پر اس نے قبضہ کیا تھا وہاں سے بھی اپنی فوج ہٹالی۔

اس کے بعد انگریزی فوج کا ایک معقول دستہ بمقام لڈھیانہ جو دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر واقع ہے مستقل طور پر سڑیو داختر کوئی کی کمان میں رکھ دیا گیا اور باقی اخراج اپنی اپنی چھاؤنی کو واپس ہو گئے۔

لارڈ منٹو اپنے مسائل میں ان فوجوں کی نقل و حرکت کا ذکر کرتے ہوئے جن کی بدولت برطانوی سفیر متعینہ دربار لاہور کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی تھی اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ بریت سنگھ کو دریائے ستلج و جہنا کے درمیانی علاقے پر قبضہ جانے کی ترغیب محض اس بات سے ہوئی تھی کہ جنوبی سرداروں

(۴۱۲)

۳۱ لارڈ منٹو نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۵ - دسمبر ۱۸۵۸ء موسومہ مجلس رازدار میں نہایت قاطبانہ طور سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کے پیشرو نے دو سال قبل جس حکمت علی پر عمل کیا تھا اس کا اب برقرار رکھنا قطعاً ناممکن ہے کیونکہ اس پر عمل کرنے سے ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا جن کی مدافعت کے لئے اسے اختیار کیا گیا تھا۔

۳۲ مورخہ ۱۵ - اپریل ۱۸۵۸ء بنام مجلس رازدار۔

پر مہنٹوں کو جو حقوق حاصل تھے (اور جن کے اب ہم وارث تھے)، انکے استعمال کرنے کا ہم نے خیال ترک کر دیا تھا۔

اسی سلسلہ میں وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ”ہم نے ان کے سرداروں کو اپنی حفاظت سے محروم کرنے میں جلدی کی لیکن باوجود اس کے جب راجہ رنجیت سنگھ نے پہلی مرتبہ ان کے علاقہ پر حملہ کرنے کا خیال کیا تھا اگر اس وقت ہم ان کی حمایت کا اظہار کر دیتے یا جب گزشتہ سال اس نے ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ان سب نے مل کر ہمارے مدد یا بھی نہیں تھی اس وقت ہم انھیں بچانے کا خیال ظاہر کر دیتے تو ہمارے ارادہ کا محض اظہار ہی رنجیت سنگھ کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے کے لئے کافی ہوتا۔ اس بات کا تو کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم اس علاقے کو اپنی لڑائی میں رکھنے کا اعلان کر دیں اور فوج جمع کر کے اپنے ارادہ پر قائم رہیں۔ ثبوت بھی دیں اور رنجیت سنگھ اس کے بعد بھی اپنی بلند حوصلہ تجارت پر عمل کرنے کا خیال کرے۔“

فرانسیسی حملے کے خوف کی وجہ سے اس زمانے میں ایران اور کابل کو وفد روانہ کئے گئے تھے۔ اسی غرض کے لئے ایک وفد لاہور بھی بھیجا گیا اور اتحاد قائم کرنے کی خواہش کی گئی لیکن رنجیت سنگھ اپنی جہالت کی وجہ سے نہ ہمارا مقصد سمجھ سکا اور نہ ہماری درخواست کا مفہوم اس کی سمجھ میں آیا اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن مقاصد کی وجہ سے ہم اپنی حاصل کردہ اثر سے دست بردار ہو گئے تھے اور جن اصولوں کی بنیاد پر ہم نے اپنے مطیع یا جگنداروں کو نہ صرف اپنی حفاظت سے محروم کر دیا تھا۔ بلکہ انھیں دوسروں کا محکوم بننے ہوئے بھی دیکھا تھا انھیں بھی وہ غلط سمجھا۔ ان غلط فہمیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ہمیں لاہور کے اس فرمانروا سے جنگ کرنی پڑتی اور اس کے بعد غالباً اس کی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا اور دریائے سندھ کے ساحل پر اگر ہماری حکومت قائم نہ ہوتی تو کم از کم ہمارا اثر و اقتدار نہ در قیام ہو جاتا۔ لیکن لارڈ ملٹون نے اپنی دانشمندی اور مستقل مزاجی سے ان تمام خطرات کو دور کر دیا۔ سٹیج کے جنوبی سرداروں کو دوبارہ کمپنی کی حفاظت میں لینے سے دریائے جمنا اور سٹیج کے درمیانی علاقے میں امن و سکون قائم ہو گیا اور جس قسم کے تعلقات رنجیت سنگھ اور برطانوی حکومت کے

مابین ہونے چاہئے تھے وہ بھی ایک معاہدے کے ذریعے سے قائم ہو گئے۔ برطانوی حکومت نے وعدہ کیا کہ وہ اس کی سلطنت اور رعایا کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی اور اس نے اپنی طرف سے اس بات کا اطمینان دلایا کہ دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر اس کے جو مقبوضات واقع ہیں ان کے اندرونی انتظامات کے لئے جو فوج رکھ کر رہو گی اس سے زیادہ فوج وہاں نہ رکھی جائے گی۔ جب ملہا نے میں فوج رکھی تو خیال پیدا ہوا کہ اس قدر آگے بڑھنے سے کہیں رعیت سنگھ کو حسد اور پریشانی نہ ہوگی۔ اگر ابتدا میں اس قسم کا کوئی خیال تھا بھی تو وہ بہت جلد رفع ہو گیا ہو گا کیونکہ جو فوج وہاں بھیجی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ واپس بلا لیا گیا اور انگریزی حکومت کی طرف سے جو کچھ شہادت اس کے دل میں پیدا ہو گئے تھے وہ رفع ہو گئے اور اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ اگرچہ انگریزوں کے پاس نہ طاقت کی کمی ہے اور نہ بہت کی تاہم جس وقت ان کا مقصد جس کا انھوں نے اعلان کیا تھا، حاصل ہو گیا تو انھوں نے اس کے بعد آگے بڑھنے کا مطلق خیال نہیں کیا۔

۱۸۵۷ء میں شہنشاہ نیپالین کا ایک وفد ایران پہنچا جس کا خاص مقصد یہ تھا کہ دربار ایران سے ایسے تعلقات پیدا کئے جائیں جن کی بدولت انگریزوں کے خلاف ہندوستان پر حملہ کرنے میں سہولت ہو۔ اس خبر سے حکومت ہند پر ایک خوف طاری ہو گیا اور گورنر جنرل

دربار ایران میں برطانوی سفارت اور لارڈ منٹو کے خیالات

نے کمپنی کے ایک ذی مرتبہ عہدہ دار کو پورے اختیار سے دیکر فوراً ایران روانہ کر دیا تاکہ وہ وہاں پہنچ کر غنیم کی باتوں کو (جو کچھ بھی ان کی نوعیت ہو) پورے طور سے رد کر سکے۔ حکومت انگلستان نے بھی بادشاہ کی طرف سے ایک سفیر اس مقصد کے لئے روانہ کر دیا تھا اور مجلس رازدار نے بھی اپنی باتیں اسے سمجھا دیں تھیں۔ اس طور سے گورنر جنرل کے سفیر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ یہ سفیر بوشہر تک پہنچا تھا کہ اسے شاہ ایران کا حکم ملا کہ جو کچھ

اسے کہنا ہے وہ ولی عہد سے جو شیراز کا گورنر تھا، کہہ سکتا ہے۔ ملہان کنے کی ضرورت نہیں۔ سفیر مذکور اس بات پر راضی نہیں ہوا۔ اس نے خود آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور ایسی حالت میں جیلہ سابق معاہدوں کے خلاف فرانسیسی سفیر و رہائیں مقیم تھا اور اسے راست شاہ سے ماسلت کرنیکا شرف حاصل تھا اس نے ایک ولایت کے مستقر پر ولیعہد سے گفتگو کرنا انگریزی قوم کے اقتدار کے خلاف سمجھا۔ اس نے ایک عرضداشت ملہان روانہ کی اور ان تمام باتوں کے علاوہ بادشاہ سلامت کی رائے سے اتفاق نہ کرنے کے دیگر وجوہ بھی بیان کئے۔ جب اس عرضداشت کا بھی کچھ اثر نہ ہوا تو وہ جہاز کے راستے سے ٹکٹے واپس ہو گیا۔ اس کے واپس آنے کے بعد ایک فوجی مہم کی تیاری کا حکم دیدیا گیا اور رطیلج فارس کے ایک جزیرے پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ عام خیال یہ تھا کہ فرانسیسی بہت جلد اپنے وعدے بحال جائیں گے اور حکومت ایران کو مجبوراً انگریزوں سے (جنھیں وہ اس وقت ذلیل کر رہی تھی) دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی درخواست کرنی پڑیگی اور جب تک یہ صورت پیش نہ آئے گی اس سے کوئی معاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جس پر اعتبار کیا جاسکے یا جس سے کسی فائدے کی توقع ہو سکے لیکن حکومت انگلستان کی طرف سے جو سفیر گیا تھا اس نے وہاں پہنچ کر اس کے خلاف رائے قائم کی۔ اس عرصے میں گورنر جنرل نے بھی اپنی طرف سے اسے اختیار اذیت دیدئے تھے۔ لیکن ایران پہنچنے کے بعد اس نے حکومت ہند کے احکام پر عمل کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور گورنر جنرل کی مخالفت کے باوجود اس نے دربار ایران سے براہ راست گفتگو شروع کر دی۔ جیسا کہ خیال تھا فرانسیسی اپنے بڑے بڑے وعدے ایفا نہ کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں جو فوجی تیاریاں شروع ہوئی تھیں ان سے ایرانی مرعوب ہو گئے۔ علاوہ انہیں دربار ایران کی حرص و طمع کی بدولت جس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا سفیر مذکور کو اپنے معاملات میں کوئی زیادہ قیمت نہ ہوئی۔ اس نے وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد ایک معاہدہ طے کر لیا جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ جیتنگ روس سے جنگ جاری رہے حکومت ایران کو اس شرط سے مدد

(۴۱۵)

(۴۱۶)

بچائے کہ وہ فریسیوں کی قسم کی سازش اور ترکیبوں کی مدافعت کرتی رہے یا نہ الفاظ و دگران معاہدوں کی تکمیل کرے جو دس سال قبل اس نے انگریزوں سے کئے تھے۔ گورنر جنرل نے ان تمام کارروائیوں کی سختی سے مخالفت کی۔ اگرچہ یہ خیال جلی غصی کہ بونا پارٹ اسپین کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اور اب وہ غالباً مشرق کی طرف رخ نہ کر سکے گا اور جو فوجی تیاریاں یہاں شروع کی گئیں تھیں وہ بھی اسی بنا پر روک دی گئیں تھیں تاہم کمپنی کے سفیر کو ہدایت کی گئی کہ وہ ملتان روانہ ہو جائے اور حکومت ہند کی اجودت ہوئی ہے اس کے

مشائے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر کمپنی کو جو کثیر مصارف برداشت کرنے پڑے اور اس کا روائی سے مقامی اثر میں جو کمی واقع ہوئی اس کے بیان کرنے کی چندان ضرورت نہیں۔ تاہم اہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہیہ میں حکومت انگلستان کی طرف سے جو سفیر ایران کیا تھا اس نے اس بات پر زور دیا تھا کہ آئندہ سے جو سفیر ایران روانہ کیا جائے اسے شاہ انگلستان کی طرف سے پورے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں تاکہ اس خاص امتیاز کی بدولت اسے خاطر خواہ کامیابی ہو سکے۔ حکومت ہند نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس قسم کے اعزاز سے اسے کوئی اختیار اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کمپنی کی حکومت اسے منظور نہ کرے اور وہ اس کے ہدایات پر عمل نہ کرے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاہدوں کی اہمیت صرف مقامی حکومت ہی سمجھ سکتی ہے مشرقی مقبوضات ہی کا ان سے تعلق ہے اور برطانیہ عظمیٰ کا اس کے سوا اور کوئی تعلق ان سے نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ ایران سے سیاسی تعلقات قائم کرنے کا کام اگر ہندوستان سے انگلستان منتقل کر دیا گیا اور حکومت ہند کا اس سے کوئی تعلق نہ رہا تو گورنر جنرل کو اپنے اختیارات کے استعمال میں جواز روئے قانون اسے حاصل نہیں بنتا۔ وقتیں پیدا ہو جائیں گی اور جو وسیع سلطنت اس کے تفویض کی گئی ہے اور جس کی حفاظت اور اس واماں کا وہ تنہا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اسے محفوظ رکھنے کے ذرائع میں کمی واقع ہو جائے گی۔

لاٹو منٹو لکھتا ہے کہ ان دو متضاد باتوں پر یہاں بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ایک طرف تو ہم سے یہ کہا جائے کہ جن خطرات کی وجہ سے ایران و فیجیجا کیا ہے ان سے ہندوستان کو محفوظ رکھنا ہمارا خاص کام ہے اور دوسری طرف ہمیں دربار ایران سے براہ راست مداخلت کرنے تک کا اختیار حاصل نہ ہو یہی نہیں بلکہ جو سفیر وہاں بھیجا جائے اس پر نہ ہمارا کچھ دباؤ ہو اور نہ ہم اس بات کے طے کرنے کے مجاز ہوں کہ کس وقت اور کس موقع پر گرفت و شدید شروع کی جائے اور نہ ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ جو باتیں طے کی جا رہی ہیں وہ ہماری حکومت کے مفاد کی مطابق ہیں یا نہیں اور ان سب پر طرہ یہ کہ جن معاہدوں کی تعمیل اور ذمہ داری تنہا ہم پر عائد کی جائے ان کی شرائط میں ترمیم و اضافہ کرنے کا بھی ہمیں حق حاصل نہ ہو؟

(۴۱۸) اکثر قریباً ایسے پیش آئیں گے جب کہ برطانوی حکومت کا ایران و فیجیجا حکومت ہند کے عزیز ترین مفاد کے سخت منافی ہو گا۔ ایسی حالت میں عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ حکومت انگلستان اپنے چند خیالات کی بنا پر جو حقیقی حالات کے خلاف ہوں ایسا سفیر ایران روانہ کر دے اور حکومت ہند کو اس سفیر کا کام روک دینے کا اختیار حاصل نہ ہو اور نہ یہ بات تسلیم کیا جاتی ہے کہ جس سفیر کا تقرر حکومت کے مشورے بغیر یا اسکی مخالفت کے باوجود عمل میں آیا ہو وہ اس بات کا مجاز ہو کہ ہر ایسے معاملے میں جس کی تعمیل کرانے کی دہری کہنی پر عائد ہوتی ہو یا جسے وہ علانیہ طور پر اپنے وقار و مفاد کے خلاف سمجھتی ہو اس کی منظوری حاصل کئے بغیر وہ اپنی مرضی کے موافق اپنی زبان ہار دے اگر سفیر مذکور کو اس قسم کے اختیارات حاصل ہوں گے تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ محض اپنی سفارت ہی کا کام انجام نہیں دے رہا ہے جو شاہ انگلستان نے اسے تفویض کیا ہے بلکہ اس نے ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور یہ وہ اختیار ہو گا جس کا شاہ انگلستان نے بھی آج تک کبھی دعویٰ نہیں کیا ہے اور اس قسم کی کارروائی سے شاہی احکام اور ان کے منشاء کی بھی سخت خلاف ورزی ہوگی۔

(۳۱۹)

لارڈ مٹو لکھتا ہے کہ "اس موقع پر خاص بادشاہ سیاست کی طرف سے سفیر کا تقرر ہوا۔ اسے غیر معمولی اختیارات عطا کئے گئے۔ حکومت ہند کے اثر اور اس سے اسے آزاد کیا گیا لیکن اس سے قبل حکومت ہند نے ایران سے مذاکرات قائم کئے ہیں اور انھیں بنایا ہے۔ جو کچھ کہ پہلے سے ہوتا رہا ہے اس کے خاص اسباب و وجوہ ہیں۔ ریکارڈ عظمت مدار کے انتظامات کے لئے جو قوانین مرتب کئے گئے ہیں۔ ان کی رو سے یہاں کی مقامی حکومت کو وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو عام طور پر ایک خود مختار حکومت کو حاصل ہوتے ہیں۔ دیوانی و فوجی مقدمات فیصلہ کرنے کے اختیارات اسے حاصل ہیں جنگ و صلح کرنے کی وہ مجاز ہے۔ برطانوی سلطنت کے اس قابل قدر حصے کی بقاء کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ایشیا کی تمام سلطنتیں برطانوی حکومت کے اس شعبے کو بھی ایک خود مختار طاقت سمجھیں اور اسے وہ تمام اختیارات عملی طور پر حاصل ہوں جو عام طور پر اس قسم کی حکومتوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔"

یہ اسی وجہ سے کمپنی کی حکومت بجا طور پر اپنے سفیروں کے ذریعے سے حکومت ایران سے مرسلت کرتی رہی ہے اور اس سے مساوی حیثیت سے معاہدے کئے ہیں۔ حکومت ایران بھی یہ سمجھتی رہی ہے کہ برطانوی حکومت ہند کو ایک خود مختار سلطنت کی طرح شاہ ایران کو بحیثیت حلیف کے مدد دینے یا بحیثیت غنیم کے اپنے تمام وسائل اس کے خلاف استعمال کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔ اسی حیثیت کی بدولت آج ہیں وہ اعزاز و وقار حاصل ہے جو دنیا کی تمام طاقتوں کے لئے اور خصوصاً ایشیائی حکومتوں کے لئے سیاسی میدان میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔ (۳۲۰)

اس مسئلہ اصول ہی پر بیرونی تعلقات کی بنیاد رکھی گئی ہے اور صرف اسی کی بدولت وہ مستحکم ہو سکتے ہیں۔ گرد و نواح کی ریاستوں میں ہم نے اپنی جو وقعت قائم کی ہے اور برطانوی حکومت کو ہندوستان میں جو اعزاز حاصل ہو گیا ہے اور جسکی اہمیت کو محسوس کر کے ہم نے اپنی کوششوں سے اسے برقرار رکھا ہے اگر اس میں ذرا بھی فرق آگیا تو برطانوی حکومت کے نام کو بڑا لگ جائے گا۔ اسے

دوسرے ہزار سیماسات کا جہاز اعتبار کر جائے گا۔ اس حکومت کا جو رعب ہے اسے جو عزت حاصل ہے اس کی بدولت ایک سیاسی حد تک مملکت میں امن و سکون قائم ہے۔ اگر اس میں کچھ نا اہلی ہوگی تو وہ تمام خطرات نمودار ہو جائیں گے جو فوج و اختیارات کی کمی سے سام کو پہنچ سکتے ہیں۔

لاہور نے جو مرزا علی گڑھ خان روانہ کئے ان میں یہ تمام دلائل اور ان کے ساتھ اسی قسم کی چند اور باتیں جن کا زیادہ تر زیر بحث مسئلے سے تعلق تھا نہایت پر زور الفاظ میں درج ہیں لیکن یہ سب سب سود غائب ہوئیں۔ وہاں وہی طرز جاری رہا اور اکثر ایرانیوں کو یہ خیال ہو گیا کہ شاہ انگلستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں ظاہری و باطنی اختلافات موجود ہیں دربار ایران کے چند لوگ جو اس غلط فہمی سے واقف تھے انھوں نے بھی اس کے رفع کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس سے ان کا مطلب حل ہوتا تھا۔ اسلی وجہ سے سازشوں کا بازار گرم ہوا اور خود عرض و حریص و مغرور درباریوں کو خوب روپیہ بھرا گیا۔

فرانسیسی حملے کے خوف کی وجہ سے برطانوی وفد کا بل کو وفد ایران گئے تھے اور اسی خطرے کی وجہ سے ایک سفیر شاہ اکابر کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔ اگرچہ کابل سے اتحاد قائم ہونے کے تھوڑے ہی عرصے بعد شجاع الملک اپنے تخت سے معزول کر دیا گیا اور وہ یہ حیثیت ایک مغرور کے انگریزی حکومت کا دست نجر ہو گیا تاہم انگریزی سفارت پر جو روپیہ صرف کیا گیا اس کا نہایت معقول معاوضہ مل گیا اور جس حکومت نے اسے روانہ کیا تھا اس کی جانشیندی بھی قطعی طور پر نہایت ہوئی۔ اس سے بہتر خدمات شاید ہی کسی سفیر نے انجام دی ہوگی۔

اس وفد کے جانے سے قبل افغانستان کے حالات سے انگریز باہل ناواقف تھے۔ نہ وہاں کی رعایا کے حال کا انھیں کچھ پتہ تھا اور نہ وہاں کے فرمانروا اور سرداروں کی بابت وہ کچھ جانتے تھے۔ حالانکہ انھیں اپنی مشرقی سلطنت کے اس سب سے کمزور حصے کے متعلق آئندہ جو کوئی تدبیر اختیار کرنی پڑتی اسکے لئے ان امور سے واقفیت نہایت ضروری تھی اسس موقع پر

۱۔ آئینہ میل سرٹ اف سٹین گورنر قندھار۔

جس متنازعہ دار کو بحیثیت سفیر کے وہاں روانہ کیا گیا تھا اس نے اپنے فوق و شوق اور اپنی دماغی قابلیت سے ایسی معلومات فراہم کر دیں جن کی حکومت ہند بھی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی اس وفد سے یہی ایک فائدہ نہیں ہوا بلکہ اس کی بدولت ایک مغرور اور جاہل قوم کے لوگ انگریزوں کو خوب سمجھ گئے اور مغروروں سے ملنے کے بعد وہ انگریزوں کی خوبیوں کا اعتراف کرنے لگے اور برطانوی حکومت ہند کی نوعیت بھی ان کی سمجھ میں آگئی ان خیالات اور ان کے اثرات کی اہمیت کا اندازہ لگانا اسکان سے باہر ہے۔ اس کی اہمیت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو جوشی قوموں کے خصائل سے واقف ہیں اور جنہیں اس بات کا ذاتی تجربہ حاصل ہے کہ یہ لوگ کن کن باتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور کس قسم کے حالات انہیں عمل پر آمادہ کرتے ہیں اور کونسی چیزیں انہیں اس سے باز رکھتی ہیں۔

(۲۲۲)

گورکھے پہاڑی علاقے کے رہنے والے ہیں، اور بحیثیت مجموعی جنگجو واقع ہوئے ہیں نیپال کے علاقے میں انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی ہے۔ لارڈ ڈنلوپ کے زمانے میں ان لوگوں نے

نیپال سے تنازعات

گورکھپور اور سارن کے علاقوں میں دست درازمی کی ابتدا میں یہ خیال کیا گیا کہ محض سرحدی افسروں کی حرکت سے انہوں نے نا عاقبت اندیشی سے کام لے کر حملہ کر دیا ہے لہذا اس واقعہ کو ان کی قومی مخالفت پر محمول نہیں کرنا چاہیے لیکن جب ان کی زیادتیاں بڑھتی گئیں اور ان سے ان کی ہمتیں بھی بڑھ گئیں تو معائنہ کی نوعیت بدل گئی اور لارڈ ڈنلوپ نے مجبوراً راجہ نیپال کو صاف صاف لکھ دیا کہ ”مجھے یقین ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ گورکھپور کے ملحقہ علاقے میں تصفیہ طلب امور کی بابت تحقیقات جاری ہیں آپ کی حکومت نے مذکورہ بالا خطے کی سرگرم اجازت نہیں دی ہوگی تاہم یہ مایہ ناز کسی اشتعال کے کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے ناقابل معافی ہے لہذا مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی ان تمام واقعات

کو آپ کے علم میں لانے کے بعد میں اس واقعہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور میں اس بات کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ مجرموں کو اپنی ملازمت سے علیحدہ کریں انھیں معقول سزائیں دیں اور جن لوگوں کو وہ اس علاقے سے پڑا کر لے گئے ہیں انھیں رہا کر دیا جائے اور جو مال وہ لوٹ کر لے گئے ہیں وہ واپس کیا جائے۔ میرے پاس (۲۳) یہ تحکاتیں بھی پہنچی ہیں کہ آپ کی رعایا نے تربٹ میں بھی اسی قسم کی زیادتیاں کی ہیں ان سب باتوں کو برگزروا نہیں رکھا جاسکتا۔

آکر ان کا تدارک نہ ہوا اور اس قسم کی حرکات نہ روکی گئیں تو برطانوی حکومت مجبور ہوگی کہ آپ کی حکومت کو مطلع کئے بغیر وہ اپنی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے جو ذرائع بھی مناسب سمجھے اختیار کرے لیکن میں توقع کرتا ہوں کہ اس وقت آپ ان تمام باتوں کی بابت میرا اطمینان کر دیں گے اور آئندہ سے اپنی رعایا اور اپنے عہدہ داروں پر اگر آپ معقول نگرانی رکھیں گے تو اس قسم کے واقعات آئندہ ہرگز پیش نہ آئیں گے ظاہر ہے کہ اس قسم کی باتوں سے تصفیہ طلب امور میں بحث و تحقیقات بے سود ثابت ہوگی اور اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے جن سے سر حکومت کو سچنا چاہیے۔“

اس مراسلے کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ لارڈ منٹون یہاں سے سمجھوتا کرنے اور صلح و آشتی کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرنے پر آمادہ تھا لیکن اتنا ہی وہ اس پر بھی تلا ہوا تھا کہ اگر اس کے اعتدال پسند مسلک کو غلط سمجھا گیا اور صبر و تحمل کا کچھ اثر نہ ہوا یا اس کے بعد نیپالیوں کی دست درازیوں میں غافل ہوا تو وہ دیگر ضروری تدابیر بھی اختیار کرے گا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ بہت جلد انگلستان واپس ہو گیا اور ان مغرور و جنگجویانوں کی زیادتیاں روکنے اور انھیں سزا دینے اور حکومت کی ذلت و توہین کا انتقام لینے کی ذمہ داری (۲۴) اس کے جانشین کے سر پڑی۔

لارڈ منٹون کے زمانے میں بھڑاؤ کوہر کے اور کسی ماتحت ادنیٰ ریاست میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس ریاست کے دیوان کی ہوفانی اور اسکے بلند حوصلوں سے مجبور ہو کر حکومت ہند نے اپنا وقار برقرار رکھنے کے لئے

ایک زبردست فوج سے کام لیا جس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور آئندہ امن و امان کے لئے پہلے سے بھی زیادہ معقول انتظام ہو گیا۔

بندھیلکھنڈ میں بھی دوسری ہندوستانی حکومتوں کی طرح ایک کمزور اور تاہل فرمانروا کا دور جاری تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے سردار سرکش ہو گئے اور انھیں اپنی قوت اور اپنے محکم قلعوں پر اعتماد ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کی اعانت پر بھروسہ کر کے انھیں نے ریاست کی حکومت کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا لہذا انھیں دبانے کی سخت کوشش کی گئی اور ان کے خلاف فوجی کارروائی حمایت کامیاب رہی۔ اگر اور کائنات کے مشہور قلعوں کی تسخیر سے بندھیلکھنڈ میں ایسا امن قائم ہو گیا جو ایک صدی سے وہاں کی رعایا کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس قابل قدر علاقے میں امن قائم رکھنے کے لئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہاں کے راجاؤں اور ادنیٰ رئیسوں کی حفاظت برطانوی حکومت کیلئے اپنے ذمہ لے لے

تھوڑے ہی عرصے میں اس مسلک کے خوشگوار نتائج رونما ہو گئے۔ امن و انتظام برقرار رہا اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ جن سرداروں نے اپنے نیک کردار اور طرز عمل سے اپنے آپ کو کہیں کی حفاظت کا مستحق بنالیا تھا ان کی بہت افزائی کی گئی لیکن ریواکے رئیس کو ہندو سی گئی کیونکہ اس کے میں جب ہندو ریوں نے مرزا پور پر حملہ کیا تھا تو اس نے انھیں مدد دی تھی۔ راجہ مجھیر سی نے بھی بے پور کی اتھری سے فائدہ اٹھا کر اس کے علاقے کا ایک قلعہ دہالیا تھا۔ اس سے قلعہ واپس لے لیا گیا اور اس کی اس حرکت سے کہیں کو جو فوجی کارروائی کرنی پڑی اس کے مصارف بھی اس سے وصول کر لئے گئے۔ اس طرح مراعات اور تادیب کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ادنیٰ سردار راہ راست پر آ گئے اور مطیع بن گئے۔

نواب وزیر اودھ کی ریاست میں باغی زمینداروں کی سرکشی جاری تھی انھیں اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے نواب وزیر کے پاس بجز برطانوی امداد کے اور کوئی معقول ذریعہ نہ تھا۔ برطانوی فوجوں سے جو کام یہاں لئے جاتے تھے ان سے اکثر بھانیہ کے نام پر دھبہ آتا تھا۔ لارڈ ملٹون نے اس خرابی کے رفع

(۲۵۵)

کرنے کے لئے لکھنؤ کے رزیدنٹ کو ہدایت کی وہ نواب وزیر کو ریاست میں باقاعدہ عدالتیں قائم کرنے کا مشورہ دے۔ ممکن ہے کہ اس قسم کی تدبیروں سے ریاست کی حالت منہجیل ہو جائے۔ نواب وزیر نے اول تو اس تجویز سے اتفاق کر لیا لیکن قبل اس کے کہ اس پر عمل شروع کیا جائے اس نے ایک سخت اپنی رائے بندی اور یہ کہدیا کہ جب تک اس کے متعلق میرے تمام شکوک رفع نہ کر دیے جائیں میں اس تجویز کو ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔ رزیدنٹ نے اس طرز عمل اور ٹال مٹول کے جواب پر سخت اعتراض کیا اور نواب وزیر کی باتوں کو صداقت کے خلاف بتایا اور گورنر جنرل کو یہ تجویز پیش کی کہ آئندہ سے نواب کے عاملوں کی آمد اور سرکش زمینداروں کی سکوبی کے لئے برطانوی فوج سرگزند بھیجے جائے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہو گا کہ نواب کو ہمارے تمام تجاویز مجبوراً تسلیم کرنا پڑیں گے رزیدنٹ نے یہ خیال کر کے کہ کہ اس کی تجویز منظور کر لی جائے گی نواب وزیر کو مطلع کر دیا کہ ”آپ کی ناقص اور مضرت رساں حکومت اور اسکے کارکنوں یا عاملوں کی اعانت کے لئے آئندہ سے برطانوی فوج کا ایک سپاہی بھی آپ کو نہ مل سکے گا۔“

اس مسئلے کی گفت و شنید کا جو نتیجہ نکلا اس سے حکومت اعلیٰ کو باہمی نو ضرور ہوتی لیکن گورنر جنرل نے رزیدنٹ کی پیش کردہ تجویز منظور کرنے کا اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھا۔ گورنر جنرل کے معتمد خاص نے اس موضوع پر جو قبالانہ مراسلہ تحریر کیا تھا اس میں حکمت علی اور وفاداری کے وہ تمام اصول نہایت توضیح کے ساتھ درج ہیں جن کی وجہ سے صدر حکومت اس قسم کی تجاویز پر عمل کرنے سے قاصر تھی وہ لکھتا ہے کہ ”اگرچہ نواب وزیر کی حکومت میں نقائص موجود ہیں اور باوجود اس کے ہمیں اس کی مدد کرنی پڑتی ہے اور اس لحاظ سے

۱۔ بحوالہ تحریک کیتان ہیلی مورخہ ۲۸ جون ۱۸۵۷ء مندرجہ کا غذات او دھ صفحہ (۲۳)

۲۔ بحوالہ کا غذات او دھ صفحہ (۲۳۳)۔

۳۔ بحوالہ تجویز موسومہ کیتان ہیلی مندرجہ کا غذات او دھ صفحہ (۲۳۴)

انگریزی حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ نواب کو ریاست میں ضروری اصلاحات کرنے کا مشورہ دے اور اس کی تعمیل کرانے کیلئے زبردست دلائل پیش کرے تاہم نواب سے یہ کہنا کہ آئندہ سے اسے ریاست کی پوریشوں کے دبائے کے لئے ہرگز فوج نہیں دی جائے گی گورنر جنرل باجلاس کونسل کے فیصلہ کے خلاف ہے اور ریڈنٹ موصوف نے معاملے میں اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اسی سلسلے میں محترمہ مذکور یہ بھی لکھتا ہے کہ مذکورہ بالا تجویز پر جبراً عمل کرانے سے معاملے کی نوعیت بالکل بدل جائے گی۔ اسکے بعد فوراً یہ سوال پیدا ہو جائے گا کہ معاہدے کی رو سے دونوں سلطنتوں کے درمیان جو تعلقات قائم ہیں وہ برقرار رکھے جائیں یا ختم کر دئے جائیں کیونکہ اگر فریقین معاہدہ میں سے ایک فریق عہد نامے کی کسی خاص دفعہ کے بموجب دوسرے فریق سے کسی بات کا مطالبہ کرے اور اسکے ساتھ ہی یہ اعلان کر دے کہ اگر اس کی تعمیل نہیں کی گئی تو عہد نامے کی دوسری خاص شرط پر جو تعلقات کی اصل بنا ہے آئندہ سے عمل نہیں کیا جائے گا اور مذکورہ بالا مطالبے کی تعمیل میں تانیہ ہوئے یا انکار ہو جائے گی کی صورت میں اعلان کے مطابق عمل بھی شروع کر دیا جائے تو ایسی حالت میں فریقین کے تعلقات اور عہد ناموں کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی۔

مگر نواب وزیر اور وادار کمپنی کے تعلقات میں ایسی کوئی صورت پیش آئے تو اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ ظاہر ہے اس پر چنداں بحث کرنیکی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ نواب وزیر کو جو دھکی دی گئی ہے کہ اندرونی بغاوتوں کے رفع کرنے کے لئے آئندہ سے اسے فوجی امداد نہیں دی جائے گی اسے واپس لینا پڑے گا کیونکہ ہمارے حکومت خود اپنے مفاد کی خاطر اس بات پر مجبور ہے کہ ریاست میں امن برقرار رکھنے کے لئے حسب ضرورت اپنی فوجی قوت سے کام لے۔

کمپنی کے مقبوضات اور اودھ کے وجود کی وجہ سے ان دونوں حکومتوں میں جو تعلقات قائم ہیں ان کی بنا ویر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کمپنی ان تعلقات کو ایک دن کے لئے بھی منقطع کرنا گوارا نہیں کر سکتی۔ ہر حالت میں اس سے معاہدہ کرنا پڑے گا خواہ اس معاہدے کی سابق حیثیت برقرار رہے یا اس میں تبدیل کی جائے اور

واقعات میں مجبور کریں گے کہ نواب وزیر کے پاس جو علاقہ باقی رہ گیا ہے اس پر پہلے سے بھی زیادہ ہماری گرائی ہو لیکن اس ۱۸۷۷ء میں نواب مذکور نے جو علاقہ کمپنی کے حوالے کیا ہے اور اس کے عوض میں جو معاہدہ کیا گیا ہے اس کی اس طور سے سرسہ خلاف ورزی ہوگی۔

ان دلائل کے لئے یہ کوئی معقول جواب نہیں ہو سکتا کہ نواب وزیر محض اس قسم کی دھمکی سے چاری تجویز تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ دھمکی کا اصول ہی ان تمام باتوں کے سنائی ہے انصاف حکمت عملی دونوں کی روش سے اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔“ ایسی حالت میں جبکہ نواب وزیر مجوزہ اصلاحات کے اس قدر سخت خلاف تھا تو ان کی تعمیل کے لئے اسے مجبور کرنا نامناسب سمجھا لہذا مذکورہ بالا واقعات کے لحاظ سے جو کچھ بھی کیا گیا وہ بلاشبہ نہایت دانشمندی کا کام تھا اگر اس کے خلاف عمل کیا جاتا تو اغلب یہ تھا کہ یا تو اصلاح کرنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوتیں اور خود کمپنی ان پر قائم نہ رہ سکتی یا ان کی تائید میں ریاست کے اندرونی معاملات میں اس قدر سخت مداخلت کرنی پڑتی کہ نواب وزیر کی رہی سہی آزادی کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔

(۴۲۹) لکھنؤ کے ریڈنٹ کا کام بحیثیت حکومت کے ایک اعلیٰ اور نگران نمائندے کے نہایت نازک اور سخت دشوار ہے۔ اس کا خاص فرض یہ ہے کہ جس فرمانروا کے دربار میں اسے متعین کیا گیا ہے اسے وہ ہر معاملے میں مدد دے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ ریاست کے تمام اندرونی معاملات سے پوری واقفیت حاصل کرے تاکہ اگر کسی موقع پر وہاں اس قسم کی کوئی بدانتظامی ہو جس سے کمپنی کے مفاد کو نقصان پہنچے گا اندیشہ ہو تو وہ اپنی حکومت کو ان تمام معاملات کی اطلاع دے سکے تاکہ حکومت اعلیٰ نواب کو ضروری اصلاح کے لئے مشورہ دے یا اس پر اعتراض کر کے مداخلت کرے جس کا اسے عہد نامہ کی رو سے حق حاصل ہے اس طور سے ان وہ نہیں حکومتوں کے باہمی تعلقات کا انحصار ریڈنٹ کے طرز عمل پر ہوگا۔ ضروری معلومات اور واقفیت حاصل کرنے کے جو ذرائع اسے حاصل ہیں وہ ایک حد تک یہ خطرہ ہیں۔ بے لاگ نہیں ہو سکتے

وہاں کی حکومت کے مخالف اور بدظن لوگ اپنی اپنی شکایتوں اور غلط بیانیوں کا طومار باندھ دیں گے اور اپنے فرمانروا اور اس کے وزیر کی غلطیوں اور بدعنوانیوں کے بیان کرنے میں لازمی طور سے مبالغہ کریں گے اور متوقعہ نتائج میں انگریزی حکومت کے وجود کی وجہ سے جسکی نوعیت یہاں کی حکومتوں سے بالکل جدا ہے ایک مطلق العنان حکومت کی خرابیاں نہایت نمایاں طور پر نظر آئیں گی لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ برطانوی حکومت ہند بھی عیوب سے خالی نہیں ہے اور اس میں بھی چند ایسی خرابیاں موجود ہیں جو کمپنی کی قوت کی نوعیت کی وجہ سے تقریباً لا علاج ہیں لہذا اس ایک واقعہ کی بدولت ہمیں ان تمام نقائص اور خرابیوں کو صبر سے برداشت کرنا چاہئے جو عام طور پر ہندوستانی حکومتوں میں پائی جاتی ہیں کیونکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم حتی الوسع ان کا وجود برقرار رکھیں خواہ معاہدوں کی رو سے ہم اس کے پابند نہ ہوں جیسا کہ اوپر کی حالت سے ظاہر ہے۔

(۳۳۰)

دہلی کے نام نہاد شہنشاہ شاہ عالم نے ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ اس کے بیٹے اکبر شاہ نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنی طاقت و قوت اور اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کے لئے کسی قدر جدوجہد کی۔ اس قسم کی کوششوں کو کمپنی نے

شہنشاہ دہلی
۱۸۵۷ء

بجا طور پر روک دیا لیکن لارڈ ویلزلی نے جو وعدہ کیا تھا کہ ملک کی آمدنی میں اضافہ ہونے کے بعد شاہی خاندان کی امدادی رقم بھی اضافہ کر دیا جائے گا اسے اس وقت پورا کر دیا گیا۔ یہ فعل سیاسی مصلحت اور نیاغی پر مبنی تھا۔ جدید شہنشاہ کے بڑے بیٹے کو ولیعہد مقرر کیا گیا اور دس ہزار روپیہ ماہانہ اس کی ذات کے لئے مخصوص کر دیا گیا لیکن یہ کام شہنشاہ کی مرضی کے خلاف تھا کیونکہ وہ اپنے تیسرے بیٹے کو اپنا وارث بنانا چاہتا تھا۔

حکومت بڑودہ کے ساتھ کمپنی کے جو تعلقات

بڑودہ

تھے ان میں ترمیم کرنے کی تجویز سے یہ سوال پیدا ہو گیا کہ ہندوستانی طاقتوں میں جو توازن پہلے قائم تھا اور جس میں کمپنی کی فتوحات سے فرق لگایا ہے اسے دوبارہ قائم کیا جائے یا موجودہ حالات کو برقرار رکھا جائے

اس مسئلہ پر بہت سخت بحث ہوئی لہذا لارڈ مٹلے نے اس موضوع پر اپنے خیالات نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اس سلسلے میں اس نے مجلس رازدار کو جو مراسلہ روانہ کیا تھا اس میں تمام متعلقہ واقعات و دلائل اور نتائج درج ہیں۔ ان سب کا یہ غور مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ سب باتیں ایک ایسے مذکر کے قلم سے لکھی ہیں جسے مجلس مہوٹان نے وائرنٹس مینٹر کے خلاف مقدمہ کی پیرچہ کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور جس نے مجلس نائراں کے صدر کی حیثیت سے ہندوستانی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ ان معاملات میں اس کے پیشروں کو جو مجبوریاں لاحق ہوئی تھیں انکی تائید میں اس تحریر کے مواد سے بڑھ کر کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس سے بہتر کوئی دلیل ان نظریوں کی تردید میں پیش کیا جاسکتی ہے جو چند خیالی اور بنیاد مفروضات پر مبنی ہیں اور جن سے دعوہ کیا کہ بہت سے لوگ ہمارے سیاسی کارناموں کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس قابلانہ مسئلے کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے

لاڈ مٹلے لکھتا ہے کہ مجھان تک مختصر اصول کا تعلق

مسئلہ توازن قوت

ہے تمام اہل الرائے اس بات سے اتفاق کریں گے کہ جن سلطنتوں میں سیاسی یا تجارتی اتحاد قائم ہو ان کی باہمی جدوجہد جو صدماتیوں اور محاصرانہ کارروائیوں کے ہلکے اثرات کی مدافعت کیلئے انسان کی عقل جو تدبیر نکال سکی ہے وہ توازن قوت ہی ہے۔ ممکن ہے کہ ان مضر اثرات کی مدافعت کے لئے اور طریقے بھی ہوں لیکن بلاشبہ یہ ان سب سے بہتر ہے لیکن توازن اس اصول کو مفید بنانے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسی بنیاد ان مسئلہ اصولوں پر رکھی جائے جو فرانسیسی انقلاب سے قبل یورپ میں رائج تھے۔ تمام سلطنتیں شفقہ طور پر اس اصول اور بین الاقوامی قانون کی حامی ہوں اور بلا تامل اس کی پابندی کریں۔ ہر سلطنت کو جدا جدا جو حقوق حاصل ہوں انھیں ہر ایک تسلیم کرے اور ہمسایوں کے حوصلوں اور انکی حرص و طمع کے روکنے

کے لئے جو قیود وہ ان پر عائد کریں ان کا اپنے آپ کو بھی پابند سمجھیں۔ اس میں کم از کم یہ بات تو ضروری ہونی چاہئے کہ کوئی حکومت فتوحات اور ملک گیری کو اپنا مسلک نہ قرار دے سکے۔ اس بات کو پہلے سے طے کر لیا جائے اور اگر ضرورت پڑے تو عملی طور سے سب متحید ہو کر اس بات کی کوشش کریں کہ کوئی ایک سلطنت دوسرے کے حقوق قربانی کر کے اپنی قوت نہ بڑھا سکے۔ ہندوستان کی تاریخ کے کسی دور میں اس قسم کے اتحاد یا توازن قوت کا پتہ نہیں چلتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس ملک میں جو سلطنتیں بھی پہلے قائم ہوئیں ان کی نوعیت ان کے مقاصد اور ان کے دستور کی وجہ سے اس قسم کے اصول ان کے لئے موزوں بھی نہیں ہو سکتے تھے جنگ و جدال۔ لوٹ مار۔ فتوحات و ملک گیری بھی ان کے خاص مقاصد تھے اور یہی ان کے محرکات تھے۔ یہی ان کے فرمانرواؤں کے جائز اور نارہشہا عمل تھے۔ انہی میں ان کی عزت تھی۔ انہی کی بدولت انھیں شہرت حاصل ہوتی تھی۔ ان کے مذہب کی رو سے یہ سب باتیں جائز سمجھیں لہذا کسی بہانے یا کسی جائز سبب کی انھیں ضرورت نہ تھی۔ انسانی ہمدردی۔ ایفائے وعدہ اور دیانتداری سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جتنی قوموں کی طرح وہ بھی ان باتوں کے پابند نہ تھے۔ محض مقابلے کی طاقت ہی انھیں روک سکتی تھی۔ انہی اصولوں اور انہی محرکات کی کامیابی کی بدولت مسلمانوں نے سارے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے زوال کے بعد مرہٹوں نے زور پکڑا اور ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ آخر میں اس کے ٹکڑے ہو گئے لیکن مختلف سرداروں نے مل کر ایک اتحاد قائم کر لیا جس کا خاص مقصد فتوحات و ملک گیری اور لوٹ مار تھا۔ (۴۳۲)

اس طرح انھیں جو کچھ ملتا تھا اسے وہ اپنے رواج کے مطابق آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ ہر ایک کا حلقہ پہلے سے مقرر تھا یہی حیدر علی اور اس کے جانشین خیالات تھے۔ انہی اصولوں سے وہ متاثر ہوئے اور انہی پر عمل کر کے انھوں نے اپنی سلطنت بڑھائی۔ کبھی کبھی حضور نظام کوکن نے مرہٹوں اور میسور کے فرلین روڈوں کو روکا اور انکراوقات ان ٹیمنوں طاقتوں میں ایک دوسرے کے خلاف اتحاد بھی قائم ہوا لیکن نہ وہ توازن قوت کے اصول پر مبنی تھے اور نہ پہلے سے

اس قسم کا کوئی اتحاد اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا بلکہ ملک گیری اور لوٹ مار اور دوسروں کے علاقے غصب کرنا خیال ان سب پر حاوی تھا اور اسی کا یہ بھی ایک رخ تھا جنک کرنے والوں کا مقصد دوسروں کی قوت کو ایک خاص حد پر قائم کرنا نہ تھا بلکہ ایک دوسرے کا خاتمہ کر کے اپنی قوت کو بڑھانا تھا۔ حقیقی واقعات ثابت کرنے اور مسلمہ اصولوں کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں۔ عیاں راجہ ہیاں۔ فتوحات و ملک گیری اور حرص و طمع کے ساتھ توازن قوت کا اصول کھارا کر نہیں ہو سکتا یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں بھی ایک زمانہ تھا جب کہ توازن قوت کے اصول پر کام کیا جاتا تھا اور لوگ اسے سمجھتے بھی لگے تھے مثلاً میں دربار حیدر آباد سے جو معاہدہ کیا گیا تھا اس سے قبل کا یہ زمانہ بتایا جاتا ہے اور ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس تاریخ کے بعد سے ایک جدید اصول کا آغاز ہوتا ہے جس کی وجہ سے بہت کچھ مظالم ہوئے ہیں اور جن فزیدوں کی عام طور پر مذمت کی جاتی ہے وہ سب اسی کا نتیجہ ہیں۔ اس دور کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور ہمیں ان سلطنتوں میں توازن قوت کے اصول کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔

ذکرہ بالا تاریخ سے پانچ سال قبل ہی حیدر آباد کی سلطنت مرہٹوں کا شکار ہو چکی تھی۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے سلطنت آصفیہ کو جو قربانیاں کرنی پڑیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ بعد میں سندھیانے اس علاقے پر ہاتھ مارا اور وہاں کی حکومت کی توہین کی اور اس پر نیا جائزہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور جب تک کہ برطانوی حکومت سے دفاعی معاہدوں کی تکمیل نہ ہو گئی اس وقت تک اس قسم کے نامناسب واقعات اور دباؤ کا سلسلہ جاری رہا۔ شمالی ہند میں مرہٹے دریائے گنگا سے جہانگیر اور جہان سے دریائے سندھ تک چھائے ہوئے تھے۔ ان کی سلطنت کے حدود شمال اور جنوب میں سرہند سے لیکر دریائے نربا تک اور مشرق و مغرب میں بندھیلکھنڈ سے گجرات تک پھیلے ہوئے تھے۔ دکن میں دریائے نربا سے ایک طرف ان کی سرحد سلطنت آصفیہ اور علاؤدین پور سے ملتی تھی اور دوسری طرف شمالی سرکار سے اس وسیع سلطنت کے علاقوں کے درمیان متعدد راجپوتوں اور دیگر ادنیٰ سرداروں کی ریاستیں قائم تھیں جہاں کے سامنے ذرا بھی

چون و چرا نہیں کر سکتی تھیں اور خاموشی سے مرہٹوں کی فوجوں کو خراج ادا کر دیتی تھیں۔ شمالی ہند اور دکن کی سیاسی حالت یہ تھی۔ اس کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کسی قسم کا توازن قوت موجود تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دلیل پیش کی جائے کہ گو یہ وسیع علاقہ مرہٹوں کی فکر و میں شامل تھا وہ مرہٹوں کی سلطنت کہلائی جاتی تھی لیکن دراصل اس میں چار مختلف سلطنتیں تھیں اور اگرچہ ان میں ایک قسم کا اتحاد قائم تھا تاہم وہ ایک دوسرے کی روک تھام کرتی رہتی تھیں اور اس طرح ان کی قوت میں ایک توازن قائم رہتا تھا۔ اسی بات کو ضرور سمجھئے کہ اس اتحاد کی بدولت یہ سلطنتیں ایک دوسرے کو بیرونی طاقتوں کے حملوں سے بچانے کے لئے آمادہ ہو جاتی تھیں لیکن وہ خود فتوحات حاصل کرنے یا اپنی حکومت کا اقتدار بڑھانے کے لئے جو کوششیں کرتی تھیں ان کی کوئی روک تھام نہ ہو سکتی تھی اور نہ ان بلند حوصلہ تدابیر کی مدافعت ہو سکتی تھی جو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے پر غالب آنے یا اس کی طاقت کو اپنی قوت میں سلب کرنے کے لئے کرتے رہتے تھے لہذا ہم اس زمانے میں دیکھتے ہیں کہ سندھیا کے پاس ایک کثیر فوج موجود ہے اور وہ پوندہ پر حاوی ہے۔ ناگپور سے وہ روپیہ وصول کرتا ہے۔ اپنی برتری اور فوقیت جتانے کے لئے ہولکھ سے جنگ کرتا ہے اور بالآخر حکومت پوندہ کو اپنے تلخے میں کس کر میشوا کو نکال باہر کرتا ہے۔ یا وجود اس نقصان کے یہ سب سردار اپنی خارجی فتوحات جاری رکھنے کے لئے آپس میں متحد ہو جاتے ہیں اور اپنی سلطنت بڑھانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے اور مال غنیمت میں اپنا حصہ بٹانے میں چوکس ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ان واقعات کے بعد ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگ توازن قوت کے اصول سے واقف تھے اور ہندوستانی ریاستوں میں اس پر عمل ہوتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دلیل پیش کی جائے کہ مرہٹوں کی سلطنت کے مقابلے کے لئے برطانوی حکومت موجود تھی اور مرہٹے خوف کی وجہ سے کبھی کبھار اس کے خلاف کوئی غماصانہ کارروائی نہیں کرتے تھے۔ اگر اس واقعے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی سیاسی توازن قوت کا خاص بنیادی اصول جو سیاسی

(۳۶) تجارتی تعلقات سے قائم ہوتا ہے ان حالات میں معقود نظر آتا ہے جہاں ایک فرقہ کا تنہا مقصد اپنی حفاظت کرنا اور عام امن و امان برقرار رکھنا ہو اور دوسرے فرقہ کا نصب العین جنگ و جدل اور فتوحات و ملک گیری ہو تو اس کا توازن ایک ہی لمحے میں ختم ہو جائے گا۔ ان حالات میں اول الذکر فرقہ میں بات کا جان بوجھ کر اسے اپنی مزید حفاظت کے لئے جو وسائل بھی از روئے انصاف میسر کیں یا جن پر وہ قابو پاسکے انھیں وہ استعمال کرے۔ ہندوستانی ریاستوں میں ملک گیری کی جو غیر محدود ہوس بلا تخصیص پائی جاتی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کے ثابت کرنے کے لئے ہم یہاں ان متعدد کوششوں کو بیان نہیں کریں گے جو ان ریاستوں نے برطانوی حکومت کے قیام کے زمانے سے اب تک اس کی بیخ کنی کیلئے کی ہیں اور نہ اس بات کے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت ہے کہ یہ اصول ہندوستانی طاقتوں میں خاص محرک عمل رہا ہے۔ اس سے ایک ناقابل تردید نتیجہ ہم نے یہ اخذ کیا ہے کہ ہم کتنی ہی رعایت کریں اور کتنے ہی علاقوں سے دست بردار ہو جائیں اس ملک میں توازن قوت نہ کبھی حقیقی معنوں میں قائم ہو سکتا ہے اور نہ مفید۔ ہندوستانی ریاستوں کو جب کبھی ملک گیری کا موقع ملے گا وہ ضرور اس سے فائدہ اٹھا لینگے اور کبھی خاموش نہ بیٹھیں گی۔ آپ کی مجلس نے اپنے مسئلہ مورخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں بکا ارشاد فرمایا ہے کہ بعض بعض صورتوں میں مراجعت پیش قدمی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے کہ اس کا اطلاق خاص طور سے ہندوستان پر ہوتا ہے کیونکہ یہاں اس بات کی توقع بہت کم ہے کہ ہندوستانی ریاستیں مراجعت کو سبکدوشی اور خوف کے کسی دوسرے اصول پر مجبور کریں گی۔

(۳۷) اگر اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی جائے تو گزشتہ زمانے کی ایک طویل مدت کے واقعات پر غور کرنا پڑے گا جو نہایت تکلیف دہ ہو گا اور اس کے ساتھ ہی آج کل کی ہندوستانی ریاستوں کے خیالات و خصوصیات اور جذبات و حالات کی بھی تحقیق کرنی ہوگی۔ ان سب کے یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک تو آپ ان سب باتوں سے خود واقف ہیں دوسرے ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ اپنی قوت اور سیاسی برتری اور موقعیت میں کمی کر کے

ہم اپنی حفاظت کی توقع نہیں کر سکتے اور یہ ایک ایسی صریح بات ہے جسکے واضح کرنے کے لئے کسی دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے

مدراس میں شورش

احاطہ مدراس میں یو پیمن افسر حکومت سے بہت بدظن ہو گئے تھے لہذا لارڈ منٹو کو ۱۸۰۹ء میں مجبوراً خود مدراس جانا پڑا۔ اس موقع پر استقلال اور اعتدال دونوں سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ ان افسروں کے اشتعال اور غصے سے سلطنت کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا لیکن لارڈ منٹو کے دہاں پہنچنے ہی سے ان کا اشتعال فرو ہو گیا لہذا اسے برابر اس بات کا افسوس رہا کہ وہ اس سے قبل موقع پر کیوں نہ پہنچ سکا۔ مدراس سے گورنر جنرل اپنے ساتھ ایک کثیر فوج لے کر جاوا کی تخیل کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس اہم کارنامے کی تاریخ کا اس کتاب سے بجز اس کے کچھ تعلق نہیں کہ اس فتح سے ہندوستانی مقبوضات کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور لارڈ منٹو کی شہرت میں اضافہ ہوا اس باہمت شخص کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اس بات کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ جاوا اور فرانسسی جزائر کے خلاف اس نے جو فوج کشی کی وہ اپنی ذمہ داری پر کی اور اس میں نہایت متحی اور درجات سے کام لیا اور ان جہات میں جو کامیابی حاصل ہوئی اس کا سہرا اسی کے سر ہے۔

۱۸۱۳ء میں لارڈ منٹو انگلستان واپس ہو گیا

(۳۴۸) لارڈ منٹو کی واپسی اور وہاں پہنچنے کے چند ہفتے بعد ہی علیل ہوا اور راجل نے

اس ممتاز اور پاک دامن ہستی کی مفید زندگی کا ایک بیک خاتمہ کر دیا۔ انگلستان کی یہ قیمتی تھی کہ اس موقع پر اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ ہندوستانی سلطنت کی حالت کا اسے نہایت صحیح اندازہ تھا اور اس سے بہتر نہ کوئی اور شخص یہاں کی حالت دوسروں کو سمجھا سکتا تھا اور نہ اس سلطنت کی آئندہ حکومت کے تعلق اس سے بہتر اور مفید رائے دے سکتا تھا۔

لارڈ منٹو سے پہلے جتنے گورنر جنرل ہوئے لارڈ منٹو کے دور پر ایک نظر ان سب کی حکومت سے لارڈ منٹو کی حکومت کا

طرز عمل مختلف تھا۔ وہ ایک نہایت قابل اور سمجھے ہوئے دروغ کا آدمی تھا۔ علاوہ
 انہیں انمول حکومت سے بھی وہ پنجابی واقع تھا لہذا ایسے قابل آدمی کے لئے یہ
 بات بالکل ناممکن تھی کہ کچھ عرصہ ہندوستان میں رہنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر نہ
 پہنچے کہ سلطنت کو مدھن خطہ میں ڈالے بغیر اور خطرات میں بلا اضافہ کئے عدم مداخلت
 کے مسلک پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک بخیدہ اور متین آدمی تھا۔ اس نے یہ
 اندازہ کر لیا تھا کہ ہر معاملے میں حکام بالا کو اپنا ہم خیال بنالینے میں زیادہ فائدہ
 ہے لہذا جہاں کہیں وہ یہ دیکھتا تھا کہ تاخیر مضرت ہوگی وہ ہمیشہ تاخیر کو ترجیح دیتا
 تھا اور حکام بالا سے رائے طلب کرتا تھا اور حتی الوسع اپنی ہر دلیل سے وہ اس
 بات پر زور دیتا تھا کہ جس کام کو وہ سرکاری مفاد کے لئے مفید خیال کرتا ہے
 اس کی منظوری دے دی جائے لیکن ہر معاملے میں حکام بالا سے رائے لینے اور
 انھیں اپنا ہم خیال بنانے کی خواہش اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ اپنے اوپر ذمہ داری
 لینے سے بچنا چاہتا تھا بلکہ جب بھی اس ہول سے انحراف ضروری ہوتا تھا تو وہ نہایت
 مستعدی سے غوری فیصلہ کر دیتا تھا۔ اس بات کے ثبوت میں لاہور کے راجہ کا
 معاملہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بندھیلکھنڈے اور فی رئیسوں کی بھی مثال
 پیش کی جاسکتی ہے جہیں اس نے کمپنی کی حفاظت میں لے لیا تھا۔ امیر خاں اور
 راجہ ناپور کے معاملے میں اس نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ حکمت عملی کے لحاظ سے
 نہایت قابل اعتراض اور بحث طلب امر ہے۔ مذکورہ بالا مسلمان سردار کے خلاف
 اس نے فوجی کارروائی کی اس میں تو وہ عدسے تجاؤز کر گیا۔ جب تک کہ تسلیم
 نہ کر لیا جائے کہ وہ اسکے نتائج بھگتنے کے لئے آمادہ تھا اس وقت تک یہ
 اعتراض باقی رہتا ہے اس لئے جو فوج جمع کی تھی وہ مالوے کی تسخیر کے لئے
 کافی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مالوے کی تسخیر کے بغیر راجہ کے سردار کو مغلوب
 نہیں کیا جاسکتا تھا۔ غالباً اس ہم کا قریب قریب ہی منشا تھا اور لارڈ متھون کے
 بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کمپنی کی
 قوت کے مظاہر سے جو اچھا اثر پڑا وہ توقعات کے مطابق تھا لہذا اسی پر
 اس نے اکتفا کیا۔ راجہ ناپور سے معاہدہ نہ کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی

ہے کہ غالباً وہ آئندہ مشکلات کے خوف سے پیچھے ہٹ گیا منجملہ دیگر اسباب کے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خود راجہ نالپور پر ہی اسے اعتماد تھا۔ علاوہ ازیں اسی زمانے میں جاوا کی فوج بھی پیش آگئی۔ جو کام اس نے مستعدی سے شروع کیا تھا اسے ادھر ورا چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لارڈ مٹو نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اس وقت حوث مار اور غارتگری جاری ہے اور جس سے عام امن میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس کا خاتمہ کرنے کے لئے وسیع پیمانہ پر تیاریاں کرنی ہوں گی لہذا جب اس کی طرف توجہ کی جائے گی تو اسی سلسلے میں اس کام کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔ اس موضوع پر اس نے محض اپنے خیالات ہی قلمبند نہیں کئے بلکہ اس امر کی بھی کوشش کی کہ محکمہ سیاسیات کے قابل عہدہ داروں کے خیالات بھی انگلستان پہنچ جائیں۔ ان ضخیم مراسلوں میں جو انیس درج ہیں ان سب میں اس امر پر اتفاق تھا کہ اس خرابی سے امن و امان میں خلل واقع ہونے کا سخت اندیشہ ہے اور اس معاملے میں مداخلت نہایت ضروری ہے۔ اس کی وجہ سے حکام بالانے بھی ان خطرات کا صحیح اندازہ کر لیا اور وہ بھی اس رائے سے متفق ہو گئے۔ اس رائے کا وہ پہلے بھی ایک موقع پر اظہار کر چکے تھے۔ جس مراسلے میں انھوں نے امیر خاں کے خلاف محدود دائرے پر کارروائی کرنے پر اعتراض کیا تھا اور راجہ نالپور سے جلد از جلد کسی مناسب موقع پر معاہدہ کی ہدایت کرنے کی ہدایت کی تھی اس میں اس کا بھی ذکر ہے۔

لارڈ مٹو کی حکومت سے ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ حکام بالاکو اس بات کا کامل یقین ہو گیا کہ عدم مداخلت کے جس مسلک پر وہ چلتا جا رہے تھے اس کا برقرار رکھنا قطعی ناممکن ہے اور اس خیال کے بعد پھر ترقی کا دور شروع ہو گیا جو اصل برطانوی سلطنت کی وسعت۔ اس کی نوعیت۔ اور اس کے مخصوص حالات کے لئے نہایت موزوں تھا۔ لارڈ مٹو نے جب بھی مجبور ہو کر اپنے راستے سے پہلو تہی کی تو اپنے موقع پر اس نے نہایت اعتدال سے کام لیا اور اپنے خیالات کی تائید میں جب کبھی وہ دلائل پیش کرتا تھا تو وہ اس قدر بجا اور درست

(۴۴۱) ہوتے تھے کہ بلحاظ مصلحت و دانشمندی ان سے اختلاف کرنا یا انھیں مسترد کرنا ناممکن ہوتا تھا۔ اس طور سے حکام بالا کے خیالات میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوتی گئی اور اس تبدیلی سے لارڈ مٹلو کے قابل متنازع جانشین کے کاموں میں جو بہت کم تبدیلی ہوئی اور اس سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

ساتواں باب

مارکوس ہیشنگنگز کا دور حکومت



۱۸۱۳ء میں مارکوس ہیشنگنگز گورنر جنرل
بیس سالہ ہند کی حیثیت سے یہاں پہنچا۔ شخص

اپنے نسب اور اپنے کیرئیر کے لحاظ سے دونوں جہدوں
کے اختیارات کے لئے نہایت موزوں تھا اور ضروریات
زمانہ کے لحاظ سے مصلحت بھی اسی میں تھی کہ یہ اختیارات
ایک ہی شخص کے ہاتھ میں رکھے جائیں حکام بالاکو

انگلستان میں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ قزاقوں کے جو بڑے بڑے گراہ
یہاں قائم ہو گئے ہیں ان کی زیادتیاں ہماری خاموشی کی وجہ سے روز بروز
بڑھتی جاتی ہیں لہذا ہمیں اپنی رعایا اور اپنے حلیفوں کو ان کے حملوں سے
محفوظ رکھنے کی غرض سے بہت جلد سختی سے کام لینا پڑے گا۔

باوجود ان خیالات کے اب تک یہ توقع بھی تھی کہ شاید جنگ کی نوبت
نہ آئے اور جو ریاستیں ان قزاقوں کی مساو نہ تھیں وہی ہیں ان سے استراحت قائم کرنے
سے ہمارا مقصد حاصل ہو جائے۔ گورنر جنرل نے حکمت عملی اختیار کی وہ

پنڈاریوں کا زور (۲۲۲)

اول
حکومت کی تشریح

(۲۲۳)

انھیں خیالات اور اس قسم کے خواہشات پر مبنی تھی۔ اگرچہ اسن مقرر رکھنے کی خاطر وہ ہر ممکن کوشش کرنے کے لئے آمادہ تھا تاہم اس کے طرز عمل سے بہت جلد اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ جس حکومت کا کام اس کے تفویض کیا گیا ہے اس کی عزت برقرار رکھنے کے لئے اگر جنگ ضروری سمجھی گئی تو وہ اس کی ذمہ داری سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے اور وہ ہر گستاخانہ حملے کی مدافعت کے لئے تیار ہے۔

لارڈ منٹو کے زمانے میں نیپال

نیپالیوں کی دست درازیاں

نے جو دست درازیاں شروع کی تھیں ان کا کچھ نہ کچھ سلسلہ کئی سال سے جاری

تھا۔ اولاً نہایت صبر و تحمل سے کام لیا گیا اور ثبوت یہاں تک پہنچی کہ کئی متغیوں پر برطانوی حکومت کے علاقوں پر جبراً قبضہ کر لیا گیا۔ لارڈ منٹو نے اپنی واپسی سے قبل مجبوراً انھیں جنگ کی دھمکی دے دی تھی لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا اور ان کے اس قسم کے حرکات برابر جاری رہے۔ بالآخر سلسلہ اور متواتر زیادتیوں کا نظریہ انداز کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ مارکوس ہینڈنگر نے ان کے روکنے کے لئے جو تدابیر اختیار

(۴۴۴)

کئے ان سے صاف ظاہر تھا کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان جو تنازعات اور اختلافات ہیں انھیں حکومت ہند مصالحت کے ذریعے سے طے کرنا چاہتی ہے۔ ان سب کی تحقیقات شروع کی گئی اور کچھ مقرر کئے گئے تاکہ وہ راجہ

نیپال کے نمائندوں سے گفتگو کریں لیکن یہ تمام کوشش بے سود ثابت ہوئی۔

جو معاملات ناقابل ابطال ثبوت کی بنا پر طے ہو گئے تھے انھیں نیپالیوں نے از سر نو چھیڑ دیا اور جب گورنر جنرل نے اس قسم کے معاملات پر دوبارہ

بحث کرنے سے انکار کیا تو کمپنی کے نمائندوں کو حکم ملا کہ وہ فوراً نیپال کی سرحد سے باہر چلے جائیں۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے اپنے نمائندے کا منٹو

(جو اس کا دار الحکومت تھا) واپس بلا لئے۔ اس اثناء انگیز حرکت کے بعد بھی گورنر

جنرل اپنے طریقہ عمل پر قائم رہا۔ اس نے راجہ کو ایک خط لکھا اور نیپال کے نمائندوں نے جو روش اختیار کی تھی اس کا حوالہ دے کر راجہ سے درخواست کی کہ کمپنی کے جن علاقوں پر نیپالیوں نے حیران قبضہ کر لیا ہے اور جس کا وہ خود

اعتراف کر چکے ہیں انھیں خاموشی سے واگداشت کر دیا جائے اور اسکے لئے احکام جاری کر دئے جائیں۔ اسی سلسلہ میں راجہ کو صاف طور سے قید کر دیا گیا کہ اگر ان علاقوں سے دست برداری نہیں دیگی تو مجبوراً برطانوی فوجیں ان پر قبضہ کر لیں گی اور جو دیہات دوران تحقیقات میں عارضی طور پر ہمارے قبضہ میں دے دئے گئے تھے ان کے دائمی الحاق کا اعلان کر دیا جائے گا۔

ان مطالبات اور دھمکیوں کی کچھ پروا نہیں کی گئی لہذا مجبوراً گورکھپور کے اضلاع پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا گیا اور راجہ نیپال سے دوبارہ درخواست کی گئی کہ سارن کے علاقے سے بھی دست برداری دی جائے لیکن جب اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا تو اس علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے بھی فوج کا ایک دستہ روانہ کر دیا گیا جس نے وہاں پہنچ کر بغیر کسی مقابلے کے قبضہ کر لیا۔ کمپنی کی فوجوں کے پہنچتے ہی نیپالیوں کی فوجیں مراجعت کر گئیں۔ معاملات کی یہ صورت تھی کہ برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ اس زمانے میں یہاں کی آب و ہوا نہایت خراب ہو جاتی ہے لہذا فوجیں واپس بلا لی گئیں اور تصفیہ طلب علاقوں کا انتظام سیول اور پولیس کے ہندوستانی افسروں کو تفویض کر دیا گیا۔ نیپالیوں نے جب ان لوگوں کو غیر محفوظ دیکھا تو وہ ان پر فوراً حملہ کر بیٹھے اور گورنر کال میں جو پولیس کے ملازم شمعین تھے ان میں سے اٹھارہ کو ہلاک کر ڈالا اور پچھ کو مجروح اور برطانوی حکومت کے مقامی عہدہ دار کو نہتہ پا کر انھوں نے اسے قتل کر دیا اس قتل میں حدوتہ میر جری برہتی گئی مزید برآں یہ سب حرکات نیپالیوں کے مقامی فوجدار یعنی سپہ سالار کی موجودگی میں ہوئے اور اس واقعے کے بعد اس قسم کی زیادتیاں دوسرے مقامات پر بھی ظہور میں آئیں۔

اس قدر زبردست علاقہ مضامانہ کارروائی کے بعد کمپنی فوراً اعلان جنگ کر دینے میں حق بجانب ہوتی لیکن گورنر جنرل نے محض اس خیال سے کہ معاملات حد سے تجاوز نہ کرنے پائیں راجہ نیپال کی قہر جان واقعات کی طرف مبذول کرائی اور اس سے مطالبہ کیا کہ ان ظالمانہ حرکات کی ذمہ داری اُسے اپنے اوپر نہیں لینی چاہئے بلکہ ان کے مرتکبین کو سزا دی جائے۔

(۴۴۶) اس مطالبے کا جو جواب ملا وہ مبہم تھا۔ اس میں کسی قندمکھی بھی تھی لیکن اس سے دو باتیں صاف ہو گئیں۔ اور یہ کہ نیپالی افسروں نے جو نیادتیاں لکھی تھیں ان کی اس نے تائید کی اور ملزموں کی حمایت کی۔ دوسرے یہ کہ برطانوی حکومت کے جو نقصانات ہوئے تھے اور اس کی جو ہتک ہوئی تھی اس کی تلافی کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں ہے۔

اس طور سے مصالحت کے ذریعے سے معاملات طے کرنے کی توقع جاتی رہی اور گورنر جنرل نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ہندوستانی ریاستوں اور کمپنی کی رعایا کی اطلاع کے لئے اس نے ایک اعلان شائع کیا اور جس ضرورت سے مجبور ہو کر یہ انتہائی کارروائی اختیار کرتی پڑی تھی اسے واضح کیا نیپالیوں نے جو دست درازیاں کی تھیں انھیں تفصیل سے بیان کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی ذکر کیا کہ سارن کے علاقے میں جہاں جہاں کمپنی کی رعایا آباد اور فوج متعین ہے وہاں نیپالیوں نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے پانی کے خزانوں اور متعدد کنوؤں میں زہر ڈال دیا ہے۔ اس سرکاری اعلان کے آخری حصے میں یہ بیج تھا کہ ”ہو نہ ہو برطانوی حکومت اپنے حقوق اپنے مفاد۔ اور اپنے اعزاز و وقار کی حفاظت کیلئے تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئی ہے لہذا جب تک کہ عنیم نہایت عاجزانہ طور سے اپنے سفاکار نظر عمل کی تلافی نہیں کریگا اور تاوان جنگ ادا کرنے اور سابق تعلقات کو برقرار رکھنے کے لئے جنھیں اس نے نہایت بے شرمی سے تباہ کر ڈالا ہے معقول ضمانت نہیں پیش کرے گا اس وقت تک وہ اپنا ماتھ ہرگز نہیں روکے گی۔“

(۴۴۷) راجہ نیپال نے اس موقع پر جو طرز عمل اختیار کیا تھا اسے اس کے غرور اور اس کی جہالت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ انہیں اسکے خود غرض و بارائیوں اثر اور ان کی سازش بھی اس میں شامل تھی۔ مزید برآں اس قسم کی ہر ریاست میں معاملات کو التوا میں ڈالنے کی جو عادت ہے اسکا بھی دخل تھا۔ ان اسباب میں ایک اور اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ موقعوں پر انھیں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس سے ان میں ستاخی آگئی تھی اور وہ اقدامی حلوں کی طرف مائل ہو گئے تھے اس کے ساتھ ہی انھیں اپنے نہم وطنوں کی ہمت و جرأت اور اپنے ملک کی قوت پر

ایک خاص گھمنڈ بھی تھا۔
نیپال کے خلاف جنگ
کی تیاریاں اور ناگپور
بھوپال اور ساگر سے
اتحاد قائم کرنے میں
ناکامی

جب لارڈ ویسٹمنگنز نے جنگ کا ہتھیہ کر لیا تو
اس نے اپنی وسیع پیانے پر تیاریاں شروع
کیں تاکہ ابتدا ہی میں حساطر خواہ کامیابی
حاصل ہو جائے لیکن اس نے یہ کاروائی
صرف نیپال پر حملہ کرنے تک محدود نہیں
رکھی ہندوستان پہنچنے کے تھوڑے ہی
زمانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ
پنڈاریوں کی روز افزوں زیادتیاں اب
زیادہ مدت تک برداشت نہ کیجاسکیں گی

اور اس نے حکام بالاکو نہایت پر زور الفاظ میں لکھ دیا تھا کہ اس مصیبت اور
خطرناک صورت سے فوری نجات حاصل کرنے کے لئے جو تداریک ضروری
ہیں ان کی جلد از جلد منظوری صادر فرمائی جائے۔

۱۸۱۳ء میں راجہ ناگپور سے جو مراسلت شروع ہوئی تھی وہ اب ۱۸۱۳ء
میں انگریزوں کے خلاف ثابت ہوئی راجہ مذکور نے کمپنی سے دفاعی معاہدہ کرنے
سے قطعی انکار کر دیا اور اس پر پھر یہ کہ وزیر محمد نواب بھوپال کو دبانے کی غرض سے
اس نے دولت راؤ سندھیا سے معاہدہ کر لیا۔ نواب مذکور ایک بہادر سردار تھا
اور ایک مدت دراز سے ہندو ریاستوں کا مقابلہ کر رہا تھا لیکن معلوم ہوتا تھا
کہ ان ریاستوں کی متحدہ قوت اب اس پر بہت جلد غالب آجائے گی۔

ناگپور سے جو گفت و شنید جاری تھی اس میں ناکامی ہونے کے بعد خیال
ہوا کہ خاقوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کرنے کا جواز وہ ہے اس میں خاطر خواہ
کامیابی حاصل کرنے کے لئے نواب بھوپال سے معاہدہ کیا جائے۔ اس ریاست

(۳۴۸)

لے نواب وزیر محمد کے خلاف اتحاد اور نیپال کے محاصرے کی تفصیلی واقعات کے
لئے ملاحظہ ہو منزل اندیا جلد اول صفحہ ۳۹۴

سے انگریزی حکومت کے تعلقات مدت سے دوستانہ تھے۔ علاوہ انہیں اس علاقہ کی جغرافیہ اہمیت اور نواب مذکور کے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی یہ اتحاد نہایت مناسب تھا لہذا گورنر جنرل نے نواب بھوپال سے مراسلت شروع کرنے کے لئے احکام جاری کر دیے اور گوبیند راؤ کی طرف بھی رخ کیا، بہشتنکار کا خیال تھا کہ ان دونوں سرداروں سے معاہدہ کرنے کے بعد ہندو صلیکھنڈ اور برہمان کی فوجی چھان بینوں میں ایک سلسلہ قائم ہو جائیگا اور کمپنی آئندہ دفاعی تدابیر اختیار کرے یا قدامی دونوں صورتوں میں یہ اتحاد نہایت مفید ثابت ہوگا اس وقت مرہٹہ سرداروں اور رنجیت سنگھ والی لاہور اور امیر خاں کے مابین باہمی سازشوں کا جو بازار گرم تھا اسکی وجہ سے گورنر جنرل کے نزدیک یہ کارروائی زیادہ ضروری تھی۔ آخر لاندہ سردار کمپنی کی سرحدوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ علاوہ انہیں دوسرے آثار بھی یہ بتا رہے تھے کہ انگریزوں کے خلاف ایک جنمھا قائم ہو رہا ہے جو نیپال سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔

وزیر حمہ سے جب اتحاد کی خواہش کی گئی تو اس نے فوراً آمادگی ظاہر کی سندھیا کے دربار والے رزیدنٹ نے اس آمادگی کے بعد جو نہایت معمولی الفاظ میں ظاہر کی گئی تھی یہ خیال کیا کہ اتحاد کے ابتدائی شرائط طے ہو گئے ہیں لہذا سندھیا کو اس کی اطلاع کر دی جائے۔ سندھیا نے اس پر نہایت سختی سے اعتراض کیا اور یہ دعویٰ پیش کیا کہ چونکہ نواب بھوپال اسکا زیر دست ہے لہذا انگریزی حکومت کو اس سے کسی قسم کا معاہدہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ دعوئی واقعتاً کے خلاف تھا۔ بھوپال کے نواب کبھی سندھیا کے خاندان والوں کے باہم آؤں میں رہے تھے البتہ وہ دوسری ریاستوں کے حلوں سے محفوظ رہنے اور کبھی کبھی خود ان سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے انھیں بڑی بڑی زمینیں دیتے رہتے تھے۔

نواب بھوپال کے بزرگوں نے جنرل گارڈز کی فوج کی مہارت سے موقع پر انگریزوں کی مقبول مدد کی تھی۔

سے ساگر کا موروثی رئیس تھا

سے بھوالہ سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۳۸۶۔

سندھیا اور نواب بھوپال کے تعلقات کی یہ نوعیت رہی تھی۔ گورنر جنرل نے اسی پر زور دیا اور اسی بنا پر یہ دلیل پیش کی کہ ان حالات میں برطانوی حکومت کو بھی اپنے مفاد کی خاطر مذکورہ بالا مسلمان سردار سے اتحاد قائم کرنے کا حق حاصل ہے اس کے بعد سندھیا کو مطلع کروایا گیا کہ بھوپال سے جو گفت و شنید جاری ہے وہ اس نوبت پر پہنچ چکی ہے کہ گورنر جنرل آپ سے سچا طور پر اس بات کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ آپ اس ریاست پر حملہ کرنے کا خیال نہ کریں، اسی طور سے ناگیپور کے راجہ کو بھی تنبیہ کروایا گیا۔ ان باتوں کو موثر بنانے کی غرض سے کمپنی کی فوج کا ایک دستہ تین جگہ کھنڈیں رکھ دیا گیا اور حیدر آباد کی امدادی فوج ایلچپور کو منتقل کر دی گئی۔

دولت راؤ سندھیا کا ان باتوں سے اطمینان نہیں ہوا لیکن اس موقع پر وہ برطانوی حکومت سے بگاڑ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اگرچہ اس نے کئی مرتبہ اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تھے جنہیں دھمکی پر محمول کیا جاسکتا تھا تاہم وہ گرفتہ رفتہ جنگ کے راستے پیچھے ہٹ گیا علاوہ ازیں نواب بھوپال نے اپنے والد حکومت کی حفاظت کے لئے جو زبردست تیاریاں کی تھیں ان کے بعد سندھیا کی کامیابی بھی بہت مشتبہ ہو گئی تھی۔ راجہ ناگیپور نے گورنر جنرل کی باتوں کو بخوشی تسلیم کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ بھوپال پر حملہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کرے گا اور اگر ریاست مذکورہ کی حفاظت کے لئے جو برطانوی فوجیں روانہ کی جائیں گی انہیں اپنی ریاست سے گزرنے کی اجازت بھی دے دے گا۔

ان فوری خطرات سے محفوظ ہو جانے کے بعد وزیر محمد نے اتحاد کی تکمیل میں کچھ ایسی بے اعتنائی برسی کہ گورنر جنرل نے اس سے مداخلت بالکل نہ کر دی۔ ساگر کے سردار کا بھی یہی رنگ رہا لہذا اس کے ساتھ بھی اس قسم کی کارروائی کی گئی۔

نیپال کے خلاف جنگ شروع کرنے میں جو غیر معمولی اور خلاف امید رکاوٹیں پیدا

نیپال کے خلاف جنگ

۱۔ ایلچپور و بارکھانہ حکومت ہے۔

ہوئیں اور جنگ چھڑنے کے بعد ابتدائی مدارج میں جو ناکامی ہوئی اس سے ہندوستانی ریاستوں میں فوراً سازشیں شروع ہو گئیں اور انہیں کچھ ایسی ہل چل مچ گئی کہ برطانوی حکومت کو یہ محسوس ہو گیا کہ ان میں سے ہر ایک اس کی قوت کے خلاف متحد ہونے کیلئے آمادہ ہے۔ رنجیت سنگھ سلج پر نمودار ہو گیا۔ امیر خاں نے کپورتھلہ کے ہندوستانی مقبوضات کی سرحد پر پر اوڈال دیا۔ نالپور۔ پونہ اور گوالیار کے درباروں میں روزانہ ایک دوسرے کے قاصد بکھرنے لگے اور ڈاک کا ایک سلسلہ بند ہو گیا۔ برطانوی حکومت کی شکست کی توقع پر ان ریاستوں نے جو منصوبے باندھے تھے اور جو حال پھیلایا تھا اس کی نوعیت و وسعت کا تو کچھ یہ نہیں لگ سکا لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں رہا کہ کپورتھلہ کے خلاف بہت کچھ ہل چل بھی اور سازشیں ہو رہی تھیں۔ سر ڈیوڈ آکسٹون کی کوکھوں کے پہاڑی علاقے میں جو فتوح حاصل ہوئے ان سب سے حوالہ دے کر گوں ہو گیا اور کپورتھلہ کے خلاف جو متحدہ کوششیں جاری تھیں اگر ان کی نوعیت میں کچھ فرق نہ آیا تو کم از کم وہ عمل میں نہ آسکیں۔

(۳۵۱)

دسمبر ۱۸۱۷ء میں اور اس کے بعد دو مہینے تک معاملات ہمت شکن رہے۔ گورنر جنرل نے تمام بنگالیوں کا اندازہ کر لیا اور نہایت استقلال سے نیپال میں جنگ جاری رکھی۔ نیپال کی تمام فوج وہاں مصروف رہی۔ مدراس اور بمبئی سے جو فوجیں فراہم ہو سکتی تھیں انھیں ان دونوں صوبوں کی سرحدوں پر جمادیا گیا تاکہ مرہٹے اور پٹنہ اری ادھر کا خیال نہ کر سکیں لیکن اپریل ۱۸۱۷ء کی فتوحات اس قدر فیصلہ کن رہیں کہ ماتحت حکومتوں کی فوجیں چھاپوئیوں میں واپس بھیج دی گئیں اور برطانوی مقبوضات پر کسی قسم کے حملے کا خوف باقی نہیں رہا۔ دریائے گھاگرا کے مغربی علاقے کے افتتاح اور مرہٹہ تیارپوں سے حکومت نیپال اس قدر مغرب ہو گئی کہ راجہ نے فوراً صلح کی درخواستیں کر دی۔ لارڈ ویلنگٹن نے مندرجہ ذیل شرائط اس کے سامنے پیش کئے۔

دریائے گھاگرا کے مغرب میں جو پہاڑی علاقہ فتح ہو چکا ہے وہ مستقل طور سے کپورتھلہ کے حوالے کیا جائے۔

(۳۵۲)

”جنگ سے قبل زیریں علاقے میں جن مقامات کی بابت تنازعہ تھا وہ

سب کمپنی کے حوالے کئے جائیں نیز پھاڑ کے دامن میں جو علاقہ واقع ہے اس سے بھی دست برداری دی جائے۔
 ”جنگ سے قبل کمپنی کے حلیف راجہ شکم سے جو علاقہ لیا گیا تھا وہ بھی واپس کیا جائے۔“

ان شرائط میں ایک اضافہ یہ بھی کر دیا گیا کہ حکومت نیپال برطانوی رزیڈنٹ کو کاؤٹنڈ دیں رہنے کی اجازت دے گی۔ نیپالیوں کو اس سے ہمیشہ نفرت رہی تھی کیونکہ وہ اسے غلامی کی زنجیر کی پہلی کڑی سمجھتے تھے۔
 یہ شرائط اس قدر ناقابل منطوری سمجھے گئے کہ راجہ نیپال کے مذہبی مشیر (یا گرو) نے جو صلح کرنے کے لیے متعین کئے گئے تھے یہ کہہ کر تمام گفت و شنید بند کر دی کہ ترائی کا علاقہ حکومت کاؤٹنڈ کے وزراء اور امرا کی پرورش کا واحد ذریعہ ہے لہذا اس علاقے کی ایک چوہ زمین بھی نہیں دیجا سکتی البتہ جن اصلاح کی بابت جھگڑا ہے ان سے اب وہ دست بردار ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔

جب اس بات کا احساس ہوا کہ علاقہ ترائی کا مطالبہ ہی صلح میں حاصل ہے نیز حکومت نیپال کا اس امر پر اصرار کسی خاص غور پر مبنی نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کو وہاں جاگیریں دی گئیں ہیں ان کی مالی حالت کا خیال دامن گیر ہے تو گورنر جنرل نے اپنے اس مطالبے میں کسی قدر کمی کر دی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس کے عوض میں کمپنی سے دو تین لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا کوئی علاقہ لے لیا جائے یا جن لوگوں کی وہاں جاگیریں ہیں وہ یہ رقم بطور وظیفے کے قبول کر لیں۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی۔ جب کوئی اور تدبیر کارگر نہ ہوئی تو دوسرا مسودہ تیار کیا گیا اور اس میں ترائی کا صرف وہ علاقہ طلب کیا گیا جو دریائے گھاگر کی شاخ کاٹی اور گندک کے درمیان واقع ہے اس کے ساتھ بھی کمپنی نے ذاتی و انفرادی نقصانات کی تلافی کے لئے وظائف دینے پر آمادگی ظاہر کی لیکن نیپال کے وکیلوں نے جواب دیا کہ راجہ کی منظوری کے بغیر ہم اسے بھی تسلیم نہیں کر سکتے البتہ ہم اتنا وعدہ ضرور کر سکتے ہیں کہ پندرہ دن کے اندر اس کا جواب بھیج دیا جائے گا۔ اس کا کوئی جواب نہیں ملا لیکن یہ پتا چل گیا کہ ان تجاویز کی وجہ سے دربار نیپال میں ایک

طوفان برپا ہے۔

ذاتی نقصانات کی تلافی کے لئے وظایف کی جو شرط پیش کی گئی تھی اسکی بہت سخت مخالفت ہوئی اور یہ کسبل پیش کی گئی کہ اس طور سے راجہ کے اکثر وزراء اور امراء ایک بیرونی طاقت کے دستِ نگرین جائینگے۔ ایسٹنگھ نے جو خاص خوبصورت ناک آدمی تھا اور جسے نیپال کے فوجی سرداروں میں خاص اقدار حاصل تھا خاص طور سے اس بات پر بہت زور دیا۔

(۴۵۴) اس قدیم فوجی افسر نے ان تمام تنازعات میں جو حصہ لیا تھا وہ قابلِ توجہ ہے وہ شروع سے جنگ کے خلاف تھا اور جن باتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی تھی اور جن وجوہ سے یہ خطرات پیش آئے تھے ان سب کی اس نے مذمت کی تھی لیکن جب جنگ چھڑ گئی تو وہ اس کا نہایت زبردست مؤید بن گیا اور اس نے اس بات پر زور دیا کہ ملک کی پوری قوت اس میں صرف کی جائے اور آخر تک جان توڑ کوشش کی جائے جنگ کے ابتدائی مدارج ہی میں اسے ہدایت ملی تھی کہ معقول مراعات دے کر صلح کر لی جائے لیکن اس کا جو جواب اس نے دیا وہ اتفاق سے انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا وہ ایک نہایت اہم تحریر ہے۔ اس سے اس کے لکھنے والے کی ذاتی خوبیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بہادر اور غیرت مند قوم کے خیالات و جذبات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ علاوہ ازیں اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ لوگ اپنی حکومت کے انتہائی مطیع اور فرمانبردار ہوتے ہیں لیکن ان کی اطاعت ہمیشہ غلامی نہیں ہوتی جیسا کہ انگریز اپنی نادانقینیت کی وجہ سے ہر ایشیائی قوم کی بابت خیال کر لیتے

ہیں

ایسٹنگھ نے جس طرح ابتدا میں ان تمام ناواقبت اندیش حرکات کی مذمت کی تھی جن کی وجہ سے جنگ چھڑی تھی اسی طرح جنگ شروع ہونے کے بعد اسکے خطرات سے بچنے کے لئے دب کر برونی اور ذلت سے صلح کرنے کی تجویز کو بری نگاہ سے دیکھا مجوزہ مراعات کی بابت وہ اپنی اس تحریر میں لکھتا ہے کہ اگر شروع ہی میں آپ صلح پسند بن جاتے اور دیکھو کے فیصلے کے مطابق ہموال اور شیوراج واپس کر دیتے تو اس جنگ سے ہم بچ جاتے لیکن آپ اپنی حرص و طمع

پر غالب نہ آسکے اور ان مقامات پر قبضہ برقرار رکھنے کی خواہش پر قائم رہے۔ انگریزوں کے عہدہ داروں کو قتل کر کے آپ نے ایک طوفان برپا کر دیا اور محض جزیہ فروعات کے لئے جنگ ہول لی۔

(۳۵۵) اس خط کے دوسرے حصے میں وہ لکھتا ہے کہ اگر آپ نے اس وقت کچھ علاقہ دے کر سمجھوتہ کر لیا تو یاد رکھئے کہ چند ہی سال کے عرصے میں یہ غنیمتیں کی سلطنت کی طرح نیپال پر بھی اپنا قبضہ جمائے گا لہذا اب وقت صلح سمجھوتوں کا نہیں ہے۔ انگریزوں کے افسروں کے قتل سے قبل یہ تدابیر اختیار کی جویں اور اب جب تک کہ ہمیں کامل فتح حاصل نہ ہو جائے ان کا نام نہیں لینا چاہئے اس کے بعد میں انگریزوں کو اپنی شرائط پیش کروں گا اگر انھیں وہ مان گئے تو خیر ورنہ خدا کی مدد سے اور آپ کے اقبال سے اپنے دیس کی حرمت کھنکا (Khanka) سے لیکر ستلج تک قائم رکھوں گا۔ پس میرا آپ سے التجا کرتا ہوں کہ صلح کا قطعی نام نہ لیجئے۔ پچھلی مرتبہ جب چند لوگوں نے صلح اور تجارتی معاہدے کی تجاویز پیش کی تھیں تو میں نے اس وقت بھی انھیں منظور نہیں کیا تھا لہذا اب میں یہ بات کیسے گوارا کر سکتا ہوں کہ اپنا علاقہ دے کر اور دب کر صلح کروں اور ہمیشہ کے لئے اپنے راجہ کے نام پر بیٹ لگاؤں لیکن اگر آپ اسی پر تے ہوئے ہیں تو ہربانی فرما کر صلح کن کا تہہ ان صاحب کو عطا فرمائیے جنھوں نے کراں سمجھوتہ کو پیش کیا ہے اور مجھے اس ذلت سے محروم رکھئے۔

یہ خط جنگ کے ابتدائی زمانے میں لکھا گیا تھا اور یہ سب سنگھ اس وقت سرحد پر داخل ہونے کے خلاف کامیوں کے علاقے میں لڑ رہا تھا۔ میدان جنگ میں بھی اس نے اسی طرح ہمت و جرات دکھائی اور جب وطن کا جوش ظاہر کیا۔ لاؤں کا قلعہ خاص اس کی نگرانی میں تھا۔ اس کی تسخیر کے بعد وہ کائنات دینچا اور جہاں برابر اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ جنگ سختی سے جاری رکھی جائے اور دب کر اسی شرائط پر قبول نہ کیجائیں جن سے گورکھوں کی حکومت کی آزادی میں فسق آئے یا اس کی شہرت میں کمی واقع ہو۔

(۳۵۶) اس عرصے میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حکومت نیپال کی کافی ذلت ہو چکی ہے

اور ترائی کے علاقے پر قبضہ رکھنے سے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہے لہذا جن شرائط پر بھی قابل اطمینان معاہدہ ہو سکے اور عزت بچ سکے اسے کر لیا جائے اس خیال کی بنیاد پر گورنر جنرل نے اپنی سابقہ تجاویز میں بہت کچھ ترمیم کر دی اور صلح پسند روش اختیار کی۔ یہ پیغام صلح ابھی کاٹمنڈو پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ راجہ کا خاص وکیل یعنی اس کا گرو سابق مسودے پر بھی دستخط کر کے پہنچ گیا۔ اس اتفاق سے لارڈ میسنگر کو بہت خوشی ہوئی اور اپنے آپ کو بھار کبا دے کر کہا کہ میں نے اپنے مطالبات میں کمی کرنے کا جو ارادہ کیا تھا ان کی شکل اب ایک عطیہ کی ہوگی اور ہمارے مغلوب غنیمت پر ہماری اس فیاضی کا بہت اچھا اثر ہوگا۔ ابھی گفت و شنید جاری ہی تھی کہ جنگ کے حامی دربار نیپال میں غالب آ گئے۔ عبدالحمید کی توفیق ملتوی کر دی گئی اور جنگ کی تیاریاں مستعدی سے شروع ہو گئیں۔ ان واقعات کو دربار نیپال کی تلون نراجی اور بد دیانتی پر معمول کیا گیا اور یہ خیال ہوا کہ انگریزوں نے آخر میں جو کمزوری دکھائی اور گھبراہٹ کے مشرقی علاقے میں بڑھنے کی کوشش نہ کی اس سے گورنروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھیں کامیابی کی توقع ہو گئی۔

(۳۵۷) جن اصولوں پر برطانوی حکومت اس وقت فیصلہ کر رہی تھی ان پر یہ لوگ عمل نہیں کر سکتے تھے لہذا ان معاملات میں برطانیہ کا جو نقطہ نظر تھا اسے بھی وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان حالات میں گورنر جنرل نے جو صلح کی خواہش ظاہر کی اس سے لازمی طور پر انھیں یہ گمان ہوا کہ انگریز بھی اپنی کامیابی مشتبہ سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے اسی قسم کے خیالات تھے تو ان کا دھوکا بہت جلد دور ہو گیا ہوگا مگر اس پر جو کثیر التعداد فوج جمع کی گئی تھی وہ فوراً اختر ٹولی کی کمان میں دیدی گئی اور اس نے بلاتال ان کے پہاڑی علاقے پر دھاوا بول دیا۔ انگریزوں کو مسلسل ایک ماہ تک فتوح حاصل ہوتے رہے اور اس قلیل مدت ہی میں نیپالیوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ انگریزوں کے رحم و کرم کے خواستگار بن گئے۔ ان کے سفیر نے جن شرائط پر دستخط کئے تھے ان کی راجہ نے توفیق کر دی اس کے بعد اسے جتلا دیا گیا کہ انگریزی حکومت نے اپنی فیاضی سے ان میں ترمیم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اس آئنا میں آپ کا جو طرز عمل رہا ہے اس کی وجہ سے آپ اس احسان

کے سختی نہیں رہے۔

جب حکومت نیپال نے عہد نامے کی تمام شرائط کی تعمیل کر دی تو گورنر جنرل نے کاسٹنڈو میں ایک برطانوی ریڈینٹ کا تقرر کیا اور ازراہ عنایت اسے اس بات کا اختیار دے دیا کہ ترائی کے علاقے کے عوض میں کمپنی نے وہاں کے امراء اور وزراء کے نقصانات کی تلافی کے لئے وظائف دینے کا جو وعدہ کیا تھا ان سے وہ راجہ کے خواہش کے مطابق دست بردار ہو جائے اور ترائی کا پورا علاقہ جز ایک حصہ کے جو سلطنت اور دوسرے تخت تھا واپس کر دے۔

نواب وزیر اور دوسرے جنگ کے آغاز کے وقت کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ قرض دیا تھا لہذا اس رقم کے عوض میں مذکورہ بالا علاقہ مع کمپنی کے ایک ضلع کے جو اس کے قرب میں واقع تھا نواب کو دے دیا گیا۔

گورنر جنرل نے اپنی فیاضی سے حتی الوسع نیپالیوں کو منانے کی کوشش کی اور اس مغرور اور جنگجو قوم کو اس غیر مساوی مقابلے میں جو شکست ہو چکی تھی اور اس کی وجہ سے جو نقصانات اسے برداشت کرنے پڑے تھے ان سب پر بالآخر استصبر آ گیا۔

نیپال کے معاملے میں گورنر جنرل کی

حکمت عملی اور ہموپالی اور ساگر سے سامانہ

گورنر جنرل کے دور کا یہ پہلا کام تھا اور اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس فتح سے محض افغانی حلوں اور بے باکانہ جہارت ہی کا تذکرہ نہیں ہو بلکہ اس سے ایک ایسی بہادر

اور بلند حوصلہ قوم کی قوت کو ضعیف کر دیا گیا جس نے اپنی فتوحات کے ذریعہ سے اس زمانے میں تمام کپاڑی علاقے پر جو پنجاب کی شمالی سرحد تک پھیلا ہوا تھا قبضہ جمالیا تھا اور اپنے زبردست فوجی وسائل میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔ ہندوستانی فرماؤں کا خیال تھا کہ نیپال کے کپاڑی علاقے اس قدر محفوظ و محصور ہیں کہ انگریزوں کی قوت بھی ان پر غالب نہ آسکے گی لہذا اس فتح سے ہندوستان میں جو عام اثر پیدا ہوا اس سے بھی کمپنی کو بہت کچھ فائدہ ہوا

اس زمانے میں کمپنی نے بھوپال اور ساگر کی ریاستوں سے تعلقات قائم کرنے کی جو تجویز کی تھی اس پر سخت اعتراضات ہوئے اور یہ کہا گیا کہ ایسی حالت میں جبکہ ایک طرف جنگ جاری تھی اور بنگال کی ساری فوج وہاں مصروف تھی اور اکثر فرماؤ اور سردار جو اگرچہ کمپنی کے دوست نہیں تھے تاہم اس سے دلچسپی تھی اس وقت علانیہ مخالفت پر کمر بستہ تھے یہ تجویز خلاف مصلحت تھی۔ علاوہ ازیں سندھیا بہو لکر۔ امیر خاں اور دیگر تمام قزاقوں سے جنگ مول لئے بغیر اس تجویز کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ بھوپال اور ساگر کی حفاظت اپنے ذمہ لینا کو یا سندھیا سے فوری تصادم کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ دلیل پیش کی گئی کہ ہماری اس بے موقع گفت و شنید سے ان سب کو حسد پیدا ہو گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ^{۱۷۸۲} سالہ کے اواخر اور ^{۱۷۸۳} سالہ کے اوائل میں جب ہمیں نیپال کے خلاف شکست ہوئی تو ان سب نے برطانوی حکومت کے خلاف ایک زبردست جھٹکا قائم کر لیا جو ہر لحاظ سے ہمارے لئے نہایت خطرناک تھا۔

ان اعتراضات کا یہ جواب دیا گیا کہ ایسی صورت میں جب کہ راجہ ناگپو نے معاونتی معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا وسط ہند کے قزاقوں کے خلاف جن سے ہمیشہ جنگ کا کھٹکا لگا رہتا تھا خاطر خواہ کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے اپنے وسائل بڑھانے کا یہی ایک ذریعہ تھا اور مذکورہ بالا تجویز اس کے لئے بہترین تدبیر تھی۔ سندھیا اور دوسرے سرداروں کو ہم نچا دکھا چکے تھے۔ ان کے پاس پہلے ہی سے بہت سے محکات قوت موجود تھے۔ انھیں جو بھی موقع ملتا اس سے وہ اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کرتے۔ ہماری اس تجویز سے انھیں کتنا ہی غصہ کیوں نہ آئے ہم پاس کا کوئی خاص اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی جتلا دیا گیا کہ ہماری اس کارروائی سے مالوہ کے رئیسوں اور سرداروں کے دل میں جو امید قائم ہو گئی تھی کہ انھیں کمپنی کی حفاظت دوبارہ حاصل ہو جائے گی وہ ہر حالت میں مرہٹوں کی کمزور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے بہت کافی تھی۔ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے ہم جو اعتدال پسند تدبیر بھی اختیار کرتے وہ اس سے زیادہ موثر نہیں ہو سکتی تھی۔

(۲۵۹)

(۲۶۰)

حالات زمانہ کے لحاظ سے ان معاہدوں کی حکمت عملی کے متعلق جو کچھ بھی اختلاف رائے ہو لیکن اس موقع پر گورنر جنرل نے اپنی اور اپنے حلیفوں کی سرحدوں کو تمام اقدامی حلوں سے محفوظ رکھنے اور ان تمام عہد ناموں کی تکمیل کرانے کیلئے جو مذکورہ بالا گفت و شنید سے عمل میں آئے تھے جو زبردست فوجی کارروائی کی اس کی دانشمندی میں کوئی شخص شبہ نہیں کر سکتا۔

نیپال کے خلاف جنگ میں جو فتح
رہیں ہاتھرس کی سرکوبی | حاصل ہوئی اس سے برطانوی فوجوں کی شہرت
دبلا ہو گئی۔ ایک سال بعد ہی کمپنی کے سرکش

باجلڈار رئیس ہاتھرس کی شکست سے اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس سردار کو اپنے مضبوط قلعے پر بڑا ناز تھا اور اس زمانے میں اطاعت سے انحراف کر کے اس نے سرکشی پر کمر باندھ ہی تھی لہذا اسے ایسی سخت سزا دینے کی ضرورت ہوئی جس سے دوسرے عبرت حاصل کر سکیں۔ کانپور کی چھاؤنی قریب تھی وہاں سے ایک توپخانہ برآسانی روانہ کر دیا گیا۔ ہندوستان میں اب تک جو توپیں استعمال ہوئی تھیں ان سے کمپنی کی توپیں اگر زیادہ طاقتور نہیں تو کم از کم ان کے ہم پل ضرور تھیں۔ ان سے گولہ باری شروع کی گئی اور چند گھنٹے کے اندر ہی اس معرکہ قلعے کی دیوار شق ہو گئی۔ وہاں کے بارود خانے میں آگ لگی اور اس سے قلعہ بالکل مسمار ہو گیا۔ اس کے اندر رہتی عمارتیں تھیں ان میں سے ایک کا بھی نشان باقی نہیں رہا۔

یہ فتح کمپنی کو بغیر کسی نقصان کے حاصل ہوئی اور اس کا نہایت اچھا اثر
ہوا شمالی ہند کی رعایا اور ہاتھرس والے جیسے سرداروں کا لحاظ کرتے ہوئے
اس کی سخت ضرورت بھی تھی۔

کمپنی کے ان فتوح کے بعد پنڈاریوں کی تعداد
میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ دلیر ہو گئے
نیپال کی صلح اور ہاتھرس کی تسخیر کے بعد ہی ان کے
ایک زبردست جتھے نے مدراس کے ایک علاقے پر

پنڈاریوں کی
زیادتیاں

دھاوا کیا اور اسیے تاراج کڑ والا۔ اسی سال دکن پر بھی انھوں نے ہاتھ صاف کیا اور دو سرے سال پھر ادھر کا رخ کیا۔ ان کے حملے اس قدر سخت ہوئے کہ کمپنی اور حیدر آباد کی متحدہ فوجیں بھی مذکورہ بالا علاقے کو انکی سفائیوں سے نہ بچا سکیں۔ گورنر جنرل کو یقین تھا کہ ان کی متواتر زیادتیاں اور اسکی مسلسل عرصہداشتوں کے بعد حکام بالا اس ناقابل برداشت مصیبت کی طرف بہت جلد اپنی توجہ مبذول کریں گے لہذا اس نے سروسٹ صوف و فاعی تدابیر اختیار کئے کہ ساتھ ہی ساتھ اس اٹل مقابلے کے لئے اپنی تیاریاں بھی جاری رکھیں جو عنقریب مونیوالا تھا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ۱۸۱۸ء میں

جے پور سے دوبارہ | جس اصول پر ریاست جے پور سے تعلقات منقطع
اتحاد قائم کرنیکا خیال | کئے گئے تھے اس کے مبنی بہ دانشمندی ہونے میں حکام
بالا کو شبہ تھا بعد کے واقعات سے وہ خلاف مصلحت

(۲۶۳) ثابت بھی ہو گیا اور ۱۸۱۸ء کے آخر میں اس بارے میں احکام بھی وصول ہو گئے کہ اگر موقع ملے تو ریاست جے پور کو دوبارہ کمپنی کی حفاظت میں لے لیا جائے۔ اسی زمانے میں نیپال سے جنگ جاری تھی لہذا ان پر عمل نہ ہو سکا اور حکومت ہند نے حکام بالا کو اپنی رائے سے مطلع کر دیا کہ متحدہ وجہ کی بناء پر مذکورہ بالا اتحاد کو سروسٹ ملتوی رکھا جائے۔ پٹارپوں کے خلاف جو انتظامات زیر غور ہیں انہی کے سلسلے میں اسکی تکمیل بھی ہو جائے گی۔ نیپال سے صلح ہو جانے کے بعد نیپال کے حملے کی وجہ سے ریاست جے پور کی دارالحکومت کی حالت اسقدر خد و خش ہو گئی کہ گورنر جنرل نے باوجود اپنی سابقہ رائے کے راجہ سے دوبارہ تعلقات قائم کرنے کی تجویز پیش کر دی۔ برطانوی حکومت نے جب سے راجہ جے پور کو اپنی حفاظت و اعانت سے محروم کیا تھا اسوقت سے وہ برابر اسکی خوشامد کر رہا تھا لیکن جب گورنر جنرل نے خود اس کی تحریک کی تو راجہ مذکور نے سروسٹ جی ہدیس پتہ جلا کہ اس معاملے کو ارادتا التوا میں ڈالا کیسا تھا تا کہ امیر خاں اس بات کو محسوس کر کے کہ راجہ حبیب چاہے گا کمپنی کی مدد حاصل کر لے گا اپنے ارادوں سے باز آ جائے۔ گورنر جنرل کو ان باتوں سے سخت کوفت ہوئی۔ علاوہ انہیں

اس وقت کوئی خاص خطرہ بھی نظر نہ آیا لہذا اسخوابی سابق رائے کے مطابق وسیع پیمانے پر تیاریاں جاری رکھیں اور اس معاملے کوئی الحاح ملتوی کر دیا۔

رگھو جی بھونسلہ (والی ناگپور) نے ۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء میں انتقال کیا۔ برطانوی حکومت کو اس ریاست سے معاونتی معاہدہ کرنے کی جو دھن لگی ہوئی تھی اس کے لئے لارڈ ہیسٹنگز کو اب موقع مل گیا۔ پرسی رام بھونسلہ راجہ مذکور کا اکلوتا بیٹا

ناگپور کے حالات

اور
کمپنی سے معاونتی معاہدہ (۲۶۳)

تھا اگرچہ عام خیال یہ تھا کہ اس کی جسمانی و دماغی حالت ایسی نہیں کہ وہ حکومت کے فرائض انجام دے سکے تاہم اسے گدی نشین کرا دیا گیا۔ جب تک کہ وہ عوام کے سامنے نہ آیا اس کی نااہلی کا پورے طور سے اندازہ نہ ہو سکا۔ اس کی منض صحت ہی خراب دھیمی بلکہ جسم بھی خراب تھا۔ دماغی کمزوری کی وجہ سے دماغ کی حالت بھی صحیح نہیں تھی۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ وہ صرف برائے نام ہی فرماؤا ہو سکتا تھا لہذا حکومت کے حقیقی اختیارات کے لئے ایک بلند حوصلہ سردار دھراجی اور اپا صاحب میں مقابلہ شروع ہوا۔ آخر الذکر سابق راجہ کا بھتیجا تھا اور پرسی رام کے بعد گدی کا دعویٰ اتر بھجھا جاتا تھا اور سازشوں کا بازار گرم ہو گیا۔ دھراجی غالب آیا اور عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ محروم کر دیا گیا اور اپا صاحب کے ہاتھ میں مقید ہو گیا۔ یہ سب کام پرسی رام کی مرضی سے ہوا تھا اور اس نے علانیہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ اس کے رشتہ دار کو نائب السلطنت ہونا چاہئے اور حکومت کا تمام کام اسی کے ہاتھ میں رہے۔

برطانوی رزیڈنٹ کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے کام کرے لیکن اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ پرسی رام دراصل حکومت کا کام انجام دینے کے قابل نہیں اور اپا صاحب اسکے بعد گدی کا وارث ہے تو آخر الذکر کو نائب السلطنت بننے میں کمپنی کی مدد دی جائے۔ برطانوی رزیڈنٹ کو ان دونوں باتوں کی بابت کامل یقین ہو گیا۔ پرسی رام کی دماغی و جسمانی حالت سب کو معلوم تھی اور سابق راجہ کا بھتیجا اس کا تنہا قریبی رشتہ دار تھا لیکن

ہندو شاستر کے مطابق لڑکی کی اولاد گدی کی وارث نہیں ہو سکتی تھی لہذا یہ لڑکا آپا صاحب کے مقابلے پر صرف ایک صورت میں گدی کا دعویٰ داریں سکتا تھا۔ جبکہ پرسی رام اسے علانیہ طور پر گود لے لے۔

(۴۴)

ان حالات میں جب آپا صاحب نے معاہدے کی تحریک کی تو ریزیدنٹ فوراً اس کی طرف رجوع ہو گیا معاہدے کی شرائط ملے ہوئیں اور کمین کی حفاظت کے لئے جو اتحاد قائم تھا اس میں حضور نظام دکن پیشوا اور انگریزوں کی طرح راجہ ناگپور بھی شریک ہو گیا۔ انگریزوں نے اسے اپنی فوج کے چھ ہتالیں اور سپواروں کا ایک رسالہ دینے کا وعدہ کیا اور راجہ نے اس فوجی خدمت کے حقیقی مصارف جو اٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتے تھے ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔

اس عہد نامے کی گفت و شنید اس قدر راز میں ہوئی تھی کہ آپا صاحب کے چند مقرب مشیروں کے علاوہ دوسرے درباریوں کو پہلی مرتبہ اس کا علم اس وقت ہوا جبکہ انگریزی فوجیں ناگپور میں داخل ہوئیں سابق راجہ کا وزیر خاص ناسبایہ سنکرا پے سے باہر ہو گیا اور محل کی عورتیں مدح پرسی رام کی رانی کے سخت ناراض ہوئیں لیکن یہ سب کمپنی کے اتحاد کے خلاف نہیں تھے بلکہ انھیں آپا صاحب کی اس حرکت پر رشک تھا۔ ان سب نے مل کر اپنے اثر سے اسے برسر حکومت کرایا تھا اور اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ حکومت کا کوئی اہم کام ان کی اطلاع یا مرضی کے بغیر انجام نہیں پائے گا۔ ان سب نے اس موقع پر اس قدر سخت مخالفت طرز عمل اختیار کیا کہ راجہ کو اپنی جان کے لئے پڑ گئے اور وہ ڈر کے مارے اپنا محل چھوڑ کر برطانوی چھاؤنی کے قریب ایک گاؤں میں پناہ گزیں ہو گیا۔

(۴۵)

۵۔ گورنر جنرل نے یہ خواہش کی کہ سالانہ رسم کی ادائیگی کے عوض میں ریاست کا کوئی علاقہ فوج کے مصارف کے لئے مخصوص کر دیا جائے لہذا اسکے طے کرتے وقت معاہدے کے نام میں جو پہلے ہی بہت قلیل تھی مزید نصف لاکھ کی کمی کر دی گئی۔

۶۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ۱۸۶۱ء کو جو رسالہ مجلس نظام کو روانہ کیا تھا اس میں اس گفت و شنید کے حالات و واقعات تفصیل سے درج ہیں۔

اس زمانے میں ہندوستان کی جو حالت تھی اس کا لحاظ کرتے ہوئے ناگیور کے اس معاہدے سے بڑھکر کمپنی کے لئے کوئی خوش قسمتی کی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ مرہٹوں کے اتحاد اور ان کی قوت کو اس سے سخت مدد پہنچا۔ اگرچہ اس سے محض مرہٹوں ہی کو خشن نہیں ہوا بلکہ امیر خاں اور پٹناروں کے دوسرے سردار بھی اس سے متاثر ہوئے اور مختلف قسم کے خطرات کا اندیشہ ہو گیا تاہم ان سب سرداروں کے خلاف دفاعی و قدامی تدابیر اختیار کرنے اور فوجی کارروائی شروع کرنے میں جو سہولتیں حاصل ہو گئیں ان کی بدولت ان سب کی ناراضگی کے مضر اثرات پر بھی غالب آیا جاسکتا تھا۔

لارڈ ہیسٹنگز کے ابتدائی دور کے

دربار پونہ کے حالات تین سال میں دربار پونہ میں جو واقعات پیش آئے وہ قابلِ غور ہیں کیونکہ ان واقعات ہی کی وجہ سے بعد میں ایسے معاملات پیش آئے جن سے پیشوا کے خاندان اور مرہٹوں کے جتنے کا جس کا

پیشوا باجی راؤ کا طرز عمل

پیشوا ہرنا سردار سمجھا جاتا تھا خاتمہ ہو گیا۔

اس بات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ لارڈ ویلنگٹن کی فزاقی و تاراجی کے رواج کو مرہٹوں کی طاقت کے ساتھ وابستہ سمجھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اگر یہی بھنگ رہا تو محض برطانوی حکومت اور اس کے حلیفوں کے مقبوضات کی خوشحالی اور رقی میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی بلکہ ان کا وجود بھی معرضِ خطر میں آجائیگا۔ ان فزاقوں کے جتنے کی قوت کو توڑنے اور ان کی حکومت کے اصول کو تبدیل کرنے کی غرض سے اس نے عہد نامہ بین ملے کیا تھا اور معاہدہ کرتے وقت اس نے اس کے ہر پہلو پر غور کر لیا تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ مرہٹوں کی دوسری سلطنتوں کو اس سے کتنی حسد ہوگا اور خود پیشوا باجی راؤ کا آئندہ کیا طرز عمل رہے گا۔

یہ ممتاز شخص لکھتا ہے کہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پیشوانے برطانوی حکومت سے جو دفاعی معاہدہ کیا ہے وہ اس جمہوری کے احساس سے کیا ہے کہ اسے اپنے جائز اختیارات کو دوبارہ حاصل کرنے اور اپنی سلطنت میں اس

برقرار رکھنے کا بجز اس کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا جب حالات اس کے موافق ہو جائیں گے تو سرہنوں کی دوسری سلطنتوں کے خیالات و جذبات کا اس پر بھی اثر ہو گا اور وہ برطانوی حکومت سے تعلقات منقطع کر کے خوش و خوش کرے گا۔“
 باوجود ان خیالات اور اندیشوں کے دس سال تک کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے دونوں ریاستوں کے خوش گوار تعلقات میں فرق آ سکے۔ باجی راول نے بیرونی خطرات سے نجات پانے کے بعد اپنے مقبوضات کی حالت سنبھالنے اور اپنے وسائل بڑھانے کی طرف توجہ کی۔ اس نے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی (جیسا کہ ہر فرمانروا کو ان حالات میں کرنا چاہئے تھا) کہ حکومت کو تہ کی کمزوری کے زمانے میں جو باجگذار جاگیر دار اس کے احکام کے خلاف درزی کیا کرتے تھے اور اکثر موقعوں پر اس کی توہین بھی کر چکے تھے ان کی فوجی قوت اور ان کے وسائل کو کم کیا جائے۔ برطانوی حکومت پیشوا کا اقتدار قائم کرنے کے لئے کئی مرتبہ اسے مدد دے چکی تھی لیکن سن ۱۸۰۷ء کی لڑائی میں جنوبی جاگیرداروں نے کمپنی کا جو ساتھ دیا تھا اس کی وجہ سے ان کے معاملے میں اسے بد حیثیت ثابت کے کام کرنا پڑا۔ پیشوا اس سے مطمئن نہ ہوا۔ کولاپور اور سادنت داری کے علاقوں سے اسے دست بردار ہونا پڑا۔ اگرچہ ان پر اس کے سب دعوے بے بنیاد تھے تاہم بہت زیادہ مشتعل ہو گیا اور اس سے اتحاد قائم ہونے کے بعد پہلے روز سے جس بات کا اندیشہ تھا وہ ظہور میں آگئی اور اس نے دوسرے سرہنہ فرمانرواؤں اور سرداروں سے جوہارے نام اس کے ماتحت سمجھتے تھے اور جواب بھی تمام رسم و رواج اور ظاہریاتوں میں اسے اپنی قوم کا رہنما مانتے تھے رازیں مہرست

۱۵۔ یہ سمجھوتہ سن ۱۸۱۸ء میں کرایا گیا تھا۔

۱۶۔ یہ ریاستیں بحری مسداتی کی مادی ہو گئی تھیں کمپنی کی تھلہ سے کہ ان کی دسمس درازوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے لارڈ مینٹون نے سن ۱۸۱۶ء میں انھیں ایک عہد نامہ کرنے پر مجبور کیا اور اس کی رو سے ان کے چند بند لگا دیے گئے۔ اس طرح ان چند رگاؤں پر قبضہ کرنے کے بعد ان کے جہازوں کو روکا جاسکتا تھا اور ایک صدی سے جو تراتی جاری تھی وہیں کا سدا بہرہ لیا۔

شروع کر دی عہد نامے کی وجہ سے اس قسم کی مراسلت ناجائز تھی لیکن ایسی باتوں کو پوشیدہ رکھنے میں سر بیٹے خاص طور پر مشاق ہیں لہذا اس قدر جالاکے سے کام کیا جاتا تھا کہ ان کی گرفت کرنا دشوار تھا۔ جب تک کہ کسی خاص خطرے کا اندیشہ نہ ہو کمپنی اسے برداشت کرتی رہی اور یہ خیال رہا کہ مرہٹوں کی اس قسم کی عادت ہی ہے اور پیشوا کا مقصد محض اپنی ذاتی اہمیت برقرار رکھنا ہے نہ کہ برطانوی قوت اور اس کے اقتدار کے خلاف کوئی خاص سازش کرنا۔

(۳۶۸)

اس زمانے میں یہ خیال ہو گیا کہ باجی راؤ سنہ ۱۷۷۷ء میں اپنی سلطنت پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد سے برابر برطانوی حکومت کا خاتمہ کرنے یا کم از کم اپنے آپ کو اس کے اثر سے آزاد کرانے کے لئے برابر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس بات میں قطعی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فطرتی طور پر ان باتوں کی طرف مائل تھا لیکن اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جو کوشش وہ کر رہا تھا اسے نمایاں طور پر عمل میں لانے کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ اس کے بدطینت مشیروں کو اس کے دربار میں غلبہ ہو اور حالات زمانہ ان کے موافق ہوں۔ باجی راؤ کے عادات و خصائل کے متعلق جو ہیں تجربہ حاصل ہے اس سے تو کم از کم یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ سازش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا لیکن زبردستی کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔ اسکے حوصلے ہمیشہ بلند رہتے تھے لیکن اس کی کمزوری کی وجہ سے وہ بے دلبے کے دلبے رہتے تھے۔ ان دو متضاد باتوں کی وجہ سے اس کا دماغ بے چین اور وہ خود پریشان رہتا تھا اور کم ظرف مقررین اس پر حاوی ہو جاتے تھے بالآخر وہ ایک نہایت اوباش بدطینت اور بدکردار شخص کے جال میں پھنس گیا۔ شخص بدقسمت پیشوا کو خوب سمجھ گیا تھا لہذا رفتہ رفتہ وہ اس پر پورے طور سے حاوی ہو گیا اور جو مہم سازش و غداری کے راستوں سے نکال کر اسے میدان جنگ تک پہنچایا جہاں آخر کار اس کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔

ترجمہ جی ڈی گلیا اہستہ میں پیشوا کا ایک ادنیٰ ملازم تھا بحال میں عیش و عشرت کے جو جلے ہوتے تھے رجن سے پیشوا کے نام پر لٹ بھی لگ رہا تھا، ان میں دوسروں کے مقابلے میں شخص پیشوا کی نفسانی خواہشات کے

(۳۶۹)

سامان بہت آسانی اور خوشی سے فراہم کرتا رہتا تھا اس طور سے اس نے پیشوا کی خوشنودی حاصل کی اور سلسلہ میں وہ وزارت کے رتبے پر پہنچ گیا لیکن اس کی ترقی کی یہ انتہا نہ تھی۔ اس معاملے میں وہ اس قدر تیز رفتار رہا کہ چند ماہ کے اندر ہی سب پر غالب آگیا اور حکومت میں اس کا کوئی حریف باقی نہ رہا۔ اسی سال کے آخر میں ایک جدید فوج تیار ہوئی تھی اس کی کمان بھی اسے لی گئی۔ اس طرح جو غیر معمولی اثر اسے حاصل ہو گیا تھا اسے مستحکم بنانے کے لئے وہ برطانوی ریڈنٹ سے مراسلت کرنے کے لئے ریاست کا وکیل مقرر ہو گیا۔ جس دن سب سے پہلے اس نے یہ کام اس بے باک اور بدظن شخص کے تفویض کیا برطانوی ریڈنٹ نے اسی روز سے معاملات کی نوعیت اور طرز تحریر میں بین فرقہ محسوس کیا اکثر مراسلوں کی زبان بھی سخت اور گستاخانہ ہوتی تھی اور ہر بات سے اس کے بلند حوصلوں کا بدیہی طور پر اندازہ ہوتا تھا لہذا بہت جلد اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ دونوں سلطنتوں کے اتحاد و تعلقات کا نیندہ کیا خسر ہو گیا ہے۔

انگریزی حکومت نے سلسلہ میں اندراؤ
بڑودہ سے تعلقات | گیکوآر والی بڑودہ سے معاہدہ کیا تھا۔

یہ سردار بھی دوسرے سرہندہ سرداروں کی طرح پیشوا کا برائے نام ماتحت رہا تھا لیکن اس سے جو معاہدہ کیا گیا اس ایک دفعہ کی رو سے اسے پیشوا کے اثر سے آزاد تسلیم کر لیا گیا لہذا اس کے مطابق کمپنی نے اس بات کی ذمہ داری لی کہ ان دونوں کے درمیان جو تنازعات اور تصفیہ طلب امور ہوں گے انہیں وہ طے کرادیگی عہد نامہ میں اس معاہدے کی توثیق ہو گئی اور جو وعدہ کمپنی نے اندراؤ گیکوآر سے کیا تھا وہی پیشوا سے کر لیا بارہ سال تک کوئی تنازعہ کمپنی کے فیصلے کے لئے پیش نہیں کیا گیا۔ سلطنت آصفیہ اور پیشوا کے معاملات میں بھی جب کبھی کمپنی نے بہ حیثیت ثالث کے اپنے خدمات پیش کئے تو پیشوا نے انکار کر دیا۔ یہی طرز اس نے بڑودہ کے معاملات میں بھی اختیار کیا لیکن جہاں تک کہ دربار بڑودہ کے معاملات کا تعلق تھا چند واقعات ایسے ہیں آگئے جن کی وجہ سے اس طرز عمل میں تبدیلی ضروری ہو گئی۔ گیکوآر نے احمد آباد کا نصف صوبہ دس سال کی مدت کے لئے

پیشوا سے پٹے پر لیا تھا۔ جب یہ مدت ختم ہوئی تو اس علاقے میں امن برقرار رکھنے کی غرض سے انگریزی حکومت اور دربار برودہ دونوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی توسیع کی جائے۔ پٹے کی تجدید کے لئے متعدد شرائط پیش کی گئیں اور ہر قسم کا اثر ڈالا گیا لیکن سب بے سود مذکورہ بالا علاقہ واپس لے لیا گیا اور ترمک جی کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے اپنا جو نائب وہاں کے انتظامات کے لئے بھیجا اس نے وہاں نیچیکر سازشیں شروع کر دیں جن کا فوری اثر یہ ہوا کہ باجی راؤ اور اس کے وزیر نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ دربار برودہ سے بغلوت ممکنہ معاملہ کر دیا جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ جب تک گیکوڑ کا وزیر گنگا دھر شاستری پونہ نہ آئے گا کوئی خاطر خواہ تصفیہ نہ ہو سکے گا۔ اس میں کوئی اعتراض کسی کو نہیں ہو سکتا تھا البتہ خود گنگا دھر اسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن برطانوی حکومت کے اصرار سے وہ راضی ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ دربار پونہ کو بھی اس سے نفرت ہے لہذا کمپنی نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

(۴۶۱)

پیشوا کے مطالبات بہت زیادہ تھے اور ہر حالت میں ان کا تصفیہ سخت دشوار معلوم ہوتا تھا لیکن بہت جلد اس بات کا احساس ہو گیا کہ دقتیں برابر بڑھ رہی ہیں اور اب جو مقاصد پیشوا کے پیش نظر ہیں ان میں رسمی معاملات کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ گنگا دھر شاستری طبعی طور پر انگریزی حکومت کا حامی تھا لہذا اس کی وجہ سے برودے کے دربار میں انگریزوں کے خلاف کسی قسم کی سازش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اب یہ ترکیب نکالی گئی کہ یا تو شاستری کو پیشوا کا ہم خیال بنا لیا جائے یا اسے معزول کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلی بات جو ظہور میں آئی وہ یہ تھی کہ گیکوڑ کے سابق وزیر سیتارام کی طرف سے دو وکیل پونہ پہنچے اور ان کا نہایت معقول طریقے پر استقبال کیا گیا۔ ان کے اس طرح یک بہ یک پہنچنے سے شبہہ ہوا کہ سیتارام کو انگریزی حکومت نے اپنے اثر سے علیحدہ کر لیا تھا اور کئی سال سے وہ دوبارہ برسر حکومت آنے کیلئے سازشیں کر رہا تھا۔ پونہ اور برودہ سے کمپنی نے جو معاہدہ کیا تھا اسکی

ایک خاص شرط یہ بھی تھی کہ یہ دونوں ریاستیں آپس میں کسی قسم کی راستہ، سراسر نہیں کریں گی لہذا برطانوی ریزیدنٹ نے اس تمام کارروائی پر اعتراض کیا اور اسے خلاف معاہدہ بتایا لیکن دربار نے اس کو سبک دیا اور اسے معاہدہ ساقی اس نے اس موقع پر بھی گستاخانہ طرز اختیار کیا اور جواب میں کہہ دیا کہ لیکو آٹریشیو کا ماتحت ہے کسی دوسری طاقت سے معاہدہ کر لینے سے اس کی باجگزارانہ حیثیت میں فرق نہیں آسکتا۔ اس مفروضے کی نہایت سختی سے تردید کی گئی اور شیو کو مطلع کر دیا گیا کہ اسے لیکو آٹریشیو کی حکومت میں مداخلت کرنے کا قطعی حق حاصل نہیں ہے لہذا جب تک کہ وہ اس بات کو بانٹا لپٹا تسلیم نہیں کرے گا کہ اپنی ان دونوں ریاستوں کے معاملات میں ثالث نہیں بنے گی علاوہ ازیں سستار نام کے ایک ملک کو جس پر وہ کے دشمن ہیں لہذا یا تو ان دونوں کو اپنی کے حوالے کیا جائے یا ان سے قطعاً ملحق کیا جائے۔ ان مطالبات کے ساتھ ریزیدنٹ نے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر ان کی تعمیل نہیں کی گئی تو گنگا دھرشا ستری کو فوراً برآمدہ اسپیس کر دیا جائے گا۔

اس کارروائی سے باہمی راہ اور اس کے وزیر دونوں بہت کھوٹے اور گنگا دھرشا ستری کے ساتھ انھوں نے اپنا جرم عمل بالکل بدل دیا اور اسے ایسا لایا کہ اس نے ان کو ریزیدنٹ کی سنت کی کہ اسے سرحد قیام کی اجازت دی جائے کیونکہ قریبہ اس بات کا ہے کہ تمام معاملات برطانوی ملک - سبت کی مداخلت کے بغیر خاطر خواہ طریقے پر طے ہو جائیں۔ یہ درخواست منثور کر لی گئی گنگا دھرشا ستری نے یہ تجویز پیش کی کہ پیشوا اپنے جملہ مطالبات کے عوض میں سات لاکھ سالانہ آمدنی کو علاقہ قبول کر لے۔ پیشوا نے اسے منظور کر لیا اور اس طور سے خاطر خواہ سمجھوتہ ہو گیا اور یہ بات قریب قریب طے پا گئی۔ لیکو آٹریشیو کے بہت زیادہ مطالبات تھے لہذا اس کے لئے اس سے بہتر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ اپنی ریاست کا علاقہ دینے پر راضی نہ ہوا اور اس بنا پر یہ تجویز مردود کر دی۔

جب تک اس معاملے میں گفت و شنید جاری رہی گنگا دھرشا ستری کی (۱۶۴۳)

بہت آؤ بھگت رہی۔ بہرنگہ خود باجی راؤ نے اس کے ساتھ خنہ و صحبت کا ہتھوڑا کیا۔ ترہنگ جی اس کا لہرا دوست بن گیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ پوتہ میں اسے کسی اعلیٰ عہدے پر ممتاز کرنے کی بھی تجویز کی گئی۔ اس جدید اعلان و اتحاد کو مستحکم بنانے کے لئے پیشوا کی سالی کی اس کے پیٹے سے نسبت بھی کی گئی۔ یہ تمام کارکردہائی اس حد تک پہنچی کہ باجی راؤ اس رشتے کی تکمیل کی غرض سے اپنے تمام متعلقین کو لیکھوار کے وزیر کے ہمراہ لیکھ تیرتھ کے لئے ناسک پہنچا اور برطانوی رزیدنٹ بھی ان کے ساتھ گیا۔

اسی عرصہ میں گنگا دھر شاستری کو اطلاع ملی کہ اس کے راجہ نے اس کی پیش کردہ مقبول اور اعتدال پسند تجویز کو مسترد کر دیا ہے اور وہ مجوزہ علاقہ دینے کے لئے راضی نہیں ہے لیکن اس نے اس کی اطلاع پیشوا کو نہیں کی بلکہ خود مال سٹول شروع کر دی اپنے بیٹے کی شادی کو بھی اس نے ٹالی دیا اور سمجھ نہ کچھ بہانہ کر دیا۔ اس کا نشانہ یہ تھا کہ جو کام اس کے تفویض کیا گیا ہے اگر وہ خاطر خواہ طریقے پر طے نہ پائے تو مجوزہ شادی بھی نہ ہو لیکن حقیقت بہت جلد کھل گئی ظاہر ہے کہ پیشوا کی اس میں سخت توہین ہوئی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ گنگا دھر نے اپنے خاندان کی ستورات کو باجی راؤ کی رانی سے ملنے کی اس بنا پر اجازت نہیں دی کہ محل کی حالت اس قابل نہیں کہ شریف عورتیں وہاں جا سکیں۔

اس طرح جو سازش تھی اس میں ناکامی ہوئی۔ دوستی کا جو دم بھرا جا رہا تھا وہ بھی ختم ہو گئی۔ خاندانی رشتے کی جو توجہ تھی اس میں بھی ذلت ہوئی اور سرحد رکن اپنے سے ایک کم رتبہ والے شخص نے ذاتی خصائل و اطوار پر بھی علانیہ طور پر حملہ کیا۔ یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ کوئی فرمانروا بھی انہیں آسانی سے درگزر نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ ظاہر داری برابر برتی جا رہی تھی پیشوا کے دل میں ان ذلتوں کا کیا کھدکا رہا تھا۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ سروست ترہنگ جی نے یہ کہہ کر کسی کردی تھی کہ کسی مناسب موقع پر ان سب باتوں کا پورا پورا بدلہ لے لیا جائے گا۔ درحقیقت ترہنگ جی پر بھی بہت اثر تھا اور اسے اس بات کی ندامت تھی کہ مجوزہ رشتے کے ٹوٹ جانے سے اس کے آقا کی جو ذلت

(۲۴۳)

ہوئی ہے اس کا وہ خود سبب بنا ہے۔ یہی سب خیالات اور جذبات گنگا دھرتی شاستری کے قتل کے موجب ہوئے۔ ان سب باتوں کے ایک ماہ بعد ہی یہ واقعہ بندر پور کے مقدس شہر میں پیش آیا۔ شاستری کو خود باجی راؤ اصرار کر کے اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے دوسرے دن ترمبک جی نے اصرار کیا کہ وہ پکوڈا پر چل کر پوجا کرے اس دعوت کو شاستری نے دو مرتبہ مسترد کیا لیکن جب تیسری مرتبہ اصرار ہوا تو وہ اسے ہمراہ ہو لیا۔ جب پوجا ختم ہو گئی تو ترمبک جی شاستری کو مندر میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ وہ چند قدم ہی گیا ہو گا کہ چند قاتلوں نے ایک کرناٹری پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر کے بھاگ گئے۔ اس دردناک واقعہ کے متعلق کوئی تحقیقات ہمیں کی گئی ہے اور ترمبک جی کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی اور ایک مجرم اپنے جرم کے احساس اور (۴۷۵) خوف سے جو تدبیریں بہ نظر احتیاط اختیار کر سکتا ہے وہ سب پہلے سے کر لی گئیں تھیں۔

مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ دیگر ذرائع سے بھی ترمبک جی کا جسم ثابت ہو گیا۔ اس ثبوت کی بابت رزیدنٹ کی رائے ہے کہ وہ ناقابل تردید ہے لیکن باجی راؤ پر نہ کسی دھمکی کا اثر ہوا اور نہ کسی صداے احتجاج کا نہ اس نے ترمبک جی کو گرفتار کیا اور نہ سینا رام کے دکیوں کو جن کا اس میں لگاؤ تھا بہر حال کمپنی کے لئے اس وقت صرف ایک ہی راستہ ہو سکتا تھا کیونکہ گنگا دھرتی پوتہ کی سازشوں کے جال میں پھنسنے کے بعد خواہ کچھ ہی تصور کیا ہو برطانوی حکومت اس کی حفاظت قطعی طور پر اپنے ذمہ لے چکی تھی لہذا اپنی عزت بچانے کے لئے اسے سختی سے کام لینے کی اور فیصلہ کن تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت تھی ایسا ہی کیا گیا برطانوی فوج باجی راؤ کے دار الحکومت پر پہنچ گئی اور اسے مجبوراً بدلی ناخواستہ اپنے وزیر کو مقید کرنا پڑا اور جب اسے اس بات کا اطمینان دلادیا گیا کہ اس کے بعد قتل کے

۵۔ یہ مقام بجا پور کے علاقے میں پوتہ سے چھپاسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ محض یہ شہر ہی مقدس و متبرک نہیں ہے بلکہ اس کے گرد و نواح کے علاقے کو بھی یہی شرف حاصل ہے۔

سلسلے میں کوئی اور کارروائی نہیں کی جائے گی تو اس نے اسے کینی کے حوالے بھی کر دیا۔ اصل واقعہ یہ تھا اور ہر طرح یہ بات ثابت بھی کہ اس موقع پر ترمبک جی نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ پیشوا کے علم میں تھا اور وہ اس کی منظوری دے چکا تھا لیکن اس بنیاد پر مزید کارروائی کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا لہذا باجی راؤ کو اس کے کم ظرف رفیق سے جد کرنے ہی پر اکٹفا کیا گیا جس طریقے سے باجی راؤ کو جوہر کیا گیا اور انیما مطلب حاصل ہوا اس سے برطانیہ کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی سرمنٹوں کی سلطنت کے پیشوا کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اسے دیگر حالات میں ظلم پر معمول کیا جاسکتا تھا لیکن اس وقت اسے تلطف آمیز سمجھا گیا کیونکہ ہر ایک کو اس بات کا یقین تھا کہ مندرجہ جیسے مقدس مقام پر برہمن جیسی پاک ذات کے ناپاک قتل میں پیشوا کا ضرور دخل تھا۔ علاوہ ازیں وہ محض ایک اعلیٰ ذات کا برہمن ہونے کی وجہ سے قابل احترام نہ تھا بلکہ ایک سلطنت کا وزیر اور باضابطہ سفیر ہونے کی حیثیت سے بھی حفاظت کا مستحق تھا۔

(۳۷۶)

باجی راؤ کی اس طرح جو ذلت ہوئی اگرچہ وہ خود ہی اس کا سبب بنا تھا تاہم قدرتی طور پر اس نے اس سے بہت محسوس کیا لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آتا اس نے برطانوی حکومت کے خلاف اپنی سازشیں اور بڑھادیں سرمنٹوں کے دوسرے درباروں میں اس کے وکیلوں نے پہلے سے بھی زیادہ جدوجہد شروع کر دی اس موقع پر جو کاغذات کینی کے ہاتھ لگے اور جو بعد میں لے ان سب سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے وہ سرمنٹوں کی سب ریاستوں کو متحد کرنا چاہتا تھا۔ ترمبک جی نے بعد میں اس بات کا اقبال کیا کہ اس قسم کی سازشیں گنگا دھر شاستری کے چونہ نہینچے سے قبل ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔ اب ان میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا لیکن پیشوا ہر قدم پر محسوس کرتا تھا کہ ”جائے استناد خالیست“ اور برطانوی ریڈنٹ کو پریشان کرتا رہتا تھا کہ اس کے رفیق کو ربا کر دیا جائے۔ اس سے برابر انکار ہوتا رہا اور اس قسم کی بے سود درخواستوں کو روکنے کے لئے گورنر جنرل نے باجی راؤ کو بالآخر مطلع کر دیا کہ ”آپ کی یہ درخواست کبھی منظور نہیں ہو سکتی“ لیکن اسیر کی چالاکی اور جبارت

(۳۷۷)

اور اس کے محافظوں کی عدم توجہی سے وہ بات بن گئی جو پیشوا کی منت و سماجیت سے حاصل نہ ہو سکتی تھی بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ترمبک جی کو تھانے کے جس قلعے میں مقید کیا گیا تھا وہ بہت غیر محفوظ تھا۔ پیشوا کا علاقہ اس سے ملحق تھا اور درمیان میں صرف ایک تنگ بحری راستہ حائل تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہرے والوں کی نگاہ پچھتے ہی وہ قلعے کی چار دیواری سے باہر نکل گیا۔ اس کے بھاگنے کا پہلے ہی سے انتظام ہو لیا تھا۔ یہاں سے سفرو رہونے کے چند منٹ بعد ہی وہ غائب ہو گیا اور کسی کے ہاتھ نہ آ سکا۔

ترمبک جی ستمبر ۱۸۱۷ء میں جبکہ برسات کا موسم تھا یہاں سے فرار ہوا اور مسلسل تین ماہ تک روپوش رہا۔ پیشوا سمجھتا تھا کہ اس معاملے میں بھی اس پر شبہ کیا جائے گا لہذا اس نے یہ چال چلی کہ برطانوی رزٹڈنٹ اور اسکی معرفت گورنر جنرل کو اس بات کا اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ اسے اپنے سابق وزیر کے قیام کی بابت قطعی کوئی علم نہیں ہے اور وہ اپنی سابق حرکتوں پر نادم ہے اور ہر طریقے سے برطانوی حکومت کا اعتماد حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ بٹاروں کے خلاف جوتیا ریاں ہو رہی تھیں ان میں بھی اس نے شریک ہونے کی خواہش کی ظاہر داری کے لئے اس نے اپنے سفیر کو جوسندھیا کے دربار میں مقیم تھا احکام بھیج دیے کہ بجز ان واقعات کے جن کا اپنے شمالی ہند کے مقبوضات سے تعلق ہو وہ کسی دوسرے مسئلہ پر کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ اسکے ساتھ

(۴۷۸)

ہی اس نے اپنے تمام مطالبات کے عوض میں لیکوار سے صرف چھ لاکھ روپیہ قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس کے خیالات و جذبات کی اس بدیہی تبدیلی کو اسکی احتیاط پسندی اور کمزوری پر محمول کیا گیا تاہم یہ خیال کر کے کہ آئندہ ان سب باتوں کا اس کے افعال پر اچھا اثر پڑے گا اس کے اقوال کا خیر مقدم کیا گیا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اس موقع پر باجی راؤ کو جو خط لکھا اسکا طرز مخلصانہ تھا اور اس میں جو لحاظ اس کا کیا گیا تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب اس بات کی توقع تھی کہ وہ راہ راست پر آ جائے گا اور ایسی کوئی بات نہیں کرے گا جو اسکی تباہی کا موجب ہو لیکن اس قسم کے تمام توقعات بہت جلد منقطع ہو گئے

اور یہ پتہ لگا کر تربک جی بہاؤ پوہاڑ پر قیم ہے اور فوجیں اکٹھا کر رہا ہے۔ بدیہی طور پر باجی راؤ اس کا حامی و معاون تھا لیکن محض ظاہر داری کے لئے اس نے کمپنی سے اس بغاوت کے فرو کرنے میں مدد چاہی۔ دراصل وہ اس سے ملا ہوا تھا اور ہریات کا اسے پتہ تھا۔ جس سلسلے کو وہ ظاہری طور پر اپنی حکومت کے خلاف بتا رہا تھا اس کا وہ خود ہی بانی تھا۔

جب مندرجہ بالا واقعات ثابت ہو گئے اور اس امر کا یقین ہو گیا کہ پیشوا لڑائی کی تیاری کر رہا ہے۔ پونہ سے خزانہ ہٹایا جا رہا ہے۔ سامان رسد جمع ہو رہا ہے۔ قلعوں کی مرمت ہو رہی ہے۔ ہم خیال لوگ جمع ہو رہے ہیں اور رہبر مت میں فوجیں تیار ہو رہی ہیں تو انگریزی حکومت کو بھی اپنی حفاظت کے لئے زبردست انتظامات کرنے کی مجبوری لاحق ہو گئی۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ باجی راؤ نے اپنے عہدہ پر ان کی خلاف ورزی کی اور اب اسکی حیثیت ایک غنیم کی سی ہے۔ باجی راؤ کی یہ حیثیت قرار دینے کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کی رائے ہوئی۔ اول یہ کہ انتہائی تدبیر اختیار کی جائے یعنی اس کے خلاف جنگ کا اعلان ہو اور برطانوی حکومت کی جانب سے اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا جائے۔ دوسرے یہ ہو سکتا ہے کہ پیشوا کو معزول کر دیا جائے اور اس کی جگہ اس کے بھائی جمناجی کومند نشین کر دیا جائے۔ تیسرے یہ ممکن ہے کہ باجی راؤ کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے سابق طرز عمل کی بابت صفائی پیش کرے اور رائیہندہ کے لئے ضمانت دے اور اس غرض کے لئے ایک جریدہ معاہدہ کرے جس کی رو سے کمپنی کو اس قسم کے تمام خطرات کے روکنے کے لئے جو اس کی کمزوری اور بے وفائی کی وجہ سے پیش آئے ہیں پہلے سے زیادہ معقول ذرائع حاصل ہو جائیں۔

آخری تجویز پر عمل کیا گیا اور تھوڑی سی گفت و شنید اور فوجی نقل و حرکت کے بعد جس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں باجی راؤ کے سامنے (جس نے مجبور ہو کر اپنے چند زبردست طلبہ کمپنی کے حوالے اس شرط پر کر دیئے تھے کہ جو معاہدہ بھی اس سے کیا جائے گا اس کی رو سے اسے مسند پر برقرار رکھا جائے گا، یہ تجویز پیش

کی گئی کہ یا تو وہ فوراً جنگ چھیڑ دے جس کے لئے وہ اس وقت تیار نہیں تھا۔ یا برطانوی حکومت کے پیش کردہ شرائط پر جدید عہد نامہ کرے۔ ایک سخت شکست کے بعد جس میں اس کی طبیعت کمزوری کی وجہ سے کبھی ذلت و حیا کا جذبہ اس پر غالب آتا تھا۔ کبھی خوف طاری ہوتا تھا کبھی مایوسی چھٹ جاتی تھی اور کبھی غیرت جوش میں آتی تھی بالآخر ۱۔ جون کو اس نے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے جس کی خاص شرائط یہ تھیں کہ :-

۱۔ سرحد کی سرحد کو شامتری کا قاتل اور حکومت کا باغی تصور کیا۔ (۲۸۰)
جائے اور اس کے خاندان والے بطور ضمانت کے برطانوی حکومت کے حوالے کیے جائیں۔

۲۔ پیشوا اس بات کا اقرار کرے کہ سرحدوں کو جو ان کا قیام ہے اور جس کا وہ برائے نام سردار رہتا ہے اسے اس کا وہ اپنی حد تک معدوم تصور کرے گا اور اس حیثیت سے اپنی سلطنت کے باہر جن فرمانرواؤں اور سرداروں پر اسے حقوق حاصل ہیں یا جن پر اس کے دعوے ہیں ان سے کچھ سروکار نہیں رکھے گا۔

۳۔ گیکوآڈ پرچم پیشوا کے مطالبات ہیں ان سب کے عوض میں وہ نقد چار لاکھ روپیہ قبول کرے گا اور سابق معاہدے کی رو سے کمپنی کو پیشوا سے جس قدر فوج طلب کرنے کا حق حاصل ہے اس کے جملہ مصارف کے لئے اپنا کوئی علاقہ مخصوص کرے گا۔

۴۔ پیشوا اپنا قلعہ احمد نگر جو کن میں واقع ہے نیز اپنے تمام مقبوضات جو مالوہ اور شمالی ہند میں واقع ہیں کمپنی کے حوالے کرے گا اور احمد آباد میں اس کا جو حصہ ہے اس کا دواچی پٹہ ساڑھے چار لاکھ روپیہ کے عوض میں کمپنی کے نام لکھ دے گا۔
اس عہد نامے کے بعد اگرچہ جنوبی جاگیرداروں پر پیشوا کی سرداری

۵۔ اس کی تفسیر اسباق سابقہ میں ملے ہوئی تھی۔

برستو تقاضا کر رہی لیکن دراصل وہ کمپنی کے ماتحت بن گئے۔ ان میں سے جن کی
 اراضی پر باجی راؤ نے قبضہ کر لیا تھا وہ واپس کرا دی گئیں اور اس سبب
 کی پوری جاگہ واکداشت اور انگریزی حکومت کی سفارش پر اس کے سابق
 وراثہ کو جنھیں کسی زمانے میں مرہٹوں میں خاص وقار حاصل تھا واپس کرا دی گئی۔
 برطانوی حکومت نے پیشوا کو اس معاہدے پر جو مجبور کیا اسکا خاص
 نشانہ یہ تھا کہ مقامی خطرات کی ممانعت ہو جائے اور چونکہ پیشوا کی خاصمانہ روش
 علاقہ طور پر ثابت ہو چکی تھی لہذا اس کی طاقت و قوت میں اس قدر کمی کر دی جائے
 کہ اس وقت پٹناریوں کے خاتمے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جا رہی تھیں ان کی
 نہ وہ مخالفت کر سکے اور نہ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کر سکے۔ مذکورہ بالا
 عہد نامے کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے ورنہ اس کی نوعیت کے سمجھنے
 میں بہت سخت غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

باجی راؤ کو کمپنی کا دشمن نہ کر لیا گیا تھا اور ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک
 کیا گیا۔ اس نے انگریزی حکومت کی پیش کردہ شرائط گفت و شنید کے ذریعہ سے
 پیشوا کو اپنی کارروائی کے بعد تسلیم کی تھیں۔ بغیر لڑائی کے ایسے بے بس کر دیا گیا
 تھا کہ اسے اپنی طاقت جگہ جگہ سے لہائی گئی تھی۔ اس کے تمام معاملات درہم و برہم ہو جاتے
 اور یہ امر غلامانہ سلطنت بھی تھا تاہم اس بات کی کوئی توقع باقی نہیں رہی تھی پیشوا
 کے لئے اس برطانوی قوم کی طرف سے کبھی دوستانہ خیالات پیدا ہو سکیں گے
 بلکہ بالکل برعکس تھا کہ اس وقت اسے جو سبق ملا ہے اس سے وہ پہلے سے بھی
 زیادہ مرعوب ہو جائے گا اور اس طور سے ممکن ہے کہ وہ اپنی بے وفائی سے
 اپنے آپ کو اپنے علاوہ انگریزوں کے خیال سے بھی تباہ کر کے بکالے اس کے کہ وہ مایوس ہو کر
 اپنے ملک کے اندر سے اس کے بعد اس پر اپنی سلطنت برقرار رکھنے کیلئے انگریزی
 حکمرانوں کے خلاف کمر بستہ ہوا ہے اس بات کی ترغیب دلائی جائے کہ قزاقوں
 کی جہاد جہاد کا خاتمہ کر دے۔ اس کے لئے جو تیاریاں ہو رہی تھیں ان میں ایک وفادار

سے۔ گورنر جنرل نے ہر دلی مشورہ کو اس کی توثیق کی۔

حلیف کی حیثیت سے شریک ہو کر وہ اپنا مقصد حاصل کرے۔ اس طرز عمل پر اسے راضی کرنے کی غرض سے عہد نامے کی خاص خاص شرائط کی تکمیل کے بعد اس کے پہاڑی قلعے جو شروع میں بطور ضمانت کیلئے گئے تھے واپس کر دیئے گئے اور برطانوی حکومت نے ہر ممکن طریقے سے اسے اس بات کا اطمینان دلایا کہ انگریز اسے ہمیشہ ایک قابل قدر حلیف سمجھتے رہے ہیں اور محض واقعات سے مجبور ہو کر انھیں بادل ناخواستہ اسے اس وقت اپنا دشمن تصور کرنا پڑا لہذا برطانوی حکومت کی اس میں عین وحشی ہوگی کہ وہ اسے آئندہ اپنے طرز عمل سے اس پر عنایت کرنے کا موقع دے۔

اس عہد نامے کی وجہ سے گیکوار سے بھی ایک تفصیلی معاہدہ کرنا پڑا۔ باجی راؤ سے جو معاہدہ ہوا تھا اس سے گیکوار کو بہت فائدہ پہنچا کیونکہ تمام مطالبات جارا لاکھ جیسی تحلیل رقم کے عوض میں طے پا گئے۔ دربار بڑودہ سے جدید معاہدہ کرنے کی غایت یہ تھی کہ باہمی تعلقات میں اس قسم کی مناسب تبدیلی کی جائے جو دونوں کے مفاد کے لئے سودمند ہو اور جس کے ذریعہ سے ان تمام تنازعات اور اختلافات کا خاتمہ ہو جائے جو دونوں حکومتوں کے بنیادی اصولوں کے اختلاف مشترکہ مقبوضات اور باجندار جاگیر داروں پر مختلف دعوؤں کی وجہ سے مقامی عہدہ داروں کے مابین واقع ہوئے رہتے ہیں۔ اس مفید مقصد کیلئے نومبر ۱۸۱۷ء تک گفت و شنید نہ ہو سکی۔ اس کے بعد شرائط طے پائیں اور آپس کے لین دین اور علاقوں کے باہمی تبادلے سے تمام معاملات نہایت خوش سہولت سے طے ہو گئے۔ اس معاہدے کی سب سے اہم دفعہ وہ تھی جس کی رو سے (۱۸۱۳ء) برطانوی حکومت کو شہر احمد آباد پر قبضہ مل گیا۔

حکومت آدھیس بد نظمی کا دور جاری تھا اور کمپنی کو نواب کا اقتدار بڑھتا

۱۷۔ یہ شہر گجرات کے مسلمان فرمانرواؤں کا دار الحکومت تھا وہ ایک چھوٹی دریا کے ساحل پر جو سمندر میں شہر کبے کے قریب گرتی سے واقع ہے۔ یہ دریا کشتیوں کے لئے قابل عبور بھی ہے۔

رکھنے کے لئے فوجی مدد دینی پڑتی تھی جس سے اس کی نیک نامی میں فرق آ رہا تھا اور ڈیپٹیشنز نے ہندوستان پہنچنے کے بعد اس کی طرف توجہ کی اور اس بات پر زور دیا کہ نواب اپنی حکومت کے ان تمام تقاضوں کو دور کرے جو اس کی رعایا کی تباہی کے موجب اور ظلم کا آلہ بنے ہوئے ہیں لیکن اسکی کسی دلیل کا نواب پر اثر نہ ہوا۔ اگرچہ گورنر جنرل کو نواب وزیر کے طرز عمل کی وجہ سے عہد ناموں کے مطابق اس کی حکومت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کا حق حاصل تھا تاہم اس نے اس موقع پر جب کہ ہندوستان میں کالاس قائم کرنے کی وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی تھیں اور اس سلسلے میں حلیفوں کے اخلاص و اتحاد کی سخت ضرورت تھی اسے برکتہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

نواب وزیر نے جنگ نیپال کے موقع پر کمپنی کو دو کروڑ روپیہ قرض دیا تھا۔ اختتام جنگ پر کمپنی نے اس قرضے کی نصف رقم کے معاوضے میں کھیرا گڑھ کے اضلاع جو نیپالیوں سے حاصل کئے گئے تھے اور جو نواب مدد ورج کی ریاست سے متصل تھے اسے دے دیے۔ باقی نصف رقم کا سودان وظائف کی رقم میں محسوب کر لیا گیا جو نواب کے ذمے باقی تھی اور جس کے ادا کرنے کے لئے کمپنی ضامن تھی۔ اس انتظام کے بعد تمام ناگوار رجعت و جنت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۴۸۴)

چند سال سے ہندوستان میں جو واقعات پیش آ رہے تھے ان کی وجہ سے انگلستان میں کمپنی کے حکام بالاکو سخت تشویش تھی۔ قزاقی و فائرنگی جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کے روکنے کی ضرورت کو ہر شخص محسوس کرتا تھا لیکن اس مقصد

ہندوستان کے حالات کی
بابت انگلستان میں تشویش
اور حکام اعلیٰ کی ہدایات

کے لئے جو تدابیر ضروری تھے ان کے اختیار کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ لارڈ ڈنلوپ اس موضوع پر کئی مرتبے انگلستان روانہ کر چکا تھا۔ البتہ ڈیپٹیشنز

نے بحالہ مراسلہ گورنر جنرل باجلاس کو نسل (بقیہ حاشیہ صفحہ آئیندہ)

نے مجلس رازدار کو ایک سراسلہ لکھا اور ان کی توجہ اس خط پر کی طرف یہ طور خاص مبذول کرائی۔ پنڈاریوں کی دست درازیوں کو روکنے کا جو انتظام کیا گیا تھا اس کا حوالہ دے کر وہ لکھتا ہے کہ تو سمجھاؤں کہ قزاقوں کا سارے ملک میں پھر دور دورہ ہو جائے گا لہذا دوبارہ انھیں انتظامات پر عمل کرنا ہوگا اور جب تک کہ اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوئی معقول اور زبردست طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا ہر سال یہی وقت پیش آتی رہے گی۔

(۴۸۵) گورنر جنرل نے دربار ناگپور سے اس وقت تک اتحاد قائم نہیں کیا جب تک کہ اس کی منظوری انگلستان سے وصول نہ ہوئی۔ جنگ نیپال اور پونہ کے معاملات میں اس نے احکام بالائے حکام کے بغیر کام کیا تھا لیکن اسے اس بات کا احساس تھا کہ برطانوی حکومت کی بوزلت ہوئی تھی اس کا انتظام لینے اور فوری خطرہ کی مدافعت کے لئے فوری کارروائی ضروری تھی لیکن جن معاملات میں تاخیر مضر نہیں ہوتی تھی ان میں وہ ہمیشہ ان کی منظوری قبل از عمل حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا بسا اوقات یہ منظوری آسانی سے حاصل نہیں ہوتی تھی اس کے کئی خاص اسباب تھے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ان کا جواب آئے تک اس بات کا امکان رہتا تھا کہ یہاں کے حالات بالکل ہی بدل جائیں۔ علاوہ ازیں ہندوستانی لڑائیوں کے خلاف انگلستان میں ایک عام تعصب تھا۔ پارلیمنٹ کا قانون موجود تھا جسکی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۱۷ء بنام مجلس رازدار۔ اس میں چند دفاعی تدابیر کے سلسلے میں یہ عبارت درج ہے ”ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ یہ تمام تدابیر و انتظامات محض عارضی ہیں۔ ان سے کوئی خاص علاج نہیں ہو سکتا ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آئندہ کسی موقع پر ہمیں اس روز افزوں مصیبت کی بچ بکنی کے لئے باضابطہ طور پر سیاسی و فوجی کارروائی کرنی پڑے گی۔“

سلم مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۱۸ء

۵۷۔ مراسلہ حکومت ہند مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۱۷ء بنام مجلس نظام و یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آپ کی مجلس نے ناگپور کے معاہدے کو قطعی طور پر منظور فرمایا ہے۔

دوسے ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کا طریقہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ وزراء جو احکام نافذ کرتے تھے یا جو کام ان کی منظوری سے انجام پاتے تھے ان سب کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی لہذا ان کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ مقامی حالات کے لحاظ سے جو کام گورنر جنرل ضروری سمجھ کر خود کر لیتا تھا اس کی وہ توثیق کر دیتے تھے اور اس کی رہنمائی کے لئے براہ راست احکام نافذ کرنے یا اس کی پیش کردہ تجاویز کو قبل از قبل منظوری دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتے تھے۔

۲۸۶

ان اسباب کی وجہ سے نظامی احکام وصول ہونے میں تاخیر ہوتی رہی۔ لیکن جب ۱۸۵۷ء میں پینڈاریوں نے کمپنی کے علاقے پر بھاڑ مارا اور اسکی اطلاع انگلستان بھیجی گئی اور ساتھ ہی ان کے مظالم کی تفصیل بھی تحریر کی گئی تو حکام بالا کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ان دست درازیوں کے روکنے میں اب اگر مزید تاخیر کی گئی تو رعایا کی حفاظت کرنے میں جو ہر حکومت کا فرض اولیں ہے کو تباہی ہوگی۔ اس خیال سے متاثر ہو کر انھوں نے گورنر جنرل باجلاس کو نسل کو ایک سرسلسلہ تحریر کیا اور اس ناقابل برداشت مصیبت کی مدافعت کے لئے ضروری کارروائی کرنے کا اسے اختیار دے دیا حکومت فورٹ سینٹ جارج کے علاقہ پر پینڈاریوں کا حملہ۔ ان کے مظالم اور مال غنیمت کے ساتھ ان کی واپسی کا حوالہ دیگر مجلس رازدار نے اپنے اس مراسلے میں تحریر کیا کہ ”ہم ۲۹ ستمبر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد حال ہی میں جو ہدایات روانہ کئے ہیں ان سے ہمارا یہ مدعا تھا کہ پینڈاریوں کی بیچ کنی یا ان کے حملے کے محض خوف کی وجہ سے ان کے خلاف نہ کوئی اتحاد قائم کیا جائے اور نہ

۱۸۵۷ء۔ اس زمانے میں ہئرنگنگ مجلس نگراں کا صدر تھا۔

۱۸۵۷ء۔ مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء۔ اگرچہ یہ مراسلہ مجلس رازدار نے روانہ کیا تھا لیکن دراصل وہ مجلس نگراں کی طرف سے تھا ان دونوں مجلسوں کے باہمی تعلقات اختیارات کے لئے ملاحظہ ہو باب نہم جلد دوم۔

کوئی اقدامی کارروائی کی جائے لیکن ہمارا مطلب یہ نہ تھا کہ اگر قزاقوں کے جتنے ہمارے علاقے پر دھاوا کریں اور برطانوی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لئے معقول انتظامات کی ضرورت محسوس ہو تب بھی آپ ہمت پر ہمت دھرے بیٹھے رہیں اور اپنی عقل اور اپنے اختیار تیزی سے کام نہ لیں۔ ہم آپ کو اس امر کا یقین دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ ان کے حلوں کی مدافعت اور اس سلسلے میں حملہ آوروں کی تادیب کے لئے جو تدبیر بھی اختیار کرتے ان کی تائید و توثیق کرنے میں ہمیں ایک لمحے کے لئے بھی پس پیش نہیں ہو سکتا تھا۔ سابق حلوں کی سزا دینے اور آئندہ کے لئے ان کا سدباب کرنے کی غرض سے گورنر جنرل بلحاظ مصلحت و دانشمندی جو تدابیر اور مختلف ذرائع اختیار کر سکتا تھا ان کی بابت اپنی رائے اور خیالات کا اظہار کرنے کے بعد مجلس مذکور نے اپنا مراسلہ مندرجہ ذیل ہدایات پر ختم کیا:-

”ہمیں اس بات کی قوی امید ہے کہ اگر ان کا دوسرا حملہ ہو تو آپ ان کی ایسی طرح خبر لے سکیں گے اور انھیں پھر اس کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ دیہات کے باشندوں پر انھوں نے جو درناک مظالم آپ کے بیان کے مطابق کئے ہیں ان کے پڑھنے سے رو نگئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

”ان اس پسند باشندوں کو اس قسم کے مظالم سے محفوظ رکھنا حکومت کا خاص فرض ہے جس کی تعمیل اور تکمیل میں کسی قسم کی دقت یا دشواری کا عذر قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔“

۱۰۔ اس واسطے کے موصول ہونے سے قبل گورنر جنرل باجلال کونسل نے اپنی تحسیر مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء میں یہ خیال ظاہر کیا تھا ”سابق تجربہ کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندو اربوں کے خلاف دفاعی کارروائی محض بے سود ہی نہیں ہوگی بلکہ اس انتظام کے سالانہ مصارف اس رقم سے کہیں زیادہ ہوں گے جو ان کی بیجا کشتی کرنے کے لئے درکار ہوگی (بجالات کا غذا مست متعلقہ جنگ مرہٹہ و پندارباں صفحہ ۳۸۴)۔“

(۲۸۸)

ہیں اس بات کی توقع ہے اور آپ پر اعتماد ہے کہ آپ ہمارے اس عام اصول کا لحاظ رکھیں گے کہ جس حد تک ممکن ہو سکے جنگ سے گریز کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ خاص طور پر جنگ کے لئے کوئی حکمت عملی اختیار کرنا یا بعید مقاصد اور مشروط فائدہ کی خاطر جنگ مول لینا ایک چیز ہے اور برطانوی حکومت کی توہین کا انتقام لینا اپنی رعایا کی حمایت کی خاطر جو ہماری حفاظت کی محتاج ہے فوجی کارروائی کرنا اور اس سے مستعدی ظاہر کرنا دوسری چیز ہے۔ ان دونوں کا فرق آپ کو معلوم کر لینا چاہیئے۔

حکومت ہند کی بابت حکام بالا کے جو خیالات اور جذبات تھے ان کا اس طرح ٹھیک ٹھیک اظہار ہو گیا اور ان کی قطعی رائے معلوم ہو گئی یہ مراسلہ لارڈ ہیملنگٹن کو مارچ ۱۸۷۱ء کے آخر میں موصول ہوا۔

ہندو اربوں کے خلاف تیاریاں

اور

فوجی کارروائی

اور گورنر جنرل موصوف نے ہندو اربوں کے خلاف ابتدائی کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

شکال مدراس و بمبئی کی فوجوں کو میدان جنگ کے لئے تیار ہونے کا حکم بھیج دیا گیا۔ اگرچہ گورنر جنرل کا ارادہ اپنی فوجی کارروائی کو محض قزاقوں کی بیخ کنی تک محدود رکھنے کا تھا تاہم اس نے اس قدر وسیع پیمانے پر تیاریاں کیں کہ حکمت عملی کے حقیقی مقصد میں جو دقتیں یا رکاوٹیں پیدا ہوئیں ان سب پر وہ بہ آسانی حاوی آسکے۔

(۲۸۹)

اس نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ جس میدان میں وہ قدم رکھنے والا ہے جوں جوں اسے طے کیا جائے گا وہ وسیع تر ہوتا جائے گا۔ جس جنگ کا اس نے بڑا اٹھایا تھا وہ کسی ایک قبیلے یا کسی خاص قوم یا حکومت کے خلاف تھی بلکہ غارتگری کے عام رواج کے خلاف تھی جس کا لارڈ ولیمزلی نے قریب قریب خاتمہ کر دیا تھا اور جواب دوبارہ زور پکڑ گئی تھی اور ہندوستان کے عام امن

کے لئے مقرر ثابت ہو رہی تھی۔ اس زبردست مقصد کے لئے معمول فوجی و سیاسی تدابیر اختیار کرنے سے قبل لارڈ ایسٹنک نے تمام ایسے عہدہ داروں سے مشورہ کیا جن کے ذاتی معلومات اور تجربے سے اس کے معلومات میں اضافہ ہو سکتا یا اسے قائم کرنے میں مدد مل سکتی تھی۔ اس طور سے حکومت نے جو ضخیم سرکاری کاغذات مرتب کئے ان کے مطالعہ سے ایک عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سب متضاد عادات و اطوار اور متضاد خیالات والے اشخاص جن کے مستقر بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اس مسئلے پر متفق تھے یا سب میں اگر کوئی اختلاف تھا تو وہ صرف طریقہ علاج کے متعلق تھا لیکن جہاں تک کہ فوراً فوجی کارروائی شروع کرنے یا لارڈ ولینزی کی حکمت عملی کے اصولوں پر دوبارہ عمل کرنے کا سوال تھا اس پر سب کی ایک ہی رائے تھی۔

(۴۰)

اس زمانے میں برطانوی حکومت اور ہندوستان کی دوسری سلطنتوں کی جو حالت تھی اگر اسے تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کیا جائے تو مضمون کے تسلسل میں فرق آجائے گا لیکن اس خیال سے کہ اکثر لوگ اس قسم کے مسائل کے مطالعہ میں واقعات مابعد کے مقابلے میں واقعات ماسبق کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں سر جان میلکم کی تحریر جس میں اس موضوع پر نہایت توضیح سے بحث کی گئی ہے ضمیمہ میں شامل کر دی گئی ہے۔ سر جان میلکم اور مارکوئیس ایسٹنک کے درمیان اس مسئلہ پر بہت مراسلت ہوئی تھی لہذا مذکورہ بالا تحریر گورنر جنرل کی خواہش اور اصرار پر لکھی گئی تھی۔ اس نانک وقت میں کمپنی کی جو اصلی حالت تھی اور بارہ سال کے تجربے کے بعد عدم مداخلت کے مسلک کی بابت جو خیالات سب کو قائم کرنے پر پڑے تھے ان سب کا اس تحریر سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جنگ کے واقعات کی تفصیل اس موضوع کے مقصد کے خلاف ہے لہذا یہاں صرف وہی واقعات درج کئے جائیں گے جن سے سیاسی معاملات کے سمجھنے میں

نوٹ۔ - تحریر سر جان میلکم بنام مارکوئیس ایسٹنک، مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۸ء
بحوالہ ضمیمہ (۴۰)۔

آسانی ہو سکے۔ اسی سلسلے میں ۱۸۱۷ء کے موسم بہار میں کپہنی نے اپنی فوجیں جس طریقے سے ترتیب دیں اسے خاص طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس ترتیب کی وجہ سے محض جنگ ہی نہیں۔ کامیابی یقینی نہیں ہوگی بلکہ اس سے دیگر خوشگوار نتائج بھی ظہور پذیر ہوئے اور اس کی بدولت بہت سے فرمانروا اور رئیس تباہی سے بچ گئے۔ ان فوجوں کو ایسے مناسب مقامات پر جارا گیا تھا کہ اگر یہ فرمانروا اور رئیس امن و سکون کے حامی نہیں تو وہ انھیں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھ سکیں اور اگر وہ غارتگری و بدامنی کی حمایت کریں تو ان کا برا سامنی خاتمہ کر سکیں۔

دکن کی فوج کے دستے سر تھامس ہلپ کی کمان میں اور گجرات کی ایک بڑی دست فوج سر کیر (Sir. Keir) کی ماتحتی میں خاص پنڈاریوں پر حملہ کرنے کی غرض سے جنوب کی سمت سے بڑھی۔ دوسری طرف بنگال کی فوجیں اس قدر خوبی سے مختلف مقامات پر جادی گئیں تھیں کہ گورنر جنرل کا ان سب سے پورا پورا مقصد حاصل ہو گیا اور انھیں سمجھا دیا گیا کہ ان ترکیبوں سے میرا مطلب یہ تھا کہ ہماری متعدد فوجیں ایسے مقامات پر پہنچ جائیں کہ ان کی موجودگی میں اگر کوئی ہندوستانی ریاست دوسری کسی فوج سے ملنا چاہے تو اسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور اگر کوئی سلطنت اپنے علاقے میں بھی ہمارے احکام کے خلاف اپنی فوج جمع کرنے کی کوشش کرے تو بھی اسے سخت خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے لیکن یہ ترکیب اسی وقت کامیاب ہو سکتی تھی جب کہ تمام تیاریاں راز میں کی جائیں۔ فوجوں کے لئے مناسب مقامات منتخب کئے جائیں اور مجوزہ مقامات پر بھجلی ممکنہ پہنچ جائیں۔“

مرہٹہ سرداروں میں اس وقت

بھی سندھیانے سے زیادہ طاقتور تھا ہند خود اس کی قوم کے سردار نیز پنڈاری اسی پر اس گائے نیچے تھے لیکن لارڈ ویسٹمنگھوسٹ ایک دہر دست فوج میکرو پنچ گیا اور پھر

دولت راؤ سندھیانے کا طرز عمل

اور

جدید معاہدہ

(۴۹۲) جنرل ڈکن کی کمان میں بھی ایک فوج وہاں پہنچ گئی۔ ان دونوں فوجوں کے پہنچنے کے بعد سندھیا ایسا گھر گیا کہ اس کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ باقی وہ گورنر جنرل کی پیش کردہ شرائط قبول کرے یا شکست کھاکر اپنی قوت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر لے۔ سندھیا نے مجبوراً اپنی طبیعت کے خلاف اول الذکر راستہ اختیار کیا لیکن مرہٹوں کے اتحاد کے ایک رکن کی مشیت سے اسے وہ بہت شاق گذرا اور اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ انگریزوں کی قوت کے خلاف جو ایک زبردست اتحاد قائم ہو رہا تھا اس کی کامیابی کا انحصار زیادہ تر سندھیا کی امانت و جدوجہد پر تھا لہذا اس طور پر اس کی علانیہ علیحدگی سے محض ہندوؤں ہی کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس اتحاد کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ لارڈ ہیسٹنگز نے اپنی دور بینی سے ان سب باتوں کا قبل از قبل اندازہ کر لیا تھا۔

(۴۹۳) اس زمانے میں راجہ نیپال اور سندھیا کے مابین انگریزوں کے خلاف جو مراسلت جاری تھی اس کا لارڈ ہیسٹنگز کو پتا لگ گیا۔ اس نے ان واقعات کی سندھیا کو اطلاع کی اور اپنے خیالات سے اسے آگاہ کیا لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ گورنر جنرل کا خیال تھا کہ اس کا سندھیا پر اچھا اثر پڑے گا اور اسے اپنی اس توقع میں مایوسی بھی نہیں ہوگی اس وقت جو گفت و شنید جاری تھی اگرچہ اس کی کامیابی کا مدار زیادہ تر فوج کی نقل و حرکت اور سیاسی ترکیبوں پر تھا تاہم اس کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں لارڈ ہیسٹنگز سندھیا کی

علیہ جس طریقے سے لارڈ ہیسٹنگز نے اس فرما دیا اسے گفت و شنید شروع کی اور شرائط ملے کہیں وہ اس کی تحریر پر سرورضہ حکیم مارچ ۱۸۱۷ء بنام مجلس رازدار میں درج ہے۔ وہ نہایت واضح طور پر سندھیا کو حراقوں کے جتنوں کا خاص سرفراز اور معاون تصور کرتا ہے اور اس حیثیت سے اس کی قوت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد اس پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا تو اسے جبراً عام امن و امان کا حامی بنایا جائے یا اس کے خلاف اس سے اصلان کرایا جائے تاکہ اس کا خاتمہ کیا جاسکے، سچوالہ کاغذات مطبوعہ متعلقہ ہندوؤں پر اور مرہٹہ سردار ان صفحہ (۳۸۳)

نازک حالت اور جغرافیائی نقطہ نظر سے اس کی ریاست کی کیفیت بھی بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”سندھیا اس وقت گوالیار میں مقیم تھا جو اس کی ریاست کا مرکز اور زرخیز ترین حصہ ہے۔ اس خرابی کے علاوہ کہ اگنی کے مقبوضات اور گوالیار کے درمیان صرف دریائے جمنہاں تھی فوجی نقطہ نظر سے ایک نقص اور بھی تھا جسکی طرف ہمارا جہ مذکور نے غالباً کبھی توجہ نہیں کی تھی۔ گوالیار کے جنوب میں تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ایک بہ یک پہاڑیوں کا ایک بے نکا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کے چاروں طرف ایک گھنا جھنگ واقع ہے جو دریائے سندھ خرد سے لے کر چیل تک چلا جاتا ہے۔ اس قسم کے جنگل ہندوستان میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں دریا مل کر علاقہ گوالیار اور اس کے سوا کے مقامات پر ایک سرحد کا کام دیتے ہیں۔ اس سمت سے گاریوں اور توپ خانوں کے گزرنے کے لئے صرف دو راستے ہیں۔ ایک دریائے سندھ خرد کی جانب ہے اور دوسرا جھیل سے متوڑی دور پر ہے۔ میں نے ایک ایسے مرکزی مقام پر قبضہ کر لیا کہ دریائے سندھ خرد کی طرف سے کوئی نہ نکل سکے اور دوسرے راستے کے عقب پر میجر جنرل ڈکن کی فوج بادی اس طور سے سندھیا ایک محضے میں پھنس گیا اور اس کے لئے بجز اس کے کوئی اور چارہ باقی نہ رہا کہ یا تو وہ میرے پیش کردہ شرائط قبول کرے یا ایک پکڑنڈی کے راستے سے گزر کر پہاڑی علاقے سے باہر آئے۔ اس راستے سے وقت واحد میں صرف چند آدمی اس کے ساتھ گزر سکتے تھے۔ اس طور سے اس کا نہایت اعلیٰ درجہ کا توپ خانہ (جس میں تقریباً ایک سو بیسٹیل کی توپیں تھیں) منع ساز و سامان کے ختم ہو جاتا اور اس کے زرخیز ترین مقبوضات ہمارے ہاتھ لگ جاتے۔

میرے پیش کردہ شرائط کا قبول کرنا گوالیار کسی شرط کے کمپنی کی اطمینان قبول کرنا تھا لیکن یہ شرائط ایسے پیرایہ میں پیش کئے گئے تھے کہ علانیہ طور پر اسکی توہن نہ ہونے پائے۔ اگر اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ میرے علم میں ہمارا ہندوستان نے قطعی طور پر پندرہ اربوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور ازمیں مداخلت کر کے وہ نیپالیوں کو ہمارے خلاف حملہ کرنے کے لئے ابھارا رہا تھا اور میں نے اس کے

خطوط پکڑ لئے تھے تو یہ شرائط ہرگز سخت نہیں معلوم ہوں گی اور نہ کوئی انھیں خلاف انصاف کہہ سکے گا۔ اگر مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جاتا کہ وسط ہند میں اس وقت جو ریاستیں قائم ہیں ان کا وجود برقرار رکھنا اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے انھیں اپنا آلہ بنانا ضروری ہے تو سندھیا کی مسلسل غدار یوں کے بعد اس قدر صبر سے ہرگز کام نہ لیا جاتا۔ مذکورہ بالا شرائط کے بعد وہ بے بس ہو گیا اور انھیں تسلیم کر کے اس نے اپنے آپ کو بچا لیا۔ اگر دوسرے کسی علاقے میں اسے کوئی فائدہ حاصل ہوتا تو وہ ہانڈی کے ابال کی طرح محض عارضی ہوتا۔ دوسری ریاستوں کے لئے جو کسی قدر فاصلے پر واقع تھیں یہ واقعہ سخت مضر ہوا۔ سندھیا کی کثیر فوج جس کے ساتھ مل کر وہ کام کرنے والی تھیں نہ پہنچ سکی اور اس کے بغیر وہ کسی قسم کی جدوجہد نہ کر سکیں یا

مذکورہ بالا زبردست و فیصلہ کن تدابیر اور مستعدی کا سندھیا اور اس کے وزراء پر جو اثر پڑا اس میں برطانوی ریذیکلنٹ کی قابلیت اور متانت (۲۹۵) سے مزید اضافہ ہو گیا۔ اس نے نہایت پر اثر الفاظ میں اسے جتلا دیا کہ ایک راستے میں امن و سلامتی ہے اور دوسرے میں سراسر تباہی ہے اور اپنا اثر ڈالکر اس سے مجوزہ معاہدے پر دستخط کرا لئے جس کی رو سے یہ طے پایا کہ سندھیا پٹناریوں کی بیخ کنی کرنے میں معقول مدد دے گا اور اپنی فوج کا ایک دستہ دے گا جو برطانوی افسروں کی نگرانی میں برطانوی فوجوں کے ساتھ مل کر قزاقوں کے خلاف کام کرے گا۔ یہ فوج نہایت مکمل حالت میں ہونی چاہئے لہذا عہد نامہ سرجی ارچنگا دل کی رو سے انگریزی حکومت کے ذمے جو رقوم ہانڈی کی گئی ہیں وہ تین سال تک غلبہ انہیں کی جائیں گی اور انھیں مذکورہ بالا فوج کی تیاری میں صرف کیا جائے گا۔ سندھیا کے خاندان والوں اور اس کے وزراء کو جو رقوم ہر سال بطور وظیفے کے دی جاتی ہیں وہ برطانوی افسروں کی معیت میں آکر اسے پر جو برطانوی فوجوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے مستعین کیا گیا ہے صرف کی جائیں اور سندھیا کی باقی فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ پر جو برطانوی حکومت تجویز کرنے کی عظیم رہیں اور بغیر اس کی اجازت کے قطعی

نقل و حرکت : کریں ۔

سندھیا نے ان شرائط پر پابند رہنے اور اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ دوران جنگ میں برطانوی فوجیں اسیر گڑھ اور ہندیا کے قلعوں میں مقیم رہیں نیز عہد نامہ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۵۷ء کی دفعہ مٹے مسترد کی جائے۔ اس دفعہ کی منسوخی کے بعد انگریزی حکومت جے پور جو دھپور۔ اودھے پور۔ کوٹہ۔ بوندی اور دریائے جمپل کی جانب ساحل والی تمام ریاستوں سے معاہدہ کرنے کی مجاز ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی سندھیا کو برطانوی حکومت کی حفاظت حاصل ہو گئی اور ان ریاستوں سے جو خراج اسے ملتا تھا وہ بدستور جاری رہا البتہ کہنی سے ان کا معاہدہ ہو جانے کی صورت میں وہ ان کے معاملات میں مداخلت کرنے کا محاذ نہیں رہا۔

یہ ہے خلاصہ اس معاہدے کا جو سندھیا کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا اس کی بدولت اسے جو روش اختیار کرنی پڑی اگرچہ وہ اس کی مرضی کے خلاف تھی تاہم اس کے مفاد کے موافق تھی۔ جس مجبوری سے اس نے ان شرائط پر دستخط کئے تھے وہ ظاہر ہے لہذا جس اتحاد میں وہ یقیناً شریک ہو چکا تھا اس سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے وہ یہی ایک عذر پیش کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس اتحاد کی تمام تدابیر ابھی پایہ تکمیل پر نہیں پہنچی تھیں کہ ایک طرف پیشوا اور بھوسلے نے فوجی کارروائی شروع کر دی۔ دوسری طرف پنداریوں نے گوالیار کا رخ کیا۔ ان واقعات سے ایک بالکل صحیح گئی اور یہ خیال ہو گیا کہ سندھیا ان حالات میں اپنے معاہدے پر قائم نہیں رہے گا۔ اگر اس وقت اس کے دل میں اس قسم کا کوئی خیال پیدا ہوا ہو گا تو اسے بہت جلد اپنی حیثیت کا احساس ہو گیا ہو گا۔ لارڈ بیٹلنگ نے کوچ کر کے اپنی فوج سندھیا اور پنداریوں کی فوج کے درمیان ڈال دی جس سے سندھیا کا ڈگمگانا ختم ہو گیا اور جو لوگ اس پر اس لگائے بیٹھے تھے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

اس کے بعد جو لڑائی شروع ہوئی اس میں سندھیا اگر غیر جانبدار

نہیں تو خاموش ضرور رہا لیکن اس کی فوج کے جس حصے کے مصارف کے لئے پہلے سے انتظام کر لیا گیا تھا اس سے بھی کام لینے میں سخت دقت محسوس ہوئی۔ اسیر گڑھ کا مستحکم قلعہ بھی کمپنی کے حوالے نہیں کیا گیا۔ اس کے لئے یہ عذر پیش کیا گیا کہ وہاں کا گورنر اجسٹ رائڈ لارڈ مخرف ہو گیا ہے اور وہ علاقہ یہ طور پر باجی راؤ کی حمایت کر رہا ہے۔ اس سردار نے جب ناگپور کے سابق راجہ آپا صاحب کو اپنے یہاں پناہ دی تو اس نے قلعہ خالی کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور سندھیا نے بھی فوری تعمیل کرانے کے لئے احکام جاری کر دیئے۔ جب اس نے اس سے انکار کیا تو برطانوی فوجوں نے اس کے قلعے کا باضابطہ طور پر محاصرہ کر لیا۔ اس کی تسخیر کے بعد محض ایک اتفاق سے سندھیا کا ایک خط انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا جس میں اس نے اپنے اس سردار کو ہدایت کی تھی کہ بیشوا کی طرف سے جو احکام بھی وصول ہوں ان کی تعمیل کی جائے۔

جب رزیدنٹ نے سندھیا کو یہ خط دکھایا تو اس نے تسلیم کیا کہ یہ اسی کی تحریر ہے لیکن اس طرح اس کی جو بے وفائی ثابت ہوتی تھی اس کے لئے اپنے اور بیشوا کے قدیم خاندانی تعلقات کا عذر پیش کیا۔ یہ عذر ایک جتنا کہ معقول تھا لہذا اسے مسترد نہیں کیا گیا اور لارڈ ڈیہسٹنگن نے اپنی مصلحت آمیز فیاضی کی بنا پر صرف یہ مطالبہ پیش کیا کہ اسیر گڑھ کا قلعہ مستقل طور سے کمپنی کے حوالے کر دیا جائے۔ اس (۴۹۸) طور سے کمپنی خزانوں اور لٹیروں کو روک سکتی تھی ورنہ جب تک کہ یہ قلعہ مرہٹوں کے ہاتھ میں رہتا وہ ان کی حفاظت اور پناہ کا ذریعہ بنا رہتا سندھیا نے خوشی یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور اس کے دربار والوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ درحقیقت گورنر جنرل نے اس موقع پر اعتدال سے کام لیا۔

لارڈ ڈیہسٹنگن کے دور میں سلطنت آصفیہ کے

سیاسی معاہدوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی سلطنت

مذکور کی اندرونی حالت کا اد پر ذکر ہو چکا ہے۔

حیدر آباد کی حالت

یہاں کے وزیر سے کمپنی کا سمجھوتا ہو گیا تھا اور وہ اس کی اعانت کا محتاج تھا اس طور سے وہاں ایک نہایت معقول فوج تیار

ہو گئی تھی جس میں سوار اور پیادے دونوں شامل تھے برطمانوی
افسروں کے ہاتھ میں اس کی کمان تھی اور انہی کے توسط سے اس کی تختہ اہیں جو نہایت
معقول تھیں پابندی سے ادا ہوتی رہتی تھیں اور کپنی کو اس پر پورا اختیار حاصل تھا
در اصل یہ کپنی ہی کی فوجیں تھیں اور جس حکومت کی وہ برائے نام ملازم تھیں
اس سے زیادہ ان پر اس کا اثر تھا۔ یہ تو یہ ہے کہ شہر یار دکن کے پاس بھرا انکی
ڈیوڑھی کے دربان اور پہرے والوں کے جواست ان کے ماتحت تھے کوئی اور
فوج نہیں تھی۔

ایچ پور کے قدیم موروثی جاگیر دار صلابت جنگ کے پاس البرہ ایک
معقول فوج تھی لیکن وہ کسی لحاظ سے حیدر آباد کی فوج نہیں کہی جاسکتی۔ اگرچہ یہ
سردار سلطنت آصفیہ کے امراء میں شامل تھا تاہم اس نے سلاطین میں مرہٹوں
کے خلاف اپنی بہادری اور صداقت دکھا کر کپنی کی اعانت و عنایت کا اپنے آپ
کو مستحق بنالیا تھا اور اسی بناء پر اس سے ایک سمجھوتا کر لیا گیا تھا جس کی رو سے
وہ ایک بڑی حد تک دربار حیدر آباد کے اثر سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس عنایت (۴۹۹)
کے عوض میں وہ مع اپنے تمام ساتھیوں کے جن پر اس کا اثر تھا ہمیشہ کپنی کی
خدمت کرنے کے لئے آمادہ رہتا تھا اور اس کی فوج نے جس میں باقاعدہ پیدل
اور بے قاعدہ سواروں کا ایک دستہ شامل تھا پندرہویں کے خلاف خوب کام کیا۔
اگرچہ حیدر آباد کی حالت نہایت ابتر تھی تاہم خوش قسمت سے وقتی ضرورت
کے لئے ہمارے حسب نشانہ کپنی سلطنت کے تمام وسائل پر مادی ہو گئی۔ اگر
وہاں کے حالات مختلف ہوتے تو یہ بات ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ مرہٹوں کے
خلاف جو مدد یہاں سے ملی تھی اس کا اختتام جنگ پر اعتراف کیا گیا اور جب
انگریزی حکومت نے پیشوا کے علاقے پر قبضہ کیا تو پیشوا کے سابق مطالبات
چوتھ ہی شخص معاف نہیں کیئے گئے بلکہ دربار پور کو حیدر آباد پر جو حقوق حاصل
تھے وہ سب منسوخ کر دیئے گئے۔ چند اضلاع کا آپس میں تبادلہ کر لیا گیا جو
دونوں کے لئے مفید ہو بعد میں ان سب باتوں کو ایک معاہدے کی شکل
میں ترتیب دے لیا گیا اور ۲۲ دسمبر ۱۷۸۲ء کو اس پر دستخط ہوئے۔

راجپوت ریاستوں سے معاہدہ

اسی زمانے میں یعنی جنگ کی ابتدائی کاسیانی کے بعد ہی اودے پور۔ جودھپور۔ جے پور۔ کوٹا اور بونڈی کی راجپوت ریاستوں سے معاہدے ہوئے ان سب معاہدوں کا ایک ہی مقصد تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے انگریزی حکومت کی شہنشاہی قبول کی اور اس بات کی ذمہ داری لی کہ زیر دست کی حیثیت سے وہ ہمیشہ کپنی کا ساتھ دے گی اور جو خراج وہ اپنے سابق سردار کو ادا کیا کرتی تھی وہی کپنی کو ادا کرے گی۔ ان پر سابق خراج جو واجب الادا تھا اس کا نادیہ کپنی نے اپنے ذمہ لیا اور اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ اپنے ان تختانی حلیفوں کو بیرونی طاقتوں کے حلوں۔ مطالبات اور مداخلت سے محفوظ رکھے گی۔ اس کے ساتھ ہی اندرونی معاملات میں ان کے سب اختیارات بدستور قائم رکھے گئے۔ ان سب معاہدوں کی ایک ہی حیثیت تھی البتہ کہیں کہیں مقامی حالات یا فرماؤں کے مخصوص حالات کے لحاظ سے کچھ تبدیلی کی گئی تھی مثلاً ریاست کوٹہ میں مشہور ظالم سنگھ ایک مدت دراز سے یہ حیثیت اتالیق کے کام کر رہا تھا لہذا صیغہ راز میں اس سے ایک معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے اس کے تمام ذاتی اعزاز و اختیارات اس کے وارثوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے۔ اس معاہدے سے جن فوری فوائد کی توقع تھی وہ ان نقصانات کے مقابلے میں جن کا کہ آئندہ اندیشہ ہو سکتا تھا بہت زیادہ تھے۔ اس موضوع پر دوسری کتاب میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ایک غیر معمولی شخص تھا۔ اس کے تعلقات سے جن جن فائدوں کی توقع کی گئی تھی وہ سب پوری ہوئیں اور اس نے جو خدمات انجام دیں ان کا صلہ بھی اسے بہت جلد مل گیا۔ حیونت راؤ ہوکر نے ریاست کوٹہ کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا وہ اسے عطا کر دیئے گئے۔

(۵۰۱)

۱۔ بحوالہ سنٹرل انڈیا (وسط ہند) جلد دوم (صفحہ ۵۰۱)

۲۔ بحوالہ سنٹرل انڈیا صفحہ ۵۰۰ جلد دوم۔

اسی حال

سے معاہدہ

جس مستندی اور دانشمندی سے بغیر گویا پلائے
 سندھیا کو مغلوب کر کے صلح پر مجبور کیا گیا اسی طرح امیر خاں پر
 بھی اثر ڈالا گیا۔ اس کے وکیل نے دہلی کے رزٹنٹ سے
 جو معاہدہ کیا تھا اس کی توثیق کے مسئلہ کو یہ سردار طرح طرح
 کے غدر پیش کر کے ٹال رہا تھا لیکن جب بمبئی کی فوجیں اس کے قریب پہنچ گئیں
 اور انھوں نے چند ایسے مقامات پر قبضہ کر لیا کہ اسے معاہدہ سے پرہیز کرنا
 یا ایک غیر مساوی تقابلے کے لئے تیار ہو جانے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہ گیا تو
 اس نے بھی سلامتی کی راہ اختیار کر لی۔ ہونکر کے خاندان سے جو مقبوضات اسے
 ملے تھے ان پر اس کا قبضہ بحال رکھا گیا لیکن اسے اپنے توپ خانے کا ایک
 بڑا حصہ انگریزی حکومت کے حوالے کرنا پڑا اور قرضاتوں کے جو جتنے دس سال سے
 مالوہ اور راجپوتانہ کے لئے بلائے بے درماں بنے ہوئے تھے انھیں بھی برخاست
 کرنا پڑا۔

راجہ ناگپور

کی
بے وفائی

۱۸۱۷ء کے اوائل میں پیشوا اور راجہ ناگپور کی
 جو حالت تھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ گورنر جنرل ان دونوں
 کے کیرکٹر کی بابت اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اور برطانوی
 حکومت کے ان پر جو حقوق ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا
 ہے کہ تیرا خیال تھا کہ وہ اپنے مفاد کا ضرور خیال رکھیں گے۔
 مجھے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ وہ سب سے پہلے جنگ کی طرف مائل ہونگے
 اور مجھے ایسی روش اختیار کرنے پر مجبور کریں گے جس کے نتائج میرے ابتدائی
 خیالات کے قطعی خلاف ہوں گے۔

(۵۰۲)

ان دونوں کے کیرکٹر کا ذکر کرتے ہوئے لارڈ ویسٹمنگہم لکھتا ہے کہ اگر
 پیشوا اور راجہ ناگپور کی خلاف توقع غداری اور حماقت ظہور میں نہ آتی تو میں
 اپنے تئیں نیز سرکار عظمت مدار کو اس بات کی مبارکباد دیتا کہ میں نے اپنی
 توقع کے مطابق غارتگری کے رواج کا خاتمہ کر دیا اور نہ ہندوستان کی
 کسی طاقت کو چھیڑنے کی ضرورت پڑی اور نہ چپہ بھر زمین برطانوی حکومت

کے مقبوضات میں شامل کی گئی۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ آپ میری اس دلی خواہش سے واقف تھے اور اسے پسند کرتے تھے لیکن جن اسباب کی بنا پر مجھے اس میں مایوسی ہوئی وہ میرے اختیار سے باہر تھے۔ جب یہ واقعات ظہور میں آئے اور بے وفا حلیفوں اور علانیہ دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے اس بات کا اقبال کرنا پڑا کہ جن اصول کی طرف میں ابتدا میں مائل تھا اور جن پر عمل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا تھا ان پر اب قائم رہنا ممکن نہ تھا۔ اس معاملے میں جو احکام مختلف حالات کے لحاظ سے جاری کئے گئے تھے ان کی تعمیل آپ کے مقبوضات کو خطے میں ڈالے بغیر نہیں ہو سکتی تھی اور اس بات کو نہ میں پسند کر سکتا تھا اور نہ میری اس قسم کی اطاعت سے میرے موطن خوش ہو سکتے تھے۔

مذکورہ بالا واقعہ ہماری ہندوستانی تاریخ کی ان متعدد مثالوں میں سے ایک مثال ہے جن سے یہ بار بار نہایت واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ جب کبھی ہم کسی جنگ میں مبتلا ہوں گے تو اس میں ہمارے لئے کوئی حدود مقرر نہ ہو سکیں گے۔ واقعات کی تھوڑی سی تفصیل سے واضح ہو جائے گا کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ صدر حکومت اپنی شہرت اور اپنے مفاد کو نشانہ بنے بغیر نیڈاریوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کرنے میں مزید تاخیر روا نہیں رکھ سکتی تھی تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اسی قدر سخت ضرورت آیا صاحب اور باجی راؤ دونوں کے خلاف جنگ کرنے کی تھی تاکہ ان بے وفا فرمانرواؤں کا پورے طور سے خاتمہ کر دیا جائے۔ اگرچہ آیا صاحب دانی ناگیور کو انگریزی حکومت ہی کی بدولت گدنی نصیب ہوئی تھی تاہم اس نے ابتدا ہی سے کچھ ایسا طرز عمل اختیار کیا جو ہر لحاظ سے وفاداری اور احسان مندی کے خلاف تھا۔ جن وزراء کے اثر سے امدادی معاہدہ طے پایا تھا انہیں اس نے ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور باجی راؤ سے جو اس وقت ہمارے مفاد کے خلاف تدبیریں کر رہا تھا نہایت باقاعدہ طور پر یہ بیغہ راز مراسلت شروع کر دی۔ اس قسم کی مراسلت معاہدے کی رو سے ناجائز تھی۔

لیکن اس قسم کی باتوں کو چھیڑ کر ناگوار صورت پیدا کرنا مقصود نہ تھا اس لئے مرٹون کے عادات و خصائل اور اس نوعمر فرماں روا کی کمزوری کا جس کی وجہ سے وہ سازش کی طرف مائل تھا خاص طور پر سحاٹ کیا گیا۔

(۵۰۴)

دربار ناگپور میں اس وقت دو فاس جماعتیں تھیں۔ ان میں سے ایک قطعی طور پر انگریزوں کے مفاد کے خلاف تھی۔ آج کل اسی کا اثر بڑھا ہوا تھا لیکن باجوڑ اس کے راجہ رزیدنٹ سے اس قدر اخلاص اور صفائی سے ملتا تھا کہ اگر مسٹر جنکس ذرا بھی بے خبر رہتا تو وہ بہت سخت مغالطے میں پڑ جاتا اور اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا رہتا۔ اس نے زبانی جمع خیر کے مقابلے میں راجہ کی حرکتوں کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ناگپور کی فوج میں انتشار ہوا۔ پونہ سے راسلت روز بروز بڑھتی رہی۔ برطانوی فوجوں پر حملہ ہونے کے بعد پیشوا کی طرف سے اسے خلعت عطا ہوا اور علانیہ طور پر اس کی عزت کی گئی یہ سب باتیں ایسی تھیں جنہیں پاپووسی کی باتوں یا پوریج غدرات سے نہیں ٹالا جاسکتا تھا اور نہ منجھانمان اسپرٹ کے علاوہ کسی اور سبب پر انہیں محمول کیا جاسکتا تھا۔ باوجود ان واقعات کے چند باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے رزیدنٹ کو اس بات کی توقع ہو گئی کہ راجہ جس سے گزرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ سندھیا کے معاہدے اور پیشوا کی ناکامی کی خبر ناگپور کو ایک ہی دن پہنچی اور اس خیال سے کہ راجہ پر ان کا

اچھا اثر پڑے گا ان کی اطلاع اسے کر دی گئی۔ مسٹر جنکس Mrs. Jenkins لکھتا ہے کہ راجہ نے اول الذکر واقعہ بالہارالینان کیا اور پیشوا کی طاقت پر انوس کیا اور کہا کہ کیا وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر توڑی بہت کامیابی اسے حاصل ہو جائے گی تو وہ اس سے انگریزوں کی قوت کو کوئی سدہ بہتہ نہ کھائے گا۔ اگرچہ رزیدنٹ کا خیال تھا کہ آپا صاحب کے بدظنیت مشیروں نے ان واقعات سے جو تہجان پیدا ہو گیا ہے اس کا اثر اچھا ہوگا تاہم اپنے اس خیال سے متاثر ہو کر اس نے فوری ضروریات کے لئے مزید فوج حاصل کرنے میں تاخیر نہ کی۔ حفظان قدم کے لئے اس نے جو انتظامات کئے تھے ان کی تکمیل کے چند روز بعد ہی اسے اطلاع ملی کہ ناگپور میں جو متواری سی برطانوی فوج تھی اس پر حملہ ہونے والا ہے۔ ۲ نومبر ۱۸۱۸ء کو اس نے فٹنٹ

(۵۰۵)

جنرل سر تھا اس ہلپ کو جو خط لکھا تھا اس کے مندرجہ ذیل اقتباس سے راجہ مذکور کے دوغلے پن کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ سٹر جنٹلس لکھتا ہے کہ گزشتہ ماہ کی ۴ تاریخ کو جو تحریر میں نے آپ کو روانہ کی تھی اس کے بند سے مجھے برابر اس بات کی اطلاع مل رہی ہے کہ مقامی برطانوی فوجوں پر حملہ ہونے والا ہے۔ ماہ رواں کی ۱۷ تاریخ کو میں نے سر جان میلکام اور آپ کو جو خط لکھا تھا اس میں ان تمام باتوں کا میں ذکر کر چکا ہوں جن کی بنیاد پر راجہ کو اس حرکت کے لئے ابھارا جا رہا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ راجہ کے چند دانشمند شیر اپنے اثر سے اس بات کو اسی روئے ہوئے ہیں لیکن جہاں تک کہ راجہ کی ذات کا تعلق ہے اس کے کسی سرکاری مراسلہ یا اسکے کسی لفظ سے اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ ہم سے بگاڑ کرنے والا ہے۔ اب تک شکایت کا ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان پر نہیں لایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جب جنگ کی حامی جماعت نے ایک روز یہ خبر مشہور کر دی کہ برطانوی فوجیں اس محلہ کرنے کی غرض سے کوچ کرنے والی ہیں تو اس نے خوف زدہ ہو کر میرے منشی کو جو ایک مرہٹہ ہے اپنے پاس بلایا اور ایک گھنٹہ تک اس سے گفتگو کی اور شواہکی غداری کے خلاف رائے ظاہر کی اور کہا کہ یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ میں اس کی تقلید کروں میرے وسائل محدود ہیں۔ میری جو حیثیت ہے وہ ظاہر ہے۔ میں مع اپنے اہل و عیال کے ایک کھلے شہر میں مقیم ہوں۔ بجز ایک چائے کے قلعے کے میرے پاس کوئی اور قلعہ نہیں جس میں انھیں حفاظت کی خاطر رکھا جاسکے۔ مزید برآں مجھ پر برطانوی حکومت کا احسان ہے۔ اسی کی بدولت مجھے سب کچھ حاصل ہوا ہے۔ اسی کی عنایت و اعانت کا میں ہمیشہ خواستگار اور محتاج ہوں اور تنہا اسی پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔

(۵۰۶)

ریڈینٹ مذکور آخر میں لکھتا ہے کہ "اب تک میں نہایت چوکنا ہوں میں نے اپنی طرف سے حتی الوسع کسی قسم کی بدگمانی کا بھی اظہار نہیں کیا لیکن ہائے دشمن نہایت زور شور سے یہ افواہ اڑا رہے ہیں کہ کھنپی پر حملہ ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی مشہور کی جا رہی ہے کہ پنداری بھی ہم پر حملہ کرنے والے ہیں اور اس خبر اور خوف کے بہانے سے راجہ کی فوجیں ہر وقت کربستہ رہتی ہیں

لہذا میں نے دربار والوں کو آگاہ کر دیا ہے کہ اس قسم کی خبریں سچ ہوں یا غلط اگر برطانوی فوجوں کو رزیدنسی کی طرف بڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کی ذمہ داری آپ سب پر ہوگی۔ پنڈاریوں کے متعلق جو خبریں اڑانی جا رہی ہیں ان میں علانیہ طور پر راجہ کے گماشتوں کا زیادہ حصہ ہے۔
راجہ کی مسلح پسند باتوں کے باوجود اس کی فوجوں کی نقل و حرکت ہماری خبروں کے مطابق نکلی اور اس کے ارادوں کا اس قدر صاف اندازہ ہو گیا کہ ان میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ان واقعات کے بعد کمپنی کی فوج کو غیر محفوظ چھاؤنیوں سے رزیدنسی میں منتقل کر کے سینا بلدی پہاڑی پر جو اس کے متصل تھی جہاں دیا گیا۔

۲۶ نومبر کی رات کو ایک کثیر العدد فوج نے اس قلیل جماعت پر حملہ کیا اور اٹھارہ گھنٹے کی لڑائی کے بعد ہمیں جو شاندار فتح حاصل ہوئی اس کی تفصیل چارے فوجی کارناموں کی تاریخ میں ملے گی۔ یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ غنیمت کو ہر جگہ اور ہر سمت میں شکست ہوئی۔ اسی اثناء میں جو کمک طلب گئی تھی وہ آہنچی اور اس کے بعد اپنا صاحب کو اپنی کامیابی کی کوئی توقع باقی نہ رہی اور اس نے دوبارہ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے مراسلت شروع کر دی اور اس بات کے باور کرانے کی کوشش کی کہ کمپنی کی فوجوں پر جو حملہ ہوا وہ بغیر اس کی منظوری اور رضا مندی کے ہوا تھا۔ اس سے مطالبہ کیا گیا کہ پہلے میدان جنگ سے فوجیں ہٹالی جائیں اس کے بعد اس کی تحریک کا جواب دیا جائے گا۔ اس کی تعمیل کر دی گئی اور اس کی فوجوں کی مراجعت اور جنرل ڈوٹن General Doveton کی فوج کے پیچھے میں (جن کا مقدمہ ابھیش ناگپور ۱۲ دسمبر کو پہنچا) جو دفعہ گزرا اس میں یہ سربراہ راجہ برار جو شاد اور اطاعت گزاری کا اظہار کرتا رہا لیکن ساتھ ہی ساتھ بزدل اور غیر مستقل مزاج لوگوں کی طرح اپنی تلون مزاجی کا بھی ثبوت دیتا رہا۔

۱۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو انگوڑے دکھائی دیتی ہے۔

جنرل ڈوٹن کے پہنچنے کے بعد اسے مندرجہ ذیل شرائط پیش کی گئیں:-
 وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ کمپنی کی فوج پر حملہ کرنے کے بعد وہ بالکل
 ہمارے رحم و کرم پر ہے اور اس کی نجات کا انحصار تنہا ہماری فیاضی اور ہمارے
 اعتدال پسند مسلک پر ہے۔ اس کے بعد وہ اپنا تمام سامان جنگ اور اسلحہ
 وغیرہ ہمارے حوالے کرے۔ اس کی فوج کی تعداد معین ہونے کے بعد اس کا کچھ حصہ
 اُسے واپس دے دیا جائے گا۔ رزیدنٹ سے مشورہ کرنے کے بعد وہ اپنے عرب
 سپاہی نیزہ و سرے تمام سپاہیوں کو جس حد تک ممکن ہو برخواست کرے۔
 اس کی فوج کے لئے اس وقت جو مقام مقرر کیا جائے وہاں وہ فوراً منتقل کر دی
 جائے۔ شہر ناگپور پر کمپنی کی فوجیں قابض ہوں گی اور وہ تمام سرکاری وغیرہ سرکاری
 مال کی حفاظت کریں گی۔ راجہ کو جو سیول اختیارات حاصل ہیں وہ بھی انہی فوجوں کے
 ہاتھ میں رہیں گے اور وہی اس کی جگہ کام کریں گی۔ شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد
 شہر ناگپور پر سے قبضہ ہٹایا جائے گا۔ راجہ سر دست برطانوی رزیدنسی کے علاقے
 میں یا باہر کسی جیمے میں منتقل ہو جائے اور جب تک کہ ہر معاملہ طے نہ ہو جائے
 وہیں قیام کرے۔ شرائط سعادہ کی رو سے اس کی ریاست کا کوئی بڑا علاقہ اس پر
 نہیں لیا جائے گا البتہ امدادی فوج اور دیگر فوجوں کے ضروری مصارف کے لئے جو
 سابق معاہدوں میں طے ہو چکے ہیں کوئی علاقہ ضرور لیا جائے گا۔ دوسرے جو امور
 پیش کئے جائیں گے ان کا مقصد بجز امن برقرار رکھنے کے اور کچھ نہ ہو گا اور ان
 سب میں بھی راجہ کی حکومت کے اقتدار کا خاطر خواہ طریقہ پر لحاظ رکھا جائے گا۔
 ان سب شرائط کی تعمیل ۱۲ تاریخ کی صبح کے چار بجے تک ضروری قرار دی گئی
 اور اس کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ سانجے صبح تک راجہ کی فوجیں شہر سے باہر
 ہو جائیں جس کے بعد کمپنی کی فوجیں شہر میں داخل ہونگی راجہ کو اختیار حاصل ہے کہ
 ان شرائط کی تکمیل سے قبل ہی رزیدنسی کے علاقے میں چلا آئے یا اس کے بعد
 دن میں کسی وقت جیسا وہ مناسب سمجھے۔

ان شرائط سے جو راجہ کو پیش کئے گئے تھے اس کے اختیارات تو بہت
 کچھ محدود ہو گئے لیکن اس کی حکومت کے نام اور کام میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس نے (۵۰۹)

میں دوسری بغاوت ہو گئی۔

ریاست کے متعدد قلعہ داروں نے جب اپنے اپنے قلعے کمپنی کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو مختلف قسم کے شبہات پیدا ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت مل گیا کہ ان کے بے وفامانک نے انھیں ہماری مخالفت کرنے کی ہدایت کی تھی اس کی فوج کے باغی سرداروں اور اس کے وزراء کے پاس جنہوں نے سابق موقع پر اسے ابھارا تھا اس کے خطوط پکڑے گئے۔ ان واقعات سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ باوجود کمپنی کے اعتدال اور نیک سلوک کے وہ برابر مخاصمانہ کارروائی میں مشغول ہے۔ اسی زمانے میں یہ بھی پتہ لگا اور اسکے لئے قطعی ثبوت بھی مل گیا کہ جس گدی کی اس نے اس قدر سخت ذلت کی ہے اسکے حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے پیشرو بالا صاحب کو بھی قتل کرایا تھا۔ ان سازشوں اور جرموں کی نوعیت اس قدر سخت تھی کہ رز پڈنٹ کو ان سب باتوں کی اطلاع گورنر جنرل کو کرنی چاہئے تھی اور اس کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے تھا لیکن ایک طرف تو اسے یہ خبر ملی کہ راجہ اپنے دار الحکومت سے فرار ہونے کی فکر میں ہے اور دوسری طرف یہ پتہ لگا کہ باباچی راؤ ناگپور کی طرف بڑھنے والا ہے اور اپنا صاحب اس سے برابر مراسلت کر رہا ہے لہذا یہ وقت غور و خوض کا نہ تھا۔ سر جینکسن نے اپنی فوجوں کو محل کا محاصرہ کرنے اور اپنا صاحب کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اس کے بعد اپنا صاحب کو رز پڈنسی میں پہنچا دیا گیا اور وہیں وہ مقید رہا۔ احکام وصول ہونے کے بعد فوج کے ایک زبردست دستے کی نگرانی میں اسے شمالی ہند کے برطانوی علاقے کو روانہ کر دیا گیا۔ راجپورہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنے پیسے والوں کو رشوت دی اور وہاں سے نکل بھاگا اول ہادیو بہار پر پہنچا اور وہاں سے اسیر گڈھ پہنچ گیا اور پنڈاریوں کے سردار جیتو سے مل گیا۔ اپنا صاحب کے یہاں پہنچنے کے چند روز بعد ہی برطانوی فوج کے ایک دستے نے اسیر گڈھ کے قلعے کے قریب جیتو پر حملہ کیا اور اسکی

(۵۱۲)

۵۔ یہ مقام جیلپور سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔

فوج کو منتشر کر دیا۔ اس کے بعد سے اس ذلیل اور غدار شخص کا ہمیں کچھ حال معلوم نہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ کچھ مدت تک اسپرنگ فیلڈ میں پناہ گزین رہنے کے بعد وہ پنجاب روانہ ہو گیا اور اب تک وہیں رجعت سنگھ والی لاہور کی روٹیوں پر ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

ٹاکیو کے علاقے میں حکومت قائم کرنے اور ضروری انتظامات چھوٹنے کے حالات

(۵۱۳)

کیس ان کا بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ اب پوتے کے حالات کی طرف توجہ کرنی چاہئے وہاں کے نو فرمانروا سے بھی آپا صاحب کی سی حرکتیں سرزد ہوئیں جن سے جمہور ہو کر برطانوی حکومت کو ایسی کارروائی کرنی پڑی جس سے بالآخر باجی راؤ کی حکومت اور اس کے خاندان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

برطانوی حکومت نے پیشوا کی آئندہ غداری سے بچنے کے لئے جن شرائط پر اسے مجبور کیا تھا اور اس طور سے جو کثیر نقصانات اسے برداشت کرنے پڑے تھے انکے بعد سے اس کے دل میں یک قسم کی کشمکش جاری تھی جس کی وجہ سے کبھی تو وہ جنگ کی حامی جماعت کے زیر اثر آ جاتا تھا اور کبھی حامیان امن کی طرف جن کا یہ قول تھا کہ جس قوت کے مقابلے کی تاب نہیں ہے اس کی پیش کردہ شرائط قبول کر لینی چاہئیں مائل ہو جاتا تھا۔

حامی جنگ جماعت کا سردار گوکل تھا یہ شخص ذات کا برہمن اور ایک نہایت جوشیلا فوجی سردار تھا۔ ۱۸۰۳ء کی لڑائی میں اس نے نہایت مستعدی اور بہادری سے کام کیا تھا جس کے صلے میں برطانوی حکومت نے اس کے ساتھ اتنا فیاضانہ سلوک کیا تھا اور اس وقت جو کچھ عزت و قوت اسے حاصل تھی وہ برطانوی حکومت کی اعانت ہی کی بدولت تھی لیکن جاہ طلبی کی ہوس اور مذہبی تعصب نے اسے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ اس زمانے میں جنگ کا حامی بن گیا۔ امن و صلح کی حامی جو جماعت تھی اس کا سردار نور دگشت تھا۔ یہ ایک برہمن وزیر اور

نہایت سادہ وضع اور استخبارت شخص تھا۔ باجی راؤ کو ترمبک جی کے ساتھ جو خصوصیت تھی اس کی وہ برابر مذمت کرتا رہتا تھا اور ایک سمجھدار شخص ہونے کی حیثیت سے وہ یہ تاثر کیا تھا کہ اس شخص کی صحبت اور نفسانی خواہشات کے مضار اثر سے اس کا آقا بہت جلد اپنے آپ کو تباہ کر لے گا۔ ۱۳ جون کو پیشوا سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں باجی راؤ کے خوف کے علاوہ اس وزیر کی نصیحت اور اس کے ہم خیال معزز اشخاص کا اثر بھی شامل تھا۔ اس موقع پر یہ توقع کی گئی تھی کہ جس طرح باجی راؤ نے اپنے ذاتی اغراض اور شیریں کی صلاح سے اپنے بزرگوں کی سلطنت برقرار رکھنے کے لئے ہماری پیش کردہ شرائط قبول کر لی ہیں اسی طرح نہ وہ ان کے عمل میں ممانع ہو گا اور نہ ان کی خلاف ورزی کرے گا۔ علاوہ ازیں ایک خیال یہ بھی تھا کہ جب ضرورت و مجبوری اور مقابلے کی کامیابی سے مایوس ہو کر وہ اپنے متعدد قلعے اور علاقے انگریزی حکومت کے حوالے کر چکا ہے اور اس طرح اس کی قوت میں کمی واقع ہو چکی ہے تو اس کے بعد اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ وہ پہلے بھی جنگ سے بروقت پیچھے ہٹ گیا تھا۔ آئندہ اپنی قسمت کا فیصلہ کیونکر شمشیر کے حوالے کر دے گا لیکن جو طرز عمل اس نے اختیار کیا وہ ہر لحاظ سے بعید از عقل تھا اور اسے محض اس کی طبیعت کی کمزوری چھو ل کر بنا چاہئے۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں گوگل نے اس پر اپنا پورا اثر بٹھالیا تھا۔ اس کے رفیق ترمبک جی کا اس پر برابر دباؤ پڑ رہا تھا اور بلاشبہ مرہٹوں کی دوسری سلطنتوں سے بھی اسے اعانت و مدد کے وعدے مل چکے تھے غارتگری اور قزاقی ان مرہٹوں کے مسلک کا ایک جزو بن گئی تھی لہذا جو قوت اس کا خاتمہ کرنے پر تلی تھی اس کے خلاف وہ سب متحد ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے ان زبردست محاکات اور اتحاد کے باوجود اگر پوسہ کی برطانوی فوج پٹھاریوں کے خلاف روانہ نہ ہو گئی ہوتی تو پیشوا کی ہمت جنگ شروع کرنے کی ہرگز نہ پڑتی اور ذاتی خطرات اس پر لازمی حاوی رہتے بہر حال اس طور سے اسکی ہمت بڑھ گئی اور جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی تدبیریں پوشیدہ نہیں رہیں اور رزیڈنٹ نے کمک طلب کی ہے اور پوسہ کی تلیل فوج کی اعانت کے لئے

(۵۱۴)

(۵۱۵)

دوسری فوج آرہی ہے تو اس نے پہلا وار چلانے کا فیصلہ کر دیا۔ اس نے پونہ میں ایک کثیر فوج جمع کی۔ انگریزی چھاؤنیوں کو لوٹا اور جب اس کے خاصانہ انداز اور حرکات سے متاثر ہو کر رزیدنٹ اس کے دار الحکومت سے باہر قریب کے ایک محفوظ مقام پر قفل ہو گیا تو اس نے برطانوی رزیدنسی پر بھی بارانہ مارا اور بعد میں کھرکی کٹی قلیل برطانوی فوج پر بلاوجہ اور بغیر کسی اشتعال کے حملہ کیا۔ مسٹر الفنسٹن نے ۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو جو خط لارڈ ملہیسٹننگز کو لکھا تھا اس میں ان سب واقعات کی تفصیل درج ہے۔ اس تحریر کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ باجی راؤ کی طرف سے علانیہ خاصیت کا اظہار ہو جانے کے بعد بھی مسٹر الفنسٹن نے اسے جنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکنہ کوشش کی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی تباہی لازمی معلوم ہوتی تھی۔

واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیشوا سے جو جنگ پھڑپی اس میں خود باجی راؤ کا کوئی دخل نہیں تھا اور نہ دوران جنگ میں اس نے اپنی طرف سے خاطر خواہ کوشش کی۔ محض اس کے نا عاقبت اندیش مشیروں نے اسے پھنسا دیا تھا۔ پونہ پر قبضہ ہونے کے بعد صحیح واقعات کا علم ہوا اور ان سے یہ عقدہ ٹھلا کہ جنگ شروع ہونے کے وقت باجی راؤ نے کوئل سے کہا بھیجا کہ میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا لیکن اس مغرور سردار نے اپنے آقا کی کمزوری کے نتائج کو محسوس کر کے فوراً جنگ شروع کر دی۔ کوئل کا بیان ہے کہ کہیں کی ہندوستانی فوجوں کی بابت اسے یقین تھا کہ وہ انگریزوں کا ہرگز ساتھ نہیں دیں گی اور محض اس خیال کی بنا پر اسے اپنی کامیابی کی توقع تھی۔ درحقیقت شاید ہی کبھی کسی سیاسی سارٹش میں ایک خاص جماعت کو درغلانے اور لالچ دلانے کی اس قدر زبردست کوشش کی گئی ہوگی اور اس کے ساتھ شاید ہی کبھی اس قسم کی کوشش میں اس قدر سخت ناکامی ہوئی ہوگی۔ ہندوستانی سپاہی زیادہ تر پیشوا کے علاقے ہی کے رہنے والے تھے لیکن اعلیٰ تنخواہوں اور دیگر قسم کے لالچ کے مقابلے میں وہ ثابت قدم رہے۔ نہ بڑی بڑی رشوتوں کی ترغیب سے ان کی وفاداری میں فرق آیا اور نہ ان کے خاندانوں کے

ساتھ بدسلوکی کرنے کی دھمکیوں سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے فرض سے منہ موڑا۔ جنگ شروع ہونے کے بعد سے ہتھیار ڈالنے کے وقت تک پیشوا برطانوی فوجوں کے مقابلے سے بچتا رہا۔ صرف گوجل کی فوج نے مقابلے کی جرأت کی اور وہ خود بھی آخر دم تک نہایت بہادری سے لڑتا رہا اور اسی لڑائی میں ہلاک ہوا۔ اگرچہ وہ ایک غیر دانشمند مشیر اور نادان دوست تھا تاہم اس نے مرتے وقت ایک بہادر اور جانباز سپاہی کا لقب حاصل کر لیا۔

باجی راؤ میدان جنگ میں توسخت بڑا ثابت

ہوا لیکن ہماری فوجوں سے بچنے میں اس نے کمال کر دکھایا اور تعاقب کی ناکامی کی وجہ سے حیثیت غنیم کے اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اس کا عہد سلطان لوگوں کا مرکز بن گیا۔ ان سب کے خدمات کا

(۱۷) باجی راؤ کی معزولی

اور
سلطنت پونہ کا خاتمہ

معاوضہ کرنے کے لئے اس کے پاس معقول سرمایہ موجود تھا۔ اگرچہ ہم نے اس کی معزولی کا اعلان کر دیا تھا اور ستارا کے راجہ کو قید خانے سے رہا کر کے پونہ کا ایک علاقہ اس کے حوالے کر دیا تھا اور جو اختیارات اس کے بزرگوں کو برائے نام حاصل تھے وہ اب حقیقی معنوں میں اسے حاصل ہو گئے تھے تاہم مرہٹوں جیسی قوم کے دل سے ایک صدی کے خیالات و جذبات نہ ہمارے الفاظ سے مٹائے مٹ سکتے تھے اور نہ ہمارے انتظامات میں کوئی فرق پیدا کر سکتے تھے ہم باجی راؤ کو پیشوا کے لقب سے یاد کریں یا نہ کریں وہ فرمانرواؤں کے اس خاندان کا نمائندہ تھا جس کے سامنے مرہٹوں کی قوم کا ہر طبقہ کئی پشتوں سے سربمکھ تار رہا ہے خواہ وہ صدق دلی سے ہو یا محض ظاہری کی خاطر۔ دوسری تمام ریاستیں اس کی کامیابی کے لئے دعا کرتی تھیں ہر وہ قوت جسے ہم بچاؤ دکھا چکے تھے اور وہ تمام فرمانروا سردار جو ہم سے خوف کھاتے تھے اس بات پر متفق تھے کہ جب تک باجی راؤ میدان میں موجود ہے اس وقت تک ایک ایسا مرکز قائم رہے گا جس پر سب جمع ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ وہاں کسی وقت ایسی قوت قائم ہو جائے جو انگریزوں کی قدر و منزلت کو

صد مہ پہنچا سکے۔ ان واقعات کی اہمیت کے لحاظ سے مرکزی حکومت اور مقامی عہدہ دار جو اپنے مقامی تجربے کی وجہ سے زمانے کی خصوصیات کو خوب سمجھے ہوئے تھے اس موقع پر خاص طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہی میں باجی راؤ نے اسیر گڑھ ہینکلرہ پر تجویز پیش کی کہ وہ اپنے آپ کو کمپنی کے حوالے کرنے اور برطانوی قوم کی قیاضی پر بھروسہ کرنے کے لئے آمادہ ہے۔

(۵۱۸) باجی راؤ کا اس کتاب میں اس قدر ذکر ہو چکا ہے اور تاریخ ہند کے سیاسی واقعات پورے کے فرمانرواؤں کے نام کے ساتھ اس قدر زیادہ دیا ہے کہ اگر اس خاندان کے آخری زمانہ کی اطاعت و مغزوں کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کر دئے جائیں جس کی حکومت ایک زمانے میں ساحل ملبار سے لے کر صوبہ لاہور تک پھیلی ہوئی تھی تو اس سے نہ صرف ہمارے معلومات میں اضافہ ہو گا بلکہ ہمارے جس بھی ایک حد تک رفق ہو جائے گا اس مقصد کے لئے بہترین اور مستند مواد ایک شخص کے مراسلے میں مل سکتا ہے جس نے یہ تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور جسے اس زمانے میں ہر سرکاری کاغذ پر عبور حاصل تھا لہذا یہ مراسلہ اس کتاب کے ضمیمہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اس تحریر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باجی راؤ کے دوکیل یا سفیر۔ اہ می کو جزل میلکام کے پاس پہنچے جو اس وقت مالوہ میں مٹو کے پٹاؤ پر مقیم تھا۔ انھوں نے اپنے آقا کا ایک خط اس کے سامنے پیش کیا جس میں اس نے صلح و امن کی انتہائی خواہش کا اظہار کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ توقع ظاہر کی تھی کہ جزل مذکور (جسے وہ اپنا تہاد دوست سمجھتا تھا)

(۵۱۹) ۱۔ باجی راؤ ایسے ہر موقع پر کہا کرتا تھا کہ میرے تین دوست ہیں۔ کلوز۔ میلزلی (یعنی ڈیوک آف ویلنگٹن) اور میلکام کلوز مرچا تھا۔ میلزلی ایک بید مقام راج پٹا آدمی تھا۔ اس طور سے یہاں صرف میلکام باقی رہ گیا تھا جو کسی مددگار کی غیالان تینوں کا ذکر وہ اسوجہ کیا کرتا تھا کہ سندھ میں جب اسے برسر حکومت کر لیا گیا تھا تو اس میں ان تینوں ہی کا دخل تھا۔

اس معاملہ میں بحیثیت ثالث کے مداخلت کرے گا۔ ان وکیلوں نے اس درخواست کو موثر بنانے کے لئے جو دلائل پیش کئے ان کا ڈھرائی سود ہو گا وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتے تھے کہ باجی راؤ اپنی مرضی کے خلاف جنگ میں پھنس گیا تھا۔ یہ ثابت کرنے کیلئے جن میں مقابلے کیلئے اسے ابھارا گیا تھا وہ اس کے پس کے کام نہ تھا انھوں نے بطور دلیل کے اس کی بزدلی کا بھی ذکر کیا اور ان دلائل کی بنا پر اس بات کی توقع ظاہر کی کہ اس مرتبہ اسے اور معاف کر دیا جائے گا۔ ان سب باتوں کے جواب میں ان سے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ جو کچھ واقعات ظہور میں آئے ہیں ان کے بعد وخصو صاً ایسی صورت میں جب کہ پوتہ پر ہمارا قبضہ ہو چکا ہے اور ہم اس کا اعلان بھی کر چکے ہیں باجی راؤ سے کوئی معاہدہ اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ اپنے سخت و تاج سے دست بردار ہونے اور دکن سے باہر سکونت اختیار کرنے کا وعدہ نہ کر لے۔

پیشوا نے سر جان میل کام سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ اسیر گڈھ کے قریب اس کے پڑاؤ پر آئے اس سے ملاقات کر لے۔ اسے قبول نہیں کیا گیا کیونکہ اس سے کمپنی کی غرض ظاہر ہو جی اور معاملات طے کرنے میں دقت پیدا ہو جاتی تاہم تاخیر رفع کرنے کی غرض سے سر جان کے مددگار کپتان لو (Captain Lowe) کو روانہ کر دیا گیا تا کہ وہ وہاں پہنچ کر اس بات کا اندازہ کرے کہ یہ پیغام کس حد تک صداقت پر مبنی ہے اور باجی راؤ اور اس کے ساتھیوں کی حقیقی حالت کیا ہے۔

پیشوا کی طرف سے اس قسم کی درخواست کا بھی خیال بھی نہیں تھا لہذا سر جان میل کام کو اس بارے میں قطعی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی تاہم جنگ کا قصہ ختم کرنے کی غرض سے وہ اپنے اوپر ذمہ داری لینے سے بالکل نہیں گھبرا یا کیونکہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کی چھوٹی پیشوا کی گرفتاری یا اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے گرفتار کرنے کی اس وقت کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔ وہ اسیر گڈھ پہنچ گیا تھا وہاں

گورنر نے اپنی خدمات اسے پیش کر دی تھیں اور اپنی تمام فوج اور پورا قلعہ اس کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ عین برسات کا موسم تھا لہذا پانچ چھ مہینے تک اس قلعہ کی (۵۲۰) تسخیر نامکن تھی۔

ان خیالات کے بعد جب سر جان میلکام کو یہ اندازہ ہوا کہ اس معاملے میں غیر معمولی تعویین کا اندیشہ ہے تو وہ خود بھی کچھ آگے بڑھ گیا تاکہ پیشوا کے پڑاؤ کے قریب رہ سکے۔ جنرل ڈون برہان پور میں مقیم تھا لہذا پیشوا جنوب یا مغرب کی طرف نہیں بڑھ سکتا تھا۔ سر جان میلکام جب خود آگے بڑھا تو اس نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دے دیا کہ پیشوا شمال اور مشرق کی سمت میں بھی مراجعت نہ کر سکے۔ اس ترکیب کا مقصد یہ تھا کہ باجی راؤ کو اطاعت قبول کرے یا اسیر لگڑھ کے قلعہ میں بند ہونے کے علاوہ جہاں صرف اس کی بیدل فوج اس ساتھ دے سکتی تھی اور کوئی چارہ باقی نہ رہے اور یہ صاف ظاہر تھا کہ اگر وہ یہاں سے نکل کر بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا تو بارش کا موسم ختم ہوتے ہی فوجی کارروائی شروع ہو جائے گی اور وہ یقینی طور پر محصور ہو جائے گا۔

ایک طرف گفت و شنید جاری تھی دوسری طرف سر جان میلکام آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی فوجیں نقل و حرکت کر رہی تھیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے جب تک کہ خود سر جان میلکام نے باجی راؤ سے ملاقات کرنے پر رضا مندی ظاہر نہ کی تصفیہ کی کوئی صورت نہ نکلی۔ باجی راؤ پر اس وقت اس قدر رعب طاری تھا کہ وہ اپنی تقریباً تمام فوج کی حفاظت میں ملاقات کرنے کے لئے باہر آیا۔ سر جان میلکام کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ جب تک کہ باجی راؤ کے دل میں اعتماد قائم نہ کیا جائے گا جو بغیر صداقت و دیانت کے پیدا نہیں ہو سکتا اس کا خوف رافع نہیں ہو گا لہذا وہ اپنے ساتھ ایک نہایت قلیل جماعت لیکر گیا۔ (۵۲۱)

اس کارروائی سے پیشوا کو ایک حد تک اطمینان حاصل ہوا اور وہ سکون کے ساتھ معاملات پر گفتگو کر سکا۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ سر جان میلکام پر ذاتی طور سے اسے کوئی بے اعتباری نہیں ہے۔ اس کی

درخواست قبول کرنے کے لئے چٹراٹھ ضروری تھیں وہ واضح طور پر بیان کر دی گئیں اور اسے مطلع کر دیا گیا کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ تخت و تاج سے دست برداری ضروری تھی انگریزی حکومت کے علانے میں دریاے گنگا کے ساحل پر اسے زندگی بھر قیام کرنا ہوگا۔ انگریزی حکومت اسے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ بطور وظیفے کے دے گی۔ ان تجاویز کو ایک معاہدے کی شکل میں ترتیب دے کر ملاقات کے دوسرے دن یعنی یکم جون کو باجی راؤ کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس زمانے میں میجر ڈوئن کی فوج نے جو نفل و حرکت کی تھی اس کے متعلق تفصیلی واقعات تحریر کرنے کے بعد سر جان میلکام نے مارکوش ہمیشنگر کو لکھا کہ ”اس موقع پر جو کارروائی بھی مناسب سمجھی جائے اس کے نتائج نیز دیگر متعلقہ امور پر آپ غور فرمائیں اگرچہ باجی راؤ کو اپنے فیصلے پر راضی کرنا ضروری ہے تاہم میں اسے مایوس کرنا یا اسیر گڑھ میں پناہ لینے پر مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے پاس اب بھی پانچ چھ ہزار سوار موجود ہیں۔ انہیں پچیس دن آرام کرنے کا موقع ملا ہے اور اب وہ تازہ دم ہیں۔ چار پانچ ہزار پیدل سپاہی بھی اس کے پاس ہیں اور ان میں زیادہ تعداد عربوں کی ہے روزانہ اس کی فوج میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی حالت کتنی یا اس انگیز کیوں نہ ہو لیکن ملک میں بے کار سپاہیوں کی ایک معقول تعداد موجود ہے اور ان میں سے سینکڑوں اس کے نام کی وجہ سے اس کے علم کے نیچے چلے آتے ہیں۔ بارش کے موسم کی وجہ سے ہماری وقت اس وقت اور بھی زیادہ ہے اور جنرل ڈوئن کی رائے ہے جو میرے نزدیک صحیح حالات پر مبنی ہے کہ بارش کے موسم میں وہ اپنی فوج کے بل پر اسیر گڑھ کے محاصرہ میں کامیابی کی توقع نہیں کر سکتا۔ اس تاخیر کی وجہ سے جن خطرات کے پیش آنے کا اندیشہ ہے ان سے میں حتی الوسع بچنا چاہتا ہوں جنگ کے

(۵۲۲)

طول کھینچنے اور زبردست مصارف لاحق ہونے کے علاوہ یہ معاملہ اس قدر نازک اور دشوار ہے کہ نہ معلوم دولت راؤ سندھیا کی طرف سے کس قسم کے حالات رونما ہو جائیں اور ان کا کیا ختم ہو۔ مالوے کے حالات سے جو مجھے واقفیت ہے اور جنوبی علاقے سے جو خبریں مجھے ملی ہیں ان کی بنیاد پر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب تک باجی راؤ کو گرفتار نہ کیا جائے گا یا لانا لیا جائے گا اس وقت تک میسور کی سرحد سے لیکر مالوے کے آخری سرے تک ہر علاقہ بے چین رہے گا۔ باجی راؤ کا گرفتار کرنا مشکل اور اگر جیونٹ راؤ لار نے اسے بلا کر اپنے یہاں پناہ دیدی تو وہ ناممکن ہو گا۔ اگرچہ مجھے اس بارے میں آپ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں ملی ہے تاہم میں نے مندرجہ بالا واقعات سے متاثر ہو کر بغیر آپ کی اجازت کے پیشوا اور اس کے خاندان والوں اور اس کے متعلقین کی (۵۲۳) اعانت کے لئے معقول رقم دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جسکی بابت باجی راؤ کو شش و پنج میں رکھنا ناممکن تھا۔ اس طور سے ایک قطعی وعدہ کر دینے کی وجہ سے اس کی نیز اس کے ساتھیوں کی رائے جو وہاں موجود تھے میرے موافق ہو گئی۔ ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھ کر آپ خود اس بات کا اندازہ کر لیں گے کہ اس قسم کی رائے میری کامیابی کے لئے نہایت ضروری تھی۔

۱۰ لارڈ ہیسٹنگز اپنے مراسلے مورخہ ۲۰ جون ۱۸۱۸ء (جو مجلس عوام کے سامنے بھی پیش ہوا تھا) مجلس نظام کو لکھتا ہے کہ باجی راؤ نے جن فوجوں کو اپنے ساتھ لیکر دیرپا تپاچی کو عبور کیا تھا ان کا پورے طور پر محاصرہ کر لیا گیا۔ وہ گوالیار کا قطعی رخ نہیں کر سکتا تھا جس طرح کہ اس کے لئے برطانوی فوجوں کا مقابلہ ناممکن تھا اسی طرح ان کے سامنے سے رجعت کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ لہذا ان حالات میں جو شرائط بھی اس پیش کی گئی ہیں وہ محض جاری فیاضی پر مبنی ہیں اور یہ خیال ہے کہ انسانی ہمدردی کے لحاظ سے آپ بھی ایک مغلوب عنیم کے ساتھ اس نیک سلوک کو روا رکھیں گے۔

گورنر جنرل نے یہ مراسلہ غالباً ابرگرڈہ کے واقعات اور باجی راؤ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

سرجان میلکام کے خیمے پر باجی راؤ کی ہمرکابی میں جو فوج پہنچی اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے تفصیلی حالات کا علم ہونے سے قبل لکھا تھا ورنہ ان شرائط کو دنیا پر محمول نہ کیا جاتا۔ جس انسانی ہمدردی کا ادب ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ گفت و شنید میں دو سری باتیں بھی شامل تھیں سرجان میلکام نے جو کچھ کیا وہ کسی ذاتی احساس کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ اس میں ایک خاص اصول شامل تھا جو برطانوی حکومت کی شہرت اور اس کے مفاد سمیلے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی تدبیریں معاملے میں کارگر نہیں ہو سکتی تھی بہر حال سچ تو یہ ہے کہ باجی راؤ قطعی ہمارے قابو میں نہیں تھا۔ امریکہ ڈھ پہنچ جانے کے بعد وہ پانچ چھ ماہ تک جنگ جاری رکھ سکتا تھا اور اس زمانے میں ہندوستان کے ہر علاقے میں بد امنی اور بے چینی رہتی۔

سرجان میلکام نے اپنی تحریر میں گورنر جنرل کو اپنی خیالات و واقعات سے آگاہ کیا تھا۔ جب اسے یہ احساس ہوا کہ عام خیال اس کی رائے کے خلاف ہے تو اس نے جنرل ڈوئن کو خط لکھا اور اس کی رائے طلب کی کیونکہ وہ سب سے زیادہ مقامی حالات سے واقف تھا اور جن حالات میں باجی راؤ سے معاہدہ کیا جا رہا تھا ان میں اس سے زیادہ کوئی دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کے جواب کے بعد سب معاملہ صاف ہو گیا اس کا اقتباس نیچے میں درج کیا جاتا ہے۔

جنرل ڈوئن لکھتا ہے کہ باجی راؤ کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے جو کارروائی کی گئی ہے اس میں میرا خیال صاف رہا ہے۔ علاوہ ازیں میں خود اس مقام پر رہا ہوں۔ لہذا اس معاملے میں مجھے سب سے زیادہ رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ زیر بحث معاملے کی نوعیت کی بابت جو خیالات آپ نے ظاہر کئے ہیں وہ بالکل میرے خیالات کے مطابق ہیں۔ شروع سے میری بھی یہی رائے تھی ہے اب بھی یہی ہے اور آئندہ بھی وہی رہے گی اس بات میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے باجی راؤ سے جو گفت و شنید شروع کی اور اس کے دوران میں اسے حفاظت کا یقین دلایا اسی کی وجہ سے وہ میرے آگے بڑھنے کے باوجود اپنی قیام گاہ پر مقیم رہا۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ امریکہ ڈھ کے قلعہ دار کو وہاں کے گورنر کی طرف سے حکم مل چکا تھا کہ وہ قلعہ مذکور کو باجی راؤ کے لئے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۵۲۵)

چار پانچ ہزار تو سوار تھے اور تقریباً تین ہزار پیدل تھے۔ ان میں سے بارہ سو عرب تھے اور دو دن بعد ان کی دوپہری جماعت کے واپس آ جانے کے بعد چوہاڑی علاقوں کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی تھی ان کی تعداد دو ہزار تک پہنچ گئی سر جان میلکام نے گورنر جنرل کو لکھا کہ ”میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں اس معاملے میں بالکل سہمی نہیں کروں گا اور ایک معزول فرمانروا اور اس کے باقی ماندہ ساتھیوں کی آخری ملاقات میں ہرگز مداخلت نہیں ہوں گا“ سر جان کو اپنے تجربے سے بعد میں اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا کہ یہ فوج رفتہ رفتہ چھٹ جائے گی اور موجودہ حالت میں بھی اس کے پاس متحد ہو کر لڑنے کے لئے بہت کم وسائل ہیں۔

باجی راؤ جنرل میلکام کے ساتھ نزدیکی طرف کئی منزل تک گیا اور راستے میں بجز اس کے اور کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ اس کے چند ساتھی دکن کی طرف اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے تاہم ایک کثیر تعداد اس کے ساتھ رہی اگرچہ سر جان میلکام نے کئی مرتبہ دوستانہ طریقے پر اسے سمجھایا بھی کہ اس قدر زیادہ تعداد کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر سیاہی ایک جگہ مقیم رہنے سے بدظن ہو جائیں گے۔ عربوں کی بابت اس نے خاص طور سے کہا کہ اگر یہ لوگ بدظن ہو گئے یا بگڑ بیٹھے تو بہت سخت مشکلات کا سامنا ہو گا پیشوا اور اس کے ساتھیوں کی مخاطب کر کے سر جان میلکام نے یہ باتیں بھی کہیں انھوں نے اس سے اتفاق تو کیا لیکن اس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کھول دے مہذا وہ جس وقت چاہتا قلعہ میں داخل ہو جاتا اور ہم اس وقت اسے ہرگز نہیں روک سکتے تھے۔

میں یہاں یہ بات صرف تذکرۂ بیان کرتا ہوں اور اگر ضرورت ہو یا آپ جاہل تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس موقع پر آپ نے باجی راؤ کو اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کرنے میں اس کے اپنے دماغ کی ایک نہایت اہم و ذہر درست خدمت انجام دی ہے میرے نزدیک ہر ایسا شخص جو حقیقی واقعات اور میری طرح ہر جماعت کے اندرونی حالات اور دیگر تمام متعلقہ امور سے واقف ہے وہ اس رائے سے قطعی اختلاف نہیں کر سکتا۔

(۵۶۶)

نصیحت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ باجی راؤ اپنے سابق اقتدار کے باقی ماندہ لوازم کو اپنے سے جدا کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اپنی اصلی حالت کو نہ وہ خود سمجھنا چاہتا تھا اور نہ دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ بالطبع شکنی اور بزدلی واقع ہوا تھا لہذا اس کا بھی اس کے طرز عمل پر اثر پڑ رہا تھا۔ چونکہ سر جان میلکام ان سب باتوں سے واقف تھا اس لئے اس نے اندازہ کر لیا کہ اس کا طرف ایک ہی علاج ہے یعنی نہ تو اپنی طرف سے معاہدے کی خواہش ظاہر کی جائے اور نہ اپنی کسی حرکت سے اس بات کا شبہ ہونے دیا جائے کہ پیشہ اپنی زبان پر قائم نہیں رہے گا۔ اگر پیشہ اس کو ہماری طرف سے کسی قسم کی غلامی کا اندیشہ تھا تو وہ اس طرح رفع ہو سکتا تھا اور اگر خود اس کا ارادہ ہیں دھوکا دینے کا تھا تو اسے ہماری بے اعتنائی کے بعد جو یقینی طور پر ہماری قوت کے احساس پر محمول کی جاتی اپنی تدبیروں پر عمل کرنے کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی۔ ان خیالات کی بناء پر سر جان میلکام نے راستے بھر باجی راؤ کو باتوں میں مشغول رکھا اور جب اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انگریزی فوج کے پڑاؤ سے کچھ فاصلے پر قیام کرنا چاہئے تو اسے بھی منظور کر لیا اور ہر موقع پر چھینیت دوست کے اسے مشورہ دیتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے باجی راؤ کو بھی اس بات کا اطمینان دلادیا کہ جب تک اسے کوئی خاص ضرورت محسوس نہ ہوگی وہ اس کے ساتھ ہی کے معاملے میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ لیکن اس قسم کی ضرورت بہت جلد پیش آگئی اور سر جان میلکام کی جن باتوں پر باجی راؤ نے اب تک توجہ نہیں کی تھی ان کی اہمیت کا اسے بخوبی اندازہ ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو پورے طور سے جہل مذکور کے حوالے کر دیا اور اس کی حفاظت کا خواستگار بن گیا۔

خاص اس کے خیمے میں عربوں کی بغاوت ہوئی۔ اس میں اس کی جان کا جو خطرہ تھا اور جس طور پر اسے دہاں سے نکالا گیا ان سب باتوں کی تفصیل مذکورہ بالا ضمیمے میں درج ہے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ

(۵۲۷)

اس واقعے کے بعد باجے راؤ نے مرجان میلکام کی ہر بات سے خواہ اس کا تعلق اس کی نقل و حرکت سے تھا یا اس کے قیام سے پورا پورا اتفاق کیا اور اس کی تمام دیگر تجاویز بھی تسلیم کر لیں اس کے ساتھ ہی اس کی تعداد تھنیف کے بعد چھ سات سو سوار اور صرف دو سو پیدل رہ گئی اور رفتہ رفتہ وہ اپنی اس حیثیت سے مطمئن بھی ہو گیا۔ درحقیقت واقعات بھی ایسے ہی تھے کہ اسے ضرور مطمئن ہو جانا چاہئے تھا۔ اس کے لئے جو کچھ انتظام کیا گیا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک فرمانروا کے شایان شان تھا اور سابق میں اس کا جو کچھ طرز عمل رہا تھا۔ اس کے بعد وہ اس قسم کے سلوک کی سرگز تو قہ نہیں کر سکتا تھا لیکن ساتھ ہی جو لحاظ اس کا کیا گیا اس کا کوئی تعلق اس کے ذاتی کیرئیر یا افعال سے نہ تھا اس انتظام سے پہلی غرض تو یہ تھی کہ اس لڑائی کا جس کی بدولت تمام ہندوستان میں بے چینی پھیل ہوئی تھی کسی نہ کسی طرح خاتمہ کیا جائے۔

۱۷۸۱ء میں کنگسٹون نے اس واقعے کے بارے میں اس کے معائنہ میں آپ کو کنگسٹون کا اپنی تحریر مورخہ ۱۰ جون ۱۷۸۱ء میں لکھا ہے ”باجی راؤ کے معاملے میں آپ کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں مبارک باد دینے کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کی بدولت اس علاقے میں کامل امن قائم ہو جائیگا اور مجھے ہندوستان کے اہم کام کی طرف توجہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔“

مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ باجی راؤ پر آپ نے پورا قابو پا لیا ہے اور اب وہ آپ کے ہاتھ سے نہیں نکل سکے گا۔ اس کے ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر آپ اس قدر محنت و مستعدی نہ کرتے تو وہ کبھی اس سمجھوتے پر راضی نہ ہوتا۔ آٹھ لاکھ کا وظیفہ بھی نہایت مناسب ہے۔ ان تمام انتظامات پر میں آپ کو صدق دل سے مبارکباد دیتا ہوں اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اس جنگ کا اس قدر جلد خاتمہ ہو گیا اس کی خاطر ہم نے جو ایثار کیا ہے وہ میرے نزدیک اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں۔“

سر تھا مس مزد و اس وقت پیشوا کے جنوبی علاقے میں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(۵۲۸) دوسرے برطانوی قوم کے کیرکٹر اور اقتدار کا لحاظ تھا کیونکہ اس قسم کے موقوفین
(۵۲۹) وہ ہمیشہ انتہائی فیاضی سے کام لیتی رہی ہے مزید برآں ایک اہم مقصد یہ بھی تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) معین تھا اپنی تحریر مورخہ ۱۹ جون میں سر جان میلکام کو لکھتا ہے
”موجودہ حالات میں باجے راؤ کے لئے آٹھ لاکھ سالانہ کی جو رقم طے پائی ہے وہ میرے نزدیک
بہت کم ہے۔ اس کا اطاعت قبول کرنا ایک نہایت اہم واقعہ ہے اسکی بدولت امن قائم
ہو جائے گا اور اس علاقے کے انتظام میں بہت سہولت ہو جائے گی۔ تمام کرش اور بیلنگوں
کے سردار اور ان کی اعانت کے چشمے کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

سر ڈیوڈ اخترونی پر بھی ان سب باتوں کا اثر ہوا اور اپنی تحریر مورخہ ۴ جون
میں سنٹ کرئل ایگنیو (Colonel Hegenw) کو لکھتا ہے ”مجھے اس بات کی مسرت
ہے کہ میلکام نے یہ معاملات طے کر کے ایک بھر پور ہونی آگ بھادی جو اگرچہ بہت
کم اور عجمی بڑگئی تھی تاہم اس میں ایک شعلہ باقی رہ گیا تھا جو اگر کسی وقت بھرک اٹھتا
تو ایک طوفان برپا کر دیتا۔ اس معاملہ میں ہماری کامیابی ایک معجزے سے کم نہیں ہے اس لئے
مجھے خون ہے کہ باجی راؤ کے اطاعت قبول کرنے کے واقعہ کی اہمیت اچھی طور سے نہیں سمجھی
جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب ہم اس بات کا ٹھیک اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں کس قدر
فوج رکھنی ہوگی اور اس کے لئے کس قدر مصارف درکار ہوں گے۔ برخلاف اس کے
اگر باجی راؤ اپنی اس گری ہوئی حالت میں بھی ملک میں چکر لگاتا رہتا تو میرے نزدیک
بڑے سے بڑے معاملہ فہم لوگ بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے۔“

حیدرآباد کا رزیدنٹ مسٹر رسل (Mr. Russel) باجی راؤ کے اطاعت
بول کرنے پر سر جان میلکام کو مبارکباد دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”پیشوا کے ساتھ آپ نے
جونیک سلوک کیا ہے اس میں میرے نزدیک فیاضی اور مصلحت دونوں شامل ہیں۔
اس سے جو نقص و عداوت تھی وہ سب اس کی معیت اور بے کسی کی حالت کے منظر سے
رفع ہو جانی چاہئے۔ یہاں کے لوگ دنیا کے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں لطف و کرم اور
نیک سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں لہذا احسان کرنے کے ایسے معقول موقع
کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہئے۔“ (بقیہ حاشیہ برصغیر آئندہ)

جو زبردست انقلاب واقع ہو گیا ہے اس سے ہر طبقے کو مانوس کر لیا جائے اور اس بارے میں پیشوا کے پرانے ساتھیوں کے دل میں احسان مندی کا جذبہ پیدا کیا جائے کہ ہماری حکومت نے فتنہ منی کے بعد اپنی شکایتیں فراموش کر دیں اور ان کے معزول اور مصیبت زدہ فرمانروا کے معاملے میں ان کے تعصبات کا لحاظ رکھا۔ جہاں تک کہ اس فیاضی کا خود باجی راؤ سے تعلق تھا اس بات کی کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ حکومت اسے معزول کرے اس کا وہ احسان مانے تاہم یہ خیال ضرور تھا کہ جو نیک سلوک اس کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے وہ ضرور متاثر ہوگا اور جس قدر کوشش اس کی حالت سنبھالنے کی جائیگی اسی قدر اس کی طرف سے اندیشہ کم ہوگا اور وہ کسی انقلاب کا خطرہ مول لینے کی طرف راغب نہیں ہوگا لہذا اس کی طبیعت اور ذاتی خصوصیات کی وجہ سے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا۔

باجی راؤ کے لئے جو سالانہ رقم منظور کی گئی تھی اگرچہ وہ ایک فرد کی بسر اوقات کے لئے بہت کافی تھی تاہم اعلیٰ مقاصد اور بلند حوصلوں کے خیال سے نہایت حقیر تھی اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سازشیں اس کے خمیر میں پڑی ہیں اور جو اس کی وجہ سے اس میں اس قدر جہارت بھی پیدا ہو جائے گی کہ وہ اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے ضرور کوشش کرے گا تو جس طریقے سے اور جن شرائط پر اس نے کبھی کی اطاعت قبول کی تھی اس کے اسے اپنی اس کوشش میں بھی کسی قسم کی کامیابی کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے از خود جلا وطنی اختیار کی تھی لہذا اس نے خود اپنے اس فعل سے اپنی رعایا کو وفاداری سے آزاد کر دیا۔ اور اپنے پرانے ساتھیوں اور صادق دوستوں کو چھوڑ دیا جس کے بعد ان پر کوئی ذمہ داری نہ رہی اور وہ اپنے اپنے ذاتی اغراض کے لحاظ سے جدید تعلقات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ ہیں خیالات اور جذبات ان اعلیٰ سیاسی عہدیداروں کے جو ملک کے ان تمام علاقوں میں جہاں باجی راؤ کے علم برقرار رہنے سے بد امنی اور شورش کا اندیشہ تھا امن و امان کے محافظ تھے۔

(۵۲۰)

قائم کرنے کے لئے آزاد ہو گئے۔ اسے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے اور اس کے لئے ذرائع حاصل کرنے کی فکر تھی جس کی وجہ سے اس کی قوم کو اب اس سے وہ ہمدردی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جو اس کی معزولی کے بعد اس کی مصیبت کی وجہ سے تھی۔ ان سب باتوں کو سر جان میلکام نے اپنے ایک مراسلے میں جو اس نے اپنی حکومت کو روانہ کیا تھا ایک جملے میں ادا کر دیا ہے۔ باجی راؤ نے جب ایک مرتبہ کمان کھول کر ڈال دی تو وہ اسے دوبارہ نہ موڑ سکا۔

باجی راؤ کے روبرو جو شرائط پیش کئے گئے تھے وہ گورنر جنرل کے نزدیک بہت زیادہ فیاضانہ تھے اور پیشوا کی طرف سے پیغام صلح موصول ہونے کے بعد سر جان میلکام نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس سے بھی وہ متفق نہیں تھا لیکن ایسی حالت میں جب کہ سر جان کسی قسم کے احکام موصول ہونے سے قبل ہی اپنی ذمہ داری پر ایک کام انجام دے چکا تھا تو اس نے اس کی توثیق میں قطعی تاخیر نہ کی۔

گورنر جنرل نے مجلس رازدار کو جو مراسلہ تحریر کیا اس میں وہ سر جان میلکام کی جملہ کارروائی سے اختلاف کرتا ہے اور اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ سر جان میلکام نے اول باجی راؤ سے مراسلت کی۔ دوسرے کیپنی کے عہددار کو اس کی قیام گاہ پر روانہ کیا اور اس کے بعد اس کے لئے ایک کثیر رقم کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ گورنر جنرل کو ان میں سے کسی ایک بات سے بھی اتفاق نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ سر جان میلکام کے دلائل بھی تحریر کرتا ہے جو اس نے اپنی تجاویز کی تائید میں پیش کئے تھے اور آخر میں ان انتظامات کی خوبی کا اعتراف کرتا ہے۔

(۵۳۱)

» باجی راؤ کے اطاعت قبول کرنے کی جو اہمیت ہے اس کا مجھے احساس ہے۔ اس سے جو فائدہ حاصل ہوا ہے اس کا بھی میں اعتراف کر چکا ہوں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ سر جان میلکام نے اس معاملے میں جس قابلیت اور مستعدی

کا اظہار کیا اس کا مجھے بلاتامل اعتراف کرنا چاہئے تھا۔ باجی راؤ کو اطاعت قبول کئے ہوئے چار سال گزر چکے ہیں اور مجھے سر جان میلکام کی پیش کردہ مطلق آمیزش اطمینان سے جن باتوں کا اندیشہ تھا ان میں سے ایک بھی اس مدت میں پیش نہیں آئی۔ البتہ ایک کثیر رقم اس پر غور و غریب ہو رہی ہے اگر اسے مغلوبہ کرنے کی کوشش کی جاتی تو اس کے مضامین اس سے کہیں کم ہوتے۔ بہ حال تمام حالات پر غور کرنے کے بعد مجھے کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جس کی بنا پر میں تسلیم کر سکوں کہ میری پہلی رائے جو مذکورہ بالا واقعات پر مبنی تھی اب غلط نکلی۔

میں اس نکتہ پر اس معاملے کی تمام بحث پر غور کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا۔

باجی راؤ کے اطاعت قبول کرنے کی اہم خبر معلوم کر کے میں اطمینان کلی حاصل ہوا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی بدولت ایک شاندار اور کامیاب جنگ کا نہایت خوش اسلوبی سے خاتمہ ہو گیا اور اب پورے ہندوستان میں امن قائم کرنے میں سہولت ہوگی۔ یہ بات کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ لہذا میں اس سے بہت مسرت ہوں۔

(۵۳۲) باجی راؤ کی اطاعت کے معاملے میں آپ نے جو کچھ مراسلت میں فرما دیا

میں کی ہے اس کے معاملہ سے ہے میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے کی تکمیل کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں تھیں ان کی بابت آپ لوگوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ اس اختلاف کا فوجی انتظامات سے کچھ تعلق نہیں ہے جو ہر لحاظ سے قابل تحسین تھے۔ اور نہ اس کا کوئی تعلق سر جان میلکام کی نمایاں خدمات سے ہے۔ جن میں اس نے اپنے فوجی جوش اور سرکاری مفاد کا ساتھ خاص طور سے ظاہر کیا ہے اور انتہائی ہوشیاری اور غیر معمولی محنت و مستعدی سے کام کیا ہے۔ صرف ذو باتیں زیر بحث معلوم ہوتی ہیں کہ جن حالات میں سر جان میلکام نے یہ کام انجام دیا ان کا لحاظ کرتے ہوئے وہ اس قدر وسیع اعتبارات کے استہمال کرنے کا مجاز تھا یا نہیں اور آیا ان

اختیارات کا اس نے دانشمندانہ طریقے سے استعمال کیا یا نہیں ان دونوں باتوں کے متعلق گورنر جنرل اور پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک دوسرے کے خلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔

جب ستمبر ۱۸۸۱ء میں سر جان میلکام کو ہٹو میں باجی راؤ کی طرف سے پینام منسلح موصول ہوا تو اس کے پاس اس بارے میں بجز ایک خط کی نقل کے جو گورنر جنرل نے ۱۵ دسمبر ۱۸۸۱ء میں مسٹر الفسٹن کو تحریر کیا تھا اور جس کی نقلیں مختلف مقامات پر کمپنی کے نمائندوں کے پاس بھیج دی گئی تھیں کوئی ہدایت نہ تھی۔ اگرچہ اس تحریر میں یہ بات درج تھی کہ باجی راؤ سے اب کسی قسم کی گفت و شنید نہیں کی جاسکتی تاہم جن حالات میں سر جان میلکام نے کام انجام دیا ان کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اسے حق بجانب تصور کرتے ہیں اور اس کی تمام کارروائی کو منظور کرتے ہیں۔

اس بات کا ضرور اندیشہ تھا کہ باجی راؤ کے ذاتی مصارف کے علاوہ جو روپیہ اسے دیا جائے گا وہ سازشوں میں صرف ہو گا اور اس نقطہ نظر سے آٹھ لاکھ سالانہ جیسی کثیر رقم کی منظوری خلاف مصلحت تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ بغیر کسی شرط کے بھی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا اور اس صورت میں ہمیں اپنی طرف سے کسی قسم کی شرط پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ باجی راؤ کے سچ کر نکل جانے کا بھی امکان موجود تھا اور اگر وہ اسے لگ بھگ کے غلہ میں داخل ہو جاتا تو ایک عرصہ دراز تک ہمیں وہ بات حاصل نہ ہو سکتی جو اس کے اس قدر جلد اطاعت قبول کرنے سے حاصل ہو گئی۔ اس نقطہ نظر سے معاملات پر غور کرنے کے بعد ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ سر جان میلکام کی پیش کردہ شرائط مناسب تھیں۔“

اس زمانے میں ناگیپور کی حالت نہایت اتر تھی۔ ایا صاحب کی معزولی کے بعد رگھو جی بھو نسل کے

ایا صاحب کی معزولی کے بعد ناگیپور کے حالات

پونے کو گدی نشین کر دیا گیا۔ اس کے بعد گورنر جنرل کی یہ خواہش رہی کہ
 بخشی طرح ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں اس حکومت کی وقت قائم
 ہو جائے لیکن سابق دور میں حکومت کی ہر ایک کل خراب ہو چکی تھی اور
 موجودہ حکومت میں کوئی ہندوستانی اس پایہ کا موجود نہ تھا جس پر وہاں
 کی رعایا کو اعتبار ہو سکے لہذا ان حالات سے مجبور ہو کر گورنر جنرل نے
 ریڈ ہنٹ کی اس رائے سے اتفاق کر لیا کہ ناگپور کے پورے علاقے کا انتظام
 انگریزی حکومت کچھ عرصہ کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لے۔ جن وجوہ کی بنا
 پر گورنر جنرل موسوف نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اس سلسلے میں
 جو تدبیریں اس نے اختیار کیں انھیں سمجھنے کے لئے اسی کے الفاظ کا پیش
 کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ ہم اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ ہم رفتہ
 رفتہ حکومت کے معاملات اور اس کے اختیارات کے استعمال میں مداخلت کرنا ترک
 کر دیں گے لہذا اس پر قائم رہنے کے خیال سے میں نے مسٹر جنکسن کو بنظر
 احتیاط ہدایت کی کہ وہ وہاں کے قدیم دستور اور مسلمہ اصول حکومت سے
 زیادہ انحراف نہ کرے کیونکہ میرے نزدیک اگر ان قدیم اصولوں پر ٹھیک
 طور سے عمل کیا جائے تو حکومت کے روزمرہ کاموں میں پابندی اور
 باضابطگی پیدا ہونے لگتی ہے اور ریاست کی وقت بھی قائم ہو سکتی ہے۔
 میری یہ خواہش تھی کہ سابق دور میں جو خرابی و بد نظمی وہاں پیدا ہو گئی ہے
 اسے وہ محسوس کرے اور اس کی اصلاح کرنا اپنا فرض سمجھے اور رکھو جی
 بھونسل اور اس کے جانشین کے زمانے میں حکومت کے جن شعبوں میں انکی
 غلطیوں اور بدعنوانیوں سے خرابی پیدا ہو گئی ہے ان کی حالت سنبھالے اور انکی
 تنظیم کرے لیکن اس سے میرا یہ منشاء نہ تھا کہ مسٹر جنکسن اپنے اس نیک اور
 قابل کسب کام میں اس بات کی کوشش کرے کہ وہاں کی حکومت ہر لحاظ سے
 مکمل ہو جائے کیونکہ یہ بات تو عملی طور پر اسی جگہ حاصل ہو سکتی ہے جہاں مستقل
 طور سے برطانوی حکومت قائم کی جائے۔ چونکہ ہمارا اسمہ ارادہ یہ تھا کہ
 سابق واقعات کی وجہ سے وہاں جو شورش اور بے یقینی پھیل گئی ہے اس کے

(۵۳۵) رفع ہونے کے بعد ہم وہاں دیسی حکومت قائم کریں اور تمام انتظامی معاملات اسی کے تفویض کر دیں صرف اس بات کا انتظار تھا کہ جدید حکومت میں اس قدر قوت و استحکام پیدا ہو جائے کہ وہ بغیر ہماری اعانت کے اپنا سب کام خود انجام دے سکے لہذا اتنی صورت میں یہ بات انصاف و دانشمندی کے خلاف ہوتی کہ ہم وہاں ایک ایسی حکومت قائم کر دیں جو برطانوی نمائندوں کی ریاست قابلیت اور محنت و مستندی کے بل پر قائم ہو اور ان کے ہٹنے کے بعد وہ طاقتور طریقے پر نہ چل سکے اور اس طرح نہ وہاں کی رعایا کو کچھ فائدہ پہنچے اور نہ فرمانروا کو۔

ان خیالات کی بنا پر میری رائے یہ تھی کہ جہاں تک وہاں کی سیول حکومت کا تعلق ہے اس کا سابق دستور اور حتمی الوسع اس کے ہر شعبے کی نوعیت حسب سابق برقرار رکھی جائے اور دوبارہ قائم کی جائے۔ مالکنڈاری وصول کرنے میں جو عین ہوتا ہے اس کا تدارک کیا جائے۔ خرابیوں کی اصلاح کی جائے اور ملازموں کو سزا دی جائے حکومت کے ہر شعبے میں تنظیم و باقاعدگی پیدا کی جائے اور کفایت کا خیال رکھا جائے۔ اور قدیم رسم و رواج اور ریاست کے قوانین کی بنا پر ایک سیدھی سادی مگر معقول حکومت قائم کر دی جائے تاکہ جب راجہ برسر حکومت آئے تو وہ ہماری حفاظت میں رہ کر اُسے کامیابی اور خوش اسلوبی سے چلا سکے برطانوی حکومت نے غیر معمولی حالات سے مجبور ہو کر حکومت کا جو سب کام راست اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اس سے دست بردار کیا دینے کے بعد بھی ہمیں معاہدے کی رو سے صلاح و مشورہ اور مدد دینے کا اختیار حاصل رہے گا اور مجھے امید ہے کہ ہم بروقت ضرورت مناسب طریقے سے مداخلت کر کے بد انتظامی روک سکیں گے اور وہاں کے ہندوستانی عہدے داروں کی توجہ حکومت کے صحیح اصولوں کی طرف مبذول کر سکیں گے۔

۱۸۱۹ء میں نواب وزیر اودھ نے شہنشاہ دہلی کی اطاعت سے انحراف کیا اور وزیر کے لقب کو جو قدیم زمانے سے اس کے خاندان والوں کے لئے مخصوص تھا ترک کر کے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ اگرچہ دہلی کی شہنشاہی

اور اودھ کی زیر دستی محض برائے نام رہ گئی تھی تاہم ہندوستانیوں کو اس کی اس حرکت پر سخت تعجب ہوا لارڈ ہسٹنگز اپنے مراسلے میں مجلس نظام کو لکھتا ہے کہ "انگریزوں کے اودھ سے جو تعلقات قائم ہیں ان میں نواب وزیر کے اس فعل سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی اور ایک لحاظ سے اس کا فیصلہ کمپنی کے لئے مفید ثابت ہوگا کیونکہ اس کی بدولت مسلمانوں میں بیک قسم کی تفریق پیدا ہو جائے گی اور ان لوگوں کے مذہبی جوش اور اتحاد سے ہمیں جو خطرہ لگا رہتا ہے اس سے ایک حد تک ہمیں امن مل جائے گا" اس مراسلے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شاہی خاندان کے جس نوع شہزادے کی تخت نشینی کا امکان تھا وہ انگریزوں کے مفاد کے خلاف سمجھا جاتا تھا لہذا اس بنا پر بھی اودھ کی دہلی سے آزادی کمپنی کے لئے مفید تھی تاکہ دہلی کے تاجدار کی اعانت کے لئے جو اتحاد قائم ہو اس میں اودھ شریک نہ ہو سکے۔ چونکہ لارڈ ہسٹنگز نے اس معاملے کی نہایت پرزور الفاظ میں تائید کی تھی لہذا احکام بالائے بھی اسے منظور کر لیا لیکن ان کا غالباً خیال یہ تھا کہ اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوگا۔ ہندوستان میں جو کام بھی کیا جائے اس کے مفید یا مضر ہونے کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ قدیم حکومتوں اور اداروں میں جو تبدیلی ہم یہاں کرتے ہیں اس کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ اس معاملے میں نواب وزیر اودھ سے جو حرکت سرزد ہوئی تھی اس کی وجہ سے شہنشاہ دہلی اور نواب ند کور کے خاندانی تعلقات میں فرق آنا ضروری تھا اور اس لحاظ سے گورنر جنرل کے خیال کے مطابق کمپنی کو فائدہ پہنچنے کا امکان تھا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ممکن تھا کہ خود شہنشاہ نیز اس کے عزیز و اقارب اور ساتھی اور دیگر تمام مسلمان جن کے دلوں میں اب تک قبور یہ خاندان کی عزت باقی تھی اس قسم کی باتوں سے مشغول ہو کر خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔

اکثر لوگ اس خیال سے اتفاق کریں گے کہ مسلمان فرمانرواؤں اور سرداروں کے دلوں میں اپنے سابق ممتاز بادشاہوں کی جو یاد اور

وقت قائم ہے اس کے خطرات سے محفوظ رہنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ جس طرح گذشتہ نصف صدی سے وہ غیر منفرد رساں رہی ہے اسی طرح اسے دبا کر رکھا جائے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کمپنی نے دیوانی یا بنگال و بہار و اوڈیسہ کے علاقوں کی حکومت حاصل کرنے کے بعد سے آہستہ آہستہ جو ترقی کی ہے وہ ہر نقطہ نظر سے ہندوستانیوں کے خیالات و احساسات و تعصبات کے مطابق رہی ہے۔ ہم نے شاہی خاندان کے ساتھ جو نیک سلوک کیا ہے اس کی وجہ سے ہماری وقعت بڑھ گئی ہے۔ مرہٹوں نے اپنے اثر کے زمانے میں شاہی خاندان والوں کو جس حالت میں رکھا تھا اس سے اب وہ کہیں بہتر حالت میں ہیں لیکن اب امکان اس بات کا ہے کہ ہم نے نواب وزیر اودھ کو شہنشاہ کے حلقہ اطاعت سے علیحدہ ہونے میں دگر چہ وہ اطاعت محض برائے نام تھی) جو مدد دی ہے اس کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات میں تبدیلی واقع ہوگی اور وہ محض برطانوی حکومت کے احسانات ہی کو فراموش

(۵۳۸)

(۵۳۹)

۱۔ نواب سکندر جاہ بہادر نظام دکن کی بھی حیثیت نواب وزیر کی سی تھی اور دہلی کے نام نہاد شہنشاہ کے وہ برائے نام ماتحت تھے۔ اگر وہ بھی کسی بڑے لقب کی خواہش ظاہر کرتے تو برطانوی حکومت بلاشبہ انھیں بھی اسی طرح مدد دیتی لیکن انھوں نے سب سے پہلے نواب وزیر کی اس حرکت کی مذمت کی اور اپنی رائے کا اظہار کیا کہ اس کے اس فعل سے مسلمانوں کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ جب ٹیپو سلطان نے غرور میں اگر سلطان کا لقب اختیار کیا تھا اور اپنے نام کے سبک جاری کئے تھے تو دربار حیدر آباد نے اس وقت اس کے فعل پر بھی اظہار نفرت کیا تھا لہذا اس موقع پر بھی ان سے اسی قسم کی توقع کی جاتی تھی۔ حیدر آباد کے سپہ سالار میر عالم نے جواب دہ میں دہان کا صدر المہام ہوا ۱۷۹۹ء میں سرنگا پٹم کی تسخیر کے دو روز بعد توجہ کے تمام مسلمان سردار اور سپاہیوں کو جمع کیا اور ایک جلوس کے ساتھ مفتوحہ دار الحکومت کی جامع مسجد میں پہنچا اور شاہ عالم کے نام کا خطبہ پڑھا۔ میر عالم نے اپنے اس ارادے کی برطانوی ایجنٹ سر جان میلنگم کو اطلاع کرنے وقت (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۲۳)

نہ کروں گے بلکہ ان کے احساسات کی نوعیت بھی بدل جائے گی اور اگر اس خاندان کے کسی شخص نے ہماری قوت کے خلاف کوئی جدوجہد کی جس کا بہت کم امکان نظر آتا ہے تو اس کی بدولت اسے بدظن طبقوں میں بہت سستی مل جائے گی۔ اگرچہ شہنشاہ کے نام نہاد وزیر اور انگریزوں کے حقیقی زبردست کو بادشاہ کا لقب اور اس کے لوازم اختیار کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی تاہم شاہی خاندان اور کسبی کے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا اور انگریزوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد سے اس کا جو لحاظ و احترام کیا جاتا تھا اسے لارڈسٹینکلر نے بھی جاری رکھا۔

(بقیہ حاشیہ منقطع شد) یہ تحریر کیا تھا کہ ٹیپو سلطان نے شہنشاہ دہلی کی باقی ماندہ دقت کو جو نظر انداز کیا تھا اس کا میں اس وقت جواب دینا اور یہ بات جملانا چاہتا ہوں کہ جس خاندان نے مسلمانوں کا نام دنیا میں روشن کیا ہے اس کی وقعت ہمارے دلوں میں اب بھی باقی ہے۔

یہ واقعہ ہماری اس حکمت عملی کے موافق تھا۔ جس کا مقصد اس قسم کے تمام تعلقات دروابطہ میں فرق ڈالنا اور بنناہ کرنا ہے جو کسی وقت ہمارے خلاف متحد ہو سکیں لیکن شہنشاہ دہلی کی عزت و توقیر سے مسلمان فرمانرواؤں کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ اسے دوبارہ برسر حکومت کرانے کے لئے کوئی متحدہ کوشش کریں کیونکہ شہنشاہ کا حقیقی اقتدار اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ وہ ان تمام علاقوں کو دوبارہ حاصل کر لے جو ان لوگوں نے اس کے آباد اجداد کی کمروری کے زمانے میں غصب کر لئے تھے لہذا اس کا بہت کم امکان نظر آتا ہے اور اگر کسی وقت اس خاندان کے کسی نمائندے کو آلہ بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ کسی ایک کے فرد کی ہوگی نہ کہ کسی خاص اتحاد کی طرف سے اور ایسی صورت میں ہماری زبردست حکومت اور اس کی سلسلہ فریت پر جو حملہ کیا جائے گا اس میں کامیابی کی کوئی توقع نہیں ہوگی بلکہ حملہ آور خود ایک صیبت میں پھنس جائیگا۔ تمام دنیا اور خصوصاً ایشیائی قوموں کی تاریخ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جدید تعلقات اور نئے نئے القاب و خطابات سے جو بلند حوصلے قائم ہوتے ہیں اور بزرگ کے ساتھ جدوجہد کرنے کا جذبات پیدا ہوتا ہے (بقیہ حاشیہ منقطع شد)۔

جو لوگ ان تعلقات کی نوعیت اور فریقین کی حتمی حالت سے واقف
 میں ان کے لئے اس سے بڑھکر کوئی شک نہ ہو اور خلاف عقل بات نہیں معلوم
 ہو سکتی کہ انگریزی حکومت جسے ہندوستان میں اعلیٰ اقتدار حاصل ہے شہنشاہ
 دہلی کے نام کا متبرک رکھائے اور اس پر اپنے آپ کو اس بادشاہ کا دام نہکے جو
 اپنی روزگار کے لئے اس کی فیاضی کا محتاج ہے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ
 یہ قانونی مشرترا سلطنت کے باقی نے اپنے سب سے پہلے اور قابل قدر مظاہرے
 پر اپنا قبضہ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جب تک کہ اس نے اس شہنشاہ سے
 فرمان حاصل نہیں کر لیا حالانکہ شہنشاہ موصوف کو اس وقت بھی اپنے باغیوں
 سے زیادہ قوت حاصل نہ تھی۔ جو لوگ استدلال کے خوگر ہیں وہ اس فعل کو
 اپنے تعلقات کے اشار اور ایک نام نہاد قوت کی پرستش پر محمول کریں گے
 لیکن حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کئیوں نے جو اشار کیا اور ایک نام نہاد
 قوت کی جو پرستش کی وہ اس زمانے میں اگلیوں آدمیوں کے خیالات و
 رسومات کے مطابق تھی۔ ہم پہلے سے زیادہ صاحبِ اقتدار ہیں اور شہنشاہ
 دہلی پہلے سے بھی زیادہ کمزور کیلئے بس ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی
 کہ اس کمزور بادشاہ سے ہمارے جو برائے نام تعلقات قائم ہیں ان میں
 فرق پیدا کر دیا جائے۔ تیمور یہ خاندان کے بے کس جانشینوں کے ہمارے
 جو تعلقات قائم ہیں اور ان میں جو غیر موزونیت دکھائی دیتی ہے وہ سیاسی
 جماعتوں کے تعلقات میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور ہندوستان میں تو
 قدیم زمانے سے اس کا رواج چلا آتا ہے۔ اس قسم کی باتیں عادات و خصائل
 احساسات اور جذبات اور بعض اوقات محض توہمات سے پیدا ہوتی ہیں اور
 دانشمند ہر کی غایت معلوم کر کے ہمیشہ ان کا مناسب احترام و لحاظ کرتے ہیں۔

(۵۶۰)

(۵۶۱)

(بقیہ جاتیہ ستورگشت) وہ ہمیشہ احسان مند دی و ہمدردی کے ان جذبات سے زیادہ خطرناک
 ہوتا ہے جو ایک غفلت اور مصیبت زدہ خاندان کی سابق عظمت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔

پیشرو کے اصول کے مطابق نواب سعادت علی خاں وزیر اودھ سے مراسلت شروع کر دی تھی لیکن وزیر ہند کو نے حسب سابق اپنے اندر دینی معاملات میں اہم تبدیلی کرنے کی سختی سے مخالفت کی اور اس کے اصرار کی وجہ سے لارڈ ہیسٹنگز بھی اس پر دباؤ ڈال کر اپنے تجاویز کی تشکیل دے کر سکا۔ سعادت علی خاں کے انتقال کے بعد خیال ہوا کہ اس کا جانشین گورنر جنرل کی خواہش کے مطابق اس کے تجاویز پر عمل کرنے کیلئے بہ آسانی آمادہ ہو جائے گا۔ نظماً کو بھی اس قسم کی تبدیلی کی توقع تھی لہذا انھوں نے لارڈ ہیسٹنگز کی کارروائی سے اتفاق کرتے ہوئے تجویز کیا۔

”تیم اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مسئلے کو دوبارہ اٹھانے کے بعد اگر آپ نواب وزیر کو اپنے تجاویز کے موافق یا نہیں سمجھ بھی اس کی حکومت اور اس کے سلطنت کے دستور میں تبدیلی کرتے وقت آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ جو جدید تنظیم کی جائے اس میں وہاں کے قدیم اصول اور عام رسم و رواج کا پورا پورا اہتمام رکھا جائے۔“

نواب وزیر نے مجوزہ انتظام کو چند ترمیموں کے ساتھ منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی لیکن آخر میں اپنی رائے بدل دی اور اس قدر سختی سے اس کی مخالفت کی کہ بالآخر اصلاح کار ارادہ ترک کر دیا گیا اور نواب کو منانے کی ہرگز کوشش کی گئی۔ چونکہ نیپالیوں کے خلاف جنگ میں وہ کپتانی کی مالی امداد کر چکا تھا اس لحاظ سے گورنر جنرل نے اس کے ساتھ جو ملطف آمیز سلوک کیا اس کا وہ مستحق بھی تھا۔

لارڈ ہیسٹنگز نے حکومت اودھ سے اس بارے میں جو مراسلت کئی موقعوں پر کی تھی اس کی پوری کینیت وصول ہونے کے بعد مجلس نظمانے لکھا کہ ”سیاسی امور کی بابت آپ کا خط مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۸۲۲ء وصول ہوا

۱۔ سعادت علی نے ۱۱ جولائی ۱۸۲۲ء کو انتقال کیا۔ جس کا بڑا بیٹا غازی الدین خاں رفیع الدولہ اس کا جانشین ہوا۔

۲۔ بحوالہ مراسلہ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۸۲۶ء نامہ حکومت بنگال۔

اس کے معاملے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب کی ناخوشی کی وجہ سے اس کی حکومت میں مداخلت کرنے کا خیال جب سے ترک کیا گیا ہے وہاں کی حالت کسی قدر بہتر ہو گئی ہے۔ جن اسباب کی وجہ سے اکثر جگہ مداخلت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہمارے نزدیک کچھ بڑے معاملے میں موجود نہیں ہیں۔ اپنے رقی مطالبات کے وصول کرنے کے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی بہر حال ہمارے اداروں کی کچھ بھی خوبیاں کیوں نہ ہوں ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم اپنے ہمسایوں کو ان کے اختیار کرنے پر مجبور کریں یا اس کے لئے ان پر بے جا اصرار کریں۔“

یٹروودہ کے معاملہ حکومت یٹروودہ کے خاتمے کے بعد دربار یٹروودہ سے جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ اس اصول پر مبنی تھا کہ وہاں کے فرمانروا سبیا جی کو جو اختیارات دیئے جائیں ان میں ایسے تمام معاہدوں کا لحاظ نہ رکھا جائے جو انگریزوں نے اس کے دوسرے خاندان والوں یا جگزاروں اور مملکت کے قرض خواہوں سے کئے تھے کیونکہ برطانوی حکومت ان سب کی ضمانت تھی۔

ریاست مذکور کے معاملات میں کبھی اس قدر جو بھنسی ہوئی تھی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ یہاں کے سابق فرمانروا کی دماغی حالت اچھی نہیں تھی اور حکومت کا کام ایک مجلس کے سپرد تھا جس میں برطانوی رزیڈنٹ بھی شامل تھا۔ اس تختی ریاست کی بہتری اور امن کی خاطر برطانوی رزیڈنٹ کا اس مجلس میں شریک رہ کر کام انجام دینا نہایت ضروری تھا اور اس کی وجہ سے کبھی کو اپنے اوپر مختلف قسم کی ذمہ داریاں تھیں پڑی تھیں لیکن اب ایسی صورت میں جب کہ کبھی یہ چاہتی ہے کہ وہاں کے موجودہ فرمانروا کو تمام اختیارات دیدیئے جائیں اور جس حد تک ہماری نیک نامی اجازت دے اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کم کی جاتے تو بہر قدم پر مشکلات پیش آتی ہیں۔ بہر حال ان اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلہ پر بحث کی گئی اور آپس میں ایک قسم کا سمجھنا ہو گیا۔ باجگزاروں سے فرائض وصول کرنے کا کام برطانوی

(۵۴۴)

حکومت کے تفویض کیا گیا اور اس طور سے لگیو اڈ کے خاندان والوں کے وظائف اور ریاست کے کثیر قرض کی ادائی کا معقول انتظام ہو گیا۔ اس کے بعد رزٹرنٹ کی توجہ ان تمام انتظامات کی تکمیل کی طرف مبذول کر دی گئی اور اُسے ہدایت کی گئی کہ جب تک امن و امان میں خلل واقع ہونے یا ہمارے معاہدوں میں فرق آنے کا اندیشہ نہ ہو اس وقت تک وہاں کے کسی معاملے سے کچھ سروکار نہ رکھا جائے۔

میسور کے معاملہ

میسور کی ہندو حکومت کے قیام کا حال کسی

بچلے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ حکومت ہند کا کوئی سیاسی کام بے لحاظ نتائج اس قدر مفید و خوشگوار نہیں رہا ہے۔ اس کے جو خاص اسباب تھے وہ بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں مگر ان کے ایک خاص سبب اس کا میابی کا یہ تھا کہ ہندوستانیوں کا اعلیٰ اور معزز طبقہ (جو کہینی کی حکومت میں اگر بالکل تباہ نہیں ہوتا تو کم از کم بد نظمی اور سرکش ضرور ہو جاتا ہے) اس کی ملازمت اور روزی کا اس حکومتی ریاست میں معقول انتظام کر دیا گیا تھا اس قسم کے طبقوں میں سب سے زیادہ اہمیت فوجی طبقے کو حاصل ہے کیونکہ امن کا برقرار رکھنا یا اس میں خلل پیدا کرنا انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

چونکہ اس قسم کے انقلابات کے بعد آبادی کا فوجی طبقہ یک لخت بیکار و بے روزگار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اندرونی انتظامات میں ہر قسم کی دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں لہذا حکومت میسور کے قیام کے بعد سے اس کے قابل دزیر پورہ بنانے اپنے علاقے کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔ باقاعدہ پیدل فوج کے چند دستوں کے علاوہ اس نے مقامی فوج کی ایک کثیر تعداد بحال رکھی اور بے قاعدہ سواروں کی ایک زبردست اور کثیر التعداد جماعت قائم کی جس میں حیدر علی اور شیو سلطان

کے زمانے کے بہترین سوار فوجوں نے اپنے زمانے کے ممتاز افسروں کے ہاتھی میں کام کیا تھا شامل تھے۔ یہ تندرستی فطرت اور ہندوستانیوں کے عادات و خصائل اور مخصوص احساسات کے علم پر مبنی تھی لہذا اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ریاست کے اندر کئی قسم کی بد امنی واقع نہیں ہوئی اور راجہ کی فوجیں اور خصوصاً اس کی سوار فوج بہت مفید اور کارگر ثابت ہوئی۔

(۵۴۵)

مذکورہ حالات اور حکومت میسور کے جائز حق کی بنیاد پر جو اس نے برطانیہ کی عنایت حاصل کرنے کے لئے قائم کر لیا تھا سر جارج بارٹون نے حقیقت گورنر جنرل کے عہد نامہ میسور کی دفعہ (۵۷) میں جس کی رو سے برطانوی حکومت کو جنگ کی صورت میں راجہ سے مالی امداد حاصل کرنے کے غیر محدود اختیارات حاصل تھے ترمیم کر دی۔ عہد نامے میں اس دفعہ کی کوئی تشریح درج نہیں تھی جس کی وجہ سے ماتحت حکومت کو ہمیشہ خوف نگار ہوتا تھا لہذا اس کے عوض میں طے پایا کہ چار ہزار سوار فوج کا ایک دستہ تیار کیا جائے جس پر کمپنی کو ہر حالت میں یوراحق حاصل ہوگا البتہ جب کبھی اس سے ریاست میسور سے باہر کسی جگہ کام لیا جائے گا تو کمپنی اس کا زائد معاوضہ ادا کرے گی لیکن یہ معاوضہ نہایت قلیل تھا۔

اس انتظام میں بھی وہی اصول پیش نظر تھے جن کی بنیاد پر ابتدا میں تعلقات قائم ہوئے تھے۔ اس کی بدولت ایک غیر محدود و غیر مشروط چیز قطعی طور پر طے پا گئی اور جس معاملے کا انحصار پہلے صلحت وقت یا حکمت عملی پر تھا اسے اب عہد نامے کا ایک جز قرار دے دیا گیا۔ اس اتحاد سے فوائد پیش نظر تھے وہ سب حاصل اور مستحکم ہو گئے۔ کیونکہ راجہ کو بحیثیت حلیف کے جو وقت حاصل تھے کمپنی اس سے جو استفادہ حاصل کرتی تھی اس میں کمی کرنے کا اب اسے اختیار نہیں رہا۔

اس فوج کے جس طبقہ کی روزی کا مستقل انتظام کیا گیا اس کا لحاظ رکھ کر جو قواعد اس کے لئے بنائے گئے وہ وہاں کی حکومت کی نوعیت کے مطابق

تھے۔ اس سوار فوج کے تمام افسر ریاست مذکور کے امراء میں سے لئے جاتے تھے اور برطانوی فوجوں کے ساتھ ان کا رویہ درست رہنے کی صورت میں وہ کمپنی کی اعانت و حفاظت کے مستحق بن جاتے تھے۔ لیکن راجا کو انھیں ترقی دینے یا معزول

(۵۴۶)

لئے میسر میں جو سوار فوج رکھی گئی ہے اس کی وجہ سے وہاں کی حکومت کی وقعت اور اس کے استقامت میں اضافہ ہو گیا ہے جس کی بدولت اس کا وجود بحیثیت ماتحت کے عرصہ دراز تک قائم رہ سکتا ہے۔ اگر باقاعدہ سوار یا پیدل فوج قائم کی گئی تو اس کا بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ ایک حکومت کی ساخت کے لحاظ سے موزوں اور دوسری غیر موزوں ہے۔ باقاعدہ فوج ایک باقاعدہ سلطنت ہی میں قائم ہو سکتی ہے اس کی تنخواہ پابندی سے ادا ہونی چاہئے۔ محض امن کے زمانے ہی میں اس کے لئے معقول انتظام نہ کیا جائے بلکہ دوران جنگ میں جو خطرات ان کے لئے درپیش رہتے ہیں ان کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ بغیر اس کے کوئی فوج کسی انتظام یا قاعدے کی سختی برداشت نہیں کر سکتی اور بغیر تنظیم کے کوئی فوج کارآمد نہیں ہو سکتی لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص فرمانروا کی استعداد کی وجہ سے اس قسم کی فوج کچھ عرصہ کے لئے دباؤ قائم ہو جاتی ہے لیکن اس کے اصول و دباؤ کی تنظیم کے اس قدر خلاف ہوتے ہیں کہ وہ سلطنت کا جز نہیں بن سکتے جس جو ش سے اسے قائم کیا جاتا ہے یا جس استعداد سے ابتداء میں اسے برقرار رکھا جاتا ہے اس کے ختم ہونے کے بعد وہ منتشر ہو کر ایک نہایت بے کار و خطرناک جماعت بن جاتی ہے ہندوستانی ریاستوں میں باقاعدہ فوج قائم کرنے یا رکھنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں یا آئندہ ہوں گی ان سب کا یہی حشر ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جہاں کہیں اسے ہندوستانی طاقت کے ماتحت رکھا گیا وہاں اس کی خوبی برقرار نہیں رہ سکی اور جہاں کہیں ہم نے انھیں اپنی گمرانی میں لے لیا اپنے افسر مقرر کئے اور ان کی تنخواہوں کی باقاعدہ ادائیگی کا انتظام کیا وہاں وہ چاری ہو کر رہ گئیں۔ اگر انھیں ہندوستانی فوجوں کے نام سے برقرار رکھا جائے گا تو ممکن ہے کہ کوئی عارضی مقصد حاصل ہو جائے لیکن مستقل طور پر یہ رواج مناسب نہیں ہو سکتا۔ اس طرح سے جس حکومت کی وہ ماتحت ہوگی اس کی اس سے ہمت افزائی نہیں ہو سکتی بلکہ ہمت پست ہی ہوتی رہے گی اور اس سلسلے میں متواتر مداخلت کی جو

(۵۴۷)

کرنے کا جو اختیار حاصل ہے اس میں مداخلت کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوتا اور بسبب کبھی اس قسم کی مداخلت انصاف کے خلاف ہوتی ہے تو یہ حرکت اس قدر نازیبا معلوم ہوتی ہے کہ اس کے دوبارہ وقوع میں آنے کا شاید فوئاد رہی امکان رہ جاتا ہے۔

لارڈ ڈکنز کے دور حکومت میں میسور کے اندرونی معاملات میں کسی قدر تبدیلی واقع ہوئی جس سے ناگوار نتائج پیدا ہو گئے۔ پوربیا کے دشمن نو عمر راجہ کو اس قابل وزیر کے خلاف بدظن کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسے مجبوراً اپنی خدمت سے مستعفی ہونا پڑا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حکومت کے اکثر محکموں کی حالت خراب ہو گئی لیکن جیسے جیسے راجہ کی عمر بڑھتی گئی ریاست کی حالت سنبھلتی گئی۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ان حالات کا نہ کورہ بالا سوار فوج کی کارگزاری پر قطعی کوئی اثر نہیں پڑا جس خوبی و وفاداری اور شجاعت سے اس نے دکن میں مرہٹوں کے خلاف ۱۸۱۷ء میں کام کیا تھا اسی طرح ۱۸۱۷ء میں اس نے مالوہ اور راجپوتانہ میں خدمت انجام دی۔

اس زمانے میں ادنیٰ ریاستوں سے کمپنی کے جو تعلقات رہے ان کی تفصیل اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے بندھیلکھنڈ اور شکالی ہند کی ریاستیں حکومت بنگال کی ماتحت رہیں اور راجہ ٹراونکور و کوچین کا تعلق

ادنیٰ ریاستوں کے حالات

(۵۴۸)

مدراس سے رہا اور کچھ کافرمانروا اور کامیٹا وار کے سردار حکومت بمبئی کی نگرانی میں تھے۔ آخر الذکر علاقے پر کمپنی کا اثر حال ہی میں قائم ہوا تھا۔ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں جن کی حفاظت کمپنی کے ذمہ تھی یہ علاقے زیادہ تر مغرب کی سمت واقع ہوئے تھے۔ ان کے حدود ایک طرف سندھ کے علاقے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ضرورت میں محسوس ہوگی اس سے اس حکومت کے خاتمے کے اسباب بہت جلد ہیا ہو جائیں گے۔

ملنے تھے اور ۱۸۲۵ء میں یہاں کے امیروں نے ان پر دھاوا کیا اور اس کے لئے عذر پیش کیا کہ کمپنی کی فوجوں نے ان کے علاقے پر جو حملہ کیا تھا اس کا وہ انتقام لینا چاہتے ہیں۔ ایک حد تک ان کا عذر صحیح بھی تھا۔ خوشا کے قبیلے کے چند قزاقوں کے تقاب کے لئے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا گیا تھا جو اتفاق سے سندھوں کی ایک جماعت پر ٹوٹ پڑا۔ یہ قزاق ہر سال گجرات کے علاقے میں غارتگری کیا کرتے تھے اور گمان یہ تھا کہ سندھ بھی ان میں شامل ہو گئے تھے اگر امیروں کے بیان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی جو طرز عمل انہوں نے اختیار کیا وہ کسی لحاظ سے مناسب نہیں کہا جاسکتا۔ اس طور سے جو غلط فہمی ہوئی تھی اس پر حکومت بمبئی اظہار افسوس کر چکی تھی لیکن اب اس نے اپنے تیور بدل کر امیران سندھ سے بلاوجہ محاصرت کا رویہ کرنے کی بابت جواب طلب کیا۔ اس مطالبے کے ساتھ ہی ایک زبردست فوج بھی سرحد پر جمع کر لی گئی۔ گورنر جنرل باجلاس کو نسل کی ہدایات کی وجہ سے گورنر بمبئی کو جنگ سے بچنے کی بھی فکر تھی لہذا یہ سب تیاریاں اس قدر تیزی اور مستعدی سے کی گئیں کہ بغیر جنگ ہی کے خاطر خواہ طریقے پر مقصد حاصل ہو گیا۔ امیران سندھ کے جو کچھ بمبئی پہنچے ان سے ایک قابل اطمینان سمجھنا ہو گیا۔ منجملہ دیگر انتظامات کے ایک بات یہ بھی طے پائی کہ خوشا قبیلے کے جو لوگ کمپنی کے علاقے پر متعدد مرتبہ دست درازی کر چکے ہیں۔ انہیں آئندہ سے روکا جائے۔

(۵۴۹)

جن واقعات کی بناء پر بریسوں کی حکومت

سے انگریزوں کا تصادم ہوا اگر ان کا یہاں ذکر نہ کیا گیا

تو ہندوستان کے اس زمانے کی سیاسی تاریخ نامکمل

رہ جائے گی۔ ان لوگوں نے حال میں جو فتوحات حاصل

کی تھیں ان میں اراکان، آسام، اور کچھار کے علاقے

شامل تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کی مشرقی سرحد پر چھوٹے چھوٹے راجاؤں کے

بجائے جن کے پاس نہ کوئی قوت تھی اور نہ جن کی کوئی خواہش تھی یہ نگاہ ڈالنے

کا بھی گزشتہ تیس سال سے ایک زبردست حکومت قائم ہو گئی تھی اس کے

بریسوں کی کمپنی

کے

تعلقات متنازعاً

فرمانروا مغرور اور بلند حوصلہ تھے انگریزوں کی قوت سے وہ نادانف اور اپنی طاقت پر انہیں اس قدر گھمندا تھا کہ وہ کمپنی سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا بھی خیال بھی نہیں کر سکتے تھے۔

لارڈ ٹیگنمونی (Lord Teignmony) کے دور میں ایک بری سپہ دار اپنے بیابان کے تین ملزموں کا تعاقب کرتا ہوا چنگاؤں کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس بیجا مدافعت کو روکنے اور سپہ دار مذکور کو باہر نکالنے کے لئے فوج کا ایک دستہ روانہ کر دیا گیا۔ بری سپہ دار انگریزی افسر کے پاس پہنچا۔ حکومت کی طرف سے اسے جو ہدایات تھیں اور اس حملے کا جو مقصد تھا وہ اس نے بیان کیا اور اس طور سے جنگ رک گئی۔ اس کی مراجعت کے بعد ملزموں کو اس کے حوالے کر دیا گیا۔ ان میں سے دو تو سخت بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے اور تیسرا الزم بیچ کر دوبارہ برطانوی علاقے میں داخل ہو گیا۔ قبیلہ گنہ (Mugh) کے متعدد لوگ جو ارکان کے باشندے ہیں

ایک عرصہ سے چنگاؤں میں آکر بس گئے تھے۔ ۱۸۹۵ء میں ان لوگوں کی ایک کثیر جماعت بری حکومت کے ناقابل برداشت تشدد و مظالم سے تنگ آکر اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر کمپنی کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ ان کی کثیر تعداد سے ایک قسم کا خوف پیدا ہوا اور اس کے ساتھ ہی انہیں پناہ دینے کے منہر متنازع کا بھی اندازہ ہو گیا لہذا احکام جاری کر دیئے گئے کہ آئندہ کوئی شخص اس سبت سے داخل نہ ہونے پائے۔ ان احکام کی پورے طور سے تعمیل نہ ہو سکی۔ نو واردوں کے طرز عمل کی وجہ سے ان کی تعمیل ناممکن ہو گئی۔ جب ایک موقع پر ان بد بخت لوگوں کو داییں ہونے کا حکم دیا گیا تو ان کے سردار نے نہایت بے باکی سے جواب دیا کہ ہم ارکان ہرگز داییں نہیں جائیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو ہمیں اس جگہ قتل کر دیں۔ ہم مرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر آپ ہمیں جبراً نکال دیں گے تو ہم ان عظیم اشیاء پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں جائیں گے جو درندوں کو پناہ دیتے ہیں۔

۵۵۱

تکلیف کی حالت میں سرحد پر آپڑے۔ ان کے پیچھے ایک دوسری جماعت آئی جس کی تعداد پہلے آنے والوں سے بھی زیادہ تھی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گمہ لوگوں کی آبادی کا پانچ حصہ ارکان سے باہر جا چکا تھا اور اس کا دار الحکومت قریب قریب ویران ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ بیابان جنگل اور حشیل میدانوں میں بغیر کسی خاص ارادے کے مارے مارے پھرتے ہیں اور جھوک پیاس۔ بیماری اور تھکان سے سیکڑوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ دریائے نارف جو ارکان اور چنگاؤں کی سرحد پر واقع ہے ضعیف اور معذور لوگوں کی لاشوں سے بھرا پڑا ہے۔ مائیں اپنے شیرخوار بچوں کو صیتوں سے لگائے ہوئے پالی گیس ہیں۔ ان لوگوں کی محض تعداد ہی کا خیال کر کے انسانی ہمدردی نیز حکمت عملی کا اقتضاء یہ تھا کہ کم از کم عارضی طور پر انھیں ضرور پناہ دی جائے کیونکہ سختی کا برتاؤ کرنا اول تو خطرناک تھا اور اگر اس میں کامیابی حاصل ہو جاتی تو یہ پچار سے سب کے سب اپنی وحشی حکومت کے ظالمانہ انتقام کے شکار بن جاتے۔ جب حکومت کلکتہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو طے پایا کہ چنگاؤں کے علاقے میں جو کثیر رقبہ ویران پڑا ہے وہاں انھیں بسا دیا جائے۔ اس مدت میں ان کی گزر درخت کے پتوں اور گھاس پات پر تھی جس کی وجہ سے روزانہ متعدد جانیں تلف ہو رہی تھیں۔ ان کی مصیبت قابل توجہ تھی لہذا حکومت نے ان کے فوری ضروریات زندگی ہمیا کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ ان کی خوراک کا انتظام کیا گیا اور چونکہ بارش کا موسم شروع ہونے والا تھا اس لئے جو بیڑیاں بنانے کا سامان بھی انھیں دیا گیا تاکہ وہ اپنی حفاظت کا انتظام کر سکیں۔

کپتان ہرام کاکس (Captain Hiramcox) کو جو ایک مرتبہ سفیر کی حیثیت سے آوا جا چکا تھا اس سلسلہ میں ان انتظامات کے نیچے گاؤں روانہ کیا گیا۔ یہ شخص اپنے منصوبیات اور اپنے تجربے کے لحاظ سے اس کام کے لئے نہایت موزوں تھا۔ جب گھوڑوں کی آخری جماعت ارکان سے روانہ ہوئی تو وہاں مشکل

سے تین سو برمی سپاہی ہوں گے اور یہ بھی ان لوگوں کی بدظنی سے اس قدر مرعوب ہو چکے کہ ان کی ہمت انھیں روکنے یا ان کا تعاقب کرنے کی نہ ہو سکی اور اس طور سے ان کی ایک کثیر تعداد نے بغیر کسی مزاحمت کے دریائے ٹاٹ کو عبور کر لیا لیکن ان کے ظالم حاکم اپنے شکار کو آسانی سے چھوڑنے والے نہیں تھے انھوں نے تقریباً چار ہزار سپاہی جمع کئے اور چیٹگاؤں تک ان لوگوں کا تعاقب کیا اور وہاں پہنچ کر کھٹنے جھگڑوں میں اپنے آپ کو محفوظ کیا اور کئی ہفتہ تک کمپنی کی فوجوں پر وقتاً فوقتاً چھاپے مارتے رہے۔ ان حملہ آوروں کے سپہ سالار نے چیٹگاؤں کے حاکم ضلع کو لکھا کہ اگر آپ سابق دوستانہ تعلقات کا لحاظ کر کے ان پناہ گزین لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں گے تو اخلاص و اتحاد باقی رہیگا لیکن اگر آپ ہمارے بادشاہ کے غلاموں کو اپنے ملک میں اس طرح پناہ دیں گے تو دونوں سلطنتوں کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ ہمارا جھگڑا صرف ان ہی لوگوں کی بابت ہے۔ ہم نے پہلے بھی ان کی بابت آپ کو لکھا تھا اور انھیں طلب کیا تھا لیکن آپ نے ہماری تحریک کا برا مانا اور خطا ہو گئی۔ اس وقت آپ چیٹگاؤں میں کمپنی کے بادشاہ کے نمائندے ہیں لہذا ہم آپ کو دوبارہ لکھتے ہیں کہ ان سب اراکینوں کو یہاں سے لے کر نہیں گئے انھیں جبراً لے جانے کے لئے اور فوجیں آرہی ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے ملک میں رکھیں گے تو مشن اتحاد ٹوٹ جائے گا۔

اس دھمکی اور مطالبے کا جواب دیا گیا کہ جب تک برمیوں کی فوج ہمارے علاقے سے باہر نہیں چلی جائے گی اس مسئلے پر کسی قسم کی گفت و شنید نہیں ہو سکتی اور اگر اس کی تعمیل نہیں کی گئی تو برمی سپہ سالار کو اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے لیکن اس کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہندوستانی سپاہیوں کا ایک دستہ جو ان کے خلاف روانہ کیا گیا اسے انھوں نے پسپا کر دیا۔ اس کے تھوڑے ہی

(۵۵۳)

عرصہ بعد وہ خود اپنے علاقے میں واپس ہو گئے اور صدر حکومت نے اپنی طرف سے کپتان ہل کو (جو اس زمانے میں لفٹننٹ تھا) ارکان کے گورنر کے پاس ایک خاطر خواہ سمجھوتہ کرنے کی عرض سے روانہ کیا۔

جب کپتان کا کس رات موہنپنچا جو درائے ناف کے کنارے پر واقع ہے تو معاملات کی یہ صورت تھی لیکن اس نے اپنا کام مشہور کر دیا اس نے کیفیت پیش کرتے وقت تحریر کیا کہ جب سے لگوں کو پناہ دینے کے احکام یہاں پہنچے ہیں یہ لوگ تلاش معاش کی عرض سے منتشر ہو گئے ہیں اور اب دو تنک پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ان کی بیخ تعداد معلوم کرنے میں کچھ زمانہ لگے گا لیکن عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ بوڑھے بچے اور عورتیں ملکر ان کی تعداد پچیس تیس ہزار ہوگی۔ ان کے ہموطن جو جنگلوں میں پہلے سے آباد ہیں انھوں نے ان کی خوراک کا انتظام کیا ہے اور یہاں کے باشندے بھی ان کی مدد کر رہے ہیں اور انھوں نے اکثر لوگوں کو لازم بھی رکھ لیا ہے لیکن باوجود اس کے ان میں اب بھی موتیں برابر چورہی ہیں خصوصاً بچے زیادہ مر رہے ہیں تقریباً بیس روزانہ کا اوسط ہے۔

(۵۵۴)

اس کیفیت کے مطالعے سے آپ پر جو اثر ہو گا اس کا میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ یہ حالات ایک انسان کے لئے سخت تکلیف دہ ہیں لہذا میرے دل میں یہ خوف باقی نہیں کہ میری یہ درخواست کہ ان نوواردوں کی مصائب رفع کرنے کا جلد از جلد فیصلہ کر دیا جائے کسی گستاخی پر محمول کی جائے گی ملک کی ترقی کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس زرخیز و نفیس خطے میں جس کی طرف اب تک کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی ہے زراعت کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔ میری قلمی رائے یہ ہے کہ ان سب نوواردوں کو ایک ہی جگہ بسایا جائے۔ ایک جگہ مل کر رہنے کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد اور دل جوئی کر سکیں گے۔ ان کے نیچا قیام کی وجہ سے

انہیں قسم کے خطرے سے جو انہیں اپنی جمالت کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں۔ آسانی محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ اس طور سے دو اپنے قوانین اور اپنے ہی رسم و رواج کے پابند رہیں گے اور اس سرزمین سے انوس ہونے میں انہیں سہولت ہوگی۔ ان کی تعداد و قوت میں بہتہ جلد اضافہ ہو جائے گا اور اس طرح ایک سفید اور ترقی پذیر نوآبادی قائم ہو جائے گی۔ برصغیر اس کے اگر انہیں منتشر کیا گیا تو ممکن ہے کہ ان میں سے چند افراد کچھ عارضی فائدہ حاصل کر لیں لیکن اغلب یہ ہے کہ کثیر تعداد بری حالت میں ماری ماری پھرے گی اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔

ان کے بنانے کے لئے میری رائے میں مالکالی یا راتھور یا اور ناتھ کا درسیاتی علاقہ مناسب ہے۔ اس انتخاب کے لئے میری دلائل حسب ذیل ہیں۔

اول۔ نوادر خود ہی اسے پسند کرتے ہیں

دوسرے۔ یہاں کی اراضی بالکل غیر آباد ہے اور اس پر قانوناً کسی قسم کا بار نہیں ہے لہذا اس جگہ ان کے بنانے میں نہ زیادہ وقت ہوگی اور نہ کسی قسم کے مصارف ہوں گے۔

تیسرے۔ اس علاقے میں زیادہ تر گھنے جنگل ہیں اور یہ ہماری اس قدر بعید سرحد ہے کہ دشمن بے کاذہ طور سے اس پر حملہ کرتے رہتے ہیں لہذا ہماری رعایا میں سے کوئی طبقہ اس علاقے کے صاف کرنے کے دشوار کام کو اپنے ذمہ نہیں لے سکتا۔

چوتھے۔ ان میں سے جو لوگ پہلے آئے تھے وہ بھی اس علاقے کی سرحد پر آباد ہیں لہذا اس جدید نوآبادی کو ان سے معقول مدد ملے گی۔

پانچویں۔ ”سمندر کے ساحل اور تین قابل عبور دریاؤں کے قریب کی وجہ سے سامان خوراک بھی افراط کے ساتھ جہاں ہو جائے گا کیونکہ امکان کے باشندے نہایت ہوشیار و مشاق رہی گیر ہوتے ہیں۔

”انہیں یہاں بنانے میں سیرے نزدیک صرف ایک اعتراض ہو سکتا ہے

اور وہ دراصل ایک اہم سوال ہے کہ اس علاقے میں ان کے قیام کی وجہ سے ان کی سابق حکومت کو ان سے براہِ حد رہے گا اور اگر ان لوگوں نے ارکان پر بے قاعدہ حملے شروع کر دے تو اس کی وجہ سے حکومت برا سے ہمارا ایک لائقِ تہنّاء قائل ہو جائے گا۔

اس اعتراض کے پہلے جز کی بابت میرا یہ جواب ہے کہ خود ہم نے جھگڑا مول نہیں لیا ہے۔ انسانی ہمدردی سے مجبور ہو کر ہم نے یہ راہ اختیار کی ہے۔ دوسرے حصے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ دریائے آنا پر ایک قوجی چوکی قائم کرنے سے اور حاکم ضلع کی نگرانی اور مستعدی سے اس قسم کی بے ضابطگی کو روکا جاسکتا ہے۔

کپتان کاگس اپنی رپورٹ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء میں کیفیت پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”اس وقت تک میں نے تیرہ ہزار نو واردوں کے نام جسٹس دج کر لئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس صوبے میں چالیس پچاس ہزار آدمی موجود ہیں۔ جس وقت میں زمین کا انتظام کروں گا تو یہ سب بھی آجائیں گے“ جون ۱۹۴۷ء میں چنگاؤں سے روانہ ہونے سے قبل وہ لکھتا ہے کہ ”جو علاقہ میں نے منتخب کیا تھا اس میں دس ہزار چار سو ساٹھ گھڑ آباد ہو چکے ہیں“ کپتان موصوف کے نام پر ان کی پہلی آبادی کا نام کاگس بازار رکھا گیا۔

لارڈ ویلزلی اپنی تحریر میں مجلسِ رازدار کو لکھتا ہے کہ کپتان ہل (Captain Hill) جیسے گورنر ارکان کے پاس سفیر کی حیثیت سے روانہ کیا گیا تھا حال میں واپس آگیا ہے۔ اسی سلسلے میں برما کے بادشاہ نے اپنا سفیر کلے بھیجا تھا۔ اُسے میں نے نو واردوں کی بابت سمجھا دیا ہے اور اپنی طرف سے ہر طرح کا اطمینان دلادیا ہے تاکہ اُسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ برطانوی حکومت دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کی خواہشمند ہے۔

۱۵۔ جولائی ۱۹۴۷ء

جے۔ سفیر کو جو جواب دیا گیا تھا اس کا لب لباب یہ تھا کہ اگر گھوں میں سے دقتیں مٹ جائیں

(۵۵۷)

سنہ ۱۸۵۷ء میں ارکان کے گورنر نے بلا کسی شرط کے مگھوں کی واپسی کا مطالبہ کیا اور چٹگاؤں کے حاکم ضلع کو اس کی بابت خط لکھا اور دیکھی دی کہ اگر اس کی فوری تعمیل نہیں کی گئی تو حملہ کیا جائے گا۔ گورنر جنرل اس تحریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر اس بات کا یقین نہ ہوتا کہ گورنر ارکان نے یہ تحریر اپنی حکومت کی اجازت کے بغیر روانہ کی ہے تو میں اس توہین کا انتقام لینے کی غرض سے جنگ شروع کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا۔ اس بات کی تحقیق اور حکومت برما سے تجارتی و ریاستی تعلقات بہتر بنانے کی غرض سے لفٹنٹ کرنل سائس (Lt. Colonel Symes) سنہ ۱۸۵۷ء میں آوا روانہ کیا گیا اور اس عرصے میں لفٹنٹ کرنل فینوئک (Lt. Colonel Fenwick) کی ماتحتی میں فوج کا ایک مقبول دستہ چٹگاؤں کی سرحد پر تعین کر دیا گیا۔

کرنل سائس کی سفارت کی بابت جو کیفیت پیش ہوئی تھی اس میں یہ درج ہے کہ حکومت برمانے اپنی طرف سے دوستانہ تعلقات کا اطمینان دلایا اور کرنل مذکور نے برطانوی حکومت کی نیک نیتی اور صلح پسند مسلک کا پورا پورا اطمینان دلادیا۔

اس کے بعد نو واردوں کے مسئلہ کی بابت کئی سال تک کوئی سوال نہیں اٹھا لیکن سنہ ۱۸۷۷ء میں کپتان کیننگ (Captain Conning) نے جو اس زمانے میں برما کے دربار میں موجود تھا اس بات کا پتہ لگایا کہ وہاں کے بادشاہ کا ایک عرصہ سے چٹگاؤں اور ڈھاکہ کے علاقوں کو فتح کرنیکا ارادہ ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کسی کی بابت یہ ثابت ہو جائے کہ وہ کسی ایسے جرم کا مرتکب ہوا ہے جس کی بنا پر وہ پناہ کا مستحق نہیں ہو سکتا تو اسے جیوشی آپ کے حوالے کر دیا جائے گا اور ایسی صورت میں دونوں حکومتوں کا یہ مقصد ہوگا کہ ایسے لوگوں کو سزا دی جائے۔ علاوہ ازیں ان میں سے جو لوگ اپنے وطن واپس جانے کے خواہش مند ہیں انھیں بلا کسی روک ٹوک کے واپس جانے کی پوری آزادی حاصل ہے اسی بنا پر اس عرصہ میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ نو واردوں میں سے جو شخص ایک مرتبہ اپنے وطن واپس چلا جائے گا اسے دوبارہ برطانوی علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۱۸۵۸ء میں برطانوی حکومت کو گھموں کو اس علاقے میں آباد کرانے کے حضرات سچ کا احساس ہو گیا کیونکہ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے وہ اپنے وطن کی سرزمین پر نگاہ ڈال سکتے تھے اور یہ ایک ایسی بات تھی جس کی وجہ سے ان کے دل میں اپنے وطن اور اپنے آبائی حقوق دوبارہ حاصل کرنے کا جذبہ لافنی طور پر ہمیشہ تازہ رہنا چاہئے تھا۔

گھموں کی اس جدید نوآبادی کے چند بہادر باشندوں نے قسمت آزمائی کے لئے اپنے سردار کنگ بینرنگ (King Cerving) کے تحت اراکان پر بے قاعدہ حملے شروع کر دیے۔ ان حملوں کی وجہ سے اراکان کی فوجیں کمپنی کے علاقے میں ڈال ہوئیں اور برطانوی سرحد کے ہمدے واروں کی بری افروں سے لوگ جھونک شروع ہو گئی۔

۱۸۵۸ء میں بیگو کے صوبہ دار کی طرف سے ایک وفد کلکتہ پہنچا۔ اس وفد کے پہنچنے سے قبل شاہ برما کا ایک نمائندہ ہندوؤں کی چند مقدس کتابیں خریدنے کے لئے بنارس پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ اس بات کے شبہ کی گنجائش تھی کہ سفیر مذکور کے ارادے کچھ اور نہیں تاہم اسے بنارس جانیلی اجازت دے دی گئی۔ یہ شخص وہاں پہنچ کر کتابیں خریدنے کے بجائے خفیہ سازشوں میں مشغول ہو گیا جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے برطانوی حکومت کے خلاف تھیں۔ شاہ برما کے ایک اور عہدہ دار نے اسی بہانے (یعنی ملی فتنے جمع کرنے کی غرض) سے دہلی جانے کی اجازت چاہی لیکن چونکہ اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا حقیقی مقصد انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے دیسی ریاستوں سے اتحاد قائم کرنا تھا اس لئے اسے کمپنی کے ان علاقوں میں سفر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ اراکان کے راجہ کو مطلع کر دیا گیا کہ مقدس کتابوں اور نسخوں نیز دیگر مطلوبہ اشیاء کی ایک فہرست روانہ کر دی جائے انہیں خرید کر بھیج دیا جائے گا۔ اس کام کے لئے اپنے نمائندوں کو مقرر کرنے کی تکلیف گوارہ نہ کی جائے۔

صدر حکومت کے مراسلوں کے مطابق اسے واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۵۸ء

میں حکومت براؤنیزوں کے علاقے پر حملہ کرنے کی وسیع پیمانے پر نہایت تیزی سے تیاریاں کر رہی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ براؤنچکاؤں دھٹاکے کے نموبے حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور کمپنی نے مختلف ہوتھوں پر اپنے طرز عمل کی بابت اسے جو اطمینان دلایا تھا اس سے شاہ مذکور کے ان خیالات میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہ انگریز گھونو واردوں کو ابھارتے رہتے ہیں۔ اس زمانے میں گھونوں کی ایک کثیر جماعت اپنے سردار کنگ بیڑنگ کی ماتحتی میں برمیوں کے علاقوں میں سخت زیادتیاں بھی کر رہی تھی اور انھیں باز رکھنے کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہو رہی تھیں۔

ستمبر ۱۸۳۱ء کنگ بیڑنگ کا ایک خط لارڈ ملٹو کے ہاتھ لگ گیا جس میں اس نے صاف صاف الفاظ میں اداکان پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ گورنر جنرل اور اس کی مجلس نے اب تک نہایت صبر سے کام لیا تھا اور نو وارد گھونوں کی متعدد زیادتیاں معاف کر دیں تھیں (اور کبھی کبھی صرف ان کے سرغزائوں کو گرفتار یا نظر بند کر دیا تھا) لیکن اب اس بے باک ملزم اور اس کے ساتھیوں کے خلاف سختی کا پتہ پڑا اور کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا لہذا اس امر کی بابت ایک اعلان شایع کیا گیا کہ اگر دوبارہ اداکان پر دست درازی کی گئی تو برطانوی حکومت کنگ بیڑنگ اور اس کے خاص خاص ساتھیوں کو برمی حکام کے حوالے کر دے گی۔ اس کے ساتھ لارڈ ملٹو نے مصلحت اس میں سمجھی کہ حکومت کو معاہدے کے طور پر اس کی پابندی اپنے اوپر عائد نہیں کرنی چاہیے لہذا اس نے طے کیا کہ اس فیصلے کی اطلاع برمی حکام کو نہ کی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس طرح ہمارے ہاتھ بندھ جائیں اور اگر کسی موقع پر کنگ بیڑنگ اور اس کے ساتھی ہمارے قابو میں آجائیں تو حکومت آوا ہمارے اس سرکاری اعلان کی بنا پر انھیں ہم سے طلب کر بیٹھے۔

میلو کے صوبہ دار نے گھونو واردوں کو واپس حاصل کرنے اور لارڈ ملٹو کو اس بات پر آمادہ کرنے کے لئے اپنے جو سفیر روانہ کئے تھے انھوں نے گلٹے پھونچکر لارڈ ملٹو کی آمد تک اپنی واپسی ملتوی کر دی اور اس کے سامنے

ترکیب نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ جس معاملے پر وہ دونوں سلطنتیں کو لڑانا چاہئے تھے اس میں دونوں کے اصول ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور باہمی سمجھوتے کی کوئی توقع باقی نہیں رہی تھی۔ اب یہ بات ناممکن تھی کہ برمیوں کے سفیروں کو سمجھا بچھا کر یا ان کے لمزموں کے خلاف تھوڑی بہت فوجی کارروائی کر کے ان کے شبہات رفع کر دئے جائیں اور ان کا غصہ فرو کر دیا جائے یا ان کے انتقامی جذبے کو جس نے انھیں گھوٹ کے خون کا پیاسا بنادیا تھا۔ ٹھنڈا کیا جاسکے۔ ان لوگوں کو گھوٹ سے جو تکالیف پہنچتی تھیں انھیں وہ ہماری پناہ اور اعانت پر محمول کرتے تھے لہذا ان حالات میں نہ وہ ہلکے بیانات تسلیم کر سکتے تھے اور نہ انسانی چہرہ دی کے ان احساسات کو سمجھ سکتے تھے جن کی وجہ سے ہم ان بدنام لمزموں کو ان کے حوالے کرنے اور انھیں ان پر دردناک مظالم توڑنے کا موقع دینے سے قاصر تھے۔ اور نہ ان کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی تھی کہ ہم اپنے قوانین کی نوعیت کی وجہ سے ان لمزموں کو باوجود ان کے سلسلہ جراثیم کے سزا نہیں دے سکتے تھے کیونکہ ہماری عدالتوں میں جس قسم کا ثبوت پیش کرنا ضروری ہے وہ ہم نہیں پہنچایا جاسکتا تھا۔

سلسلہ کی سفارت سے قبل جو واقعات پیش آ چکے تھے ان کی بنا پر لارڈ کٹو برمیوں کے خلاف جنگ اغلب سمجھتا تھا۔ مجلس نظارہ کو وہ اپنے مراسلے میں لکھتا ہے کہ بدجب تک حکومت برما کی طرف سے قطعی طور پر کوئی دست درازی واقع نہ ہوگی یا مزید اطلاع ملنے کے بعد ہمیں اپنے حقوق یا اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے اپنا طرز عمل تبدیل کرنے کی مجبوری پیش نہ آئے گی۔ ہم دونوں سلطنتوں کے تعلقات ختم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

چنگاؤں کے علاقے کو ان وحشی لوگوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے کیونکہ ان کی علانیہ اور بے باکانہ زیادتیوں سے ملک میں انتہائی ابتری اور تباہی برپا ہو جائے گی اور ہماری حکومت کی سمیت ذلت و توہین ہوگی۔ اس قسم کی ہتک و توہین کی مداخلت کرنا اور

برطانیہ کی عزت و شہرت کو ہر ذلت سے محفوظ رکھنا ایک ایسا فرض ہے جس میں قطعی کوتاہی نہیں کی جاسکتی۔ مقصد اول کے حصول کے لئے تھوڑی سی فوج اور دو ایک مسلح کشتیوں کا بھیجنا ضروری سمجھا گیا اور دوسرے مقصد کے لئے جب کبھی ان کی طرف سے کوئی گستاخانہ حرکت سرزد ہوتی ہے تو ہم سختی سے گروایم الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اعتدال پسند کمراسلوں اور ترکیبوں سے اپنا قومی وقار برقرار رکھتے ہیں۔

”جب کبھی حکومت برما سے بحث طلب یا مختلف نیم امور پیش آتے ہیں تو ہم یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں اور انہی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں ہیں امید ہے کہ چنگاؤں کی سرحد اور دربار رنگون کے معاملات میں ہم نے جو صبر سے کام لیا ہے اور جو اعتدال پسند اور صلح آمیز طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپ کے نزدیک قابل اطمینان ہوگا۔ ہمارا عظیم کمینہ ہے۔ اس کی طرف سے اشتعال انگیز حرکتیں سرزد ہوتی رہی ہیں لیکن باد جو دان سب بابوں کے موجودہ حالات امن برقرار رکھنے اور حکومت آوا سے سمجھوتا قائم رکھنے کی غرض سے ہم اپنے اصول پر استقلال سے قائم رہے ہیں۔ جب تک کہ حالات اجازت دیں گے ہم انھیں اصول پر عمل پیرا نہیں گئے اور ہم بجا طور پر اس امر کی توقع کر سکتے ہیں کہ حدود بدگمانی رفع ہو جائے گی اور جنگ کی کوئی صورت پیش نہ آئے گی۔“

لاڈ موصوف آخر میں یہ بھی لکھتا ہے کہ ”ہم اس خیال کو بھی دل سے نہیں نکال سکتے کہ آئندہ کسی موقع پر اگرچہ وہ موقع عنقریب پیش نہ آئے ہیں اس کمزور اور قابل نفرت سلطنت کی گستاخی اور مخالطہ کو روکنے کی ضرورت پیش آجائے۔“

لاڈ بیسنٹ نے جب حکومت کا جائزہ لیا تو اس نے بھی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے چند سرکش سواروں کو جو اس مدت میں گرفتار کر لئے گئے تھے حکومت برما کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا لیکن دوسرے ہر طریقے سے اس نے حکومت مذکور کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش

کی کہ وہ نہایت صدق دل سے ایسے لوگوں کو دبانے اور ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا جو اراکان کے علاقے پر متواتر زیادتیاں کرتے رہتے ہیں۔

جب ان لوگوں کی ایک جماعت نے چنگاؤں کے جنگلوں میں غرار ہو کر بیاہ لی تو برہمنوں کو ان کے تعاقب کی اجازت دے دی گئی لیکن اراکان کا راجہ اس سے بھی مطمئن نہیں ہوا اور سرحدی افسر کے پاس اس نے اپنے نمائندے بھیج کر اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ برطانوی علاقے میں جو برہمن سپاہی داخل ہوں ان کے لئے انگریزی حکومت اسلحہ، سامان جنگ اور سامان رسد مہیا کرے۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جس پر گورنر جنرل بالاحلاس کونسل ہرگز توجہ نہیں کر سکتا تھا لہذا اس معاملے پر گفت و شنید بند کر دی گئی۔ سسٹرپیل (Mr. Pechell) نے اس فیصلے کی اطلاع کرنے کے لئے اپنا جو نائب راجہ اراکان کے پاس روانہ کیا اُسے راجہ مذکور نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے گرفتار کر لیا۔

جس زمانے میں کہ مذکورہ بالا گفت و شنید ختم ہوئی حکومت برما نے اپنے سفیر بھیج کر انگریزی حکومت کے خلاف استیصال قائم کرنے کی دوبارہ کوشش کی۔ یہ سفیر سوداگروں کے بھیس میں تھے اور انھیں رنجیت سنگھ والی لاہور کے پاس جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ کوشش نہایت پھر اور پوچھ بھیجی گئی اور حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد سفیروں کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا تاہم اس واقعے کے اظہار سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حکومت برما انگریزوں کے خلاف براہرخصاصانہ کارروائی کر رہی تھی۔

۱۸۱۵ء کے اوائل میں گھوں کے خاص سردار کنگ بے رنگ کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد یہ توقع کی گئی کہ اس مدت میں نوواردوں کو دمانے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اس میں اب سہولت ہو جائے گی اور حکومت نے اپنے لطف و کرم سے ان پر اثر قائم کرنے کی خواہش سے ان کے چند سرداروں کو جو پہلے گرفتار کر لئے گئے تھے رہا کر دیا اور کنگ بے رنگ

کے خاص معاون بھی جنھیں کبیر بھجیہ یا گیا تھا چنگاؤں اس شرط سے روانہ کر دئے گئے کہ اگر ایک مہینہ وقت تک وہ اپنے نیک چلنی کی بابت معقول ضمانت پیش کر دیں تو انھیں بھی آزاد کر دیا جائے۔ اس نیک سلوک کا حسب توقع مفید اثر نہ ہوا اور ۱۸۱۵ء میں انھوں نے کپینی کے علاقے میں ایسی دست درازیاں کیں جن کی مثال پہلے کبھی نہیں ملتی لیکن اس مرتبہ ان ناقابل اصلاح ملزموں کی زیادتیاں اماکان تک نہیں پہنچیں لہذا اپریل ۱۸۱۶ء برمی سرحد کے صوبہ دار راجہ رامیر (Raja Ramere) کے پاس سے جو خط وصول ہوا اس پر قطعی تعجب نہیں ہوا۔ یہ خط نہایت طعنازیہ لکھا گیا تھا اور گھم تو اردوں کے مطالبے کے ساتھ نہایت صاف الفاظ (۵۶۲) میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ عدم امتثال امر کی صورت میں فوراً جنگ چھڑ جائے گی۔

راجہ مذکور لکھتا ہے کہ ”انگریزی حکومت دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہے۔ آپ تو آتش باری اور گولہ باری کا تماشاہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اماکان کے گمہ شاہ آوا کے غلام ہیں۔ انگریزی حکومت نے انھیں ہمارے علاقوں سے باہر جانے میں مدد دی ہے اور اب انھیں اپنے یہاں بسا لیا ہے۔ ہم میں اور آپ میں جھگڑا ہوگا اور شل آگ کے ایک طوفان برپا ہوگا۔ حکومت اماکان نے برطانوی حکومت سے ان گھم کو طلب کیا۔ ان کی واپسی کا وعدہ کیا گیا لیکن بعد میں اسے پورا نہیں کیا گیا۔ یہ لوگ آپ کے قابو سے باہر ہو گئے اور انھوں نے ہمارے علاقے میں داخل ہو کر چار دھاتیوں کو تاراج کر ڈالا اور جب وہ واپس گئے تو آپ نے انھیں دوبارہ اپنے یہاں پناہ دے دی۔ اگر اب آپ نے میرے مطالبے کی تعمیل نہ کی اور گھم کو واپس نہ کیا یا اس میں تاخیر کی تو ہمارے آپ کے دوستانہ تعلقات جو اب تک قائم رہے ہیں ختم ہو جائیں گے۔“

راجہ رامیر کا بیٹا اس خط کو لے کر مسٹر پٹیل کے پاس پہنچا اور اس

سے کہا کہ ”یہ مضمون خود بادشاہ سلامت نے لکھوایا ہے لہذا اب دلائل کی ضرورت نہیں۔ صرف جواب درکار ہے“ مسٹر پیشیل نے جواب دیا کہ میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ مجھے آپ نے جو خط دیا ہے اس کا میں ترجمہ کر کر صدر حکومت کے پاس روانہ کر دوں گا یہ اسکے ساتھ ہی اس نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ گھنوں کی واپسی کا سوال اب ایسے موقع پر اٹھایا گیا ہے جب کہ سرحد پر کسی قسم کی بد امنی کا اندیشہ نہیں ہے۔ سفیر مذکور نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس زمانے میں درحقیقت کامل امن ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہا کہ اگرچہ کنگ بیرنگ کا انتقال ہو گیا ہے تاہم اس کے ایسے عزیز اور ساتھی کافی تعداد میں موجود ہیں جو بلاشبہ دوبارہ دست درازیاں شروع کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھائیں گے اراکان اور اس کے ماتحت علاقے پر حملہ کریں گے اور اس کے فتح کرنے کی کوشش جاری رکھیں گے۔ مسٹر پیشیل نے اپنے دلائل پیش کر کے ثابت کیا کہ اس قسم کے واقعات کا اب بہت کم امکان نظر آتا ہے اور ساتھ ہی یہ تجویز پیش کی کہ یہ نظر احتیاط دریائے نائ کے ساحل پر کمپنی کی جو فوجیں چوکیاں قائم ہیں ان کے قریب ایک تھوڑی سی بری فوج بھی جاسکتی ہے۔ راجہ مذکور کے بیٹے نے اس کا جواب کسی قدر بدتمیزی سے دیا اور کہا کہ ”ہم اپنے معاملات خوب سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہمیں اپنی فوج کس مقام پر رکھنی چاہیے۔ ہمارے بادشاہ سلامت کو اس بات کا یقین ہے کہ جب تک گھنوں کو واپس حاصل نہ کیا جائے گا سرحد پر امن زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس گفتگو کے بعد اس نے اپنے الفاظ دوبارہ دہرائے اور کہا کہ ”اس مطالبے کی تعمیل کی جائے یا انکار کر دیا جائے۔ مجھے صرف جواب درکار ہے“ مسٹر پیشیل نے خط پڑھ کر دیکھا تو ابتدائی طرز تحریر اور خط کے آخر حصے کی عبارت کے انداز میں بہت فرق تھا۔ راجہ کے بیٹے نے کہا کہ ”مجھ کوچھ ہمارے بادشاہ نے کہا تھا وہ اس میں درج ہے۔ آپ براہ کرم اسے

بلا تانیر کلکتے روانہ کر دیں تاکہ میں جلد ارکان واپس ہو سکوں۔
 (۵۶۸) مسٹر پٹیل نے جو طریقہ عمل اس معاملے میں اختیار کیا تھا۔ اس کی
 گورنر جنرل باجلاس کونسل نے تائید کی اور اسے ہدایت کی گئی کہ وہ خود
 ہی راجہ راتھیر کو جواب تحریر کر دے جس کا طرز تحریر سخت مکر صلیح پسند
 ہو اور آخر میں تحریر کر دیا جائے کہ یہ جواب حکومت کے احکام کے بموجب
 روانہ کیا جاتا ہے۔ مسٹر پٹیل کو یہ بھی ہدایت تھی کہ وہ اپنے طور پر اس
 بات کا پتہ لگائے کہ حکومت آؤا کا گھوٹوں کے سوال کو اس وقت
 اٹھانے سے مدعا کیا ہے۔

گورنر جنرل نے اس خیال سے کہ شاہ آؤا کو گھوٹوں کے مسئلہ کی
 بابت برطانوی حکومت کے خیالات واضح طور پر معلوم ہو جائیں ایک
 خط پیلو کے صوبہ دار کو خود بھی تحریر کیا اور گھوٹوں کی داپسی کے متعلق
 راجہ راتھیر کے مطالبے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ جو لوگ خود برطانوی
 حکومت کی بنیاد کے خواستہ کار بنے ہیں اور جو گزشتہ تیس سال سے
 اس کے علاقے میں آباد ہیں انھیں وہ اپنے اصولوں کی خلاف ورزی
 کئے بغیر جن پر وہ ہمیشہ بلا تخصیص عمل پیرا رہتے ہیں کسی کے حوالے نہیں
 کر سکتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ان میں سے جو لوگ از خود اپنے وطن واپس
 جانا چاہیں انھیں ہرگز نہیں روکا جائے گا مگر برطانوی علاقے سے نکالنے
 کے لئے ان پر جبر نہیں کیا جاسکتا اور خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس قسم
 کی کارروائی کے لئے سروسٹ کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی برطانوی حکومت
 کی کوشش سے کامل طور پر امن قائم ہو گیا ہے۔ گنگ بیڑک کا انتقال ہو چکا
 ہے۔ اس کے خاص خاص ساتھی مقید ہو گئے ہیں۔ عام طور پر کچھ محنت
 (۵۶۹) کے عادی ہو گئے ہیں اور جتنی پیشے اختیار کر رہے ہیں۔ ان سب
 باتوں کی وجہ سے اب دوبارہ بد امنی واقع ہونے کا امکان نظر نہیں آتا۔

صوبہ دار مذکور کو یقین دلایا گیا کہ برطانوی عہدہ دار اپنی نگرانی بدستور جاری رکھیں گے اور جو لوگ مجرمانہ جدوجہد کے مرتکب پائے جائیں گے انہیں نہایت سخت سزا دی جائے گی۔ برطانوی حکومت کے اصول و خیالات اور اراکوں کو اس طرح واضح کرنے کے بعد گورنر جنرل نے آخر میں لکھا کہ وہ مجھے امید ہے کہ آپ کے روشن خیال بادشاہ اب اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ بے سود تصور کریں گے کیونکہ نرید بحث سے کوئی ایسی نتیجہ خیرات پیدا نہیں ہو سکتی جو دونوں سلطنتوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی مفید مطلب ہو۔

جنگاؤں کے حاکم ضلع نے اسی زمانے میں حکومت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ موجودہ آئین و قوانین نو آبادیوں کو اراکان پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کے لئے ناکافی ہیں اور اگر یہی قوانین جاری رکھے گئے تو ممکن ہے کہ جس برمیوں کے خلاف جنگ میں مبتلا ہونا پڑے۔ اس یادداشت کی بنا پر سلسلہء عام میں ایک اعلان شایع کیا گیا جس میں نو آبادیوں کو صاف طور پر بتلادیا گیا کہ اس قسم کے واقعات دوبارہ پیش آئے تو لمزموں کو اراکان کے عہدہ داروں کے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ جو سلوک وہ ان کے ساتھ مناسب سمجھیں کریں۔

اس اعلان کے تھوڑے ہی عرصے بعد ان سرکش لوگوں کے ایک بدنام سردار چیری پو (Charips) نے علاقے مذکور پر ایک نہایت ہی جسارت آمیز دھاوا مارا۔ اسے مع اس کے چند ساتھیوں کے گرفتار کر لیا گیا اور مسٹر پشیل نے تجویز پیش کی کہ اس ناقابل اصلاح قوم اور اس کے خاص خاص لمزم ساتھیوں کو بلا تاخیر حکومت برما کے حوالے کر دینا چاہئے کیونکہ دوسروں کو اس قسم کی حرکتوں سے باز رکھنے کی یہی ایک تدبیر ہے۔ مجلس کے نائب صدر نے مسٹر پشیل کے استدلال کی تائید کی

۵۱۔ اس وقت لارڈ سنکھز شمالی ہند میں تعین تھا

اور اپنی رائے کا اظہار کیا کہ اس ترکیب سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو گا اور دوسروں کو اس سے جو عبرت حاصل ہو گی اس کا اثر مستقل ہو گا لیکن باوجود اس یقین کے چنگاؤں کے جج کی رائے سے اتفاق نہیں ہو سکا۔ حکومت کے مستند خاص نے مذکورہ بالا حاکم کو مراسلہ تحریر کیا کہ ”جب نائب صدر نے ان دردناک وحشیانہ مظالم پر غور کیا جو برمی ان بد سخت لوگوں سے انتقام لینے کے لئے ان پر کرتے تو اس نے ایک معقول تعداد کو اپنے غنیم کے انتقام کے لئے ایسی حالت میں اس کے حوالے کرنا جب کہ وہ ان کی متعدد دست درازیوں سے مشتعل تھا برطانوی قوم کے رحم و کرم اور اسکے خصوصیات کے خلاف تصور کیا۔ ان قیدیوں کو غنیم کے حوالے نہ کرنے کے فیصلے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نائب صدر باجلاس کونسل نے یہ محسوس کیا کہ اس طور سے برمی حکومت کی ہمت افزائی ہو گی اور اس کے اس قسم کے سطات میں اضافہ ہو جائے گا اور پناہ گزین لوگوں کو واپس حاصل کرنے کے لئے جو سطات وہ کرتی رہی ہے ان کے لئے ایک مثال قائم ہو جائے گی جس کی وجہ سے اس قسم کے موقعوں پر سخت سطات کا سامنا ہو گا۔

(۵۷)

حکومت نے اپنے اس فیصلے کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ ایک جج کو چنگاؤں میں تعین کر دیا جائے جو دورہ کر کے لمزموں کے مقدمات کی تفتیش میں مسٹر بیٹیل کو مدد دے لیکن اسلامی قانون کی رو سے جس قسم کا ثبوت بہم پہنچانا ضروری تھا وہ چیری پو اور اس کے ساتھیوں کو سزا دینے کے لئے فراہم نہیں ہو سکتا تھا حالانکہ جو الزامات ان کے خلاف عائد کئے گئے تھے ان پر وہ فخر کرتے تھے اور تمام ملک میں یہ بات شہور تھی جج مذکور نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ لمزموں کا سرغنہ اس بات کا خود اقبال کرتا ہے کہ اس نے الزامات پر دھواں کیا اور وہاں کے ایک سوداگر کو لوٹا ہندا اس جرم میں اسے جانتہائی سزا دیا جاسکتی ہے

وہ چودہ سال کی سنرا ہے جو کچھ واقعات پیش آچکے تھے ان کے بعد برہمنوں کی سی حکومت سے اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس قسم کے فیصلے سے مطمئن ہو جائے گی یا ان اصول اور دقتوں کو محسوس کر سکے گی جن کی بناء پر ہم اپنی علانیہ خواہش کے باوجود اس قسم کی دست درازیوں کو جن کی وہ بجا طور پر شکایت کرتی ہے روکنے سے قاصر ہیں۔

یہاں جو معاملات اس سلسلے میں پیش آ رہے ہیں تھے ان سے حکام بالانفاصل نہیں تھے۔ مجلس نظام نے حکومت ہند کو کھٹاکا ہیں تو ہی امید ہے کہ تم کنگ بیرنگ کی حفاظت سے دست بردار ہوتے پر مجبور نہیں ہوئے ہو گئے کیونکہ جن لوگوں پر اس بات کا شبہ بھی تھا کہ وہ کنگ بیرنگ کے حامی ہیں انہیں قتل کر ڈالا گیا اور اس طور سے پورا ایک گاؤں جس کی آبادی ڈھائی سو تھی تہ تیغ کر ڈالا گیا اور وہاں سرحدوڑوں اور بچوں میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اگر حکومت آوا کے خلاف جنگ سے بچنے کی خاطر تم اس بات پر مجبور ہو گئے ہو تو ہمیں امید ہے کہ تم نے تنہا کنگ بیرنگ کو برہمن حکومت کے حوالے کیا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی میں سے کسی کو بھی اگرچہ وہ سرکش و مغرور ہیں تم نے نہیں دیا ہوگا۔ اگر اس خط کے پہنچنے تک کنگ بیرنگ کو نہ دیا گیا ہو تو ہماری رائے میں اسے گورنر جنرل کی تحریر مورخہ ۳ جولائی ۱۹۱۵ء کے مطابق جس میں اس نے پیگو کے صوبہ دار کو اپنی طرف سے اطمینان دلایا تھا سخت نگرانی میں رکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ دوسرے سراٹکے میں اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہ برہمنوں کی فوجیں برطانوی سپاہ کے ساتھ مل کر ملزموں کا تعاقب کریں نظام کہتے ہیں کہ ”میں یہ معلوم کر کے خوشی

(۵۷۳)

علی جو الہ صراط مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۵ء۔

محلہ۔ مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۱۵ء۔

ہوئی کہ حاکم مصلح نے نہایت احتیاط سے کام لیا اور اپنی طرف سے اس قسم کے کوئی الفاظ استعمال نہیں کئے جن سے برمی یہ مطلب نکال سکیں کہ ہماری حکومت اس بات کا وعدہ کرتی ہے کہ اگر ملزموں نے اپنے آپ کو برطانوی سپاہ کے حوالے کر دیا تو انہیں برمی حکومت کے سپرد کر دیا جائے گا۔

واقعات اب بعد سے جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ گھجہ نو واردوں کی اصلاح ناممکن ہے اور ان کی دست درازیوں سے سخت اہم خطرات پیش آنے کا اندیشہ ہے تو مجلس نظام کے خیالات بالکل بدل گئے اور نویت (۵۴۳) یہاں تک پہنچی کہ جن دلائل کی بنا پر نائب صدر باجلاس کونسل نے ملزموں کو برمیوں کے حوالے نہیں کیا تھا ان پر غور کرنے کے بعد انہوں نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اگر آئندہ اس قسم کی کوئی صورت پیش آئے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ملزم اب ہماری اعانت و پناہ کے مستحق نہیں رہے ہیں لہذا اب جب کبھی وہ گرفتار کئے جائیں انہیں برمی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔

۱۸۵۷ء کے اواخر میں دربار آوا کے دو سفیر لاہور کے راجہ کے پاس جانے کی غرض سے کلکتہ پہنچے۔ ان کے پاس گورنر جنرل کے نام کے بھی خطوط تھے لیکن وہ اس وقت پنڈاریوں کے خلاف جنگ میں مشغول تھا۔ مشریشیل نے اس بارے میں جو معلومات چٹکاؤں میں فراہم کیں ان سے یہ پتہ لگا کہ کسی شخص نے رنجیت سنگھ کی طرف سے شاہ پرتاب کو دھوکا دیا ہے اور اسی طرح ایک اور شخص نے اپنے آپ کو نویت گوبائی بتا کر اپنی ریاست حاصل کرنے کے لئے برمی سپاہیوں کی طرف سے پرتاب

۱۸۵۷ء - بحوالہ سر اسلمہ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء - یہ ایک ادنیٰ ریاست ہے جو آسام کی سرحد پر واقع ہے اور برطانوی حکومت کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

ہو گیا لہذا مذکورہ بالا دونوں سفیر جن کا خاطر خواہ طریقہ پر استقبال کیا گیا تھا اس اطلاع کے بعد گرفتار کر کے بری حکومت کے عہدے داروں کے حوالے کر دیئے گئے اور انھیں جلا دیا گیا کہ یہ لوگ دھوکے باز ہیں لیکن بریسوں نے اخلاص و اتحاد کے اس اظہار اور خیال کی کوئی وقعت نہ کی اور یہ بات بھی بعید از امکان نہیں معلوم ہوتی کہ مذکورہ بالا دھوکے کی کارروائی برمی دزرا کے اتنا سے کی گئی ہو اور ہندوستان کے اندرونی علاقے میں اپنے سفیر دوبارہ بھیجنے کی یہ ایک نرید کوشش ہو۔

(۵۷۴)

شاہ عظیم شاہ راجہ رام سیر کا بیٹا دوسری مرتبہ سفیر کی حیثیت سے چنگاؤں، پونپا اور ستر پٹیل کو مطلع کیا کہ اس کے والد نے شاہ آوا کے حکم کے بموجب ایک خط لکھ کر گورنر جنرل کے نام روانہ کیا ہے اور وہ خود کھلتے خاکڑا سے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اور اس خط کی ایک باضابطہ نقل اس نے ستر پٹیل کو بھی دی۔ اس تحریر کا لب لباب یہ تھا کہ چنگاؤں دھاکہ، مرشد آباد و قاسم بازار کے علاقے ہندوستان میں شامل نہیں ہیں۔ یہ ہمارے علاقے ہیں۔ برطانوی حکومت دھوکے باز ہے۔ پہلی کوئی حکومت ایسی نہیں تھی۔ آپ کو ان علاقوں سے الگ زاری وصول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ ان علاقوں کی الگ زاری ہمیں دیا کریں اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ہم آپ کے مقبوضات تہ تیغ کر ڈالیں گے۔

اس بات میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں کہ راجہ رام سیر نے برطانوی حکومت کے خلاف جنگ چھیڑنے کی غرض سے اپنے بادشاہ سے مشورہ کر لیا تھا اور دھاکہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ برمانے اپنی رائے میں اس موقع کو مناسب بھی خیال کیا تھا۔ عام خیال یہ بھی تھا کہ اس نے مرہٹوں سے بھی کچھ سمجھوتا کر لیا ہے۔ سفیر مذکور اپنے علاقے کو واپس بھی نہ ہونے پایا تھا کہ برطانوی فوجوں کو ایک شاندار فتح حاصل ہو گئی اور اسی زمانے میں بریسوں کو سیاسیوں کے خلاف سخت شکست ہوئی۔

(۵۷۵) لارڈ ہیننگنز نے اس خط کو جعلی قرار دیا اور شاہ برمانے اس طرز عمل کو ناپسند بھی نہیں کیا۔ لارڈ موصوف لکھتے ہیں کہ ”اس ترکیب سے یہ بات مل گئی اور مجھے اس گستاخانہ حرکت کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں رہی میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جب شاہ برما کو اپنے رازدار حلیفوں کی شکست کا علم ہو گا تو وہ میری اس رائے سے جس کی بدولت اُسے خاموش بیٹھنے کا بہانہ مل جائے گا خوب خوش ہو گا۔“

گمہ نو داردوں کا طرز عمل اور اس کے نتائج یہاں توضیح سے بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ ان اسباب کے بیان کرنے میں سہولت ہو جن کی وجہ سے برطانوی اور برہمنی حکومتوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں۔

اراکان کی فتح کے بعد برہمنوں نے وہاں کے باشندوں پر جو دردناک مظالم کئے تھے ان کی وجہ سے یہ لوگ برطانوی علاقے میں داخل ہوئے۔ جب یہ لوگ یہاں آئے تو ان کی حالت ایسی تھی کہ ہم انہیں پناہ دینے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے تھے اور مقامی حالات کے لحاظ سے اس بات کی ضرورت تھی کہ انہیں ایک ایسے مقام پر آباد کر لیا جائے جہاں ان کے لئے ذریعہ معاش خاطر خواہ طریقے پر مہیا ہو سکے۔

جو مقام تجویز کیا گیا تھا اس پر جو اعتراضات تھے وہ صاف طور سے بیان کر دیئے گئے لیکن جس شخص کو وہاں متعین کیا گیا تھا اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان اعتراضات کو رفع کیا جاسکتا ہے لہذا حکومت نے اس کی رائے سے اتفاق کر لیا۔

جس روز سے کہ ان گھوڑوں کو سرحدی مقامات پر آباد ہونے کی اجازت دی گئی اسی دن سے اس قبیلے کے فطری جذبات اور حب وطن کے احساس اور بھاری انسانی بھردری اور چاری حکومت کے اصولوں کا مغرور برہمنوں کے متعالیوں، غرور اور حسد سے تصادم (۵۷۶)

شروع ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں برابر صدمہ و اشتعال پہنچا رہا۔ اس قسم کے تصادم سے دست درازیاں اور انتقامی کاروائیاں شروع ہو گئیں اور مصافحہ ہر تھا کہ ان کی بدولت ایک نہ ایک دن جنگ ہو کر رہے گی۔

جن اسباب کی بناء پر برمیوں کو جائز شکایت تھی ان میں لارڈ ڈیٹنگلز کے دور حکومت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ کنگ پیزنگ کے انتقال کے بعد سے مہلوں کا ارکان میں کوئی زبردست حملہ نہیں ہوا تھا لیکن باوجود اس کے برمی حکومت کے عہدہ داروں کی تحریر اور مراسلوں کا طرز تحریر روز بروز گستاخانہ ہوتا گیا اور چاری طرف سے جنگ سے بچنے کی جو خواہش ظاہر کی گئی اس سے ان کے مخصوصہ جذبات اور ارادے مشتعل ہوتے رہے لیکن انھیں اپنی نیز چاری طاقت کا بہت غلط اندازہ تھا لہذا ان کی بجا شکایت اور ہوس کے علاوہ ان کے اس طرز عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی اور سرکاری کاغذات جن سے یہ سب واقعات اخذ کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شروع سے جو خطرات پیش آرہے تھے انھیں زیادہ عرصہ تک نہیں مالا جاسکتا تھا۔

لارڈ ڈیٹنگلز کے دور حکومت میں رنجیت سنگھ کی مصروفیت رنجیت سنگھ والی لاہور پورے طور سے پنجاب کے استحکام اور کشمیر و ملتان کی تسخیر

میں مشغول رہا۔ اس زبردست سردار نے اس زمانے میں برطانوی حکومت کے خلاف کسی قسم کی کوئی کاروائی نہیں کی۔ وہ انگریزوں کی قوت سے بخوبی واقف ہو گیا تھا لہذا وہ دھوکا کھا کر کسی ایسے اتحاد میں شریک نہیں ہو سکتا تھا جس کی وجہ سے خود اس کی طاقت معرض خطر میں آجائے کیونکہ باوجود اس کی زبردست شخصیت کے اس کی سلطنت چند منتشر اور بے میل عناصر کا مجموعہ تھی اور ہمارا خیال

ہے کہ وہ اپنے بانی کے بعد زیادہ عرصے تک اپنا وجود نہیں برقرار رکھ سکے گی۔

۱۶۷۱ء میں بریلی میں جو

واقعات پیش آئے اگرچہ ان کا سیاسی معاملات سے راست کوئی تعلق نہیں تھا تاہم ان کا انگریزوں کی حکمت عملی کے عام اصولوں سے اس قدر قریبی تعلق ہے

رہسلیکھنڈ کے تنازعات

اور بریلی کی بغاوت

کہ انہیں اس جگہ خاموشی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پولیس کے مصارف کے لئے وہاں ایک معمولی محصول عائد کرنے کا جب خیال کیا گیا تو اس بناء پر ایک زبردست بغاوت ہو گئی۔ سلطنت کے دوسرے علاقوں میں اس قسم کی کارروائی ہو چکی تھی اور ابتدا میں جو مشکلات پیش آئی تھیں وہ رفع کردی گئی تھیں لیکن رہسلیکھنڈ کی آبادی اس قسم کی تھی کہ وہاں بہت سخت مخالفت کا اندیشہ تھا اور جس دن سے کہ اس محصول کی اجرائی کی کوشش کی گئی بریلی میں جو اس علاقے کا مستقر تھا شور شرابا ہو گئی اور اس کی وجہ سے پورے شہر میں بد امنی پھیل گئی۔ جن واقعات اور حالات کی وجہ سے علانیہ بغاوت کی نوبت پہونچی ان پر خاص طور سے

۱۷۔ ان واقعات اور متعلقہ کارروائی کے تفصیلی حالات حکومت بنگال کے

سرکاری کاغذات مطلقہ محکمہ عدالت و مراسلات مورخہ ۳۱ مئی ۱۸۷۲ء جولائی ۱۸۷۲ء میں درج ہیں۔

۱۸۔ صدر حکومت نے ان واقعات کی کیفیت اپنے مراسلہ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۷۲ء میں بیان کی ہے۔ اگرچہ اس میں کہیں کہیں بغاوت کے حالات بھی درج ہیں لیکن حکومت کو بالآخر کامیابی کی توقع تھی۔ فضا کیوں اس کی جو مخالفت ہوئی اُسے وہاں کے باشندوں کی اشتعال انگیز طبیعت پر محمول کیا گیا۔ علاوہ ازیں جن کاموں کا ان کے قریبی مفاد سے تعلق ہوتا ہے اُس کی بابت وہ ہمیشہ بری رائے قائم کرتے ہیں۔ الہ آباد کے حاکم ضلع مسٹر فورٹسلیو (Mr. Fortescue) کی دانشمندی اور بخیرہ طبیعت کی وجہ سے وہاں یہ محصول کامیابی کے ساتھ رائج ہو گیا۔

توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس بناوٹ کے اسباب و حالات کے متعلق تفصیلی اور نہایت مستند واقعات کثرت و وف کی پیش کردہ کیفیت میں ملتے ہیں جو حکومت کی طرف سے اس کے اسباب اور اس کی نوعیت کے متعلق تحقیقات کرنے اور تحقیق شدہ مسائل کے ہر متعلقہ امر پر اپنی رائے پیش کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ان محققین کی رائے میں چوکیداری یا پولیس کے انتظامات سے ریا عوام کے سمجھانے کے لئے جو نام بھی تجویز کیا جائے، ایک قسم کا براہ راست محصول عائد ہوتا تھا جسے ذاتی یا شخصی محصول سے بہ آسانی جدا نہیں کیا جاسکتا اور ان کے بیان کے مطابق اس قسم کے محصول سے ہندوستانیوں کو ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ سابق موقع پر جو محصول پولیس اور ایکٹ کے لئے

۱۷۔ یہ کیفیت ایک سراسر اسلہ کی صورت میں حکومت کے متقدم خاص کے نام رواد کی گئی تھی۔ (بحوالہ کاغذات متعلقہ محکمہ عدالت مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۱ء) تحقیقات کنندگان سر ایڈورڈ کولبروک Sir Edward Colebrook مشرالیٹ Mr. Elliott اور مشر پیری Mr. Perry تھے۔ ان اصحاب کے ذاتی خصوصیات اور خصوصاً ان کے لائی اور ممتاز صدر کی شخصیت کی وجہ سے ان کی پیش کردہ کیفیت نہایت قابلِ وقعت ہے۔

۱۸۔ اس میں ۱۸۷۱ء کے بنارس کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بنگال، بہار و اودیس کے اکثر بڑے بڑے شہروں میں مکانات پر محصول عاید کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ شہر بنارس میں اس کی جو مخالفت ہوئی اس کی نوعیت اور اس کے طریقوں کی طرف خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے محصول کے معاملات میں ہندوستانی رعایا کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی سوسائٹی کس طرح متقدم اور بے اثر ہے ان پر بلاشبہ برہمنوں کا بہت زیادہ اثر ہے لیکن ان کے ہر قبیلے اور ہر طبقے کے سردار کا اپنے اپنے حلقہ میں اس سے بھی زیادہ اثر ہے ایک عرصہ تک مسلم و کانیں بند ہیں لوگوں نے محنت و مزدوری کر کے اٹکا کر دیا اور اس عرصہ میں یہ لوگ اپنے اپنے سردار کے احکام کی نہایت سختی سے پابندی کرتے رہے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک فوج کی زبردست تسلیم کی مانتی میں کام کر رہی ہے۔

(۵۷۹) تجویز ہوئے تھے اور جنہیں عام مخالفت کی بنا پر مسترد کر دیا گیا تھا ان سے یہ مشابہ تھا لہذا یہ خیال کر لینا چاہئے تھا کہ اس موقع پر بھی عام مخالفت ہوگی اور پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی مخالفت کا لحاظ کرنا پڑے گا۔
 محققین اس بات پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ حاکم ضلع نے اس محصول کی اجرائی کا تمام انتظامی کام کو تو ال یعنی پولیس کے ہندوستانی عہدہ دار کے تفویض کر دیا۔ پولیس والے ہر قسم کی دھمکیاں دینے اور بجساحرکات کرنے کے عادی ہوتے ہیں جو رعایا کے اکثر طبقوں کے وقار اور عادات و خصائل کے منافی ہوتی ہیں اور ان کے لئے زیبا نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ کو تو ال مذکور پہلے ہی سے منفرد مشہور تھا۔ اس کی اس قسم کی حرکات سے اس کے خلاف ایک آگ بھڑک اٹھی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ طبقے کے پٹھان اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔
 یہ لوگ اپنے ذاتی وقار کے خلاف ہر معمولی بات کو بھی بہت محسوس کرتے تھے لہذا ایک کیمپن دیہاتی ہندو (کو تو ال) کی بابت یہی مشہور تھا کہ اسکی بدزبانی خاص طور پر ان کے تعصبات و احساسات کے خلاف تھی اگرچہ عہدے دار مذکور کی نفرت سے ایک آگ بھڑک گئی اور معاملات بہت بڑھ گئے تاہم یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ریلیکف منڈ کی پوری آبادی اور خصوصاً ہندو (۵۸۰) محصول عائد کرنے کے اس اصول کے خلاف تھے اور اسی وجہ سے اس قدر

۱۔ - امتیاس از مرسلہ عدالت بحوالہ کاغذات مذکورہ بالا۔
 صفحہ (۱۱۹) صفحہ (۶)۔

۲۔ - حکومت ہند اپنے مرسلہ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۱۷ء میں مجلس نظارہ کو سرکاری آمدنی بڑھانے کی ہدایات کا حوالہ دے کر مکانات پر محصول ماید کرنے کی تجویز کیے متعلق اپنے دلائل تفصیل سے پیش کرتی ہے اور یہ خیال ظاہر کرتی ہے کہ اس معاملے میں کسی خاص مخالفت یا استعول وجہ کی بنا پر کسی قسم کی بطنی کی ہرگز توقع نہ تھی کیونکہ:-

اولیٰ - ایک عرصے سے یہ محصول نکلنے میں جاری ہے

بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئیندہ

زبردست مخالفت ظہور پذیر ہوئی اور چونکہ بریلی اس صوبے کا دارالحکومت ہے لہذا یہیں سے اس کی ابتدا ہوئی۔

بریلی میں ہنگامہ آرا جلسوں کے منعقد ہونیکے کئی روز بعد مفتی (یعنی عدالت کے ایک خاص عہدہ دار) نے رعایا کی طرف سے حاکم ضلع کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی لیکن اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔

۱۵ اپریل کو جب کہ پولیس کے چند آدمی محصول وصول کرنے کی غرض سے ایک معمولی چیز جس کی مالیت مطلوبہ رستم کے ساوی بھی قرق کر رہے تھے تو اس کے دوران میں ان کے ہاتھ سے ایک عورت زخمی ہو گئی۔ اس واقعے سے شورش

(۵۸۱)

میں بہت اضافہ ہو گیا بہت سے لوگ اس عورت کو ایک چارپائی پر ڈال کر مفتی کے پاس لے گئے۔ جس نے حاکم ضلع کے پاس لے جانے کی صلاح دی۔ آخر الذکر نے جب ان لوگوں کو حسب قاعدہ عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کی ہدایت کی تو وہ اسے دوبارہ اپنے ہندوستانی حاکم عدالت کے پاس لے گئے۔ اس نے یہ تسن کر کہا کہ اگر حاکم ضلع کا یہی انصاف ہے تو اس شہر میں نہ کسی شخص کی جان محفوظ رہ سکتی ہے اور نہ کوئی اپنی عزت برقرار رکھ سکتا ہے لہذا اب جس قدر جلد ممکن ہو اس شہر کو خیرباد

بقیہ حاشیہ صفحہ (۴۵۷) دوسرے - ہندوستانی حکومتوں میں بھی لوگ اس قسم کے خاص محصول سے ناواقف نہیں ہیں۔ لیکن بادیو اس کے برعکس ایک خطرناک اور عام مخالفت محصول کی دکھائی دیتی ہے لہذا اس سلسلے میں حکومت کی بھی مخالفت ہے۔ برہمنوں اور سادھوؤں کے اثر سے لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کیا جاتا ہے متعاقب عہدہ داروں کے احکام کی علانیہ مخالفت کجائی ہے ایسی صورت میں حکومت کے پاس بجز اسکے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا کہ اپنے احکام و قوانین کی پابندی کرانے کے لئے فوجی قوت استعمال کرے۔

۱۶ - چونکہ اسلامی قانون کی بنیاد قرآن شریف پر قائم ہے۔ بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

کہہ دینا چاہئے۔ یہ کہنے کے بعد اس نے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں قطعاً تاخیر نہ کی اور جج سے شکایت کر نیکے لئے جو قریب ہی رہتا تھا اپنے مکان سے باہر آیا لیکن بد قسمتی سے حاکم ضلع سے ملاقات ہو گئی جو چند فوجی سپاہیوں کے ہمراہ شورش دبانے کی غرض سے شہر میں جا رہا تھا مفتی یہ افواہ سن چکا تھا کہ حاکم ضلع اسے گرفتار کرانے والا ہے لہذا اس وقت ضلع سپاہیوں کے ساتھ اسے دیکھ کر اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ اسی ارادے سے آ رہا ہے۔ سڑک پر جو جمع تھا اسے بھی یہی خیال ہوا لہذا مسلح سپاہیوں سے ان لوگوں کی ایک جھڑپ ہو گئی جس میں کئی جاہل تلف ہوئیں۔ مفتی کسی قدر زخمی ہو کر بچ گیا اور وہاں سے نکل بھاگا لیکن دو شخص جن کا ان سے قریبی تعلق تھا اور جو خاص اس کی حفاظت میں تھے ہلاک ہو گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک نے سب سے پہلے حملہ کیا تھا اور اس خیال کی بناء پر کہ حاکم ضلع اس کے مربی کو گرفتار کرنے کی غرض سے آیا ہے اس نے دو سواروں کو ہلاک کر ڈالا۔

چونکہ جمع کا شروع سے حکام کی مخالفت کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لہذا اسے بامانی منتشر کر دیا گیا لیکن اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی پر یہ خیال غالب رہا کہ حاکم ضلع اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس نے سواد شہر کی ایک مسجد میں جا کر پناہ لی اور وہاں آنحضرت کے نام کا ایک سبز علم مفتی کے ساتھیوں اور معاذوں کو اس کی حفاظت کی خاطر جمع کرنے کے لئے نصب کر دیا گیا۔

۱۸ اپریل کو حکم دیا گیا کہ ہندوستانی سپاہیوں کی فوج کے دوستے کپتان باسکیون کی کمان میں مع دو توپوں کے مسجد کو ر کے قریب متعین کر دئے جائیں۔ اگرچہ اس کا مقصد بلوہ روکنا تھا تاہم ان سپاہیوں کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۸۔ اس لئے ان کا قانون دان افسر عالم عدالت بھی ہوتا ہے اور مذہبی پیشوا بھی۔

علہ۔ بحوالہ کیفیت پیش کردہ تحقیقات کنندگان۔

لبہ۔ گفت لو کا اس حاکم ضلع کا سرکاب تھا اس کے بیان سے یہ بات واضح ہے۔

قیام گاہ کے قرب کی وجہ سے سب لوگوں کو یقین دلائق ہو گیا کہ ان کا منشاء مفتی کو گرفتار کرنا ہے۔ مفتی کی پہلے ہی بہت کافی عزت تھی۔ اس کی بزرگی۔ اس کے تقدس اور عہدے کی وجہ سے اس کی جو وقعت تھی اس کے علاوہ اب اس کی حیثیت ایک مظلوم کی سی تھی چونکہ اس نے عوام کا ساتھ دیا تھا لہذا ایسی صورت میں ہر طبقے اور ہر فرقے کا یہ فرض تھا کہ وہ اس کی حفاظت کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں۔ مفتی کے پاس جو لوگ جمع ہو گئے تھے ان سے گفت و شنید شروع کی گئی اور سمجھوتے کے لئے مختلف تجویزیں پیش کی گئیں لیکن کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے دل سے مجوزہ محصول کی مخالفت اور اس کے وصول کرنے والوں کی نفرت سب غائب ہو گئی ان کے مذہبی جذبات کو ابھار دیا گیا تھا لہذا وہ اب اپنے مذہبی جوش کے ساتھ کسی اور چیز کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ گرد و نواح کے علاقے سے جو لوگ ان کی اعانت کے لئے جوق جوق آنے شروع ہوئے ان سے اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور ان کے سرکش اور بہادر سرداروں نے بھی انھیں خوب ہی ابھارا حتیٰ کہ جن لوگوں نے ابتدائیں انھیں اس طرح آمادہ کیا تھا اب مجمع ان کے قابو سے باہر ہو گیا۔ کپتان باسکیون کی فوج پر ایک نہایت زبردست حملہ کیا گیا اور استقلال کے ساتھ اسے جاری رکھا گیا۔ اگرچہ کپتان مذکور کو تھوڑی سی کمک مل گئی تھی تاہم یہ خیال تھا کہ اس قدر کثیر مجمع کے حملے اگر اسی طرح جہارت کے ساتھ جاری رہے تو یہ فوج زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکے گی۔ خوش قسمتی سے سپہدار اور اس کے معاون افسروں کے طرز عمل اور قلیل التعداد مگر بہادر ہندوستانی سپاہیوں کے استقلال اور بڈری اور چند بے قاعدہ سواروں

۱۔ ان سرداروں میں سے ایک ذی وقار بڈن پٹمان محمد علی نامی ہے جس میں بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔

کی وفاداری، استعدادی اور جسارت کی بدولت اگرچہ ان میں سے اکثر کے عزیز و اقارب ان کے مقابلے پر موجود تھے، فوج غالب آگئی اور بدحواس مجمع منتشر ہو گیا۔ لڑائی کئی گھنٹے جاری رہی تھی اور اس میں رعایا کے تقریباً دو ہزار آدمی مجروح اور ہلاک ہوئے۔

(۵۸۴) اگر اس لڑائی کا نتیجہ کچھ اور ہوتا تو نہایت ہی درزناک منظر پیش آ جاتا۔ اس بات کے لئے کافی ثبوت موجود ہے کہ ریشیکھنڈ کے پورے علاقے میں ایک خاص قسم کے خیالات پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے اس صوبے کا ہر فرد بریلی والوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار تھا۔ ان خیالات اور خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ رعایا کو اپنی حکومت سے کوئی خاص وابستگی نہیں تھی مفقی کی حمایت میں جو صد اٹھی اس پر ہر ایک نے بے ساختہ لبیک کہا۔ جس جگہ بھی یہ صدا پہونچ سکی وہاں اس کا یکساں اثر ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں عوام کو بھڑکانے یا مذہبی جوش کو ابھارنے کے لئے محض ایک ادنیٰ اشعل کافی ہوتا ہے اور اس بات میں بھی قطعی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بریلی میں جو حالات درپیش تھے اگر ان میں کیتان باسیکون کی فوج ختم ہو جاتی تو صوبے بھر میں اس یورورپین آبادی کا جو زبردست فوجی حفاظت میں نہ تھی قتل عام ہو جاتا۔

تحقیقات کرنے والوں کو یہ بات تھی کہ وہ اپنی کارروائی بریلی کے واقعات تک محدود نہ رکھیں بلکہ کپنی کی حکومت سے شمالی ہند کے مغربی صوبوں میں جو اثرات پیدا ہوئے ہیں ان پر بھی غور کریں لہذا اس مسئلے پر انھوں نے جو رائے پیش کی ہے اس سے زیادہ کوئی دوسری رائے قابل وقعت نہیں ہو سکتی۔ ان اصحاب نے اس اہم موضوع پر جس آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے ذاتی خصوصیات اور حکومت کے اعحام کے جو اسے ان کی ذات پر تھا شایان شان ہے۔ انھوں نے جو کینیت پیش کی تھی

(۴۸۵)

اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس قابل نفرت محصول کی اجرائی کے علاوہ ہمیں کوئی دوسری وجہ اس شورش کے آغاز کی نہیں معلوم ہوتی۔ یہ محصول گریسٹیکھنڈ میں ہر جگہ بری نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ ان علاقوں میں اس قسم کے محصول یا کسی قانون کو معمول احتیاط اور قبل از قبل پوری تحقیقات اور باخبر و واقف کا عہدہ داروں کے اتفاق آراء کے بغیر جاری کرنا خلاف مصلحت ہے۔ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ان بعید صوبوں میں جہاں حکومت کو رعایا کے مختلف اور بے میل طبقوں کے عادات و خصائل - رجحانات اور تعصبات کا پورے طور پر علم نہیں ہو سکتا ایسے معاملات سے بچنے کا جن میں حکومت بغیر کسی مقول حفاظت کے پھنس جائے اور تھوڑے ہی زمانے کے بعد ان سے علیحدگی اختیار کرنے کی ضرورت محسوس ہو تینہا ذریعہ یہ ہو سکتا ہے کہ مقامی عہدہ داروں اور عدالت و مالکزادی کے خاص خاص حکام کی رائے قبل از قبل حاصل کر لی جائے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قانون کے اجراء سے قبل جس میں حکومت کا کوئی خاص مفاد نہیں نظر نہ ہو (جیسا کہ اس معاملے میں تھا) کسی طریقے سے باخبر ہندوستانیوں کے خیالات معلوم کر کے اندازہ کر لیا جائے کہ مجوزہ قانون کے عمل درآمد کا کیا اثر ہوگا۔ ایسے موقعوں پر مقامی احکام کے ذریعے سے مذکور بالا حیثیت کے لوگوں کے خیالات معلوم کئے جاسکتے ہیں اور ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایسے قوانین جو محض ہندوستانی رعایا کی حفاظت اور فائدے کی خاطر رائج کئے جائیں ان کے احساسات اور تعصبات کے خلاف تو ثابت نہیں ہوں گے

(۵۸۶)

تحقیقات کننگھم حکومت ملی تو بہ خاص طور پر اس مسئلے کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ اگر مشرقی صوبوں میں یا مغربی صوبوں کے کسی خاص علاقے میں مقامی حالات کے لحاظ سے کسی قانون کی ضرورت محسوس

ہو تو اسے بنیہ سوچے سمجھے دوسرے صوبوں میں جاری کر دینا خلاف مصلحت ہے۔ یہ اصول جو غالب نظر آتا ہے کہ برطانوی حکومت کے تمام قوانین لازمی طور پر عام ہونی چاہئیں غلط ہے۔ اپنی اس خیال کی تائید میں وہ زیر بحث معاملے ہی کو بطور مثال کے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”یہ بات صاف ظاہر ہے کہ دوسرے اضلاع کے شہروں میں چوکیداروں کے انتظامات سے خاطر خواہ فائدہ حاصل ہوا ہو لیکن بریلی میں نہ وہ صرف بے ضرورت تھے بلکہ ان سے پولیس کے سابق انتظامات میں جو شہر کی حفاظت کے لئے معقول اور وہاں کے باشندوں کے نزدیک قابل اطمینان ثابت ہو چکے تھے کمزوری واقع ہونے کا اندیشہ تھا“

ان اصحاب نے اپنی یہ رائے بھی حکومت سے پوشیدہ نہیں رکھی کہ مالگزارى و عدالتی انتظامات کا جو طریقہ رائج ہے اُسے شمالی ہند کے ممتاز طبقے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وہ اس بات کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ اکثر قوانین رعایا کے قومی خصوصیات اور معاشری خیالات کے منافی ہیں اور انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”یہ ایک مسئلہ امر ہے کہ ہماری عدالتیں ان صوبوں کے اعلیٰ طبقوں کے لئے تکلیف دہ ہیں اور ادنیٰ طبقوں کے نزدیک بھی وہ آئیہ رحمت نہیں ہیں۔ مصارف کی وجہ سے ان کی توان عدالتوں میں رسائی تک نہیں ہوتی۔ مقدمات کے فیصلے میں جو تاخیر ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ بے کار سمجھی جاتی ہیں۔“

(۵۸۷)

”و ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کے ذریعے سے ملزموں کا پتہ لگانے میں جو بڑے جاسمعدی اور بے احتیاطی برتی جاتی ہے اور اس سلسلے میں معمولی

۱۔ بحوالہ مراسلہ تحقیقات کنندگان۔ ان کا بیان ہے کہ عدالتی و مالگزارى انتظامات کی بابت جو رائے ہم نے قایم کی اور اس سے جو نفرت بتائی جاتی ہے اس کی تصدیق صوبہ کے قابل ترین حکام کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

باتوں پر جو گرفتاریاں عمل میں آتی ہیں اور خانہ تلاشیاں ہوتی ہیں ان کی لپیٹ میں اکثر ذمی مرتبہ اور باوقعت اشخاص بھی آجاتے ہیں۔ ان سب باتوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے وہ اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ان حرکتوں کا عوام پر جو اثر ہوا ہے وہ ان کے خاص مرکز سے ملکر بہت دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی توجہ مالگزاروں کے انتظامات کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ اور دواچی بندہ سب کے موافق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کی زبردست سفارش کرتے ہیں کہ جب تک دو سہ طریقہ رائج ہے مالگزاروں کو چھوڑ کرنے میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے اور جب کبھی کوئی خاص مصیبت پیش آئے یا عارضی طور پر کوئی نقصان واقع ہو تو کبھی کبھی مالگزاروں کو معاف کرنے کی طرف ہی توجہ کی جائے۔

بریلی کے فساد میں ہندوؤں کی تعداد بلاشبہ مسلمانوں سے زیادہ تھی اور ان کی برہمنی کا خاص سبب مذکورہ بالا قابل نفرت محصول تھا لیکن جیسا کہ اکثر سابق موقعوں پر ہو چکا ہے اس مرتبہ بھی ہندو رفتہ رفتہ مسلمانوں کے مذہبی احساسات کے ہمدرد بن گئے۔ ان دونوں طبقوں میں جو عام خیال ہے کہ انھیں عیسائی مذہب قبول کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اس کی وجہ سے یہ صورت پیش آ جاتی ہے۔ حکومت سے جو لوگ بدظن ہوتے ہیں وہ اس خیال کو ہمیشہ تازہ رکھتے ہیں اور جب کبھی برطانوی حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرنی ہوتی ہے تو اسی کی بدولت اتحاد قائم کر لیا جاتا ہے۔ تحقیقات کرنے والے اصحاب اس مسئلے کا بریلی کے واقعات کے سلسلے میں حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بات میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا ہے کہ حکومت ان کے مذہب کا فائدہ کرنا چاہتی ہے لہذا ان کے خیال کے موافق اگر کسی معاملے میں اس قسم کی ذرا سی جھلک بھی آ جاتی ہے تو وہ اُسے نہایت حسد اور اشتباہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر انھوں نے ہندوؤں کو بھی اس بات کا یقین دلا دیا کہ ان کا مذہب بھی معرض خطر میں ہے۔“

چند لوگوں کو جن پر یہ شبہ تھا کہ انھوں نے فساد میں نمایاں حصہ لیا تھا گرفتار کر لیا گیا اور ان پر فوجداری مقدمہ چلایا گیا لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ ثبوت ناکافی ہونے کی وجہ سے سب رہا کر دیئے گئے۔ البتہ صرف ایک نو عمر جاہل شخص کا جرم ثابت ہوا مگر اسے بھی معاف کر دیا گیا۔ تمام باشندوں کو بجز خاص خاص سرغنوں کے جو شروع ہی میں شہر سے فرار ہو گئے تھے معاف کر دیا گیا اور امن کا اعلان ہو گیا۔

بریلی میں جو واقعات پیش آئے اگر انھیں دماغ سے نکال کر ہم اس بات پر غور کریں کہ رعایا کی ایک ایسی کثیر تعداد سے جو حکومت سے بدظن مسلح اور مذہبی جوش سے مغلوب تھی اس قسم کے جرائم سرزد ہونے نہیں کہیں کی سی حکومت پر کہ معاف نہیں کر سکتی تھی تو مذکورہ بالا واقعات کے مطالعے سے ہمیں سخت تعجب ہو گا لیکن اس قسم کے واقعات آئندہ پیش آنے کا ہمیشہ امکان رہنے کا لہذا اگر صحیح طریقہ پر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے متعدد تعلیمات حاصل ہوں گے اور ان پر پورے طور سے توجہ کرنے کے بعد ہی ہم اپنی ہندوستانی سلطنت کے برقرار رکھنے کی توقع کر سکتے ہیں۔

مارکوس ہسٹنگز کے دور کے سیاسی واقعات کا ذکر ختم کرتے ہوئے اس کے ان تمام کاموں پر جو پہلے بیان ہو چکے ہیں مزید رائے زنی کرنے کا خیال نہیں ہے۔ جس طرح اس نے نیپال کے خلاف جنگ میں مستعدی و دانشمندی ظاہر کی اس طرح کامیابی کے بعد جو ریاست مذکور کے خلاف حاصل ہوئی نہایت اعتدال اور حکمت عملی سے کام لیا۔ پٹاریوں کے ہر سال کے حملوں سے جو کمپنی کے علاقے پر ہوتے رہتے تھے اور مرہٹوں کے خاصانہ اتحاد کا پتہ لگنے کے بعد جو بار بار قائم ہوتا رہتا تھا اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اول الذکر کا خاتمہ کرنا اور آخر الذکر کو ان کے اس مسلک سے ہٹانا ناممکن ہی ہے خواہ وہ گفت و شنید سے

مارکوس ہسٹنگز کے دور کے
ایک نظر
(۱) غنیوں پر غلبہ۔

ہو یا جنگ کے ذریعہ سے کیونکہ جب تک اس کا سلسلہ باقی رہے گا ہندوستان میں مستقل طور پر امن قائم کرنے کی ہر کوشش ناکام رہے گی لیکن اس کام کی مصلحت و ضرورت کی بابت کامل یقین ہونے کے باوجود اس نے اپنی طرف سے کوئی فعل ایسا سرزد نہیں ہونے دیا جس کی وجہ سے وہ خطرات جو اُسے اٹل معلوم ہوتے تھے قبل از وقت پیش آجائیں۔ حملہ آوروں کو مزادینے اور اپنی رعایا اور اپنے حلیفوں کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ جو کارروائی ضروری سمجھتا تھا اس کی انجام بالا سے اس نے منظور کی حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ حاصل ہو گئی۔

(۵۹۰) لارڈ ہسٹنگز نے جب اپنی زبردست اور عاقلانہ حکمت عملی پیش کی تو اس نے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا کہ انگلستان میں حکام بالاکو پور سے واقعات سے آگاہی ہو جائے اور اس وسیع موضوع کے ہر پہلو پر اس کے جو خیالات ہیں ان سے بھی وہ واقف ہو جائیں۔ یہ سب باتیں اس کے ایک قافلہ مارسلے میں نہایت وضاحت کے ساتھ درج ہیں جس میں اس نے سلطنت کی گذشتہ اور موجودہ حالت کی نہایت جامع کیفیت پیش کی ہے۔ اول ان مختلف طریقوں کو بیان کرنے کے بعد جن کے ذریعہ سے قوموں کو محکوم بنایا جاتا ہے یا آپس میں ایک دوسرے سے قریبی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں وہ ان تمام اصولوں پر تفصیلی بحث کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ برطانوی حکومت کی انوکھی حالت پر ان کا کس حد تک اطلاق ہو سکتا ہے۔ بعدہ وہ سابق تجربوں سے نتائج اخذ کرتا ہے اور بالآخر مارکوئس ویلزلی کی حکمت عملی اور اس کی دانشمندی پر اپنا اعتقاد ظاہر کرتا ہے اور ناقابل تردید واقعات پیش کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے خلاف طریقہ عمل اختیار کر کے ہم نے نہ صرف اپنی مشکلات میں اضافہ کر لیا ہے بلکہ ہندوستان کے سب سے زیادہ زرخیز صوبوں میں جنگ بھارتیگری روا کر دی ہے اور یہ سب نتیجہ اس بات کا ہے کہ ہمیں مقتدر اعلیٰ کی حیثیت سے جو زبردست قوت حاصل ہے اس کا استعمال ہم نے ترک کر دیا ہے۔ اور اس جدید طریقہ عمل کو

برقرار رکھنے کی جو کوشش حال میں کی گئی ہے اس سے متعدد خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن سے ہمیں بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ گذشتہ چند سال ہیں کسی اہم واقعات سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہے کہ یہ طریقہ عمل جتنا کہ دو مہری ریاستوں کے امن و استحکام کے منافی ہے اسی قدر ہمارے مقبوضات کے امن و امان اور حفاظت کے بھی خلاف ہے۔

(۵۹۱) اس زبردست پیروی کے باوجود حکام بالا غالباً انگلستان سے کسی ایسے کام کی ہرگز منظوری نہ دیتے جس میں جنگ کا خطرہ ہو تا کہ نڈاریوں کی روز افزوں دست درازیوں نے گورنر جنرل کی پیشین گوئیوں کو صحیح ثابت کر دکھایا اور حکام بالا یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اب زیادہ تحمل کی گنجائش نہیں ہے۔ برطانیہ کا نام برقرار رکھنے اور اپنی رعایا کی حفاظت کرنے کے لئے جو ہم پر اس لگائے بیٹھی ہے سختی سے کام لینے اور اور فوجی قوت استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ خود نظا کے الفاظ ہیں۔

لارڈ ہسٹنگز نے اس طرح اپنے حکام بالا کی زبردست تائید حاصل کرنے کے بعد لارڈ ویلنگٹن کے سب کاموں کو اسی میدان میں

مارکوئس ہسٹنگز کی حکمت عملی کی کامیابی۔

یا یہ تکمیل پہنچا دیا جہاں بارہ سال قبل ان کی کامیابی ترقی روک دی گئی تھی۔ جس خوبی سے اس کام کا آغاز ہوا تھا اسی پر اس کا انجام ہوا۔ گورنر جنرل نے اس کی تکمیل کے لئے جو زبردست وسائل جمع کئے تھے ان کے استعمال میں اور فتح حاصل کرنے اور حاصل ہونے کے بعد اس سے استفادہ اٹھانے میں یہ حیثیت ایک سپہ دار و مدبر کے اعلیٰ جوہر نمایاں کئے۔

لارڈ ہسٹنگز کے دور حکومت کے ختم پر انگریزوں کی جو حیثیت تھی وہ اس سے بہت مختلف تھی جو لارڈ ویلنگٹن

برطانیہ کا ہندوستان میں اتصال و اقتدار۔

کے ہندوستان پہنچنے کے وقت تھی۔ کپہنی کے علاقوں میں معقول اضافہ ہوا۔ اس کی آمدنی میں ترقی ہوئی۔ پنڈاریوں کا خاتمہ ہوا پیشوا کو اپنے تخت و تاج کو خیر باد کہنا پڑا۔ اور دریائے گنگا کے ساحل پر جو مقام اس کے لئے تجویز کیا گیا وہاں قیام کرنے پر وہ مجبور ہوا۔ سلطنت ناگپور برطانوی حکومت کے تحت آگئی۔ صرف سندھیا ایک ایسا حکمران تھا جس کے وسائل میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے اپنے افعال سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کے تمام بلند حوصلے ختم ہو چکے ہیں۔

مرہٹے اپنے احساسات اور اپنے مسلک۔ اپنی لوٹ مار کی عادت اور اپنے طریقہ جنگ کی وجہ سے جس میں غارت گری خاص طور پر شامل تھی اور جس پر ان کی پوری حکومت کی بنیاد قائم تھی۔ برطانوی قوت کے حقیقی دشمن تھے۔ جن دو حکومتوں کے مقاصد اور اصول میں ہمیشہ تصادم ہوتا رہا ہے ان میں کبھی مستقل طور پر صلح نہیں ہو سکتی۔ اس قوم کی قوت کو پہلے لارڈ ویلنگٹن نے ایک زبردست صدمہ پہنچایا۔ اور اس کا خاتمہ لارڈ ہسٹنگز کے ہاتھ سے ہونے والا تھا۔ اس قوم کے باقی ماندہ سرداروں سے جو معاہدے ہوئے ان سے اس کی توثیق بھی ہو گئی ہے اور ان کے دائرہ عمل کو اس قدر زیادہ محدود کر دیا گیا ہے کہ اب وہ مثل سابق ہندوستان کے عام امن میں قطعی خلل انداز نہ ہو سکیں گے۔

جب پنڈاریوں اور مرہٹوں سے جنگ ختم ہوئی تو لارڈ ہسٹنگز نے برطانوی حکومت کی شہنشاہی کا اعلان کرنے میں قطعی پس و پیش نہیں کیا کیونکہ بلاشبہ اب وہی اس کی مالک تھی اور جس طریقے سے ہندوستان کے ہر فرد اور ہر سردار نے اس اعلان کا استقبال

۱۔ اس انوکھی قوم کی حکومت کے اصولوں کے لئے ملاحظہ ہو
وسط ہند، صفحہ (۳۶۱)، جلد اول۔

کیا جسکی رو سے مہمئی پر عام امن برقرار رکھنے کی ذمہ داری عاید ہوتی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ کس قسم کی نعمتوں کی توقع کیجاتی ہے جن اصول پر اس اقتدار اعلیٰ کی بنیاد قائم کی گئی تھی (۵۹۳) وہ ایک دوسری کتاب میں توضیح سے درج ہیں۔ یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ کمزوری و شکیری۔ زبردست کی سرکوبی اور جن پر نہیں اقتدار و اثر حاصل ہے ان سب کی فلاح و بہبودی اور خوشحالی کی ترقی اس کے خاص مقاصد ہیں۔

لارڈ ویسٹمنسٹر، گورنر جنرل کے عہد سے پندرہ سال فائزر رہنے کے بعد ۱۸۶۳ء میں انگلستان واپس ہوا۔ اسکے دور کے چند غیر اہم امور کی بابت اختلاف آرا رپایا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اگر انھیں حق بجانب تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی ان کاموں کی نوعیت ایسی نہیں ہے جسکی وجہ سے اس تحسین و افریں میں ذرہ برابر بھی فرق آسکے جو اسکے دور کے تمام اہم سیاسی کاموں پر کیجاتی ہے۔

تَمِی

صحت نامہ سیاسی تاریخ ہند

جلد اول (میلکم)

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۹	۲۲	اہم وصول	۹۶	۱۹	وفادار ہے گا	۲	صحیح
۲۵	۲۰	قیام کی	۱۰۲	۱۶	کڑا	۳	غلط
۳۱	۱۳	خطر	۱۰۶	۲۳	سندھیا	۴	غلط
۳۴	۲	مذہب	۱۰۹	۹	منزل	۵	غلط
۴۰	۷	کشتہ	۱۱۳	۲۴	سردار	۶	غلط
۴۳	۱۹	عقلندی	۶۲۸	۱۰	دونوں کی ضرورت	۷	غلط
۴۴	۱۵	کارنولس			بیلین کی فرخزین	۸	غلط
۷	۲۱	اصطلاحات	۱۴۶	۵	سرجان خور	۹	غلط
۵۸	۲۳	کے	۱۵۲	۲۵	عمل میں	۱۰	غلط
۶۰	۳	کرنے کے لئے	۱۵۳	۱۳	کرتا تھا	۱۱	غلط
۶۷	۱۷	ضروری تیاری	۱۶۷	۹	پر	۱۲	غلط
۷۱	۶	بتا چلتا	۱۹۰	۲۱	مفتوحہ	۱۳	غلط
۷۶	۵	مصالحوں	۲۳۲	۱۳	حفاظت سے	۱۴	غلط
۷	۱۰	مارتا تھا	۲۳۴	۲۲	ہدایت	۱۵	غلط
۸۰	۸	عرض سے	۲۴۷	۲۳	اویاسی	۱۶	غلط
۷	۱۲	آپ نو	۲۵۰	۱۴	لے	۱۷	غلط

صحیح	غلط	۲	۱	صحیح	غلط	۲	۱
۴	۳	۲	۱	۴	۳	۲	۱
دلزلی	دلزکی	۱۶	۳۳۶	دریائے جمیل	دریائے جمیل	۱۶	۲۶۸
لارڈ	لاڑ	۵	۳۵۷	اودے پور	اودے	۴	۲۷۵
میں	نہیں	۴	۳۸۴	بے سود	لے سود	۴	۲۸۹
فرماں ردا	فرماں راؤ	۲	۳۹۴	وصول	اصول	۲۱	=
جنگسن	جنگسن	۷	۳۹۹	یک تخت	ایک سخت	۷	۲۹۰
جو فوائید	د فوائید	۲	۴۲۸	X	کو	۴	۲۹۶
X	سے	۱۶	۴۶۲	دس ہزار سوار	دس ہزار	۶	۳۱۳
معروض	معروض	۲۵	=	نا اہل	تا اہل	۴	۳۳۲

— — — — —

